بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين إياك ن

عين اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم

ولا الضالين — آمين -

ن الله جميل ويحب الجمال . إن الله على كل شيء قدير .

لا إله إلا الله محمد رسول الله

الله

الله

الله

الله

مظہر العلوم الجلی والخفی قدوۃ السالکین امام المتقین زبدۃ العارفین

حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کی

شہرہ آفاق منبع تہذیب و اخلاق مخزن تصوّف و معرفت کاشف اسرار شریعت و حقیقت

فارسی تصنیف

کشف المحجوب

کا عام فہم آسان اردو ترجمہ

مسمّٰے بہ

اَلطَّرِیْقُ الْمَحْبُوْبُ

از

حضرت مولانا مفتی حکیم غلام معین الدین صاحب نعیمی

ناشر:۔ صاحبزادہ رؤف احمد صاحب نوشاہی قادری

ناظم سنی دار الاشاعت اسلام گنج لاہور ۲

ملنے کا پتہ:۔ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور

بار اوّل — ایک ہزار جلد

قیمت مجلد اعلیٰ کاغذ — آٹھ روپے

قیمت غیر مجلد اعلیٰ کاغذ — سات روپے

پنجاب پریس لاہور

فہرست مضامین کشف المحجوب مترجم

حکایت نوجوانے از مرو کہ پیش حضرت سیّد مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ آمدہ از ستم اعدا فریاد کرد

سیّد ہجویر مخدوم امم / مرقدِ او پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت / در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد / حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب / از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت / صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصدِ طیارِ عشق / از جبینش آشکار اسرارِ عشق
داستانے از کمالش سر کنم / گلشنے در غنچۂ مضمر کنم
نوجوانے قامتش بالا چو سرو / واردِ لاہور شد از شہرِ مرو
رفت پیشِ سیّدِ والا جناب / تا رباید ظلمتش را آفتاب
گفت محصورِ صفِ اعداستم / درمیانِ سنگہا میناستم
با من آموز اے شہِ گردوں مکاں / زندگی کردن میانِ دشمناں
پیرِ دانائے کہ در ذاتش جمال / بستہ پیمانِ محبت با جلال
گفت اے نامحرم از رازِ حیات / غافل از انجام و آغازِ حیات
فارغ از اندیشۂ اغیار شو / قوتِ خوابیدہ بیدار شو
سنگ چوں بر خود گمانِ شیشہ کرد / شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد
ناتواں خود را اگر رہرو شمرد / نقدِ جانِ خویش با رہزن سپرد
تا کجا خود را شماری ماء و طین / از گلِ خود شعلۂ طور آفرین
با عزیزاں سرگراں بودن چرا / شکوہ سنجِ دشمناں بودن چرا
راست می گویم عدو ہم یارِ تست / ہستیِ او رونقِ بازارِ تست
ہر کہ دانائے مقاماتِ خودی است / فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است

کشتِ انسان را عدو باشد سحاب — ممکنانش را برانگیزد ز خواب
سنگِ رہ آب است اگر ہمت قوی است — سیل را پست و بلندِ جادہ چیست
سنگِ رہ گردد فسانِ تیغِ عزم — قطعِ منزل امتحانِ تیغِ عزم
مثلِ حیوان خوردن آسودن چہ سود — گر بخود محکم نہ بودن چہ سود
خویش را چون از خودی محکم کنی — تو اگر خواہی جہان برہم کنی
گر فنا خواہی ز خود آزاد شو — گر بقا خواہی بخود آباد شو
چیست مردن؟ از خودی غافل شدن — تو چہ پنداری فراقِ جان و تن؟
در خودی کن صورتِ یوسف مقام — از اسیری تا شہنشاہی خرام
از خودی اندیش و مردِ کار شو — مردِ حق شو حاملِ اسرار شو
شرحِ راز از داستانہا می کنم — غنچہ از زورِ نفس وا می کنم

"خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران"

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مخدوم شیخ ابوالحسن علی ہجویری جلابی ثم لاہوری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور آفاق تصنیف کشف المحجوب (فارسی) اپنے موضوع کے لحاظ سے بے مثل ولاجواب کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ جہاں صوفیاء کے لئے مرشد و ہادی کا کام دیتا ہے وہاں عوام اہل سنت کے لئے بھی بے حد ایمان افروز ثابت ہوتا ہے۔ اس کے پڑھنے سے دل میں ذوق پیدا ہوتا ہے، صوفیاء، اولیاء و صحابہ کرام اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کا جذبہ پیدا ہو کر ان کی پیروی کی توفیق ملتی ہے۔ اور اس کتاب کو بار بار پڑھنے سے جی نہیں اکتاتا بلکہ ہر بار پڑھنے سے نئے نئے رموز و اسرار منکشف ہوتے ہیں۔

یہ مفید ترین کتاب جو کفر و ضلالت کے اثرات کو زائل کر کے نور ہدایت و انوار ایمان سے قلوب کو منور کر دیتی ہے فارسی زبان میں ہے۔ اس لئے اردو دان طبقہ اس سے مستفیض نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے متعدد تراجم بازار میں ملتے ہیں۔ مگر یا تو ان کی زبان پرانی ہے یا ترجمہ صحیح نہیں ہو سکا۔ اور بعض ایسے ترجمے بھی ملتے ہیں جن کے مترجم صحیح العقیدہ سنی نہیں اور انہوں نے قطع و برید سے کام لیا ہے اور اصل کتاب کے بعض حصے ترجمہ کرتے وقت حذف کر دیئے ہیں۔

اندریں حالات حضرت مخدوم شیخ طریقت پیر سید محمد معصوم شاہ صاحب گیلانی نوری قادری سجادہ نشین سادہ چوک شریف ضلع گجرات حال مقیم لاہور کے حسب الایماء حضرت مولانا مفتی غلام معین الدین صاحب نعیمی قادری نے یہ ترجمہ کیا جو متعدد اردو تراجم سے بہتر ہے اور اس میں حضرت مصنف کی صحیح صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے تاکہ قارئین با آسانی سمجھ سکیں، اور حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے مستفیض ہو سکیں۔

یہ ترجمہ "سنی دار الاشاعت" لاہور شائع کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ ترجمہ قبول ہو اور اس کے پڑھنے والے ہدایت پائیں۔
"سنی دار الاشاعت" مسلک حقہ اہل سنت و جماعت اور مشرب صوفیاء صافیہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اس سے قبل یہ ادارہ متعدد کتب اور قرآن مجید مترجمہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی شائع کر چکا ہے اور آئندہ کے اشاعتی پروگرام میں بڑی بڑی ضخیم اور اہم کتب شامل ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو زیادہ سے زیادہ اہل سنت کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

رؤف احمد نوشاہی نوری قادری
۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۵ سنہ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کے مختصر

سوانح حیات

از قلم

پروفیسر عبدالصبور صاحب قریشی ایم۔ اے شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور

حکایت زرخ آں یارِ دل نواز کنیم ٭ بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

ہندوستان جو ظلمت کدۂ کفر و ضلالت تھا اگرچہ بادشاہوں کے ورود سے اسلام کو اعلانیہ داخلہ تھا۔ ان بادشاہوں میں ایسے بھی تھے کہ جو صرف دنیاوی طور پر ہی ہمیں ہندوستان میں لاتے رہے۔ اور ایسے بھی تھے جو فتوحات کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے یا اس کے مواقع مہیا کرتے رہے۔ اس لئے ان کی اسلامی خدمات زندگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر بغیر کسی لالچ یا ذاتی مفاد کے جنہوں نے تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا اور اس ملک کے دلوں کو اپنے نور باطن سے مسخر کر کے منور فرمایا وہ صوفیائے کرام ہی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف غیر مسلموں کو دولتِ اسلام سے مالا مال کیا بلکہ جو مسلم ہو چکے تھے اور بادشاہوں کے عقائد کی خرابیوں کو بھی دور کرتے رہے۔ یہ دین کی حمایت میں زندگی کے ہر شعبہ میں کفر و ضلالت کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ مصائب و تکالیف صعوبتیں برداشت کیں لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی مقبول کو ہر موقع پر فتح عطا فرمائی۔ ان بزرگان کی سعی مشکور کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم پاک و ہند میں ایک خدا کی پرستش کر رہے ہیں۔ اور اس کے نبی اور آخری رسول حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے رہے ہیں۔ اپنے نفس سے جہاد کرنے والے اور خود اپنی [illegible] اخلاق سے گرویدہ کرنے والے [illegible] ان کے سرخیل حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ اس جلیل القدر مبلغ اسلام اور معلم ولایت کے تفصیلی حالات زندگی کو ان کے معاصرین نے محفوظ نہ کیا اور بعد میں بھی اس سلسلہ میں جو کام کیا گیا وہ بھی نامکمل ہے۔ راقم الحروف نے ذیل میں بطور زیارت حضرت علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات زندگی جو بھی مل سکے تحریر کئے ہیں۔

نام و نسب | حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی **سید علی** رحمۃ اللہ علیہ اور کنیت **ابو الحسن** ہے۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی سید **عثمان** ہے۔ آپ حسنی سید ہیں۔ شجرہ نسب بعض تذکروں میں یوں درج ہے۔ سید علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبد الرحمان بن سید شاہ شجاع بن سید ابو الحسن علی بن سید حسن اصغر بن سید زید شہید بن سیدنا امام حسن بن سیدنا علی المرتضے رضی اللہ عنہم۔ مگر پیر غلام دستگیر نامی مرحوم لاہوری جو ماہر علم الانساب تھے، تاریخ جلیلہ میں آپ کا شجرہ نسب یوں لکھتے ہیں:۔

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبد الرحمان بن سید عبد اللہ بن سید

ابوالحسن علی بن سید حسن اصغر بن سید زید بن سیدنا حضرت امام حسن بن سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم (تاریخ جلیلہ تحفہ ناصی صاحب طبع دوم ص۳۰۴) ناصی صاحبؒ نے سید شاہ شجاع کی بجائے سید عبداللہ نام درج کیا ہے اور حضرت سید زید کو شہید نہیں لکھا۔

چنانچہ وہ مقدمہ کشف المحجوب مطبوعہ ملک دین محمد کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ زید جو شہید ہوئے وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ لہٰذا شہید کا لفظ یہاں غلط ہے۔ یعنے سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید نے شہادت نہیں پائی تھی۔

مولد و مسکن

آپ شہر غزنی کے رہنے والے تھے ہجویر اور جلاب غزنی کے دو محلے تھے۔ آپ محلہ ہجویر میں پیدا ہوئے اور جلاب میں نشو و نما پائی۔ کہتے ہیں جلاب میں آپ کے ننھیال تھے اور ہجویر میں آپ پیدا ہوئے ان محلوں سے آپ کا جو تعلق تھا اس کی بنا پر آپ ہجویری اور جلابی کہلائے۔

خاندان

آپ کا خاندان غزنی میں نہایت معزز و محترم تھا۔ وہاں کے عوام و خواص آپ کے بزرگوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور ان کے آستانوں پر اپنے سروں کو عجز و نیاز سے جھکانا باعث سعادت خیال کرتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عبادت گزار سیدہ خاتون تھیں۔ ان کا نسبی تعلق حسینی سادات سے تھا۔ آپ کے ماموں تاج الاولیاءؒ کے معزز لقب سے مشہور تھے۔ چنانچہ دارا شکوہ جب پہلی مرتبہ اپنے والد شاہجہان کے ہمراہ افغانستان کی سیاحت کے لئے گیا، تو وہ روحانی فیوض و برکات کے حصول کی غرض سے ان کے مزار پر انوار پر بھی حاضر ہوا تھا بقول دارا شکوہ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کے ساتھ ان کی ہمشیرہ یعنے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ رحمہا اللہ کی مرقد مبارک بھی تھی۔

ولادت باسعادت

آپ کے کسی ہم عصر اور قریب العہد تذکرہ نگار نے آپ کی تاریخ پیدائش نہیں لکھی۔ عصر حاضر کے بعض مؤرخین نے اندازے سے سن ولادت تحریر کیا ہے لیکن تاریخی حقائق اندازے سے وضع نہیں کئے جا سکتے۔ مولانا پروفیسر علم الدین صاحب سالک نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت سلطنت غزنی کے ایام شباب میں ہوئی اور یہ سلطان محمود غزنوی کے آخری ایام حکومت یا سلطان مسعود غزنوی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ سالک صاحب بھی اگرچہ صحیح تاریخ اور سن کا تعین نہیں کر سکے مگر ان کا بیان تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو درست معلوم ہوتا ہے۔

کشف المحجوب کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے علمی ذوق اور شوق عبادت تھا۔ آپ ریاضتیں کرتے مشقتیں اٹھاتے اور سنت کے اتباع میں کوشاں رہتے۔ آپ دنیا اور دولت دنیا سے دور رہتے۔ آپ ہمیشہ یاد الٰہی اور ذکر و فکر میں مشغول و مصروف رہتے۔

سیاحت

حضرت مخدوم داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حصول علم و عرفان کے لئے کئی طویل سفر اختیار کئے۔ اور سفر کی مصیبتوں اور صعوبتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ چنانچہ انہوں نے شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، قہستان نیز آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر تا اقصائے ترکستان، اور ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ ان مقامات کے علماء و فضلاء اور صوفیائے کرام کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کی۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں فقط خراسان میں تین سو مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی صحبت میں رہا۔

اساتذہ کشف المحجوب میں آپ نے اپنے اساتذہ و شیوخ کا کئی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ جن میں سے شیخ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوالقاسم علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی بڑے ادب و احترام کے ساتھ لکھے ہیں۔

بیعت آپ سلسلہ جنیدیہ میں مرید تھے حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی کے اور وہ مرید شیخ ابوالحسن حصری کے، وہ مرید حضرت شیخ ابوبکر شبلی کے اور وہ مرید حضرت جنید بغدادی کے اور وہ مرید حضرت شیخ سری سقطی کے اور وہ مرید حضرت معروف کرخی کے اور وہ مرید حضرت داود طائی کے اور وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے اور وہ مرید حضرت خواجہ حسن بصری کے (رحمۃ اللہ علیہم) اور وہ مرید حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اور وہ مرید تھے سرورِ کائنات فخرِ موجودات سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے۔

حضرت شیخ ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے کسبِ فیض کیا ان میں سے حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اور امام ابوالقاسم قشیریؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مذہب و مشرب آپ مذہباً حنفی اور مشرباً جنیدی تھے۔ آپ کو سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت خاص تھی۔ آپ اپنی تحریروں میں امام موصوف کا ذکر بڑے شایانِ شان القاب کے ساتھ کرتے ہیں چنانچہ امام امامان، مقتدائے سنیاں، شرفِ فقہاء و عزِ علماء وغیرہ القاب آپ کے لئے مختص فرمائے ہیں۔ حضرت امام ہمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ نے جو خواب کشف المحجوب میں تحریر فرمایا ہے نہایت ایمان افروز ہے۔

لاہور میں ورود آپ اپنے مرشدِ کامل حضرت خواجہ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو دوست شیخ احمد حسی اور شیخ ابوسعید ہجویری بھی تھے۔ مبلغین اسلام کا یہ مختصر سا قافلہ منزل بہ منزل تبلیغِ اسلام کرتا ہوا لاہور پہنچا جب یہ حضرات لاہور پہنچے تو اس وقت سلطان مسعود غزنوی بن سلطان محمود غزنوی کا دورِ حکومت تھا۔ (۴۲۱ھ تا ۴۳۲ھ)۔

تصانیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے آپ کی حسبِ ذیل تصانیف کا پتہ چلتا ہے :-

(۱) دیوان (۲) منہاج الدین (۳) کتاب الفناء والبقاء (۴) اسرار الخرق والمؤنات (۵) کتاب البیان (۶) بحر القلوب (۷) الرعایۃ لحقوق اللہ (۸) شرح کلام منصور حلاج (۹) کتاب اندر بیانِ ایمان۔

افسوس کہ ان میں سے ایک کتاب بھی نہیں ملتی۔ یہ کتابیں زمانہ کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ کئی کتابیں تو مصنف علیہ الرحمۃ کے عین حیات میں ہی سرقہ ہو گئیں، اور بعض کمینہ خصلت لوگوں نے آپ کا نام حذف کرکے اپنا نام رقم کر لیا۔ اس کا حال آپ نے کشف المحجوب کے آغاز میں تحریر کیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسالہ "کشف الاسرار" بھی آپ کی تصنیف ہے مگر حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری نے اس کی پُرزور تردید کی ہے لکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ (رسالہ کشف الاسرار) کسی نے آپ سے منسوب کر دیا ہے، کیونکہ اس میں بعض باتیں بالکل سطحی سی درج ہیں جن کو حضرت موصوف کی طرف منسوب کرنا ان پر افتراء سے کم نہیں۔ غرضکہ اس وقت دنیا میں آپ کی ایک ہی تصنیف کشف المحجوب

موجود ہے۔" (آپ بیتی نمبر نقوش لاہور صفحہ ۱۵۳۷)"

حق یہ ہے کہ کشف الاسرار کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو حکیم صاحب موصوف کے دعوے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے،

کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کشف المحجوب تصوف اسلام کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے اور فارسی میں تو یقیناً یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصہ میں تصنیف فرمائی اور اس کے بعد کوئی اور کتاب نہیں لکھی۔ کشف المحجوب تصوف پر لاجواب و بے مثل کتاب ہونے کے علاوہ علم اخلاق کا بھی بہترین گنجینہ ہے۔ اس کو ہر دور کے علماء و صوفیاء نے بنظر استحسان دیکھا ہے اور اس کے مطالعہ سے بے شمار فوائد حاصل کرتے رہے ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی حضرت شیخ علی ہجویری قدس سرہ العزیز کے حالات کے ذیل میں "نفحات الانس" کے اندر تحریر فرماتے ہیں:-

"عالم و عارف بود۔ ۔ وصحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است، صاحب کتاب کشف المحجوب است
کہ از کتب معتبر و مشہورہ دریں فن است و لطائف و حقائق بسیار دراں کتاب جمع کردہ است" (نفحات الانس ۳۵)

مفتی غلام سرور لاہوری "خزینۃ الاصفیاء" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"شیخ علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب از مشہور و معروف ترین کتب وے است
و ہیچ کس را برو جائے سخن نے، بلکہ پیش ازیں کتب تصوف ہیچ کتابے بزبان فارسی تصنیف نشدہ بود" (ص ۲۳۲)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ان سب آراء سے قیمتی اور اہم ہے۔ "فوائد الفواد" میں لکھا ہے:-

"جس کا کوئی مرشد نہ ہو اُسے اِس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا"

حضرت سلطان المشائخ کے ایک غیر مطبوعہ ملفوظ "درِ نظامی" میں یہاں تک لکھا ہے:-

"وے فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسے را پیرے
نہ باشد، چوں ایں کتاب را مطالعہ کند او را پیدا شود ۔ ۔ من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام"
(بحر التصوف اسلام ص ۳۷)

غرض کہ کشف المحجوب کے مطالعہ سے بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء و اصفیاء کے علاوہ علماء و فضلاء بھی مستفید ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی اس چشمہ فیض سے تشنگانِ علوم طریقت و حقیقت اپنی تشنگی کو دور کرتے رہیں گے۔ کشف المحجوب کتب تصوف میں سے اس لحاظ سے بالکل واحد ہے کہ اس کی اشاعت اس قدر زیادہ ہو چکی ہے کہ کسی دوسری تصوف کی کتاب کو یہ فخر حاصل نہیں ہو سکا۔ پاک و ہند میں اس کے متعدد فارسی ایڈیشن شائع ہوئے اور تراجم تو بے شمار نشر ہوئے۔ علمائے فرنگ میں سے ڈاکٹر نکلسن نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کر کے یورپ والوں کو اس کتاب سے روشناس کرایا۔ سمرقند سے اس کا ایک نہایت صحیح ایڈیشن شائع ہوا۔ اور روس کے مستشرق پروفیسر ژوکوفسکی

نے بڑی محنت، لیاقت اور قابلیت کے ساتھ اس کے متن کی تصحیح کی اور ضروری حواشی کے ساتھ چھپوایا۔ پروفیسر موصوف کی یہ محنت نہایت ہی قابلِ قدر ہے۔

گنج بخش

آپ گنج بخش کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لقب سے ملقب ہونے کا واقعہ کتب تاریخ و سیر میں یوں لکھا ہے کہ جب سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار اقدس پر چلّہ کش ہوئے تو حضرت شیخ ہجویری نے ان پر بے پایاں لطف و کرم فرمایا۔ حصولِ فیض کے بعد بوقت روانگی حضرت خواجہ صاحب کی زبانِ فیض ترجمان پر یہ شعر جاری ہوا ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہ نما

حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ شعر نکلا اور "گنج بخش" آپ کا لقب ہو گیا۔ اور یہ لقب آپ کے نام سے زیادہ شہرت پا گیا چنانچہ آج حضرت کو زیادہ تر اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لقب کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتے ہیں جن کے قلب منور ہیں۔ یا جنھوں نے گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دریائے جود و عطا سے اپنی روحوں کی تشنگی دور کی ہے۔ بعض لوگوں نے کشف الاسرار (منسوب) کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کی زندگی میں ہی "گنج بخش" کہا جانے لگا تھا۔ اور آپ نے اس لقب کو ناپسند فرمایا تھا۔ مگر ہمارے نزدیک یہ استدلال بالکل لغو اور غلط ہے۔ کیونکہ کشف الاسرار حضرت کی تصنیف ہی نہیں ایک جعلی اور منسوب کتاب سے حوالے پیش کرنا تحقیق سے بہت دور کا ہے۔

تاریخ وصال

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے سالِ وفات کے متعلق مورخین میں قدرے اختلاف ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں دو روایتیں درج ہیں ایک ۴۵۶ھ اور دوسری میں ۴۶۴ھ سالِ وصال بتایا گیا ہے۔ مآثر الکرام آزاد بلگرامی، خزینۃ الاصفیا، حدیقۃ الاولیاء ۴۶۵ھ بتاتے ہیں۔ کشف المحجوب کے انگریزی مترجم نکلسن نے ۴۶۵ھ سے ۴۶۹ھ کے درمیان وفات مانی ہے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے، اس کا آخری شعر یہ ہے ؎

او کہ سردار ملک معنیٰ بود
سالِ وصلش برآمد از سردار
۴۶۵

گویا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ بھی تاریخ وصال ۴۶۵ھ تحریر فرماتے ہیں۔ سب سے زیادہ صحیح یہی سن وصال معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مزار شریف

آپ کا مزار پُرانوار بھاٹی دروازہ کے باہر جانب مغرب واقع ہے جہاں شب و روز حاجت مند زائرین کا ہجوم رہتا ہے آپ کے مزارِ مقدس پر مسلم، غیر مسلم، غریب، امیر، فقیر، بادشاہ، ولی، قطب، غوث سب ہی نہایت عقیدت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ اور سب ہی حسبِ استعداد اور بقدرِ ظرف فیض یاب ہوتے ہیں۔ آپ کا دربار وہ دربار دُربار ہے کہ جہاں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت

مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ محمد اسمٰعیل عرف میاں وڈا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں میر قادری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ جیسے باکمال اولیاء اللہ فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔

اس عہد کے مشہور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ حضرت سید جلال شاہ گیلانی قادری نوشاہی ساہن پال شریف (گجرات) و امام العارفین حضرت شیخ فضل شاہ قادری نوری، حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری، حضرت خواجہ میاں محمد خان صاحب چشتی ہوشیار پوری رحمہم اللہ حضرات نے مزار پر بالالتزام حاضر ہوا کرتے تھے اور وہاں مراقبہ ہوا کرتے تھے۔ ان حضرات کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ہمکلامی حاصل ہوتا رہا چنانچہ حضرت سید جلال شاہ صاحب گیلانی قادری، حضرت میاں صاحب شرقپوری حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہمکلامی کا ذکر اپنے خواص میں ضرور ذکر بھی فرماتے تھے۔[۱]

اس مختصر سے مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے اللہ مجھ گنہگار کو حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور جملہ اولیاء اللہ کی سچی محبت عطا فرما اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق اور تمام امت کو۔ دنیا و آخرت ان کے ساتھ محشور فرما۔ آمین ثم آمین۔

عبد الصبور
شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور
۲۵ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

---

[۱] ان تمام بزرگوں کے نام اس لئے لکھے گئے ہیں کہ چند سال ہوئے لاہور کے ایک روزنامہ میں کسی مولوی صاحب نے یہ اعلان کیا کہ مزار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں ہے اس پر ایک اللہ والے نے کشف سے مولوی صاحب کو بذریعہ اخبار چیلنج کیا کہ آپ میرے ساتھ مزار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حاضر ہوں میں آپ کی بات چیت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کرا دوں گا۔ اس پر مولوی صاحب کشف تجاہل کر گئے۔ (ادارہ)

فرمودہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہ نما

حمد و نعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَشَفَ لِاَوْلِيَائِهٖ بَوَاطِنَ مَلَكُوْتِهٖ وَقَشَعَ لِاَصْفِيَائِهٖ سَرَائِرَ جَبَرُوْتِهٖ وَاَرَاقَ دَمَ الْمُحِبِّيْنَ بِسَيْفِ جَلَالِهٖ وَاَذَاقَ سِرَّ الْعَارِفِيْنَ بِرُوْحِ وِصَالِهٖ هُوَ الْمُحْيِیْ لِمَوَاتِ الْقُلُوْبِ بِاَنْوَارِ اِدْرَاكِ مَعْرِفَتِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ وَالْمُنْعِشُ لَهَا بِرَاحَةِ رُوْحِ الْمَعْرِفَةِ بِنَشْرِ اَسْمَائِهٖ۔ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ ۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا شیخ ابو الحسن علی بن عثمان بن علی غزنوی ثم ہجویری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے سالک راہ طریقت، اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت کرے تمہاری ... دعا ہے ... کے لئے استخارہ کیا اور اپنے نفس کی سے بھی کہ اس معاملہ کو دل کے سپرد کر دیا۔ جب استخارہ ... حاصل ہو گئی تو تمہاری مراد کو پورا کرنے کے لئے عزم صمیم کیا اور اس نوشتہ کا نام کشف المحجوب رکھا تاکہ تمہارا مقصد معلوم ہو اور تمہاری غرض و خواہش اس کتاب میں چھپا ہوا پاؤ۔ اب اس کی تکمیل و تسوید میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد و توفیق کا خواستگار ہوں کہ وہ مجھے کتنے اور ... طاقت مرحمت فرمائے وباللہ التوفیق ۔

فصل اول

ابتدائے کتاب میں میں نے جو اپنا نام درج کیا ہے اس میں دو باتیں مقصود ہیں جن میں سے ایک بات تو خاص لوگوں کے لئے ہے اور دوسری بات عام لوگوں کے لئے۔ لیکن وہ بات جو عام اور ... کے لئے ہے وہ یہ ہے کہ جب اس علم سے بے بہرہ اور جاہل لوگ کوئی نئی کتاب دیکھتے ہیں، اور اس پر مصنف کا نام مندرج نہیں پاتے، تو وہ اس کتاب کو اپنی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں، حالانکہ مصنف کی جمع و تالیف اور تصنیف سے غرض یہی ہوتا ہے کہ اس تصنیف اور کتاب کے ذریعہ مصنف کا نام زندہ رہے اور اس کے پڑھنے اور پڑھنے والے اس کے مصنف کو دعائے خیر سے یاد رکھیں، میرے ساتھ یہ حادثہ دو مرتبہ پیش آ چکا ہے ۔

ایک مرتبہ جب کہ ایک صاحب مجھ سے میرے اشعار کا دیوان مانگ کر لے گئے اور پھر انہوں نے واپس نہیں کیا، حالانکہ میرے پاس صرف اس ایک اصل نسخہ کے کوئی اور نقل نہ تھی، ان صاحب نے میرا نام حذف کر کے اپنے نام سے اسے مشہور کر دیا اور میری محنت ضائع کر دی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے ۔

دوسری مرتبہ جب کہ میں ایک کتاب "**منہاج الدین**" نام سے تصوف میں (خدا اس کی عمر زیادہ کرے) تالیف کی تھی، تو ایک کمینہ خصلت بے ادب گفتار شخص نے جس کا نام میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا اپنی تالیف ہونے کا دعویٰ کیا، اور کتاب کی ابتداء سے میرا نام دور کر کے عامۃ الناس میں کہنے لگا کہ یہ میری تصنیف ہے۔ ہر چند خواص حضرات (جو اس کی علمیت و قابلیت سے واقف تھے) اس کے اس قول پر ہنستے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس مدعی پر بے برکتی مسلط کر کے اپنی بارگاہ (قبولیت) کی فہرست سے اس کا نام حذف کر دیا۔

اب رہی وہ **پہلی بات** جو خاص لوگوں نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ کسی کتاب کو دیکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کا مصنف اس فن میں ماہر اور کامل عالم و محقق ہے تو پھر اس کتاب کی قدر کرتے اور اس کے پڑھنے اور یاد کرنے میں سعی و کوشش کرتے ہیں جس سے پڑھنے والے اور لکھنے والے کی تمنا بر آتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل دوم

میں نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے اس تالیف کو استخارہ کے سپرد کر دیا، میری اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے آداب کی محافظت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول برحق صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو اس کا خاص طور پر حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اللہ سے شیطان مردود کی شرارت سے پناہ مانگو۔

لفظ استعاذہ، استخارہ اور استعانت ایک ہی مفہوم و مراد کے لئے ہیں، یعنے اللہ تعالیٰ سے اپنے امور کو اس کے سپرد کر کے نصرت و طاقت طلب کرنا ہے تاکہ وہ ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ نے ہمیں استخارہ کی اسی طرح تعلیم فرمائی جس طرح قرآن سکھایا، چونکہ جب بندہ یہ جانتا ہے کہ ہر کام کی بھلائی اس کی محنت و تدبیر سے وابستہ نہیں ہے اور یہ کہ بندوں کے کاموں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس میں بھلائی ہے اور کس میں برائی، کیونکہ ہر خیر و شر جو بھی بندے کو پہنچے وہ سب مقدر ہے، لہٰذا بندہ کو تقدیر پر بجز تسلیم و رضا کوئی چارۂ کار نہیں، تو اب بندہ اپنے نفس کی شرارت اور اس کی خواہشوں کو دور کرنے کے لئے اپنے تمام افعال و احوال میں اللہ تعالیٰ سے نصرت اور خیر و صلاح کا خواستگار ہوگا۔ یہ چیزیں اسی کی جانب سے اسے حاصل ہوتی ہیں لہٰذا بندہ کو یہی سزاوار ہے کہ اپنے تمام امور و اشغال میں استخارہ کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہر خطا و نقصان اور آفت و خلل سے اس کے کاموں کو محفوظ رکھے۔ **وباللہ التوفیق**۔

فصل سوم

یہ جو میں نے کہا کہ اپنے نفس کو اس سے روک کر اس معاملہ کو دل کے سپرد کر دیا، تو اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں بھی نفسانی غرض شامل ہو جاتی ہے تو اس کام سے برکت اٹھ جاتی ہے، اور دل صراط مستقیم سے ہٹ کر کجروی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ نفسانی اغراض دو حال سے

خالی نہیں۔ یا تو وہ غرض پوری ہو جائے گی یا نہ ہوگی، اگر وہ غرض نفسانی پوری ہو گئی تو سمجھو کہ وہ ہلاکت میں پڑ گیا۔ اس لئے کہ جہنم کے دروازہ کی کنجی یہی ہے کہ بندہ نفسانی اغراض میں مبتلا ہو جائے۔ اور اگر نفسانی غرض پوری نہیں ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے پہلے ہی اسے نکال پھینکتا ہے اس لئے کہ اس کی نجات اسی میں تھی اور یہ کہ جنت کے دروازہ کی کنجی یہی ہے کہ بندہ نفسانی غرض میں مبتلا نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ بندہ نے نفس کو ہوائے نفسانی سے روکا تو وہ ہی جنت کا مستحق ہے وہی اس کا ٹھکانا ہے

بندہ کا اشتغال ہوائے نفسانی میں مبتلا ہونا یہ ہے کہ وہ اپنے کاموں میں رضاء و خوشنودئی رب تعالیٰ کو ملحوظ نہ رکھے۔ اور وہ عقوبت سے نفس کی نجات کا خواستگار نہیں ہوتا۔ غرضکہ نفسانی خواہشات اور ان کی حماقتوں کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ یہ مقام ہوائے نفس کی تفصیلی بیان کا نہیں ہے۔ انشاء اللہ اس کتاب میں کسی جگہ مستقل باب اس بیان میں آئے گا۔

فصل چہارم

یہ جو میں نے کہا ہے کہ تمہاری استدعا کے بموجب ارادہ کر کے تمہاری مراد کو بر لائے اور اس نوشتہ کو تحریر کرنے کا عزم کیا، تو اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ لوگوں نے مجھے اہل سوال یعنی صاحب علم و بصیرت جانا اور اپنے واقعات کے بارے میں استفسار کیا اور مجھ سے ایسی کتاب کی درخواست کی جس سے مراد پوری ہو، اور پورا فائدہ حاصل ہو۔ لامحالہ تمہارے سوال و استفسار نے مجھ پر واجب کر دیا کہ تمہارے سوال کا حق ادا کروں۔ اب جبکہ میں نے تمہارے سوال کا حق جان لیا۔ تو عزم صمیم اور کامل نیت کے ساتھ سوال کا جواب پورا کرنے کا ارادہ کر لیا تاکہ کتاب کے شروع کرتے وقت ہی تمہاری استدعا کے بموجب جواب کا پورا حق ادا کرنے اور کتاب کو تمام کرنے کی نیت ہو جائے۔ چونکہ بندہ کے اپنے عمل کے شروع کے وقت ہی اس کی نیت شامل و متصل ہوتی ہے، اگرچہ اس عمل میں اسے کوئی خلل نظر آئے مگر وہ اس میں معذور ہوگا۔ اسی بنا پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ ابتدائے عمل میں نیت کرنا بہتر ہے اس سے کہ وہ بغیر نیت عمل کی ابتدا کرے۔ اور کاموں میں نیت کو ایک غلبۂ عظیم اور برہان صادق حاصل ہے، اس لئے کہ بندہ محض نیت ہی سے ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف چلا جاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کا اثر ظاہر ہو، مثلاً اگر کوئی شخص دن بھر کچھ کھائے پیئے نہیں اور فاقہ سے رہے۔ وہ ثواب کا ہرگز مستحق نہیں بنتا۔ لیکن اگر وہ روزہ کی نیت کرے تو اب وہ ثواب کا مستحق بن جاتا ہے، حالانکہ ظاہر عمل میں نیت کا اثر نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر شخص کسی شہر میں عرصہ تک بود و باش رکھے تو اس سے وہ مقیم نہیں بنے گا۔ لیکن اگر اس نے دل کے ساتھ پندرہ دن کی اقامت کی نیت کر لی تو اب مقیم بن جائے گا۔ اسی کی مانند بے شمار امثال ہیں، معلوم ہوا کہ ہر عمل کی ابتدا میں نیک نیت کرنا اس کا حق ہے جس سے ثواب کا مستحق بنتا ہے، واللہ اعلم۔

فصل پنجم

اور یہ جو میں نے کہا کہ اس کتاب کا نام کشف المحجوب (یعنے پردوں کا اٹھانا) رکھا ہے، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کے نام سے ہی پتہ چل جائے کہ کتاب کے اندر کیا ہے، خاص کر اہلِ بصیرت کتاب کے نام کو سنیں گے، تو وہ جان لیں گے کہ اس سے کیا مراد ہے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ تمام عالم لطیفۂ تحقیق سے محجوب و مستور ہیں بجز اولیاء اللہ اور محبوبانِ بارگاہ کے، چونکہ یہ کتاب راہِ حق کے بیان کلماتِ تحقیق کی شرح اور حجابِ بشریت کے کشف میں تھی تو اس کا نام بجز اس کے اور ہو ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ حقیقت کا منکشف ہو جانا پوشیدہ اور مخفی چیزوں کے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے، جس طرح موجود چیزوں کے لئے پردہ و حجاب باعث ہلاکت ہے، چنانچہ نزدیک شخص کے لئے دُوری کی تاب و تواں نہیں ہوتی اسی طرح دور والے کو نزدیکی کی طاقت نہیں رہتی، جیسا کہ کیڑے جو سرکہ میں پیدا ہوتے ہیں وہ جہاں پڑیں گے مر جائیں گے اسی طرح ہر وہ کیڑے جو کسی اور چیز میں پیدا ہوں اگر سرکہ میں ڈال دیئے جائیں تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی طرح معانی کی حقیقت اسی پر منکشف ہوتی ہے جو اس کے لئے پیدا کیا گیا ہو، چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو کسی چیز کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کے حصول کی راہ اس پر آسان فرمائی ہے۔

حجاب یعنی پردے دو قسم کے ہیں، ایک کا نام "حجاب رینی" ہے، اور یہ ہرگز نہیں اٹھتا۔ اور دوسرے کا نام "حجاب غینی" ہے، یہ جلدی اُٹھ جاتے ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ کوئی بندہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کی اپنی ذات ہی حق سے پردہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے نزدیک حق و باطل میں فرق نہیں رہتا، اسے "حجاب ذاتی" کہتے ہیں۔ اور کوئی بندہ ایسا ہوتا ہے جو اسے حجاب وصفی حق سے دور رکھتی ہے، حالانکہ اس کی طبیعت و سرشت حق کی متلاشی اور باطل سے گریزاں ہوتی ہے۔ پس حجاب ذاتی کہ جس کا نام "رینی" ہے ہرگز نہیں اٹھتا اور لفظ رَین، خَتم اور طَبع کے معنے ایک ہی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، ہرگز راہ یاب نہ ہوں گے بلکہ ان کے دلوں پر رین یعنی حجاب ذاتی ہے جو وہ کرتوت کرتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان کا حال ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان پر برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ ان کافروں کا کفر و باطل میں پڑے رہنے اور حق و ہدایت کی راہ قبول نہ کرنے کی علت و وجہ بیان فرماتا ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ، اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے کہ راہِ حق ان پر کھلتی ہی نہیں۔

اور حجاب وصفی جسے "حجاب غینی" کہتے ہیں، یہ کسی نہ کسی وقت اس کا دور ہونا اور حقائق کا منکشف ہونا ممکن و جائز ہے، اس لئے کہ ذات میں تبدیلی نادر اور ناممکن ہے اور غین یعنی صفت میں تبدیلی ممکن و جائز ہے۔

اب رہی تبدیلی صفت جیسا کہ ممکن و جائز ہے مشائخ طریقت رحمہم اللہ رَین اور غَین کے معنے میں لطیف اشارات بیان فرماتے ہیں چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلرَّیْنُ مِنْ جُمْلَۃِ الْوَطَنَاتِ وَالْغَیْنُ مِنْ جُمْلَۃِ الْخَطَرَاتِ یعنی رَین وطنات کی قبیل سے ہے، اور غَین خطرات کی قبیل سے، وطنات وطن کی جمع ہے جس کے معنے پائداری کے ہیں اور خطرات خطر کی جمع ہے جس کے معنی ناپائداری اور عارضی کے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھو کہ سخت پتھر سے آئینہ نہیں بنایا جا سکتا اگرچہ کتنے ہی صیقل کرنے والے مجتمع ہو کر آب و چمک پیدا کرنے کی کوشش کریں، لیکن جب آئینہ زنگ آلود ہو جائے تو تھوڑا سا صاف کرنے سے ہی وہ مجلّیٰ و مصفّٰی ہو جائے گا، اس لئے کہ پتھر میں تاریکی اصلی اور پائیدار ہے (وہ ہمیشہ تاریک ہی رہے گا لیکن) آئینہ میں جلا اور چمک اصلی و پائیدار ہے، اس پر کوئی عارضی کیفیت باقی پائیدار نہیں رہ سکتی، پس میں نے اس کتاب کو ایسے دلوں کو صیقل اور صاف کرنے والا بنایا ہے جن کے دل حجاب غَین میں گرفتار ہیں، اور حق کی نورانیت کا خزانہ ان کے دل میں موجود ہے تاکہ اس کتاب کے پڑھنے کی برکت سے وہ حجاب اٹھ جائے اور حقیقی معنی کی طرف انہیں راہ یابی حاصل ہو جائے، لیکن وہ لوگ جن کی سرشت اور عادت ہی یہ ہے کہ وہ حق کا انکار کریں اور باطل پر برقرار رہیں، تو وہ لوگ مشاہدہ حق کی راہ سے محروم ہی رہیں گے، اور یہ کتاب ایسے لوگوں کے لئے کوئی فائدہ رساں نہ ہوگی، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَۃِ الْعِرْفَانِ۔

فصل ششم

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ تمہیں اپنی مراد و مقصود معلوم ہو، اور یہ کہ اس کتاب میں تمہاری غرض اور خواہش کی باتیں جمع کی گئی ہیں تو اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ تمہارے سوال اور غرض کو جان چکا ہوں کیونکہ جب تک مجیب کو سائل کی غرض اور اس کا سوال معلوم نہ ہو، اس وقت تک سائل کو اپنی مراد حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ بوقت اشکال ہی سوال ہوتا ہے، اب اگر جواب میں اس اشکال کو حل نہ کیا جائے، تو وہ فائدہ ہی کیا پہنچائے گا اور حل اشکال بغیر معرفت اشکال ممکن نہیں، اور وہ جو میں نے کہا کہ اس کتاب میں تمہاری غرض جمع ہے، مطلب یہ کہ اجمالی سوال کے لئے اجمالی جواب ہوتا ہے، یا یہ اجمالی سوال کے لئے جامع جواب ہوتا ہے، جب سائل خود ہی اجمالی سوال کے درجات اور اس کے مراتب کا جاننے والا ہو تو مبتدی کے لئے تفصیل کی حاجت ہوتی ہے، تو ان تمام اقسام اور ان کی رعایتوں کا لحاظ و پاس جو تمہاری غرض میں ہے بخدا تمہیں نیک بخت کرے مقتضی ہے کہ تفصیل سے جواب دوں تاکہ ہر درجہ کے سائل کے لئے خواہ سائل مبتدی ہو یا متوسط و منتہی سب کے لئے نافع ہو اس لئے بطور سوال میں نے یہ کتاب مرتب کی ہے، وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

فصل ہفتم

یہ جو میں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق و استعانت کا متمنی ہوں، تو اس سے میری مراد یہ ہے کہ بندہ کا مددگار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اور وہی ہر نیکی اور بھلائی پر نصرت فرماتا اور زیادہ تر توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ حقیقتہً توفیق یہ ہے کہ بندہ کے اعمال میں بالفعل تائیدِ الٰہی موافقت کرے اور اسے ثواب کا مستحق بنائے۔ صحت توفیق کے وجود پر کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت ناطق و گواہ ہے بجز معتزلہ اور قدریوں کی ایک قلیل جماعت کے۔ کہ وہ لفظ توفیق کو اپنے تمام معنے میں خالی اور مہمل کہتے ہیں، یعنے وہ اس لفظ کو مہمل تصور کرتے ہیں، اور شیخ طریقت کی ایک جماعت کہتی ہے کہ التوفیق ھو القدرۃ علی الطاعۃ عند الاستعمال، توفیق بوقت استعمال نیکیوں پر قدرت پانے کا نام ہے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو جاتا ہے تو اسے ہر حال میں نیکیوں کی زیادہ توفیق و قوت عطا فرماتا ہے جو اسے اس سے قبل حاصل نہ تھی۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ بندہ کا ہر حرکت و سکون، فعل و خلق سب ہی خدا کی طرف سے ہے، بس، اتنا سمجھ لو کہ بندہ جو خدا کی عطا کردہ قوت سے طاعت بجا لاتا ہے، اسے توفیق کہتے ہیں۔

یہ کتاب اس مسئلہ کا مقام نہیں، اس سے کچھ اور ہی چیز مراد ہے۔ بہرحال اب میں انشاء اللہ تعالیٰ اصل مقصود کی طرف رجوع ہوتا ہوں، ابتدائے کلام میں جو تمہارے سوال کا تذکرہ کیا ہے پہلے اسے بعینہ نقل کر کے کتاب کے ساتھ شامل کرتا ہوں۔ و باللہ التوفیق۔

صورت سوال

سائل نے دریافت کیا، وہ سائل ابوسعید غزنوی ہیں، کہ مجھے تحقیقی طور پر بیان فرمائیے کہ طریقۂ تصوف اور ان کے مقامات کی کیفیت، ان کے مذاہب و مقالات اور ان کے رموز و اشارات کیا ہیں؟ اور یہ کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے اور ان کے دلوں پر تجلیاتِ ربانی کے اظہار کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اور اللہ کی محبت کی ماہیت کے دریافت کرنے کے عقلیں کیوں حجاب میں ہیں اور کیوں نفس اس حقیقت کی روشنائی سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، اور صوفیائے کرام کی ارواح کو اس سے روشناس ہو کر کیسے آرام ملتا ہے اور وہ سب کچھ بیان فرمائیے جو اس مسئلہ میں جاننا ضروری اور لابدی ہے۔

جواب سوال

سیدنا علی بن عثمان جلالی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ امر یاد رکھنا چاہیئے، ہمارے اس زمانہ کے لوگ حقیقت کے علم سے بہت دور ہو چکے ہیں۔ بالخصوص ان شہروں اور آبادیوں کی تمام مخلوق حرص و ہوا میں مشغول و مبتلا ہو کر رضائے الٰہی، اور علماء زمانہ کی راہ سے بھٹک گئے ہیں، جو اس زمانہ کے مدعیان طریقت و تصوف ہیں وہ اصل طریقت کے برخلاف عمل پیرا ہو کر اسے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

اب ایسی ہمت پیدا کرنی چاہیئے کہ اہلِ زمانہ کے ہاتھ وہاں پہنچیں جہاں خاصانِ خدا کی رسائی ہوئی ہے اور اُن کوشش کرنے والوں

کے مقاصد جو اس سے منقطع ہو چکے ہیں، اور تمام اہلِ معرفت کی شادابی آپ سے جدا ہو چکی ہے، ان عام و خاص لوگوں نے جو صرف ظاہری عبارتوں پر اکتفا کر لیا ہے اور دل و جان سے حجابات کے خریدار بن کر، راہِ تحقیق کو چھوڑ کر اندھی پیروی کرنے کے عادی بن گئے ہیں اور خود تحقیق نے بھی ان سے اپنا چہرہ مخفی کر لیا ہے، اور عام لوگ بھی اس حالت کو پسند کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے حق کو خوب پہچان لیا ہے اور خاص لوگ اس پر خوش ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی آرزو ہے اور ہمارے نفسوں میں اس کا اشتیاق اور سینوں میں اس کی محبت ہے اور اپنی اس مشغولیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ رویتِ الٰہی کے شوق میں ہے، اور جو نیک ارادہ اور خواہش دل میں پیدا ہوتا ہے محبت کی جوش ہے، اور جو مدعیانِ سلوک ہیں، وہ اپنے دعائے حب کے نتیجہ میں اس سے محروم رہ گئے ہیں اور مریدوں نے ریاضت و مجاہدہ سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے ہیں، اور اپنے فاسد گمانوں کا نام مشاہدہ رکھ لیا ہے، اگرچہ میں نے اس سے پہلے بہت سی کتابیں اس مسئلہ میں لکھی ہیں اور وہ سب کی سب ضائع ہو چکی ہیں، لیکن بعض جھوٹے مدعیوں نے مخلوقِ خدا کو اپنے جال میں پھنسا کر شکار کرنے کے لئے ان میں سے چند باتیں نکال لی ہیں، اور باقی سب کو گم کر دیا ہے، اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے، کیونکہ حاسد لوگوں کا شیوہ ہے کہ وہ حسد و انکار کے سرمایہ کو خدا کی نعمت جانتے ہیں، چنانچہ کچھ لوگ تو ایسے تھے جنھوں نے لکھا مگر پڑھ نہ سکے، اور کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے پڑھا مگر معنے و مفہوم نہ جان سکے۔ انھوں نے صرف عبارت و الفاظ کو پسند کیا، اسے ہی لکھ کر یاد کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم علم تصوف و معرفت میں گفتگو کر رہے ہیں، یہ لوگ انتہائی بدنصیبی میں ہیں، یہ سب باتیں اس لئے ہیں کہ علم تصوف و معرفت کبریتِ احمر یعنی سرخ گندھک کی مانند کمیاب اور نادر ہے، جب یہ سرخ گندھک مل جاتی ہے تو وہ کیمیا ہوتی ہے جس کی ایک چٹکی (دکلہ) بہت سے تانبے کو خالص سونا بنا دیتی ہے، غرضیکہ ہر شخص وہی دوا چاہتا ہے جو اس کے درد کا درماں ہو سکے، اس کے سوا وہ کچھ نہیں چاہتا۔ کسی بزرگ کا شعر ہے

كُلُّ مَنْ فِيْ فُؤَادِهٖ وَجَعٌ ۔ يَطْلُبُ شَيْئًا يُوَافِقُ الْوَجَعَا

ہر وہ شخص جس کے دل میں درد ہو ۔ وہی چاہتا ہے جو درد کے موافق ہو

جس کی بیماری کی دوا بہت ہی حقیر چیز ہو، وہ موتی اور مرجان کی جستجو و خواہش نہیں کرتا، تاکہ بشلیشا (ایک جواہرات مرکب ہے) اور دواء المسک میں ملائے۔

اور یہ معنی اس سے زیادہ عزیز ہیں کہ اس سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا ہے، اس سے پہلے بہت سے اس علم کے جاہلوں نے مشائخ کرام کی کتابوں کے ساتھ سلوک کیا ہے، چونکہ وہ اسرارِ الٰہی کے خزانے تھے جو ان جاہلوں کے ہاتھوں میں پڑ گئے، وہ اس کے معنے و مطلب سے نابلد اور کورے تھے، ان خزانوں کا ایسے جاہلوں کے ہاتھوں میں پڑنا ایسا ہے، جیسے جاہل کلاہ دوزوں (یعنی اناڑی درزیوں) اور گندے جلد سازوں کے ہاتھوں میں پڑ جانا کہ وہ کلاہ کے استر اور ان خزانہائے اسرارِ الٰہی کی جلدوں کو، ابونواس کے شعروں کے دیوانوں اور لغو و فضول افسانوں اور ناولوں کے درمیان ٹھونس دے گا، یقیناً جب بادشاہ کا باز (شکرہ) کسی بوڑھی کے مکان کی دیوار پر بیٹھے گا

تو وہ اپنے بال و پر ہی اُکھڑوا لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا ہے کہ دُنیا داروں نے اپنی حرص و ہوا کا نام شریعت اور مرتبہ وجاہ، دولت و تکبر کا نام عزت و علم اور نمود و ریا کا نام خوف و خشیت۔ اور دل میں کینہ پوشیدہ رکھنے کا نام حلم و بردباری اور مجادلہ کا نام مناظرہ اور محاربت و حماقت کا عظمت اور نفاق کا نام زہد اور حرص کا نام ارادت اور ہذیانِ طبع کا نام معرفت اور حرکاتِ نفس اور حدیثِ نفس کا نام محبت اور الحاد کا نام فقر اور جحود و انکار کا نام صفوت و پارسائی اور زندقہ کا نام فنا، ترکِ شریعت یعنے سُنّتِ حبیبِ خُدا صلے اللہ علیہ وسلم کا نام طریقت اور دنیاداروں کی آفتوں کا نام معاملہ رکھ چھوڑا ہے۔ اسی سبب سے اربابِ معانی یعنی اہلِ معرفت و حقیقت ان لوگوں سے کنارہ کش ہو کر خلوت گزین ہو گئے ہیں اور ان جھوٹے مدعیوں کا غلبہ ہو گیا ہے جس طرح کہ قرنِ اولیٰ میں اہلِ بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر آلِ مروان نے تسلط پایا تھا۔ اہلِ مقامات کے بادشاہ اور محققین نکتہ سنج کے رہنما ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اُبْتُلِيْنَا بِزَمَانٍ لَيْسَ فِيْهِ اٰدَابُ الْاِسْلَامِ وَلَا اَخْلَاقُ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَا اَحْكَامُ ذَوِي الْمُرُوَّةِ یعنی ہم ایسے دور میں پھنس گئے جس میں نہ تو اسلام کے آداب ہیں، نہ ہی جاہلیت کے اخلاق اور نہ ہی مروت والوں کے طور و طریق۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے حال میں متنبی کا یہ شعر ہے ؎

نَجَا اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا مُنٰى كُلِّ رَاكِبٍ ۞ فَكُلُّ بَعِيْدِ الْهَمِّ فِيْهَا مُعَذَّبٌ

اللہ کی جناب میں دنیاداروں کی تمنا اُونٹ سوار کی منزل ہے ۞ پس جو بھی غم سے دُور ہے آخرت میں وہی عذاب پانے والا ہے

فصلِ ششم

اے طالبِ حق اللہ تعالیٰ تمہیں طاقت بخشے! واضح رہے کہ میں نے اس جہان کو محلِ اسرارِ الٰہی اور کائناتِ عالم کو اس کی جگہ و مقام اور اعیانِ ثابتہ کو لطائف و اسرار کی رہائش پایا ہے جسے حق تعالیٰ کے محبوب و دوست ہی جانتے ہیں اور یہ اعراض و جواہر اور عناصر و اجرام اور یہ بدن و طبائع سب کے سب اُن اسرارِ الٰہی کے لئے حجاب ہیں۔ مقامِ توحید میں ان کا ثابت کرنا شرک ہے۔ تو اب باخبر رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو جانے حجاب بنایا، تاکہ ہر ایک طبیعت اپنے عالم میں فرمانِ الٰہی سے قرار پائیں اور اپنے وجود کو توحیدِ باری تعالیٰ میں ڈھانپیں، چونکہ ارواح اس جہان میں اپنے وجود کے ملنے سے مغرور ہو کر مقامِ اخلاص سے دُور ہو گئیں یہاں تک کہ اسرارِ الٰہی اُن کی عقلوں میں دشوار اور وہ روحیں لطائفِ قربِ حق سے پوشیدہ بن گئیں اس لئے کہ انسان اپنی ہستی میں غفلت کی تاریکی میں مستور و محجوب رکھا گیا ہے، اور مقامِ خصوصیت میں اپنے حجاب کے ذریعہ عیب دار ہے، چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، قسم ہے زمانہ کی بے شک انسان یقیناً گھاٹے میں ہے، اور یہ بھی ارشادِ باری ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا، بے شک انسان ظالم و نادان ہے۔

اور نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَۃٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْہِ نُوْرًا ، اللہ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا اور پھر اس پر نور روشنی ڈالی گئی۔

تو اب یہ حجاب اس جہان میں اس کے لئے اختیار طبع بن گئیں کیونکہ اس نے اپنی طبیعت اور اپنی عقلوں سے اس میں تصرف کیا۔ یہاں تک کہ اس نے جہل و نادانی کو پسند کیا اور اپنے ان حجابات کا جان و دل سے خریدار و شیفتہ بن گیا کیونکہ وہ جمال کشف سے بے خبر ہے، اور اسرار الٰہی کی تحقیق سے لاپرواہ ہے۔ انسان اپنی تعریف و ستائش سے خوش اور مقام فلاح و نجات سے دور بھاگتا اور توحید باری سے بے علم و جمالِ احدیت سے بے بہرہ ہے، اس نے توحید کا ذائقہ نہیں چکھا اور ترکیب میں تحقیق مشاہدہ سے محروم رہا، وہ ارادۂ الٰہی سے اعراض کر کے حرص دنیا میں مبتلا ہوا، اور نفس حیوانی نے جو حیات حقیقی کے سوا ہے اس کے ناطقہ کو مجبور و مغلوب کر دیا، یہاں تک کہ حرکات اور اس کی طلب تمام نفس حیوانی کے حصہ میں جڑ پکڑ گئیں، اب وہ سوائے کھانے، سونے اور شہوانی پیروی کے کچھ نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص محبوبوں کو ان تمام باتوں سے بچنے کا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ انہیں چھوڑ دو تاکہ وہ کھائیں اور نفع اٹھائیں اور آرزوؤں میں خوش رہیں بہت جلد وہ جان لیں گے، کیونکہ ان کی سرشت ہی یہ ہے کہ اسرار حق ان پر مخفی رہیں اور بجائے عنایت و توفیق حق وہ محروم و ذلیل اور خوار رہیں یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر اس نفس امارہ کے جو بُرائی ہی کا حکم دے اس کی پیروی و متابعت کریں۔ یہ بہت بڑا حجاب ہے اور ہر بُرائی و شر کا یہ منبع ہے، چنانچہ ارشاد حق ہے کہ

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ ، بے شک نفس یقیناً ہر برائی کا زبردست حکم کرنے والا ہے

اب میں تمہارے ان مقاصد کے بیان کو شروع کرتا ہوں جو مقامات و حجابات ہیں اور ان کو لطیف بیان کے ساتھ مرتب کرتا ہوں اور صاحبان صنعت کی عبارتوں کی شرح کر کے بقدر ضرورت کلام مشائخ بھی شامل کرتا ہوں، اور عجیب و غریب حکایتیں بیان کر کے تمہاری مدد کرتا ہوں تاکہ تمہاری مراد پوری ہو، اور ظاہری علوم کے عالم وغیرہ باخبر ہو جائیں کہ طریقۂ تصوف کی جڑ مضبوط اور شاخیں میوہ دار ہیں، اور یہ کہ مشائخ طریقت اہل علم و معرفت تھے اور اپنے مریدوں کو اس علم کے سیکھنے کا شوق دلاتے اور اس پر قائم رہنے کا جذبہ و رغبت پیدا کرتے تھے اور وہ لہو و لغویت کی ہرگز پیروی نہیں کرتے تھے، یہ حضرات بیہودہ گوئی اور واہیات میں نہ پڑے، بکثرت مشائخ طریقت اور علماء معرفت نے تصوف و طریقت میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور لطیف عبارتوں میں اسرار ربانی کو دلیل و برہان سے ثابت فرمایا ہے وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ ۔

باب اوّل در اثبات علم

اللہ تعالیٰ علماء کی صفت میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا بلاشبہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس کا خوف رکھتے ہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ہر مسلمان مرد و عورت پر تحصیل علم فرض ہے۔ نیز ارشاد نبوی ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ علم کو حاصل کرو اگرچہ (اس کے لئے تمہیں) چین ہی جانا پڑے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ علم بے حد و غایت ہے اور عمر مختصر اس لئے تمام علوم کا سیکھنا لوگوں پر فرض نہیں ہے، جیسے علم نجوم، طب، علم حساب اور نادر و عجیب صنعتیں وغیرہ، مگر ان میں سے اس قدر سیکھنا جتنا شریعت سے متعلق ہے ضروری ہے۔ مثلاً علم نجوم سے اتنا سیکھنا جس سے رات دن کے اوقات معلوم ہو سکیں (اور نماز روزہ کے وقت پہچان سکیں) اور علم طب سے اتنا جس سے ایام و عدت جان سکے اور علم حساب سے اس قدر کہ جس سے فرائض یعنی میراث وغیرہ کی تقسیم کر سکے۔ غرض کہ اس قدر فرض ہے جتنا پر عمل ہو سکے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ایسے علم کی مذمت فرمائی ہے جو کسی کو نفع نہ پہنچا سکے چنانچہ علوم ایسے لوگوں کی مذمت میں ارشاد باری ہے وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ : وہ ایسا علم سیکھتے جو انہیں نقصان دے اور نفع نہ پہنچائے۔

نبی کریم علیہ افضل التحیات والتسلیم نے بے منفعت علم سے پناہ مانگی ہے فرماتے ہیں اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ اے خدا میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ پہنچائے۔

اب باخبر رہنا چاہیئے کہ تھوڑے سے علم کے لئے بھی عمل بہت درکار ہے۔ لہٰذا سزاوار ہے کہ علم عمل کے ساتھ مقرون و متصل ہو، کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا فِقْهٍ کَالْحِمَارِ فِیْ طَاحُوْنَةٍ، بے علم عبادت گزار اس گدھے کی مانند ہے جو آٹے کی چکی سے بندھا ہو کہ وہ گدھا ہر چند کہ چلتا، دوڑتا اور بھاگتا ہے لیکن وہ اپنی ہی جگہ چکر میں رہتا ہے اور کچھ مسافت طے نہیں کرتا۔

میں نے عام لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں؛ اور ایک اور گروہ کو دیکھا کہ وہ عمل کو علم پر فضیلت کا قائل ہے، حالانکہ ان دونوں گروہ کے نظریہ باطل ہیں، اس لئے کہ بلا علم عمل درحقیقت وہ عمل ہی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ عمل جب ہی عمل کرتا ہے جبکہ وہ علم کے ساتھ محفوظ ہو، تاکہ بندہ حکم رب جان کر پھر اس پر عمل کرے اور ثواب کا حق دار بنے، جیسے نماز کہ جب تک بندہ کو پہلے طہارت کے ارکان کا علم نہ ہو، اسی طرح پانی کی شناخت کا علم، معرفت قبلہ کا علم، کیفیت نیت کا علم اور ارکان نماز کا علم وغیرہ جب تک ان امور کا علم نہ ہو نماز ہی کیسے ہوگی۔ پس جب بلا علم عمل اسے بے عمل بنا دیتا ہے تو کس طرح اس کے جاہل کو

ے جدا کریں۔ اب رہا اس گروہ کا نظریہ جو علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے، تو یہ بھی محال ہے، کیونکہ بے عمل علم حقیقتہً وہ علم ہی نہیں
تا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ کِتَابَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ کَاَنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ
ل کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پشت کے پیچھے ڈال دیا (یعنی کتاب پر عمل نہیں کیا) گویا کہ وہ لوگ جانتے ہی نہیں
ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بے عمل عالم کو علماء کے زمرہ میں ہی شمولیت کی نفی فرما دی، اس لئے کہ سیکھنا اور حفظ کرنا اور یاد رکھنا
ذاکرنا، یہ بھی تو سب کے سب عمل ہی کئے گئے ہیں اور اسی عمل کے ذریعہ بندہ ثواب کا مستحق بنتا ہے، اور اگر عالم کا
س کے اپنے کسب و فعل سے نہ ہو تو وہ کسی ثواب کا حقدار ہی نہیں بن سکتا، یہ باتیں یہی دو گروہ کرتے ہیں، ایک تو وہ گروہ جو علم
بت مخلوق میں عزت و مرتبہ اور جاہ و منزلت کے لئے کرتا ہے اور علم ہی کو کوئی شے کا نہیں رکھتا، تو ایسا گروہ یقیناً علم سے بے بہرہ
رہ وہ عمل کو علم سے جدا کرتا ہے، وہ نہ تو علم کی ہی قدر جانتا ہے اور نہ عمل ہی سے واقف ہے، یہاں تک کہ بعض اہل علم نے
قال یعنے علم نہیں چاہیئے بلکہ حال یعنی عمل چاہیئے، دوسرا کہتا ہے کہ عمل چاہیئے علم نہ چاہیئے در حقیقت
ن باتیں اور اس کے قائل باطل پر ہیں۔

بت ابراہیم ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے راستہ میں ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا، اس نے اپنی زبان حال سے کہا کہ
پلٹ کر پڑھو، پھر جب پلٹا تو اس پر یہ عبارت کندہ تھی اَنْتَ لَا تَعْمَلْ بِمَا تَعْلَمُ فَکَیْفَ تَطْلُبُ مَا لَا تَعْلَمُ؛
م اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تو اس کی تلاش میں کیوں ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے، یعنی جب تم اپنے علم پر عمل نہیں کر سکے تو اب
نہ ہے کہ نادانستہ کو طلب کر سکو، مطلب یہ کہ پہلے اپنے علم پر عمل کرو تاکہ اس کے بعد اس کی برکت سے نادانستہ کو جان سکو۔

بت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ھِمَّۃُ الْعُلَمَاءِ الدِّرَایَۃُ وَھِمَّۃُ السُّفَھَاءِ الرِّوَایَۃُ؛ علماء کی ہمت درایت
سمجھنا ہے اور نا سمجھوں کی ہمت روایت کرنا ہے۔

اس قسم کی اور جو جہالت کی باتیں ہیں وہ علماء سے دور ہو جاتی ہیں لیکن وہ شخص جو علم کو دنیاوی عزت و جاہ کی غرض سے حاصل
، وہ عالم نہیں ہے، کیونکہ دنیاوی عزت و جاہ کی خواہش کرنا جہالت کی ہی قبیل میں سے ہے، کیونکہ علم سے بڑھ کر بلند مرتبہ کوئی
یہ ہی نہیں، جب اسے علم ہی نہیں ہے تو وہ ربانی لطائف و اسرار کو کیا جانے گا، جب وہ علم سے بہرہ ور ہے تو وہ تمام مقامات
بد اور درجات و مراتب کا سزاوار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل اوّل

جاننا چاہئے کہ علم دو طرح پر ہیں۔ ایک علم اللہ تعالیٰ کا، اور دوسرا علم مخلوق کا، بندہ کا علم بمقابلہ علمِ الٰہی کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اُس کی صفت ہے جو اُس کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس کی صفتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں، اور ہمارا علم یعنی مخلوق کا علم ہماری صفت ہے جو ہمارے ساتھ قائم ہے، اور ہمارے صفات متناہی اور محدود ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ تمہیں جو علم کا حصہ دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہی سا ہے۔

غرضکہ علم اوصاف مدح و تعریف میں سے ہے، اور اس کی حد و تعریف معلوم کو گھیرنا اور معلوم کا ظاہر بیان کرنا ہے اور سب سے عمدہ اور بہتر اُس کی تعریف یہ ہے کہ اَلْعِلْمُ صِفَةٌ يُّصِيْرُ الْجَاهِلُ بِهَا عَالِمًا: علم ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ جاہل عالم بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ، اور اللہ کا علم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ نیز فرمایا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ، اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ایک ہی ہے کہ وہی ہر موجود و معدوم کو جانتا ہے، اس میں کسی مخلوق کی مشارکت نہیں ہے، نہ وہ متجزی یعنی جز جز ہو سکتا ہے اور نہ اس سے علیحدہ اور جدا ہو سکتا ہے، اس کے علم پر دلیل اس کے فعل کا مرتب ہونا ہے کہ فعل بحکم علم فاعل اقتضاء کرتا ہے، پس اس کا علم اسرار کے ساتھ لاحق ہے اور اظہار کے ساتھ محیط: طالب کو چاہئے کہ اس کے مشاہدہ میں عمل کرے یعنی وہ یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے افعال کو ملاحظہ فرما رہا ہے۔

حکایت

بیان کرتے ہیں کہ بصرہ میں ایک رئیس تھا، ایک دن وہ اپنے باغ میں گیا تو باغ کے محافظ (باغبان و مالی) کی بیوی کے حسن و جمال پر اس کی نظر پڑ گئی، اس نے اس کے شوہر کو کسی حیلہ و بہانہ سے باہر بھیج دیا اور عورت سے کہا کہ دروازے بند کر دو عورت نے کہا کہ اور دروازوں کو تو بند کر دیا، لیکن ایک دروازہ میں بند نہیں کر سکی، اس نے پوچھا وہ کونسا دروازہ ہے عورت نے کہا کہ وہ دروازہ ہمارے اور خدا کے درمیان کا ہے، رئیس شرمندہ اور پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگا۔

حاتم الاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار علم اختیار کر لئے ہیں اور تمام عالم کے علوم سے بے نیاز ہو گیا ہوں، لوگوں نے دریافت کیا وہ کون سے چار علم ہیں۔ فرمایا ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے جس میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی، اب اس میں زیادتی کی خواہش سے بے نیاز ہوں، اور دوسرا یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ خدا کا مجھ پر حق ہے جسے میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا، سو میں کی

ادائیگی میں مشغول ہوں، اور تیسرا یہ کہ میرا کوئی طالب ہے یعنی موت میری خواستگار ہے جس سے میں راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتا ہوں میں نے پہچان لیا ہے، اور چوتھا یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا کوئی مالک و آقا ہے جو مجھ پر مطلع ہے، میں اس سے شرم کرتا ہوں اور نافرمانیوں سے باز رہتا ہوں، چونکہ بندہ جب اس سے باخبر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، تو وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن شرمسار ہو۔

فصل دوم

اب رہا بندہ کا علم، تو بندہ کو زیبا ہے کہ وہ حکمِ الٰہی اور معرفتِ ربانی میں مشغول رہے۔ بندہ کا علم وقت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے یعنی جس وقت پر جس علم کی ضرورت ہو خواہ وہ ظاہر میں ہو یا باطن میں اس کا حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے۔ وہ علم دو قسم پر ہے، ایک قسم کا نام علمِ اصول ہے، اور دوسری قسم کا نام علمِ فروع۔ ظاہرِ علمِ اصول میں کلمۂ شہادت (یعنی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان سیّدنا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ) اور باطنِ علمِ اصول میں تحقیقِ معرفت یعنی معرفتِ حق تعالیٰ میں کوشش و جستجو کرنا ہے اور ظاہرِ علمِ فروع میں لوگوں سے معاملہ کی درستگی اور باطنِ علمِ فروع میں نیت کا صحیح و درست رکھنا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا قیام بغیر دوسرے کے محال اور ناممکن ہے، کیونکہ ظاہرِ حال بغیر باطنی حقیقت کے نفاق ہے، اسی طرح باطن بغیر ظاہر کے زندقہ ہے، اور ظاہرِ شریعت بغیر باطن کے ناقص ہے اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے۔

پس علمِ حقیقت کے تین رکن ہیں، ایک یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت اور اس کے غیر سے اس کی مشابہت کی نفی کا علم ہے، اور دوسرا یہ کہ صفاتِ باری تعالیٰ اور اس کے احکام کا علم ہے، اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال یعنی تقدیرِ الٰہی اور اس کی حکمت کا علم ہے۔

اور علمِ شریعت کے بھی تین رکن ہیں، ایک کتاب یعنی قرآن کریم، دوسرا سنّت اور تیسرا اجماعِ امّت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کے ثابت کرنے کے علم میں خود اسی کا قول دلیل و برہان ہے فرماتا ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ جان لو بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور ارشاد ہے کہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىكُمْ، جان لو بے شک اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولیٰ اور کارساز ہے۔ نیز فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ، کیا تم نے اپنے رب کی قدرت کی طرف نظر نہیں ڈالی کہ اس نے سایہ کو کیسا دراز کیا۔ نیز ارشاد ہے اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ، کیا اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کیسا پیدا کیا گیا۔

اس قسم کی بکثرت آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے افعال پر غور و فکر کرنے سے اس کے صفاتِ فاعلیت کی معرفت حاصل

ہوتی ہے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی رَبُّہٗ وَاَنِّیْ نَبِیُّہٗ حَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَحْمَہٗ وَدَمَہٗ عَلَی النَّارِ : جس نے جان لیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا رب ہے اور یہ کہ میں اس کا نبی ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے گوشت اور اس کے خون کو آگ پر حرام کر دے گا ؛

لیکن ذات باری تعالیٰ کے علم کی شرط یہ ہے کہ عاقل بالغ یہ اعتقاد رکھے کہ حق تعالیٰ موجود، اپنی ذات میں قدیم، بے حد و حدود ہے۔ اس کا کوئی مکان اور جہت نہیں ہے، اور اس کی ذات موجب آفت نہیں، اور کوئی مخلوق اس کی مانند نہیں اور نہ اس کے بیوی بچے ہیں، اور جو صورت بھی تمہارے تصور میں آئے یا عقل سے اندازہ لگاؤ وہ اسی کی تخلیق سے ہے، نہ ہی اسے باقی رکھنے والا پروان چڑھانے والا ہے، ارشاد ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ، کوئی شے اس کی مثل نہیں وہی سننے اور دیکھنے والا ہے ؛

اب رہا صفاتِ باری تعالیٰ کا علم ؛ سو یہ اعتقاد رکھو کہ اس کے صفات اس کے ساتھ موجود ہیں یعنی نہ وہ صفات اس کی ذات ہیں اور نہ اس کے سوا، موجود و قائم ہیں، اور وہ اس کے ساتھ ہمیشہ ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور بقاء وغیرہ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ : بے شک وہی تمہارے سینوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے، نیز فرمایا وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ : اور اللہ ہر شے پر قادر ہے ؛ نیز فرمایا وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ، وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے ؛ ارشادِ باری ہے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ : جو چاہتا ہے کرتا ہے ؛ فرمانِ حق ہے ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ، وہی زندہ و باقی ہے کوئی اس کے سوا معبود نہیں ؛ نیز ارشاد ہے قَوْلُہُ الْحَقُّ وَلَہُ الْمُلْکُ ، اس کا کلام سچا ہے اور اسی کا ملک ہے ؛

اب رہا اس کے افعال کے اثبات کا علم ؛ تو یہ اعتقاد رکھو کہ وہی تمام مخلوق اور ان کے افعال کا خالق و پیدا کرنے والا ہے چنانچہ فرمایا وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ، اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور وہ بھی جو تم عمل کرتے ہو ؛

یہ جہان ناپید تھا، اسی کے پیدا کرنے سے موجود ہوا اسی نے ہر خیر و شر تقدیر میں لکھی اور نفع و نقصان کا وہی پیدا کرنے والا ہے، چنانچہ فرمایا اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ : اللہ ہر چیز کا خالق ہے ؛

اور احکامِ شریعت کے اثبات کی دلیل یہ ہے کہ تم یہ اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری جانب ایسے رسول اپنے معجزات اور خوارقِ عادات کے ساتھ مبعوث ہوتے رہے اور ہمارے رسول حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا حق ہیں اور آپ کے معجزات بہت ہیں، اور آپ نے جو کچھ بھی غیب و ظاہر باتیں ہم سے بیان فرمائیں سب حق ہیں ؛

شریعت کا پہلا رکن کتاب ہے، چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ ، اس میں محکم آیتیں ہیں ؛

اور دوسرا رکن سنت ہے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ رسول تو تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں باز رہو۔

اور تیسرا رکن اجماع امت ہے، چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ۔ میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی تم پر سواد اعظم یعنی بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے۔

بہرحال حقیقت کے احکام بہت ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ سب کو جمع کرے تو نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لطائف و اسرار کی کوئی نہایت نہیں ہے۔

فصل سوم

جاننا چاہئے کہ ملحدوں کا ایک گروہ (لعنہم اللہ) جن کو سوفسطائیہ کہتے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ کسی قسم کا بھی علم ہو درست نہیں ہے، اور علم بجائے خود کوئی شے نہیں۔ ہم ان کے جواب میں کہیں گے یہ تو تم نے جان لیا کہ کسی چیز کا علم درست نہیں ہے" یہ بات بھی صحیح ہے یا نہیں، اگر وہ کہیں یہ بات صحیح ہے تو انہوں نے علم ثابت کر دیا، اور اگر کہیں کہ یہ بھی صحیح نہیں۔ تو جو چیز بجائے خود صحیح و درست نہ ہو، اس سے معارضہ کرنا محال ہے۔ ایسے شخص سے بات کرنی بھی عقلمندی نہیں ہے، اور ملحدوں کا وہ گروہ جو اس طریق پر باتیں کرتا ہے اور یہی خیال رکھتا ہے کہ ہمارا علم کسی چیز میں صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا ہر چیز کے علم کو ہمارا ترک کرنا اس کے ثابت کرنے سے زیادہ کامل ہے۔ تو یہ اُن کی حماقت اور جہالت ہے۔ اس لئے کہ علم کا ترک کرنا دو باتوں سے خالی نہیں یا تو کسی علم سے ہوگا یا جہل و نادانی سے، اگر علم سے ترک کرتے ہیں تو علم کسی علم کی نفی نہیں کرتا اور ضد و مقابلہ میں نہیں آتا لہٰذا علم کے ذریعہ علم کی نفی و ترک محال ہے اب لامحالہ جہل و نادانی سے ہی علم کا ترک اور نفی ہوگی، جب یہ صحیح ہے تو علم کی نفی جہل ہے اور اس کا ترک کرنا جہالت ہے، اور جاہل مذموم ہوتا ہے۔ اور جہل قرینۂ کفر و باطل ہے کیونکہ حق کو جہل سے کوئی علاقہ نہیں ہے، یہ بات تمام مشائخ طریقت کے برخلاف ہے، جب ایسی بات لوگ سنیں گے تو یہ کہنے کی جرأت کریں گے، کہ تمام اہل تصوف کا مذہب یہی ہے اور ان کا ایسا ہی عقیدہ ہے تو عام لوگوں کا اعتقاد متزلزل اور پریشان ہو جائے گا، اور حق و باطل کی تمیز کی صلاحیت جاتی رہے گی، آج ہم نے ان تمام باتوں کو خدا کے حوالہ کر دیا، تاکہ ملحدین اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں، اگر دین حق انہیں قابو میں کرتا اور ان کی گردن پکڑتا، تو اس سے بہتر روش اختیار کرتے، اور دینی رعایت کے حکم کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور محبوبان خدا کو مکروہ و ناپسند نہ کرتے، اور اپنی حالت کو اس سے بہتر بنانے کی احتیاط کرتے، اگر ملحدوں کا یہ گروہ جو اس میں ضد و اصرار کرتا ہے، دین کے حسن و جمال کے ذریعہ اپنی آفتوں سے رستگاری پاتا اور عزت و منزلت کے سایہ میں اپنی زندگی گذارتا وہ ایسا نہ کرتے کہ سب کو اسی پر قیاس کرنے لگتے، اور ان کے ساتھ مکابرہ و مجادلہ سے پیش نہ آتے اور ان کی عزت و کرامت کو پامال نہ کرتے

مصنف یعنی سید نا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص سے بحث کا اتفاق ہوا جسے لوگ علم کے ساتھ منسوب کرتے تھے اور اسے اہل علم جانتے تھے۔ اور رعونت یعنی تکبر کی کلاہ کا نام علم رکھا ہوا تھا، حالانکہ وہ اپنی نفسانی پیروی کا نام سنت رسول اور شیطان کی موافقت کا نام سیرت ائمہ رکھے ہوئے تھا۔ اثنائے بحث میں اُس نے کہا کہ ملاحدہ کے بارہ گروہ بن گئے ہیں ان میں ایک گروہ صوفیاء کا ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ اگر ایک گروہ اہل تصوف کا ہے تو گیارہ گروہ تم میں سے ہیں، لہٰذا یہ ایک گروہ اپنے کو تمہارے گیارہ گروہ سے بہت اچھے طریقہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

یہ حالت موجودہ زمانہ کی آفتوں اور فسادوں کا نتیجہ اور اسی کی پیداوار ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے دوستوں اور محبوبوں کی ایک جماعت کو مخلوق سے چھپا کر رکھا ہے، اور اُس خلق کو ان کی خاطر ان سے جُدا رکھا ہے۔ کیا خوب شیخ المشائخ آفتاب مریداں حضرت علی ابن بندار صیرفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فَسَادُ الْقُلُوْبِ عَلٰی حَسَبِ فَسَادِ الزَّمَانِ وَاَهْلِهٖ۔ دلوں کا فساد زمانہ اور اہل زمانہ کے فساد کے مطابق ہوتا ہے۔

اب ہم ان کی باتوں کا فیصلہ لاتے ہیں تاکہ تم خبردار ہو جاؤ کہ ان صوفیائے کرام پر اللہ تعالیٰ کی کیسی صادق اور سچی عنائتیں رہی ہیں اور ان کے منکرین کیسے خائب و خاسر ہوئے ہیں وباللہ التوفیق۔

فصل چہارم

محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علوم تین قسم کے ہیں، ایک علم من اللہ، دوسرا علم مع اللہ، تیسرا علم باللہ، لیکن علم باللہ یہ علم معرفت ہے، کہ تمام انبیاء و اولیاء نے اسی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پائی ہے، جب تک اس کی انھیں معرفت و پہچان نہ ہوئی، منزل عرفان حاصل نہ ہوئی، بایں سبب کہ مطلقاً تمام اسباب اکتساب یعنی خالص کوشش اور محنت کے ذریعہ معرفت حاصل کرنا، تو یہ حق تعالیٰ کی ذات کی شناخت و عرفان کے لئے منقطع ہیں، کیونکہ بندہ کا علم معرفت الٰہی کی علت اور سبب نہیں بن سکتا، معرفت الٰہی کی علت اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت اور اس کی عنایت سے ہے۔

اور علم من اللہ کا نام علم شریعت ہے، کہ اس نے اپنے فرمان اور احکام کا ہمیں مکلف بنایا ہے، اور علم مع اللہ کا نام علم مقامات و طریق حق اور بیان درجات اولیائے کرام ہے۔ پس اس کی معرفت بغیر پیروی شریعت صحیح نہیں ہے، اور پیروی شریعت بغیر اظہار مقامات درست نہیں ہوتی۔

حضرت بوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ حَیٰوۃُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَهْلِ وَنُوْرُ الْعَیْنِ مِنَ الظُّلْمَةِ، علم نام ہے جہل سے دل کی زندگانی اور تاریکی سے آنکھ کی روشنی کا۔ پس علم جہالت کی موت سے دل کی زندگی ہے، اور کفر کی ظلمت

سے آنکھ کی روشنی یقین ہے۔ جس کسی کو معرفت کا علم نہیں ہے اس کا دل جہل سے مُردہ ہے، اور جس کسی کو شریعت کا علم نہیں ہے اُس کا دل نادانی سے بیمار ہے، پس کافروں کے دل مُردہ ہیں کیونکہ وہ خدا کی معرفت سے جاہل ہیں، اور اہلِ غفلت کا دل بیمار ہیں کیونکہ وہ اللہ کے فرمان سے جاہل ہیں،

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَنِ اکْتَفٰی بِالْکَلَامِ مِنَ الْعِلْمِ دُوْنَ الزُّھْدِ تَزَنْدَقَ وَمَنِ اکْتَفٰی بِالْفِقْہِ دُوْنَ الْوَرَعِ فَقَدْ تَفَسَّقَ۔ جس نے صرف علم کلام پر کفایت کی اور زہد نہ کیا وہ زندیق ہے اور جس نے علم فقہ پر قناعت کی اور پرہیزگاری نہ کی تو وہ فاسق ہے،

پس جس نے صرف توحید کی عبارتوں کا ہی علم اختیار کیا اور زہد نہ کیا وہ زندیق بن جاتا ہے اور جس نے بغیر پرہیزگاری علم فقہ اور شریعت کو پسند کیا وہ فاسق بن جاتا ہے، مطلب یہ کہ بغیر درستگی معاملہ اور مجاہدہ مجرد توحید جبر ہے، ایسا موحد قول میں جبری اور فعل میں قدری کہلائے گا جب تک کہ اس کی روش قدر و جبر کے درمیان درست ہو، یہ قول حقیقۃً انہیں بزرگ کا ہے چنانچہ ایک مقام پر انہوں نے فرمایا اَلتَّوْحِیْدُ دُوْنَ الْجَبْرِ وَفَوْقَ الْقَدْرِ، توحید کا مقام جبر سے کم اور قدر سے اونچا ہے،

پس جو بھی علم توحید کو بغیر معاملہ کے محض اس کی عبارتوں کو اختیار کرے اور اس کے اضداد و خلاف کی طرف متوجہ ہو اور زہد اختیار نہ کرے وہ زندیق ہو جاتا ہے،

اب رہا علم فقہ: تو اس کی شرط احتیاط اور تقویٰ ہے، پس جو بھی علم فقہ اور شریعت کو بغیر ورع اور پرہیزگاری کے پسند کرے اور رخصت و تاویلات اور تعلق و شبہات میں مشغول ہو جائے اور مجتہدانِ عظام کے مذہب سے نکل جائے تو وہ جلد ہی آسانی کے ساتھ فسق کے گڑھے میں پڑ جائے گا،

یہ تمام باتیں غفلت سے ظاہر ہوتی ہیں، شیخ المشائخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے، اِجْتَنِبْ صُحْبَۃَ ثَلَاثَۃِ اَصْنَافٍ مِنَ النَّاسِ اَلْعُلَمَاءُ الْغَافِلِیْنَ وَالْفُقَرَاءُ الْمُدَاھِنِیْنَ وَالْمُتَصَوِّفَۃُ الْجَاھِلِیْنَ، تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو، ایک غافل علماء سے، دوسرے خوشامدی فقراء سے، تیسرے جاہل صوفیوں سے،

غافل علماء وہ ہیں جنھوں نے دُنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنا رکھا ہے۔ اور شریعت میں آسانی کے متلاشی رہتے ہیں اور بادشاہ کو پوجتے، ظالموں کا دامن پکڑتے، ان کے دروازوں کا طواف کرتے، خلق میں عزت و جاہ کو اپنی محراب گردانتے، اپنے غرور و تکبر اور عقلمندی پر فریفتہ ہوتے۔ دانستہ اپنے کلام میں رقت پیدا کرتے، ائمہ و پیشواؤں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے، بزرگانِ دین کو مقہور کرتے اور زبان درازی میں مشغول رہتے ہیں، اگر ان کی ترازو کے پلڑے میں دونوں جہان کی نعمتیں نہیں پیدا ہوئیں۔ تو اس وقت وہ کینہ و حسد و اپنا مذہب بنا لیتے ہیں، غرضکہ یہ باتیں علم کی نہیں ہیں، علم تو ایک ایسی صفت و خوبی ہے جس سے جہل و نادانی کی باتیں ان

اہل علم سے دُور کر دیتی ہے ۔

اب رہے فقراء مداہنین[1]، تو یہ وہ لوگ ہیں، جب کوئی کام اپنی خواہش کے مطابق کرتے ہیں اگرچہ وہ باطل ہی ہو، تو وہ اس کی تعریف و مدح کرتے ہیں اور جب کوئی کام اپنی خواہش کے خلاف کرتے ہیں اگرچہ وہ حق ہی ہو، تو وہ اُس کی مذمت و بُرائی کرتے ہیں اور مخلوق سے ایسا سلوک کرتے ہیں جس میں جاہ و مرتبہ کی طمع ہوتی ہے اور عمل باطل پر خلق سے مداہنت کرتے ہیں (نعوذ باللہ منہا)۔

لیکن جاہل صوفی، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا کوئی شیخ و مرشد نہیں ہوتا، اور کسی بزرگ سے انھوں نے تعلیم و ادب نہیں سیکھا اور خود بخود مخلوق خدا کے درمیان کود پڑے جنھوں نے زمانہ کی ملامت کا مزہ تک نہ چکھا مگر اندھے پن سے سبز رنگ کے کپڑے پہن لئے اور بے حرمتی سے خوشی کے رستہ پڑ کر ان کی صحبت اختیار کر لی، اُن کی حماقتیں اُن میں پھیل گئیں، غرضکہ یہ خود ستائی میں مبتلا ہو کر حق و باطل کی راہ میں تمیز کرنا ان سے پوشیدہ ہو گیا۔ پس یہ تین گروہ ہیں جن کو شیخ کامل ہمیشہ یاد رکھے اور اپنے مریدوں کو اُن کی صحبت سے بچنے کی تلقین کرے، کیونکہ یہ لوگ اپنے دعاوی میں جھوٹے ہیں اور ان کی روش ناقص و نامکمل ہے ۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عَمِلْتُ فِي الْمُجَاهَدَةِ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا أَشَدَّ عَلَيَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِهٖ ۔ میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا مگر مجھ پر علم اور اس کی پیروی سے زیادہ سخت کوئی چیز نہ پائی ۔

خلاصہ کلام یہ کہ تمہاری طبیعت میں آگ پر پاؤں رکھنا آسان ہے، اس لئے کہ علم کے مطابق عمل اختیار کرے، اور جاہل کے دل پر ہزار بار پل سے گذرنا اس سے آسان ہے کہ ایک علمی مسئلہ سیکھے، اور فاسق کو جہنم میں خیمہ گاڑنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ کسی ایک علمی مسئلہ پر کاربند ہو، لہٰذا تمہیں چاہئے کہ علم سیکھو اور اس میں کمال حاصل کرو، اور بندہ کا کامل علم ہونا بمقابلہ علم الٰہی جہل ہے، چاہئے کہ وہ اسے سمجھے کہ میں کچھ نہیں جانتا، اس کے معنے یہ ہیں کہ بندہ بغیر بندگی کے علم کے کچھ نہیں جان سکتا، اور بندگی خدا سے بہت بڑا حجاب و پردہ ہے، اسی مفہوم میں یہ شعر ہے ؎

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْإِدْرَاكِ إِدْرَاكٌ ۔ وَالْوَقْفُ فِيْ طُرُقِ الْأَخْيَارِ شِرَاكٌ

علم کے ادراک سے عاجز رہنا ہی علم و ادراک ہے ۔ نیکیوں کی راہ میں ٹھہرنا شرک کرنا ہے ۔

جو شخص کہ تحصیل علم کی کوشش نہیں کرتا اور اپنے جہل پر مصر رہتا ہے مشرک رہتا ہے اور وہ کہ علم سیکھے اور اپنے کمال علم میں سے یہ شئے ظاہر ہو اور اس کی علمیت اسے یہ نصیحت کرے کہ اس کا علم اپنے نتیجہ کار میں بجز عاجزی کے کچھ نہیں ہے، اور علم الٰہی میں معلوم ہے کہ کوئی اثر و معنی ہی نہیں ہے، تو اس کا یہ عجز درحقیقت علم کی کنہ تک پہنچ جانا ہے ۔

---

[1] مداہنت: ... دونوں اس کے لغوی معنے ہیں دل میں جو ہو اس کے خلاف زبان و افعال سے ظاہر کرنا، یا معنے ہیں نفاق اور دو رخی کرنا ہے ۱۲ مترجم

باب دوم دربیان فقر

واضح رہنا چاہئے کہ راہِ حق میں درویشی کا مرتبہ بہت بلند ہے اور درویشوں کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (پ۳ ع ۵) ان فقیروں کے لئے جو راہِ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب ۔

نیز فرمایا ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ (پ۱۴ ع ۱۶) اللہ نے ایک کہاوت بیان فرمائی ایک بندہ ہے دوسرے کی ملک آپ کچھ مقدور نہیں رکھتا نیز ارشاد باری ہے تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (پ۲۱ ع ۱۵) ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خوابگاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے ۔

اور نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فقر اختیار فرمایا چنانچہ ارشاد ہے اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ اے خدا مجھے مسکینی میں زندہ رکھ اور مسکینی میں وفات دے اور مسکینوں کے ساتھ محشور فرما نیز آپ کا ارشاد ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اُدْنُوا مِنِّي أَحِبَّائِي فَيَقُولُ الْمَلَائِكَةُ مَنْ أَحِبَّاؤُكَ فَيَقُولُ الْفُقَرَاءُ الْمَسَاكِينُ میرے محبوبوں کو میرے قریب کرو فرشتے عرض کریں گے کون تیرے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ فقیر تنگدست ہیں ۔

اس کی مانند بکثرت آیات و احادیث ہیں یہاں تک کہ وہ درجۂ شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں، ان کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ دلائل صحت کی حاجت کیونکہ ایسا وقت بھی آیا تھا جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خود فقرا مہاجرین میں جلوہ فرما تھے اب رہے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی صحبت میں آپ کی بابرکت شریعت میں تمام سے کنارہ کش ہو کر اور ہر قسم کے معاملات کو چھوڑ کر اپنی روزی اللہ تعالیٰ کی عطا پر بھروسہ اور توکل کئے ہوئے بیٹھ گئے تھے یہاں تک کہ حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ صحبت و قیام پر اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا چنانچہ ارشاد باری ہے وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (پ۷ ع ۱۲) اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہیں ۔

نیز فرمایا وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (پ۱۵ ع ۱۷) اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار چاہو گے ۔

یہاں تک کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جس جگہ بھی ان میں سے کسی ایک کو ملاحظہ فرماتے تو آپ فرماتے میرے ماں باپ قربان یہ وہ حضرات ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے تاکید فرمائی، پس اللہ تعالیٰ نے فقیر کو بہت بڑا مرتبہ و درجہ عطا فرمایا ہے، اور

فقراء کو خاص منزلت مرحمت فرمائی ہے، یہاں تک کہ انھوں نے تمام اسبابِ ظاہری و باطنی کو ترک کرکے مکمل طور پر مسبّب الاسباب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو گئے ہیں؛ اب ان کا فقر ان کے لئے باعثِ فخر بن گیا، اور فقر کی دوری پر آہ و زاری اور اس کی آمد پر فرحت و خوشی کا اظہار کرنے لگے، صرف اسی فقر کو انھوں نے گود میں لیا، اور اس کے سوا ہر چیز کو ذلیل و خوار جانا؛ لیکن فقراء کی نرالی شان ہے اور اس کی عجیب رسم ہے، حقیقی رسم افلاس و اضطرار ہے، اور اس کی حقیقت اقبالِ اختیاری ہے یعنی خندہ پیشانی اسے قبول کرنا ہے؛ جس نے اس رسمِ فقر کو دیکھا اس نے اس رسم سے آرام پایا؛ جب مراد پالی تو حقیقت سے ہمکنار ہو گئے، اور جو حقیقت سے روشناس ہوا وہ موجودات سے دُور ہو گیا، اور رؤیتِ کل میں فنائے کلی حاصل کرکے بقائے کلی سے سرفراز ہو گیا۔

مَنْ لَمْ یَعْرِفْ سِوٰی رَسْمِہٖ لَمْ یَسْمَعْ سِوٰی اِسْمِہٖ، جس نے اس کی رسم کے سوا کچھ نہ جانا اس نے اس کے اسم کے سوا کچھ نہ سنا۔ پس فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو، اور کوئی شئے اسے خلل انداز نہ کرے۔ نہ وہ دنیاوی اسباب کے ہونے سے غنی ہو، اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو، اسباب کا ہونا یا نہ ہونا اس کے فقر کے نزدیک یکساں ہو، اور یہ کہ اس کے نہ ہونے میں وہ زیادہ خوش و خرم ہو تو یہ بھی جائز ہے، اس لئے کہ مشائخ نے فرمایا کہ درویش جس قدر تنگ دست ہو گا اس کا حال اتنا ہی زیادہ کشادہ ہو گا کیونکہ ظاہری وجود بھی درویش کے لئے بری معلوم ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ کسی چیز کا دروازہ بند نہیں کرتا، اگر بند کرے تو اتنا ہی اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے محبوبوں کی زندگی لطافتِ خفی میں ہوتی ہے، اور حق تعالیٰ کے ساتھ روشن اسرار بہتر ہوتے ہیں نہ کہ غدار دنیا جو نافرمانوں کی جگہ ہے اس کے اسباب سے علاقہ رکھنا، لہٰذا رضائے الٰہی کی راہ کو دنیاوی ساز و سامان روکنے اور منع کرنے والے ہوتے ہیں۔

حکایت

بیان کرتے ہیں کہ ایک درویش کی کسی بادشاہ سے ملاقات ہو گئی، بادشاہ نے کہا مجھ سے اپنی کوئی حاجت مانگو، اس نے جواب دیا کہ میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں مانگتا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کس طرح ہو سکتا ہے، کہا میرے دو غلام ہیں، یہ دونوں تیرے آقا ہیں، ایک حرص، دوسرے امید و تمنا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْفَقْرُ عِزٌّ لِاَھْلِہٖ (فقر اس کے اہل کے لئے موجبِ عزت ہے) پس جو چیز اہل کے لئے موجبِ عزت ہوتی ہے، وہ نااہل کے لئے باعثِ ذلت بن جاتی ہے۔

فقیر کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ذلیل حرکتوں سے بچائے اور اپنے حال کو خلل سے محفوظ رکھے، نہ بدن معصیت و لغزش میں پڑے، اور نہ اپنی جان پر خلل و آفت راہ پائے، چونکہ اس کی ظاہری حالت ظاہری نعمتوں میں مستغرق ہو اور اس کا باطن باطنی نعمتوں سے آراستہ ہو، تاکہ اس کا جسم روحانیت اور اس کا دل ربانی انوار کا منبع ہو۔ نہ خلق کا اس سے علاقہ ہو اور نہ آدمیت کی اس

بے نسبت ہو۔ یہاں تک کہ وہ خلق سے علاقہ رکھنے اور آدمیت کی نسبت رکھنے سے بے نیاز و نفیر ہو، اور اس جہان کی ملکیت اور آخرت میں درجات کی خواہش سے دل کو تونگر نہ کرے، اور یہ جانے کہ دونوں جہان اس کے فقر کی ترازو کے پلہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ جب فقر کی یہ حالت ہو گئی، تو اس کا ایک سانس بھی دونوں جہان میں سما نہیں سکتے۔

فصل اوّل

مشائخ کرام رحمہم اللہ کا اس باب میں اختلاف ہے کہ فقر و غنا میں خلق کی صفات کے اندر کون سا افضل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں غنی ہے اور تمام صفات میں کامل ہونا اسی کا خاصہ ہے۔

یحییٰ بن معاذ رازی، احمد بن ابی الحواری، حارث المحاسبی، ابو العباس، ابن عطا، ابو الحسن بن شمعون جو متقدمین مشائخ میں سے ہیں، اور متاخرین میں سے شیخ المشائخ ابو سعید فضل اللہ بن محمد المیہنی رحمہم اللہ سب کا مذہب یہی ہے کہ فقر سے غنا افضل ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ غنا حق تعالیٰ عزّ اسمہ کی صفت ہے، اس کے لئے فقر کی نسبت جائز نہیں ہے، پس جس محبوب و دوست میں ایسی صفت مشترک ہو جو بندہ اور معبود میں پائی جائے، وہ دوست محبوب کامل ہوتا ہے، ایسی صفت کے مقابلہ میں جس کی نسبت جائز نہ ہو، جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ اشتراک صرف اسم میں ہے نہ کہ معنیٰ میں، حالانکہ معنیٰ میں اشتراک کی مماثلت چاہئے (اور یہ محال ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور مخلوق کی حادث، لہٰذا یہ دلیل باطل ہے۔

اور میں یعنی (سیدنا داتا گنج بخش) علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ کہتا ہوں کہ نام غناً کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مخلوق اس نام کی مستحق نہیں ہے، اور مخلوق کے لئے نام فقر ہی لائق و مناسب ہے، یہ نام حق تعالیٰ کے لئے جائز نہیں ہے، البتہ ہم مجازاً کسی کو غنی کہدیتے ہیں نہ یہ کہ وہ حقیقۃً غنی ہے، اس کی واضح اور روشن دلیل یہ ہے کہ ہمارا غنا اسباب کے موجود ہونے کے ساتھ ہے اور جب ہم اسباب غنا کے مال کو قبول کر لیتے ہیں تب مسبّب یعنی غنی ہو جاتے ہیں اور حق تعالیٰ تو مُسَبِّبُ الاسباب یعنی اسباب کو پیدا فرمانے والا ہے، اس کی غنا کے لئے کسی سبب کی حاجت نہیں ہے، پس اس صفت میں شرکت باطل ہے: نیز جب عین ذات باری تعالیٰ میں شرکت جائز نہیں ہے تو کسی کو اس کی کسی صفت میں بھی شرکت جائز نہیں ہے، جب صفت میں جائز نہیں، تو اسم میں بھی جائز نہیں رہ سکتا۔

اب رہا نام رکھنا تو مابین مخلوق کے نام رکھنا ایک نشانی اور تعین کے لئے ہوتا ہے، اور خدا اور مخلوق کے درمیان حد فاصل (قدم و حدوث کی) ہے، پس حق تعالیٰ کا غنا یہ ہے کہ اسے کسی کی پرواہ نہیں ہے، اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، نہ تو کوئی اس کے ارادہ کو روک سکے اور نہ کوئی اس کی قدرت میں مانع بن سکے، وہ اعیان یعنی موجودات کو پلٹنے اور مختلف چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے ہمیشہ اس صفت پر رہا اور ہمیشہ رہے گا۔

اور مخلوق کا غنا یہ ہے کہ اس کی زندگی عیش و آرام اور خوشی و مسرت کے ساتھ ہر آفت سے محفوظ گزرے، یا مشاہدہ اور دیکھنے سے آرام پائے۔ ان تمام باتوں میں حدوث و تغیر اور مشقت، و حسرت کا سرمایہ اور عجز، و تذلل کا مقام ہے، پس لفظ غنا کا استعمال بندوں کے لئے مجازی اور اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ـ اے لوگو تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ ہی غنی خوبیوں سراہا ہے، نیز فرمایا وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ: اللہ ہی غنی ہے اور تم محتاج و فقیر ہو۔

عام لوگوں میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ تونگر کو درویش پر فضیلت دیتے ہیں یعنی فقیر سے مالدار کو اچھا جانتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دونوں جہان میں نیک بخت اور سعید پیدا فرمایا ہے، اور تونگری کا اس پر احسان رکھا۔ عوام کی یہ جماعت اس جگہ غنا سے دنیاوی کثرت، نفسانی آرزوؤں کا پانا اور خواہشوں کا بآسانی مل جانا مراد لیتے ہیں۔ اس پر وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ غنا پر شکر گذاری کا حکم دیا اور فقر پر صبر و قناعت کا، پس صبر بلا میں ہوتا ہے اور شکر نعمتوں میں، اور یہ حقیقت ہے کہ بلا سے نعمتیں افضل ہیں۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ نعمت پر شکر گذاری کا حکم دیا، اور شکر کو زیادتی نعمت کی علت گردانا۔ فقر پر صبر کا حکم دیا، اور صبر کو زیادتی قربت کی علت گردانا، چنانچہ فرمایا لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ اگر تم نے شکر کیا تو تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ اور صبر کے لئے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مطلب یہ کہ ہر وہ نعمت جس کی بنیاد اور جڑ غفلت ہے جب شکر بجا لاتے تو اس کی غفلت پر غفلت بڑھا دیتے ہیں اور ہر وہ فقر جس کی بنیاد و جڑ بلا ہے، جب صبر کرتا ہے تو اس کی قربت کو اور زیادہ قربت عنایت فرماتے ہیں۔

اب رہا وہ غنا جسے مشائخ کرام فقر پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس سے عوام کا غنا مراد نہیں ہے کیونکہ عوام تو اسے غنی کہتے ہیں جو دنیاوی نعمتیں پائے لیکن مشائخ کا غنا سے مراد منعم (نعمت دینے والے) خدائے قدوس کو پانا ہے، پس وصال الٰہی کو پانا ایک اور چیز ہے اور غفلت کو حاصل کرنا دوسری چیز ہے۔

شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْفَقِیْرُ ھُوَ الْغَنِیُّ بِاللّٰہِ (فقیر وہی ہے جو اللہ کے ساتھ غنی ہو) اس سے مراد ابدی کشف ہے جسے ہم مشاہدہ حق کہتے ہیں، مکاشفہ ممکن الحجاب ہے، اگر اس صاحب مکاشفہ کو محجوب گردانیں تو وہ مشاہدات کا محتاج ہوگا یا نہیں، اگر کہو نہیں ہوگا تو یہ محال ہے، اور اگر کہو کہ محتاج ہوگا تو جب احتیاج پیدا ہوگئی تو غنا کا نام جاتا رہا۔

نیز غنا باللہ اس شخص کو ہوتا ہے جو قائم الصفات اور ثابت المراد ہو، اور بشریت میں اقامت مراد اور اثبات صفات کے ساتھ غنا صحیح نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ ذات بشریت بجائے خود غنا کے لائق نہیں۔ کیونکہ وجود بشریت سراپا محتاجی ہے اور علامت حدث عین احتیاج، پس وہی شخص غنی ہوگا جو باقی الصفات ہو، فانی الصفات تو برائے نام بھی لائق نہیں، بس اَلْغَنِیُّ مَنْ اَغْنَاہُ اللّٰہُ،

یعنی غنی وہ جسے اللہ تعالیٰ غنی کرے، اس لئے کہ غنی باللہ فاعل ہے، اور اَغْنَاہُ اللّٰہُ یعنی جسے اللہ غنی کرے وہ مفعول، کیونکہ فاعل از خود قائم ہوتا ہے، اور مفعول کا قیام فاعل کے ذریعہ، پس اقامت بخود صفت بشریت ہے، اور اقامت باللہ فنا کی صفت ہے۔

اور میں کہ (یعنی سید ناداتا گنج بخش) علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہوں کہ جب حالت بندگی یہ درست ہے کہ بقائے صفت بشریت پر غنائے حقیقی کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ بقائے صفت محل علت اور موجب آفت ہے یہ دلائل مذکورہ سے ثابت ہو چکا کہ اپنی صفت کی فنا سے غنا باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ جو چیز خود ہی باقی نہ رہے اس کا نام نہیں ہوتا۔ پس فنائے صفت کا نام غنا نہ چاہئے، اور جبکہ خود صفت ہی فانی ہے تو اسم کا مقام نہ رہا، ایسے شخص پر نہ اسم فقر بولا جا سکتا ہے نہ اسم غنا، لہٰذا صفت غنا حضرت حق جل ذکرہٗ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں، اور صفت فقر بندے کے ساتھ خاص ہے۔

پھر تمام مشائخ اور اکثر عوام فقر کو غنا سے افضل مانتے ہیں، کیونکہ قرآن و سنت اس کی فضیلت پر شاہد ہیں اور امت مسلمہ کی اکثریت کا اس پر اجماع ہے۔

حکایت

میں نے حکایتوں میں پایا کہ ایک روز حضرت جنید بغدادی اور ابن عطا رحمہما اللہ کے درمیان اس مسئلہ پر بحث ہوئی، ابن عطا اس پر دلیل لاتے کہ اغنیاء افضل ہیں، کیونکہ بروز قیامت نعمتوں پر حساب لیا جائیگا، اور حساب دینے کے لئے بے واسطہ کلام سننا ہوگا، چونکہ یہ محل عتاب ہے، اور عتاب دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔ حضرت جنید نے فرمایا، اگر اغنیاء سے حساب ہوگا تو درویشوں سے عذر خواہی ہوگی اور حساب سے عذر افضل ہے۔

اس جگہ ایک عجیب لطیفہ کہتا ہوں کہ محبت کی تحقیق میں عذر بیگانگی ہے اور عتاب یگانگی کے خلاف، حالانکہ دوستان خدا تو اس مقام پر ہوتے ہیں جہاں یہ دونوں چیزیں ان کے احوال میں آفت ظاہر کرتی ہیں، اس لئے کہ عذر خواہی تو کسی ایسے قصور کے موجب ہوتا ہے جو دوست کے بارے میں اس کے فرمان کے خلاف کیا گیا ہو جب دوست اپنے حق کو اس سے طلب کرتا ہے، تو یہ اس سے عذر خواہی کرتا ہے، اور عتاب دوست کے فرمان میں کسی قصور کے موجب ہوتا ہے ایسی صورت میں دوست اس کے قصور کے سبب اس پر عتاب کرتا ہے، دوستان خدا کے لئے یہ دونوں باتیں محال ہیں، ہاں مگر [illegible] فقر کی حالت میں [illegible] شکر بجالاتے ہیں، اور یہ بات بھی ہے کہ دوستی کا تقاضا تو یہ ہے، دوست اپنے دوست سے کوئی حکم طلب نہ کرے، اور نہ دوست دوست کے فرمان کو ضائع کرے، لہٰذا

ظَلَمَ مَنْ سَمّٰی ابْنَ اٰدَمَ اَمِیْرًا وَقَدْ سَمَّاہُ رَبُّہٗ فَقِیْرًا، اس نے ظلم کیا جس نے آدمی کا نام امیر رکھا، حالانکہ اس کے رب نے اس کا نام فقیر رکھا ہے۔

اس لئے کہ اس کا نام حق تعالیٰ کی طرف سے فقیر ہے، اگرچہ بظاہر وہ امیر ہے مگر حقیقۃً وہ فقیر ہی ہے ؛ وہ شخص ہلاک ہو گیا جس نے خود کو گمان کیا کہ وہ امیر نہیں ہے اگرچہ وہ تخت وحکومت پر موجود ہو، اس لئے کہ غنی صاحب صدقہ ہیں اور فقراء صاحب صدق، ہرگز صاحب صدق، صاحب صدقہ کے مانند نہیں ہو سکتا، پس حقیقت میں فقر ایوب (علیہ السلام) مانند غنائے سلیمان (علیہ السلام) ہے، اس لئے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے اُن کے صبر کی پختگی پر فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ (کیا ہی اچھا بندہ ہے) ؛ و حضرت سلیمان علیہ السلام سے اُن کی حکومت کی استقامت کے وقت فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ (کیا ہی اچھا بندہ ہے) ؛ جب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی، تو اب فقر ایوب علیہ السلام مانند غنائے سلیمان علیہ السلام بن گئی ؛

حکایت

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سُنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ فقر و غنا پر بحث کرتے ہیں اور خود کو مختار خیال کرتے ہیں، لیکن میں اُسے اختیار کرتا ہوں جو حق تعالیٰ میرے لئے اختیار فرمائے ؛ اس کی میں حفاظت کرتا ہوں اگر وہ مجھے تونگر رکھے تو غافل نہیں ہوتا، اور اگر وہ درویش بنائے تو حریص اور معترض نہیں ہوتا ؛ پس غناء ایسی نعمت ہے جس میں غفلت ایک آفت ہے ؛

معنیٰ کے اعتبار سے سب بہتر ہیں لیکن سلوک و روش کے لحاظ سے مختلف ہیں، ماسوا سے دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے اور غیر میں مشغول رہنے کا نام غنا ہے ؛ جب دل فارغ ہو گیا تو فقر غنا سے افضل ہے اور غنا فقر سے ؛ ساز و سامان کی کثرت کا نام غنا نہیں، اور نہ اس کے نہ ہونے کا نام فقر ہے ؛ ساز و سامان تو خدا کی طرف سے ہے ؛ جب طالب ملکیت سے جُدا ہو گیا تو شرکت جاتی رہی اور وہ دونوں ناموں سے فارغ ہو گیا ؛

فصل دوم

مشائخ طریقت رحمہم اللہ سے فقر و غنا کے معنیٰ میں چند رموز مروی ہیں، اب میں حسب مقدور اُن کے اقوال کو اسی کتاب میں لاتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ۔

متاخرین مشائخ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ لَيْسَ الْفَقِيْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الزَّادِ اِنَّمَا الْفَقِيْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الْمُرَادِ، فقیر وہ نہیں جو ساز و سامان سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کا دل آرزوؤں اور تمناؤں سے خالی ہو ؛ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت دے تو اگر اس کی خواہش اس مال کی حفاظت ہو تو وہ غنی ہو گا اور اگر اس کی خواہش ترک مال ہو تب بھی غنی ہو گا، کیونکہ یہ دونوں باتیں ملک غیر میں تصرف کرنا ہے حالانکہ فقر ترک حفظ و تصرف کا نام ہے ؛

یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عَلَامَۃُ الْفَقْرِ خَوْفُ الْفَقْرِ فقر کی علامت فقر سے ڈرنا ہے۔ یعنی صحت فقر کی علامت یہ ہے کہ بندہ کمال ولایت، قیام مشاہدہ، فنائے صفت کے باوجود انقطاع سے ڈرتا رہے کہ کہیں وہ کامل طور پر اس حال میں پہنچ جائے کہ حاصل شدہ حالت کے جاتے رہنے سے ڈرتا رہے۔

رویم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مِنْ نَعْتِ الْفَقِیْرِ حِفْظُ سِرِّہٖ وَصِیَانَۃُ نَفْسِہٖ وَاَدَاءُ فَرِیْضَتِہٖ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے اسرار کی حفاظت کرے اور اپنے نفس کو بچائے اور اس کے فریضہ کو ادا کرے۔

مطلب یہ کہ تیرا باطن اسرار کو اغیار سے بچائے اور تیرا ظاہر آفات سے محفوظ رہے اور اس پر احکام الٰہی جاری کرے چنانچہ جس شخص کا اسرار برگزیدہ ہوتا ہے وہ ظاہر میں مشغول نہیں ہوتا اور جو ظاہر پر ہوتا ہے وہ اسرار میں مشغول نہیں ہوتا۔ اس کا غلبہ حال یہ ہوتا ہے کہ حق کے احکام جاری کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا یہ علامت صفائے بشری کے زائل ہونے کی ہوتی ہے یعنی بندہ مکمل طور پر حق کے ساتھ موافق بن جاتا ہے یہ معنی حق کی جانب سے ہوتے ہیں۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَی الْفَقْرِ۔ سب سے افضل مقام یہ ہے فقر پر ہمیشہ صبر کا اعتقاد رکھنا یعنی فقر پر صبر کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا بندہ کے مقامات میں سب سے افضل ہے۔ اور فقر مقامات کے فنا ہونے کا نام ہے پس فقر پر صبر کے اعتقاد کی علامت یہ ہے کہ اعمال و افعال کی آفتوں اور اوصاف کے فنا کو دیکھے لیکن ظاہر معنی میں یہ قول غنا پر فقر کی فضیلت اور اعتقاد رکھنے میں ہے کہ ہرگز کسی حال میں اس سے منہ نہ موڑے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْفَقِیْرُ مَنْ لَّا یَسْتَغْنِیْ بِشَیْءٍ دُوْنَ اللّٰہِ۔ فقیر وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔ اس لئے اس کے سوا کسی سے کوئی مراد و علاقہ ہی نہیں رکھتا۔ ظاہر لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا تونگری پاؤ گے ہی نہیں۔ جب اسے پالیا تو تونگر ہو جاؤ گے۔ پس تیرا وجود اس کا غیر ہے۔ اور جب تونگری بجز ترک غیر حاصل ہونا ممکن نہیں تو تونگری تجاب بن گئی ہے۔ جب تم اس راہ میں کھڑے ہو گئے تو تونگر کیسے ہو سکتے ہو یہ کلمہ باریک اور لطیف ہے۔ اہل حقیقت کے نزدیک اس کلمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ اَلْفَقِیْرُ مَنْ لَّا یَسْتَغْنِیْ عَنْہُ۔ فقیر وہ ہے کہ اس کے لئے ہرگز غنا نہ ہو۔

یہ وہ معنی ہیں جسے شیخ طریقت یعنی عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہمارا غم تو دائمی ہے نہ تو کسی حال میں اپنی ہمت سے مقصود کو پا سکتے ہیں اور نہ پورے طور پر دنیا و آخرت میں اس سے نابود ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی چیز کو پانے کے لئے مجانست یعنی ہم جنسی کی ضرورت ہے، اور وہ جنس نہیں ہے۔ اور کلام سے روگردانی کے لئے غفلت درکار ہے لیکن درویش غافل نہیں ہوتا۔ بس ہمیشہ کام پوری پار رہیگا کیونکہ پیش آمدہ راہ دشوار و مشکل ہے۔ اور وہ ایسا دوست ہے کہ محنت و مشقت کے ذریعہ اس کا دیدار حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس کا وصال مخلوق کی قدرت والی جنس کی تحصیل سے ہے۔ اور فنا پزیر بدلی صورت میں اور بقاء پذیر تغیر جائز نہیں۔

ہرگز فانی باقی ہوتا کہ وصال پائے۔ ورنہ باقی فانی ہو کر نزدیکی حاصل کرے۔ اس کے دوست تو سراسر مشکل ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دل کی تسلی کے لئے خوبصورت عبارتیں بنا دی گئی ہیں اور راحتِ جان کے لئے مقامات و منازل اور رستے ظاہر کر دیئے ہیں۔ ان کی عبارتیں از خود بخود آراستہ اور ان کے مقامات اپنی جنسیت میں پراگندہ ہیں۔ اور حق تعالیٰ مخلوق کے اوصاف و احوال سے پاک و منزہ ہے۔

ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نَعْتُ الْفَقِیْرِ السُّکُوْتُ عِنْدَ الْعَدَمِ وَالْبَذْلُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ وَقَالَ اَیْضًا اَلْاِضْطِرَابُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ: فقیر کی تعریف یہ ہے کہ نہ ہونے کے وقت خاموش رہے جب ہو تو خرچ کرے۔ نیز فرمایا موجودگی کے وقت پریشان ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ جب مال نہیں ہوتا تو خاموش رہتا ہے اور جب ہوتا ہے تو اپنے سے زیادہ دوسرے کو بہتر جان کر خرچ کرتا ہے پس وہ شخص جس کی آرزو ایک لقمہ ہے جب اپنی مراد سے باز رہتا ہے تو اس کا دل ساکن ہوتا ہے۔ اور جب وہ لقمہ مل جاتا ہے تو اپنے معاملہ میں دوسرے کو بہتر جان کر دوسرے کو دے دیتا ہے، یہ بہت بڑا کام ہے۔ اس قول میں دو اشارے ہیں: ایک یہ کہ وہ نہ ہونے کی حالت میں خاموش رہتا اور راضی برضا رہتا اور موجود ہونے کی صورت میں پسند کرتا تاکہ وہ دوسرے پر خرچ ہو کیونکہ راضی ہونا حصولِ خلعت کے قابل بناتا ہے اس لئے کہ خلعت نزدیکی و قربت کی نشانی ہے۔ اور طالب تارکِ خلعت ہے کیونکہ خلعت میں فرقت کا نشان ہے۔ اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ وہ ساکن ہوتا ہے یعنی نہ ہونے کی حالت میں موجود ہونے کے انتظار میں خاموش رہتا ہے۔ جبکہ وہ موجود ہو گیا تو چونکہ اس کا وجود غیر کا ہے، اور وہ غیر سے راحت و آرام نہیں پاتا تو اسے اپنے سے جدا کر دیتا ہے۔ یہی مفہوم شیخ المشائخ ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید رضی اللہ عنہم کے قول کا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں اَلْفَقْرُ خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاَشْکَالِ: ہر شکل و صورت سے دل کا خالی کرنا فقر ہے۔ دل میں جب شکل ہوتی ہے، تو چونکہ شکل غیر ہے بجز اس کے نکال پھینکنے کے چارہ کار نہیں۔

حضرت **شبلی** علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاءُہٗ کُلُّہٗ عِزٌّ: فقر بلاء کا سمندر ہے اور تمام بلائیں عزت میں اور عزت نصیبِ غیر ہے اس لیے کہ مبتلا تو عین بلاء میں ہے اسے غیر سے کیا سروکار۔ اس وقت تو وہ بلاء سے بھی میلان نہیں رکھتا۔ اس وقت اس کی بلا تمام تر عزت ہوتی ہے اور اس کی عزت ہر وقت ہوتی ہے اور اس کا وقت سب محبت میں ہوتا ہے اور اس کی محبت تمام مشاہدہ میں ہوتی ہے تاکہ وہ طالب کا پورا دماغ غلبۂ خیال سے محل دیدار بن جائے یہاں تک کہ بے دیکھے بینا اور بے گوش سننے والا ہو جاتا ہے، پس یہ بندہ صاحبِ عزت ہے کہ اس نے بلا کا بوجھ اٹھا رکھا ہے، کیونکہ حقیقت میں بلا عزت کی شئی اور دنیاوی نعمتیں ذلت کی شئے، اس لئے عزت تو وہی ہے جس سے بندہ کی بارگاہِ حق میں حضوری ہو۔ اور ذلیل و حقیر وہ شئی ہے جس سے بندہ حق سے دور ہو، اور بلائے فقر حضوری کی علامت ہے اور راحتِ غنا و تونگری غیبت و دوری کا نشان ہے۔ پس حاضر بحق صاحبِ عزت ہے اور غائب از حق ذلیل و رسوا۔ جس بلا کے نتیجے مشاہدہ ہو اور اس کے دیدار سے انس ہو اس سے جس طرح بھی تعلق ہو غنیمت ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اِنَّکُمْ تُعْرَفُوْنَ بِاللّٰہِ وَتُکْرَمُوْنَ لِلّٰہِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَکُوْنُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِذَا خَلَوْتُمْ بِہٖ ۔ اے گروہ فقراء تم کو باخدا پہچانتے ہیں اور اس کی خاطر تمہاری توقیر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ جب تم خلوت میں اس کے ساتھ ہو تو کیا کیفیت ہوتی ہے ۔

یعنی جب خلق تم کو درویش کہے اور تمہارا حق ادا کرے تو تم درویشی کے طریقہ کا حق کس طرح ادا کر دو گے ۔ اگر خلق تم کو بخلاف تمہارے ...ے کے کسی اور نام سے پکارے تو ان کی یہ باتیں پسند نہ کرو ۔ تم بھی اپنے دعوے کے ساتھ انصاف و راستی برتو ۔ کیونکہ لوگوں میں وہ شخص بہت ذلیل ہے کہ لوگ اسے درویش جانیں اور خود وہ ایسا نہ ہو ۔ اور وہ بہت بہتر ہے جسے لوگ درویش نہ کہیں اور وہ درویش ہو ۔ اسی طرح وہ شخص برا ہے جسے لوگ باخدا درویش کہیں اور وہ باخدا درویش نہ ہو جس طرح کوئی یہ دعوے کرے کہ میں طبیب ہوں اور بیماروں کا علاج کرنے لگے ۔ حالانکہ وہ علم طب میں کچھ درک نہیں رکھتا اور لوگوں کو اور زیادہ بیمار کر دیتا ہے ۔ جب خود بیمار ہوتا ہے تو عاجز رہ جاتا ہے اپنا علاج نہیں کر سکتا دوسرے طبیب کو تلاش کرتا ہے تاکہ اس کا علاج کرے ۔ اور مثال اس درویش کی جسے لوگ باخدا کہیں اور وہ باخدا ہو بھی ، مانند اس طبیب کے ہے جو بیماروں کا علاج کر سکے لیکن جب وہ خود بیمار ہو تو کسی دوسرے کی اسے حاجت نہ ہو بلکہ خود ہی علاج کرے ۔ اور مثال اس درویش کی جسے لوگ باخدا درویش نہ جانیں حالانکہ وہ باخدا درویش ہو ۔ وہ اس مرد طبیب کی طرح ہے جو لوگوں کو اپنے طبیب ہونے کی خبر نہ کرے اور ان کی رجوعات سے فارغ ہو لیکن خود موافق غذاؤں ، مفرح شربتوں اور عمدہ معتدل ہواؤں کا لحاظ رکھے تاکہ بیمار نہ ہو جائے اور چشم خلائق سے وہ اوجھل رہے ۔

بعض متاخرین مشائخ فرماتے ہیں اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ ۔ بغیر وجود کے عدم کا نام فقر ہے ۔

اس قول کی عبارت منقطع ہے یعنی اس کے معنی لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتے اس لئے کہ معدوم کوئی شئے نہیں ہوتی اور وجود شئے بغیر بیان نہیں کر سکتے ۔ پس اس عبارت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ فقر کوئی چیز نہیں ۔ اور یہ کہ مذکورہ عبارتیں اور تمام اولیاء اللہ کا اجماع و اتفاق بے اصل ہے کیونکہ وہ خود اپنی ذات میں فانی و معدوم ہیں اور یہ مثال اس عبارت سے عین کا عدم مراد نہیں بلکہ عین عدم آفت ہے حالانکہ آدمی کی تمام صفتیں آفت ہیں ۔ جب آفت کی نفی ہو گئی تو وہ صفت کا فنا ہونا ہے اور فنا کے صفت وصول و عدم وصول کے واسطہ کو ان کے سامنے سے ہٹاتا ہے اور ذات سے ان کے حال کو معدوم کرنا ذات کی نفی قرار پاتی ہے اور اس میں انہیں ہلاک کر دیتا ہے ۔ اور مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے متکلمین کی ایک جماعت کو دیکھا جنہیں اس کے معنی کی خبر نہ تھی مگر وہ ہنستے تھے کہ یہ بات معقول نہیں ہے اور مدعیان (کاذب) کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اس نامعقول بات کو مانتے اور اس پر اعتقاد و بھروسہ رکھے ہوئے تھے ۔ اصل قصہ انہیں معلوم نہ تھا اور کہتے تھے اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ ۔ (بغیر وجود کے عدم کا نام فقر ہے) یہ دونوں گروہ غلطی پر ہیں ۔ ایک بربنائے جہالت حق سے منکر ہوا ، اور دوسرے نے جہل و نادانی کو اپنا حال بنا لیا ۔ اور انہوں نے غلو پکڑا ۔

اس گروہ کی عبارتوں میں عدم و فنا سے مراد مذموم آلات اور ناپسندیدہ صفات سے بیزار ہونا اور پسندیدہ اور عمدہ صفات کی تجو کرنا ہے۔ آلات طلب و سعی میں معدوم و ناپید ہونا مراد نہیں ہے۔ غرضیکہ درویش کو تمام معانی فقر میں خالی ہونا اور ہر سبب سے بیگانہ ہونا چاہیے۔ اب رہی یہ بات کہ اسرار ربانی میں سیر کرنا تاکہ اپنے امور کو اس سے حاصل کرے اور اپنے فعل کو اس کی طرف نسبت کرے اور معانی و مقاصد کو اس سے اعتماد کرے۔ تو جب اس کے امور کسب و محنت کی بندش سے رہائی پا جائیں تو فعل کی نسبت اس سے جدا ہو جاتی ہے اس وقت اس پر جو حال بھی گزرتا ہے تو وہ گذرگاہ ہوتا ہے نہ کہ راہ چلنے والا۔ پس وہ کسی چیز کو نہ تو از خود اپنی طرف لاتا ہے اور نہ اپنے سے دور کرتا ہے سب کو حق تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہے اور جو نشان اس پر ہو اسے حق سمجھتا ہے۔

مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے زبان آور مدعیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ذات فقر میں اس کی نفی وجود کے ادراک سے ان کے کمال کی نفی ظاہر کرنا تھا حالانکہ بذات خود یہ بات بھی بہت عزیز ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ حقیقت فقر سے ان کے نفی کرنے سے مراد وہ لوگ عین فقر میں نفی صفت کا ظاہر کرنے تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ طلب حق و حقیقت کی نفی کو فقر و صفت کہتے تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ اپنی ہوا و خواہش کو ثابت و برقرار رکھ کر نفی کل ظاہر کرتے تھے۔ اور بحقیقت فقر کے ہر ایک درجہ میں وہ پسماندہ تھے اس لئے کہ مرد کے لئے اس بات کا سمجھنا کمال ولایت کی علامت ہے۔ اور اس بات کے سمجھنے کے در پے ہونا غایت درجہ کا مقصد ہے لیکن ان معنی سے محبت کرنا محل کمال ہے۔ پس طالب فقر و تصوف کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ان کی راہ پر چلے۔ ان کے مقامات کو طے کرے اور ان کی عبارتوں کو جانے اور سمجھے۔ تاکہ محل خصوصیت میں عامی نہ رہے۔ کیونکہ تمام اصول، اصول سے اور تمام فروع، فروع سے جدا ہوتے ہیں۔ جو پہنچنے والا شخص جب فروع سے رہ جاتا ہے تو اس کی اصول سے کچھ نسبت ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اصول سے رہ جائے تو وہ کہیں بیٹھنے کے قابل نہیں رہتا اور کسی سے اس کی نسبت نہیں رہتی۔

یہ تمام باتیں میں نے اس لئے لکھی ہیں تاکہ تم ان معانی میں غور کرو اور حق کی رعایت میں مشغول ہو

اب میں مشائخ طریقت کے کچھ اصول و رموز اور اشارات کو بیان کرتا ہوں جو تصوف کے بارے میں انھوں نے فرمائے ہیں۔ پھر مردان خدا کے نام اور مشائخ متصوفہ کے مذاہب کا اختلاف بیان کروں گا۔ اس کے بعد حقائق و معارف اور شرائع کے احکام بیان کر کے ان کے مقامات کے رموز و اداب حسب مقدرت بیان کروں گا تاکہ تم پر اور ہر وہ شخص جو اس کشف کو پڑھے اس پر حقیقت ظاہر ہو جائے

وباللہ التوفیق ۔

باب سوم در تصوّف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا
رحمٰن کے وہی بندے ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ پکارتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔

رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا یُؤَمِّنُ عَلٰی دُعَائِهِمْ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔ جو صوفیائے کرام کی آواز سنے پھر ان کی پکار کو قبول نہ کرے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔ لوگوں نے اس اسم کی تحقیق میں بہت کچھ کہا اور کتابیں لکھی ہیں چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو اس لئے صوفی کہا جاتا ہے کہ وہ صوف یعنی پشمینہ کا کپڑا پہنتا ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ صوفی کو اس لئے صوفی کہتے ہیں کہ وہ صف اول میں ہوتا ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اس لئے صوفی کہتے ہیں کہ یہ حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی قائم مقامی کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ اسم صفا سے مشتق ہے۔ غرضکہ اس کے ہر ایک سے میں طریقت کے بہت لطیفے ہیں۔ لیکن لغوی لحاظ سے یہ معنی بعید از مفہوم ہو جاتے ہیں پس ہر حالت میں صفائے باطن وظاہر محمود و پسندیدہ ہے اور اس کی ضد و خلاف کدر و خراب ہوتا ہے۔

رسول کریم رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْیَا وَبَقِیَ کَدَرُهَا دنیا کی پاکیزگی جاتی رہی اور اس کی کدورت وخرابی باقی رہ گئی۔ لطیف وپاکیزہ چیزوں کے نام سے اس کی صفائی مراد ہوتی ہے۔ اب چونکہ صوفیائے کرام اپنے اخلاق ومعاملات کو مہذب و پاکیزہ بنا کر طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں اس بناء پر انھیں صوفی کہتے ہیں۔ یہ نام اس جماعت صوفیاء کے لئے اسماء اعلام یعنی مخصوص ومعیّن ناموں میں سے ہے اس لئے کہ ان کے خطرات بمقابلہ ان کے اُن معاملات کے جسے وہ چھپاتے ہیں بہت بڑے ہیں۔ تاکہ ان کا یہ نام اس سے مشتق ہو۔

اس زمانہ میں حق تعالیٰ کی اکثر مخلوق تصوّف اور صوفیائے کرام کی ذوات قدس سے پردے میں رکھی گئی ہے۔ اور تصوف کے لطائف ان کے دلوں پر پوشیدہ کئے گئے۔ تاکہ کوئی گروہ تو یہ جانے کہ یہ ظاہری اصلاح کے لئے ریاضتیں ہیں اور باطنی مشاہدہ سے خالی ہیں۔ اور کوئی گروہ یہ سمجھے کہ یہ بلا اصل وحقیقت ایک رسم ہے اس حد تک ان کا انکار کرتے ہیں کہ مسخرے اور علماء ظاہرین جو کلی طور پر اس کے منکر ہو کر تصوف کے حجاب میں خوش رہتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

منکرین کا گروہ کتنا بدنصیب ہے کہ باطن کو صفائی کے طلب وجستجو کو دل سے محو کر کے سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کو طاق پر رکھ دیا ہے۔

اِنَّ الصَّفَا صِفَةُ الصِّدِّیْقِ ۔ اِنْ اَرَدْتَ صُوْفِیًا عَلَی التَّحْقِیْقِ

حق وصداقت کی راہ میں اگر تم صوفی ہونا چاہو تو بے شک صوفی حضرت صدیق کی صفت ہے ۔

اس لئے کہ صفائے باطن کی اصل و فرع ہے چنانچہ اس کی اصل اغیار سے دل کو جدا کرنا ہے اور اس کی فرع، مکر و فریب سے بھرپور دنیا سے دل کو خالی کرنا ہے۔ یہ دونوں صفتیں سیدنا صدیق اکبر حضرت ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما کی ہیں چنانچہ آپ ہی طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں آپ کا دل اغیار سے خالی تھا۔ جب تمام صحابہ کرام حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال پاک کے وقت حضور کی بارگاہ معلّٰی و کاشانۂ مقدسہ میں دل شکستہ ہو کر جمع ہوتے تو سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کہ جس نے بھی یہ کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ عَبَدَ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ حَيٌّ لَا يَمُوتُ ط خبردار ہو جاؤ جو حضور کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے اور جو حضور کے رب کی عبادت کرتا ہے تو بے شک وہ زندہ ہے جسے موت نہیں ہے ۔

اس وقت آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ط قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ط ؛ اور حضور تو اللہ کے رسول ہی ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو کیا اب حضور انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے ؟

مطلب یہ تھا کہ جس کا معبود حضور تھے تو وہ تشریف لے گئے اور جو حضور کے رب کی پرستش کرتا تھا تو وہ زندہ ہے ہرگز اس پر موت نہیں آتی ہے۔ یعنی جس کا دل فانی سے پیوستہ ہوتا ہے تو وہ فانی تو فنا ہوتا ہے اور اس کا رنج باقی رہ جاتا ہے، لیکن جس کا دل حضرت حق سبحانہٗ سے لگا ہوا ہو تو جب نفس فنا ہو جاتا ہے تو وہ دل باقی کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ پس جس نے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بشریت کی آنکھ سے دیکھا (اور آپ کو اپنے جیسا بشر جانا) تو جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو اب وہ تعظیم جو آپ کے دل میں ہے جاتی رہے گی۔ اور جس نے حضور کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو اس کے لئے آپ کا تشریف لے جانا یا موجود رہنا دونوں برابر ہیں اس لئے کہ اس نے آپ کی موجودگی اور حالتِ بقا کو حق تعالیٰ کے بقا کے ساتھ اور آپ کے تشریف لے جانے کو حق تعالیٰ سے واصل و فنا ہونے اور پلٹنے و فنا ہونے والی چیزوں سے روگرداں ہو کر پلٹانے اور فنا کرنے والی ذات کی طرف متوجہ ہونے کو دیکھا۔ کہ اس نے تمام محول یعنی پلٹنے والے وجود کو محوّل یعنی پلٹانے والی ذات کے ساتھ قائم دیکھا اور حق تعالیٰ کی جس طرح تعظیم و اکرام کی جاتی ہے اسی طرح اس نے اس وجودِ واصل کی تعظیم و تکریم کی۔ اور دل کی راہیں کسی مخلوق کے لئے نہ کھولیں اور اپنی نظریں کسی غیر کی طرف نہ پھیلائیں۔ کیونکہ ؎

مَنْ نَظَرَ اِلَى الْخَلْقِ هَلَكَ ٭ وَمَنْ رَجَعَ اِلَى الْحَقِّ مَلَكَ

جس نے مخلوق کی طرف نظر اٹھائی وہ ہلاک ہوا ٭ اور جو حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا وہ مالک ہوا

اب رہا دنیا کے غدار سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا خالی ہونا تو وہ یہ ہے کہ آپ کے پاس جو بھی ساز و سامان اور غلام وغیرہ تھے سب کچھ راہِ خدا میں دے کر اور ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے اس وقت حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا مَاخَلَّفْتَ لِعِيَالِكَ فَقَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ : اے صدیق تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا اللہ اور اُس کا رسول ؛

یعنی حضور نے دریافت کیا تم نے اپنے مال میں سے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا بہت بڑا خزانہ اور بے حد و غایت مال و منال۔ فرمایا وہ کیا ہے؟ عرض کیا ایک تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوسرے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ؛

جب بندہ کا دل دنیاوی صفات سے آزاد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیوی کدورتوں سے اسے پاک و صاف کر دیتا ہے۔ یہ تمام صفتیں صوفی صادق کی ہیں ان سب کا انکار درحقیقت حق کا انکار اور اس سے کھلا مکابرہ و عناد ہے ؛

اب میں کہتا ہوں کہ صفا، کدورت کی ضد ہے اور کدورت بشری صفات میں سے ہے۔ اور حقیقۃً صوفی وہ ہے جو بشری کدورتوں سے گزر جائے جیسا کہ مصری عورتوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ کیا اور آپ کے جمال کے لطائف میں مستغرق ہوئیں تو ان پر بشریت غالب ہوگئی پھر وہ غلبہ جب منعکس ہوکر واپس لوٹا اور اس کی انتہا ہوئی اور جب کمال تک پہنچی تو وہ اس سے گذر کر اپنی بشریت کے فنا پر نظر پڑی کہنے لگیں مَاهٰذَا بَشَرًا یہ تو بشر ہی نہیں ہے حالانکہ انھوں نے اپنے کلام کا نشانہ ظاہر انھیں بنایا لیکن انھوں نے اس طرح اپنا حال ظاہر کیا تھا جو اُن پر حالت طاری تھی۔ اسی لئے مشائخ طریقت رحمہم اللہ فرماتے ہیں لَيْسَ الصَّفَاءُ مِنْ صِفَاتِ الْبَشَرِ لِاَنَّ الْبَشَرَ مَدَرٌ وَّالْمَدَرُ لَا يَخْلُوْا مِنَ الْكَدَرِ۔ حالت صفا بشری صفات میں سے نہیں ہے اس لئے کہ بشر تو ایک مٹی کا تودہ ہے اور مٹی کے تودہ میں تو کدورت ہوتی ہے، تو بشری حالت میں رہتے ہوئے کدورت سے خلاصی ممکن نہیں۔ لہٰذا صفا کی مثال افعال سے نہ ہوگی اور محض ریاضت و مجاہدہ سے بشریت زائل نہ ہوگی۔ کیونکہ صفت صفا افعال و احوال سے منسوب نہیں ہے اور نہ اس کا نام و القاب سے کوئی علاقہ۔ اس لئے کہ اَلصَّفَاءُ صِفَةُ الْاَحْبَابِ وَهُمْ شُمُوْسٌ بِلَا سَحَابٍ : صفا تو محبوبوں کی صفت ہے وہ تو آفتابِ تاباں ہیں جس پر کوئی ابر نہیں ہے ؛

مطلب یہ کہ صفا دوستوں کی صفت ہے یہ دوست وہ ہیں جنہوں نے اپنی صفت فنا کر کے دوست یعنی حق تعالیٰ کی صفت کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔ دوست وہی ہوتا ہے جو اربابِ حال کے نزدیک ان کے احوال مثل آفتاب ظاہر ہوں۔ چنانچہ حبیب خدا احمد مجتبےٰ سیدنا محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا سے حارثہ کے حال کے بارے میں صحابہ نے دریافت کیا آپ نے فرمایا عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِالْاِيْمَانِ وہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے منور فرما دیا، یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس کی تاثیر سے تاباں اور نورِ ربانی سے درخشاں ہے کسی شیخ طریقت نے فرمایا ؎

ضِيَاءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اِذَا اشْتَرَكَا ✦ نَمُوْذَجٌ مِّنْ صَفَاءِ الْحُبِّ التَّوْحِيْدِ اِذَا اشْتَبَكَا

جب آفتاب و ماہتاب کے نور باہم مل جاتے ہیں تو اس کی مثال محبت و توحید کی صفائی ہے کہ یہ باہم پیوست ہو گئے ہیں
جس جگہ محبت اور توحید جب اس طرح باہم مل جائیں کہ ایک کی نسبت دوسری کی طرف ہونے لگے وہاں آفتاب و ماہتاب کے نور کی کیا حیثیت ہے لیکن چونکہ دنیا میں ان دونوں کے نور سے زیادہ ظاہر نہیں کہ باوصف کمال بر ان نور یہ آنکھیں آفتاب و ماہتاب کے نور کو بھی دیکھنے سے عاجز ہیں تاہم ان دونوں کے نور کے غلبہ سے آسمان کو دیکھ لیتے ہیں۔ (اسی طرح) دل معرفت و توحید اور محبت کے نور سے عرش الٰہی کو دیکھ لیتا ہے اور دنیا میں بھی لے جا ان سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ تمام مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے نکل جاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے جدا اور تغیر و تلوّن سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ تمام احوال محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے اور اپنی تمام صفات سے جدا ہو جاتا ہے یعنی بندہ اپنے دل میں اپنی کسی تعریف و صفت سے مسرت انگیز نہیں ہوتا اور نہ اپنے میں کسی صفت کو دیکھتا ہے اور نہ وہ محجوب ہوتا ہے ایسے بندہ کی حالت عقلوں کے ادراک سے غائب ہوتی ہے اور وہم و گمان کے تصرف سے اس کی زندگی پاک و منزہ ہوتی ہے اس کے حضور کو زوال نہیں ہوتا اور نہ اس کے وجود کے لئے اسباب درکار ہوتے ہیں۔

لِاَنَّ الصَّفَا حُضُوْرٌ بِلَا ذِهَابٍ وَّ وُجُوْدٌ بِلَا اَسْبَابٍ۔ اس لئے کہ صفا کے لئے بلا زوال حضور اور بلا سبب و علت وجود ہے کیونکہ اگر غلبویت کا اس پر غلبہ ہو جائے تو حضور نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اس کے وجود کے لئے سبب و علت ہو تو وہ وجدانی ہو جائے واجد نہ رہے۔ جب اس درجہ پر پہنچ جائے تو وہ دنیا و عقبیٰ میں فانی ہو جاتا ہے اور انسانی ورزش میں ربانی ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہو جاتے ہیں۔ اور جو احکام ربانی کی حفاظت خلق پر بہت دشوار ہوتی ہے وہ اسے آسان ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آں حضور نے دریافت فرمایا

كَيْفَ اَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا فَقَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ اِيْمَانِكَ فَقَالَ عَرَفْتُ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَاَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَاَظْمَاْتُ نَهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَعَادَوْنَ الحديث۔ اے حارثہ تم نے صبح کیسے کی؟ عرض کیا اللہ کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہوئے صبح کی۔ آپ نے فرمایا غور کرو اے حارثہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر شے کے لئے ایک حقیقت ہوتی ہے تو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انھوں نے عرض کیا میں نے دنیا سے اپنی جان نکال کر رب کو پہنچا دی اس کی علامت یہ ہے کہ پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میرے نزدیک سب برابر ہیں کیونکہ دنیا سے بیزار ہو کر عقبیٰ سے لو لگا رکھی ہے اب رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کو پیاسا۔ یہاں تک کہ اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ جنتیوں کو

باہم ملاقات کرتے جنتیں دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ جہنمیوں کو آگ میں ایک دوسروں سے تنگی کرتے اور ایک روایت میں ہے شرمسار کرتے دیکھ
رہا ہوں (الحدیث) ۔

اس پر حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَالْزَمْ قَالَهَا ثَلَاثًا اے حارثہ تم نے پہچان لیا اس پر قائم رہو آپ نے تین مرتبہ
فرمایا۔ کاملین اولیاء اور محققین عرفاء کا نام صوفی ہے یہ گروہ اہل صفا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ مَنْ صَفَا الْحُبَّ فَهُوَ
مُصَافٍ وَمَنْ صَفَا الْحَبِيْبَ فَهُوَ صُوْفِيٌّ جس کی محبت مصفا ہوگی وہ مصافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو اور دوست کے غیر سے بری
ہو وہ صوفی ہے۔ لہٰذا لغت کے اعتبار سے اس کے مشتقات کے معنی کسی چیز سے صحیح نہیں ہیں کیونکہ اس کے یہ معنی اس سے بہت بلند و ارفع
ہیں کہ اس کا کوئی جنس ہو جس سے کہ وہ مشتق ہوا ہو۔ اس لئے کہ کسی چیز کا کسی چیز سے مشتق ہونا جنسیت کا متقاضی ہوتا ہے۔ اور جس میں گدلاپن
اور کدورت ہو وہ صاف و شفاف کی ضد و مخالف ہوتی ہے اور کسی چیز کو ضد سے مشتق نہیں کرتے ہیں یہ معنی عرفاء کے نزدیک آفتاب سے
زیادہ روشن ہے۔ اس کے لئے نہ تو کسی عبارت کی حاجت ہے اور نہ ہی اشارہ کی ضرورت ۔

إِنَّ الصُّوْفِيَّ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْعِبَارَةِ وَالْإِشَارَةِ اس لئے کہ صوفی کے معنے کے لئے کسی عبارت و اشارہ کی ممانعت ہے۔
اب جبکہ یہ بات متحقق ہوگئی کہ عبارت سے صوفی کی تعریف کرنا ممنوع ہے اور عالم کی ہر شئے اس کی تعبیرات ہیں خواہ انھیں اس کا علم
ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا حصول معنے کے لئے اس نام کی لفظوں میں تعریف کی اصلا ضرورت نہیں ہے۔ اب فہم و ادراک کے لئے (اتنا جان لو کہ)
مشائخ طریقت عارفان راہ حق کو صوفی کہتے ہیں اور متعلقین و سالکین معرفت کو متصوف ۔

کلمۂ تصوف باب تَفَعُّل سے ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ بہ تکلف فعل کا متقاضی ہو اور یہ اصل کی فرع ہے۔ لغوی حکم اور ظاہری معنے میں
اس لفظ کی تعریف کا فرق ظاہر ہے ۔

الصفاء ولاية ولها آية ورواية والتصوف حكاية للصفا بلا شكاية ۔ صفا ولایت کی منزل ہے اس کے لئے
نشانات اور علامات ہیں اور تصوف صفا کی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو ۔

پس صفا کے معنے ظاہر و آشکار ہیں اور تصوف اس معنے و مفہوم کا تعبیر و حکایت ہے۔ اس مفہوم و معنی کے ماننے والوں کے نزدیک اس
کے حاملین کی تین قسمیں ہیں ایک کو صوفی کہتے ہیں دوسرے کو متصوف اور تیسرے کو مستصوف ۔

صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ باقی ہو جائے۔ اور طبائع یعنی خواہشات نفسانیہ سے نکل کر حقیقت سے پیوست ہو
جائے اور متصوف وہ ہے جو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ اس مقام کی جستجو کرے اور اس مقام کے حصول و طلب میں وہ راستباز و صادق ہو
مستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت و منزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو ایسا بنا لے اور اسے مذکورہ بالا دونوں مقامات کی کچھ خبر نہ
ہو یہاں تک کہ ایسے نقلی صوفیوں کے لئے عرفاء کا مقولہ ہے کہ المستصوف عند الصوفية كالذباب وعند غيرهم كالذئب

صوفیائے کرام کے نزدیک نقلی صوفی مکھیوں کی مانند ذلیل و حقیر ہے وہ جو کچھ بھی کرتا ہے محض نفسانی خواہش کے لئے کرتا ہے اور دوسروں کے نزدیک بے لگام بھیڑیے کی مانند ہے کہ جس طرح بھیڑیا اپنی تمام قوت و طاقت مردار کے حصول میں صرف کرتا ہے یہی حال اس نقلی صوفی کا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول ہے اور متصوف صاحب اصول لیکن مستصوف صاحب فضول ہے

لہٰذا جسے وصل نصیب ہو گیا وہ مقصود کو پانے اور مراد کو پہنچنے میں، اپنے نفسانی قصد و ارادہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور جو منزلِ اصول کا نصیبہ ور ہو گیا وہ، احوالِ طریقت پر فائز اور لطائفِ معرفت پر برقرار و مستحکم ہو گیا اور جس کے نصیب میں فضول ہے (یعنی وہ نقلی صوفی ہے) تو وہ حقیقت و معرفت کی ہر منزل سے محروم رہ کر محض رسم و رواج کی چوکھٹ پر بیٹھ گیا ہے اور یہی ظاہری رسم و رواج اور صورتِ ظاہری اس کے لئے معنے و کنہ سے محجوب و مستور بن گیا۔ کیونکہ ذِلّ و اَصل سے حجاب میں رہنا معیوب ہے۔ اس خصوص میں مشائخِ طریقت کی بہت رمزیں ہیں تمام و کمال کا یہاں بیان کرنا دشوار ہے۔ البتہ ان کے کچھ رموز اس کتاب میں بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ و باللہ التوفیق۔

فصل اوّل

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الصوفی اذا نطق بان نطقہ عن الحقائق وان سکت نطقت عنہ الجوارح بقطع العلائق۔ صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کی حقائق کے اظہار میں ہوتا ہے اور مطلب یہ کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو اور جب خاموش رہتا ہے تو اس کا معاملہ اور سلوک اس کے حال کو ظاہر کرتا ہے اور علائق سے کنارہ کشی کرنا اس کے حال پر ناطق ہوتا ہے یعنی اس کا بولنا بوقت کلام اصول طریقت پر صحیح اور اس کا کردار بوقت سکوت مجرد محض ہے اور یہ دونوں حالتیں درست ہوتی ہیں۔ جب بولتا ہے تو اس کی ہر بات حق ہوتی ہے۔ اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کا ہر فعل فقر ہوتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التصوف نعت اقیم العبد فیہ قیل نعت للعبد ام للحق فقال نعت الحق حقیقۃ ونعت العبد رسمًا۔ یعنی تصوف ایک صفت ہے کہ اس میں بندہ کو قائم کیا گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ حق کی صفت ہے یا خلق کی۔ جواب میں فرمایا اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت خلق کی صفت ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی حقیقت بندگی کی صفت کی فنا چاہتا ہے اور صفت بندگی کی فنا، صفت حق کی بقاء کے ساتھ ہے اور یہ صفت حق ہے۔ اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندہ کی دائمی ریاضت و مجاہدہ کی مقتضی ہے اور دائمی مجاہدہ یہ بندہ کی صفت ہے۔ اور جب دوسرے معنے میں دیکھنا چاہو تو یوں

سمجھو کہ توحید کی حقیقت کسی بندہ کی صفت میں صحیح ہو سکتی ہے اس لئے کہ بندے کی صفتوں میں ہمیشگی و دوام نہیں اور خلق کی صفت بجز رسم و ظاہر کے کچھ نہیں ہے کیونکہ خلق کی صفت باقی نہیں رہتی بلکہ وہ حقیقۃً حق کا فعل ہے پس ان صفات کی حقیقت حق کے ساتھ ہوگی اس مفہوم و معنی کو اس طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا اب روزہ رکھنے کی وجہ سے بندہ روزہ دار کہلایا تو اب وہ روزہ از روئے رسم و ظاہر بندہ کی صفت ہوئی لیکن از روئے حقیقت روزے کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے بواسطہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خبر دی کہ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) مطلب یہ کہ روزہ میری وجہ سے ہے اور جو کچھ اس کے مفعولات سے ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے۔ اب رہی خلق کی طرف ان تمام چیزوں اور عبادتوں کی نسبت بطریق رسم و مجاز ہوگی نہ کہ حقیقۃً ۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلتَّصَوُّفُ تَرْکُ کُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ تصوف تمام نفسانی حظوظ اور لذتوں سے دستکش ہونا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک رسم یعنی مجازاً دوسرے حقیقت ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اگر نفسانی لذتوں کا تارک ہے تو ترکِ لذت بھی تو ایک لذت ہے اسی کو رسم کہا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس کا بھی تارک ہے تو یہ فنائے لذت و حظ کہلاتی ہے اس معنی کا تعلق حقیقت مشاہدہ سے ہے پس ترکِ حظ و لذت بندہ کا فعل ہے اور فنائے حظ و لذت فعلِ خداوندی ہے۔ لہٰذا بندہ کے فعل کو رسم و مجاز اور فعل حق کو حقیقت کہا جائے گا۔ اس قول مبارک سے وہ قول جو پہلے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا گزر چکا ہے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے ۔

حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہٗ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ الصوفیۃ ھم الذین صفت ارواحھم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق ۔ صوفیائے کرام کا وہ گروہ ہے جن کی جانیں کدورتِ بشریہ سے آزاد اور آفتِ نفسانیہ سے پاک و صاف ہو کر آرزو و تمنا سے بے نیاز ہو گئی ہیں یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجہ اور صفِ اول میں آرام گستر ہیں اور ماسوی اللہ سے وہ مکمل کنارہ کش ہو چکے ہیں ۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ الصوفی لا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ ، صوفی وہ ہوتا ہے جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور نہ خود کسی کے قبضہ میں ہو ۔ یہ عبارت عین فنا کی ہے کہ فانی الصفت نہ مالک ہوتا ہے نہ مملوک ۔ کیونکہ صحت ملک موجودات پر درست آتی ہے اس قول شریف کا مطلب یہ ہے کہ صوفی دنیاوی ساز و سامان اور اخروی زیب و زینت میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود بھی نہ تو کسی کی تحتِ ملکیت ہے اور نہ اپنے نفس کے حکم کا پابند۔ اس لئے کہ غیر کی خواہش و ارادہ کے غلبہ سے خود کو پگھلا چکا ہے یہاں تک کہ غیر کو بھی بندگی کی طمع سے فنا کر چکا ہے ۔ یہ قول باریک و لطیف ہے اس منزل کو یہ گروہ صافیہ "فنائے کل" سے تعبیر کرتے ہیں ہم ان کے غلط مقاموں کو اس کتاب میں انشاء اللہ بیان کریں گے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے ۔

حضرت ابن الجلالی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التصوف حقیقۃ لا رسم لہٗ۔ تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کوئی رسم و مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ رسم و مجاز، معاملات و کردار میں خلق کا حصہ ہے۔ اور اس کی حقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جب تصوف خلق سے کنارہ کشی کرنے کا نام ہے تو لامحالہ اس کے لئے رسم و مجاز نہیں ہو سکتی ۔

حضرت ابو عمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التصوف رویۃ الکون بعین النقص بل غض الطرف عن الکون تصوف نام ہے جہان کو نقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنا بلکہ جہان سے ہی آنکھوں کو بند کر لینا ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ عین نقص سے جہان کو دیکھو کہ یہ دلیلِ بقائے صفت ہے بلکہ جہان سے آنکھوں کو بند ہی کر لو کہ یہ دلیلِ فنائے صفت ہے۔ اس لئے کہ جب جہان کی طرف نظر ہو گی تو جس وقت جہان نہیں رہے گا نظر بھی نہیں رہے گی۔ اور جہان سے آنکھیں ہی بند کر لینا اس میں ربانی بصیرت کی بقا ہے یعنی جو شخص اپنے سے نابینا ہو گا وہ حق کے ساتھ بینا ہو گا اس لئے کہ ہستی کا طالب بھی طالب ہوتا ہے اور اس کا کام اُس ہی کی طرف ہوتا ہے پھر وہ اپنی ہستی سے باہر نکلنے کی کوئی راہ نہیں ملتی۔ بس ایک تو صرف اپنے آپ کو دیکھتا ہے لیکن یہ دیکھنا بصارت ناقصہ سے ہے اور ایک وہ ہے جو اپنی ہستی سے آنکھ بند کر لیتا ہے اور نہیں دیکھتا۔ اور وہ شخص جو دیکھتا ہے اگرچہ بصارت ناقصہ سے دیکھتا ہے مگر یہ دیکھنا بھی تو ایک حجاب ہے۔ اور جو دیکھتا ہے وہ نظر میں در پردہ ہے اور جو نہیں دیکھتا وہ نابینائی میں در پردہ محجوب نہیں ہوتا یہ مفہوم و مراد اہلِ عرفاء اور اصحابِ معانی کے نزدیک اصل قوی ہے لیکن یہ مقام اس کلام کی شرح کا نہیں ہے ۔

حضرت ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن رویۃ الغیر ولا غیر۔ تصوف شرک ہے اس لئے کہ دل کو غیر کی رویت سے محفوظ رکھنا ہے اور غیر نہیں ہے ۔ یعنی اثبات توحید میں غیر کی رویت شرک ہے۔ جب دل میں غیر کی قدر و قیمت نہیں ہے تو دل کو ذکرِ غیر سے محفوظ رکھنا محال ہے ۔

حصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ التصوف صفاء السر من کدورۃ المخالفۃ۔ تصوف کی تعریف یہ ہے کہ دل کو مخالفت کی کدورت و میل سے صاف رکھے ۔ مطلب یہ کہ دل کو حق تعالیٰ کی مخالفت سے محفوظ رکھو کیونکہ دوستی موافقت کا نام ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے۔ دوست کو لازم ہے سارے جہان میں دوست کے احکام کی محافظت کرے۔ اور جب مطلوب و مراد ایک ہو تو مخالفت کی کہاں گنجائش رہتی ہے ۔

حضرت محمد بن علی بن امام حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف۔ تصوف پاکیزہ اخلاق کا نام ہے پس جو زیادہ پاکیزہ اخلاق ہو وہ زیادہ صوفی ہے ۔ نیک خوئی یعنی پاکیزہ اخلاق کی دو قسمیں ہیں ایک حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خلق کے ساتھ۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ اس کی قضاء و قدر پر راضی رہے اور خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر مخلوق کی صحبت کا بوجھ اٹھائے۔ یہ دونوں وجہیں طالب ہی کی طرف

رجوع ہوتی ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی صفت استغناء ہے یعنی وہ طالب و نارضگی سے مستغنی ہے یہ دونوں وصف نظارۂ توحید باری تعالیٰ سے وابستہ ہیں۔

حضرت ابومحمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الصوفی لا یسبق همته خطوته البتة۔ صوفی وہ ہے کہ اس کا اندیشہ اپنے قدم کے ساتھ برابر ہو۔ یعنی دل مکمل طور پر حاضر رہے مطلب یہ کہ دل وہاں ہو جہاں جسم ہو۔ اور جسم وہاں ہو جہاں دل ہو۔ اور دل وہاں ہو جہاں قدم ہو اور قدم وہاں ہو جہاں دل ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ قدم وہاں ہو جہاں قول ہو۔ یہ حضوری کی علامت ہے بغیر غیبوبت کے۔ برخلاف اس کے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خودی سے غائب ہو اور حق کے ساتھ ظاہر ہو۔ ایسا نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حق کے ساتھ ظاہر ہو اور خودی سے حاضر۔ یہ مفہوم و عبارت جمع الجمع کی قبیل سے ہے کیونکہ جس وقت خود بخود رویت ہوگی تو خودی سے غیبت نہ رہے گی جب رویت اٹھ جائے گی تو حضوری بے غیبت کے ہوگی۔ اس معنی کا تعلق حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کے اس قول سے ہے کہ الصوفی لا یری فی الدارین مع اللہ غیر اللہ۔ صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں بجز ذات الٰہی کے کچھ نہ دیکھے۔ اور بندہ کی پوری ہستی غیر ہے اور جب وہ غیر کو نہ دیکھے گا تو خود کو بھی نہ دیکھے گا اور اپنے نفی و اثبات کی حالت کے وقت وہ خود سے مکمل طور پر فارغ ہوگا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التصوف مبنی علی ثمان خصال السخاء والرضا والصبر والاشارة والغربة ولبس الصوف والسیاحة والفقر اما السخاء فلابراهیم واما الرضا فلاسماعیل واما الصبر فلایوب واما الاشارة فلزکریا واما الغربة فلیحییٰ واما لبس الصوف فلموسیٰ واما السیاحة فلعیسیٰ واما الفقر فلمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین۔ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، صوف کے کپڑے پہننا، سیاحت اور فقر۔ یہ آٹھ خصلتیں آٹھ نبیوں کی اقتداء میں ہیں سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہ آپ نے فرزند کو فدا کیا۔ اور رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے، کہ بوقت قربانی اپنی رضا دی اور اپنی جان عزیز پیش کی۔ اور صبر حضرت ایوب علیہ السلام سے، کہ بے پایاں بلاؤں پر صبر فرمایا اور خدا کی فرستادہ آزمائشوں پر ثابت قدم رہے۔ اور اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام سے۔ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ان لا تکلم الناس ثلثة ایام الا رمزا (آپ تین دن لوگوں سے کلام نہ فرمائیں گے) اور اسی سلسلہ میں ارشاد باری ہے اذ نادی ربه نداءً خفیا (جب انھوں نے اپنے رب کو آہستہ پکارا) اور غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہ وہ اپنے وطن میں مسافروں کی طرح رہے کہ اپنے خاندان میں رہتے ہوئے اپنوں سے بیگانہ رہے۔ اور سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہ وہ اپنی سیاحت میں یکہ و تنہا یعنی مجردوں کی مانند رہے کہ بجز ایک پیالہ اور کنگھی کے نہ رکھا، جب انھوں نے کسی کو دیکھا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پیتا ہے تو پیالہ بھی توڑ دیا، اور جب کسی کو دیکھا انگلیوں سے بالوں میں خلال کر رہا ہے تو کنگھی بھی توڑ دی۔ اور صوف کا لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ انھوں نے پشمینہ یعنی اونی کپڑے پہنے۔ اور فقر حضور سید عالم ﷺ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں آپ کو مرحمت فرمائیں اور فرمایا کہ خود کو مشقت میں نہ ڈالیں آپ ان خزانوں کو استعمال فرما کر آرائش اختیار فرمائیں، بارگاہ الٰہی میں آپ نے عرض کیا اے خدا مجھے اس کی حاجت نہیں میری خواہش تو یہی ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں یہ اصول ہیں جو افعال و کردار میں عمدہ نیکی ہے۔

حصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ الصوفی لایوجد بعد عدمہٖ ولا یعدم بعد وجودہٖ، صوفی وہ ہے جو معدوم ہونے کے بعد ہستی کی تمنا نہیں کرتا اور موجود ہونے کے بعد معدوم ہونے کی خواہش نہیں کرتا، مطلب یہ کہ جو کچھ وہ پاتا ہے اسے کسی حال میں گم نہیں کرتا اور جو چیز گم ہو جائے اُسے کسی حال میں پانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ اپنی یافت کسی طرح نایافت نہیں ہوگی اور اپنی نایافت کسی طرح یافت نہ ہوگی۔ تاکہ اثبات بے نفی کے اور نفی بغیر اثبات کے ہو جائے۔ اس کلام کا مفہوم و مقصد یہ ہے تاکہ اس کی بشریت پورے طور پر ساقط ہو کر جسمانی مشاہدات حق تعالیٰ میں مستغرق ہو جائیں اور اس کا علاقہ تمام سے منقطع ہو جائے تاکہ بشری اسرار کسی کے حق میں ظاہر نہ ہوں یہاں تک کہ اس کے تمام متفرقات اپنی ذات میں جمع ہو جائیں اور خود بخود صورت قیام پالے۔

یہ صورت حال دو نبیوں میں ظاہر ہوئی ہے ایک حضرت موسےٰ علیہ السلام میں کہ ان کے وجود میں عدم نہ تھا یہاں تک کہ دعا کی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ، اے میرے رب مجھے شرح صدر عطا فرما اور میرا معاملہ مجھ پر آسان کر دے۔

اور دوسری ذات مبارک ہمارے رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ کے عدم میں وجود نہ تھا ارشاد باری ہے، اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ، کیا ہم نے آپ کے لئے شرح صدر نہ فرمایا۔

ایک نبی نے تو آرائش چاہی اور زینت طلب کی اور دوسرے کو حق تعالیٰ نے خود آرائش و زینت بخشنی چاہی مگر انھوں نے پسند نہ فرمائی۔

حضرت علی بن بندار صیرفی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التصوف اسقاطاً الرویۃ للحق ظاهراً و باطناً، تصوف وہ ہے کہ صوفی اپنے ظاہر و باطن کو نہ دیکھے اور سراسر حق کو دیکھے۔

چنانچہ اگر تم ظاہر پر نظر ڈالو تو ظاہر پر توفیق حق کا نشان پاؤ اور جب تم غور کرو گے تو ظاہری معاملات کو توفیق حق کے مقابلہ میں مچھر کے پر کی برابر وزن نہ دو گے۔ لہٰذا ظاہری رویت و نشانات کو ترک کرو۔ اور جب باطن پر نظر ڈالو گے تو باطن میں تائید حق کے نشان پاؤ گے پھر جب غور کرو گے تو باطنی معاملات کو تائید حق کے پہلو میں دیکھ کر اسے ذرہ بھر وزن نہ دو گے لہٰذا باطن کو بھی ترک کر کے سراسر حق کی طرف مشاہدہ کرو گے پھر جب تم نے حق کا مشاہدہ کیا تو خود کو بھی نہ دیکھ سکو گے۔

محمد بن احمد المقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التصوف استقامۃ الاحوال مع الحق، تصوف حق کے ساتھ احوال کی استقامت کا نام ہے، یعنے صوفی کے احوال کسی اور حال سے نہ بدلیں۔ اور کسی ٹیڑھ میں نہ گرے اس لئے کہ جس کسی کا دل گردش احوال سے محفوظ ہے وہ درجۂ استقامت سے نہیں گرتا اور نہ حق تعالیٰ سے دور رہتا ہے۔

فصل دوم

صوفیائے کرام کے معاملات کے بارے میں جو اقوال ہیں اُن میں سے حضرت ابو حفص حداد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ التصوف کل اٰداب لکل وقت ادب ولکل مقام ادب ولکل حال ادب فمن لزم اداب الاوقات بلغ مبلغ الرجال ومن ضیع الاٰداب فھو بعید من حیث یظن القبول۔ تصوف سراسر ادب ہے۔ یعنی ہر وقت و مقام اور حال کے لئے ادب ہے جس نے آداب کو اس کے اوقات میں لازم رکھا مردانِ خدا کے درجہ پر فائز ہوا، اور جس نے آداب کو ضائع کیا وہ نزدیکی کے خیال سے دُور ہوا اور قبولِ حق کے گمان سے باہر ہو کر مردود ہو گیا۔ یہ معنے حضرت ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے نزدیک ہے وہ کہتے ہیں۔

لیس التصوف رسوماً ولا علوماً ولکنہ اخلاق۔ تصوف رسوم و علوم نہیں ہے لیکن وہ اخلاق ہے۔

مطلب یہ کہ اگر رسوم ہوتے تو ریاضت و مجاہدے سے حاصل ہو جاتا اور اگر علوم ہوتے تو تعلیم سے دسترس ہو جاتی یہ تو صرف اخلاق ہے یہاں تک کہ اگر اس کے حکم کو اپنی ہستی میں جاری نہ کرو اس کے افعال و معاملات کو اپنے وجود میں نافذ نہ کرو اور اس کے انصاف کو اپنے پر نہ برتو تو تصوف حاصل نہ ہوگا رسوم و اخلاق کے درمیان فرق یہ ہے کہ رسوم ایک ایسا فعل ہے جو بہ تکلف و محنت اور اسباب و ذرائع سے حاصل ہوتا ہے جیسے کہ وہ عمل جو باطن کے برخلاف ظاہری طور پر کیا جائے اور وہ فعل و عمل معنے سے خالی ہو۔ اور اخلاق ایسا فعل محمود ہے جو بے تکلف و محنت اور اسباب و ذرائع کے بغیر باطن کے موافق ظاہر میں کیا جائے جو دعوے سے خالی ہو۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التصوف حسن الخلق۔ تصوف نیک خصلت کا نام ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو بغیر ریاء کے ادا کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ خلق میں سے بڑوں کی عزت و تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت و مہربانی اور برابر والوں سے حق و انصاف برتنے میں محافظت کرنا ہے، پھر انصاف کرنے میں کسی بدلے و عوض کے خواستگار نہ ہونا تیسری قسم اپنی ذات سے متعلق ہے یعنے یہ کہ نفس و شیطان کی پیروی و متابعت نہ کرے۔ جس نے بھی اپنی ذات میں ان تینوں قسموں میں درست کر لیا وہ تمام نیک خصلتوں کا خوگر بن گیا۔

یہ باتیں جو بیان کی ہیں اس حدیث کے موافق ہے جو سیدتنا عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق شریفہ کی تعلیم فرمایئے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن پڑھو اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کے اخلاق بیان فرمائے ہیں (یہ پہلی قسم کی دلیل ہے) دوسری اور تیسری قسم کی دلیل یہ ہے کہ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔ معافی کو لازم پکڑو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے

حضرت مرتعش فرماتے ہیں کہ ھذا مذھب کلہ جد فلا تخالطوہ بشیءٍ من الھزل۔ یہ نکمی ہا

ہے اس میں لغویت کی بالکل آمیزش نہ کرو: اور رسمی لوگوں یعنے نقلی صوفیوں کے معاملات کو نہ ملاؤ اور رسومات کے پابند لوگوں سے دور رہو

جب زمانے دنیادار عوام لوگوں نے دیکھا کہ نقلی صوفی پاؤں پر کودتے، گانے سنتے، بادشاہوں کے دربار میں جاتے اُن سے مال و زر کے حصول میں جھگڑتے اور انھیں درباری پلتے، تو وہ اُن سے نفرت کر کے تمام صوفیوں کو ایسا ہی جان کر سب کو بُرا کہنے لگتے ہیں کہ صوفیوں کے ایسے ہی طور و طریق ہوتے ہیں پچھلے صوفیا بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ اس کی جستجو نہیں کرتے دین میں سستی اور غفلت کا زمانہ ہے ۔

یقیناً جب بادشاہوں پر حرص سوار ہوتی ہے تو وہ اسے ظلم و ستم پر اُکسا دیتی ہے اور عالم کو طمع، زنا و نافرمانی اور فسق میں ڈال دیتی ہے اور ریاکاری زاہد کو نفاق میں جھونک دیتی ہے۔ اور ہوائے نفسانی صوفی کو پاؤں پر کوداتی اور گانے سننے میں مبتلا کر دیتی ہے۔ خبردار، ہوشیار رہو کہ طریقت کے دعویدار تباہ ہوتے ہیں نہ کہ اصل طریقت تباہ ہوتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اگر مسخروں کی جماعت اپنی مسخرگی کو بزرگوں کی ریاضت و مجاہدہ میں اسرار پوشیدہ ہیں تو بزرگوں کا ریاضت و مجاہدہ مسخرگی نہیں بن سکتی ۔

حضرت ابوعلی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التصوف هو الاخلاق المرضیۃ یعنے تصوف پسندیدہ افعال اور محمودہ کردار کا نام ہے کہ بندہ اپنی تمام حالتوں میں حق تعالیٰ سے راضی و خوش رہے یعنی کے معنے راضی ہونے کے ہیں ۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التصوف هو الحریۃ والفتوۃ وترك التكلف والسخاوبذل الدنیا یعنے تصوف نام ہے بندہ کا قید ہوائے نفسانی سے آزاد ہونا اور فتوت سے دور رہنا۔ فتوت یہ ہے کہ نو عمروں سے مجرد دور رہے اور ترکِ تکلف یہ ہے کہ متعلقین اور تقدیر کے حصول میں کوشش نہ کرے۔ اور سخاوت یہ ہے کہ دنیا کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دے

حضرت ابوالحسن فوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التصوف الیوم اسم والاحقیقۃ وقد کان حقیقۃ۔ یعنے تصوف کا آج بے حقیقت نام باقی رہ گیا ہے ورنہ آج سے پہلے بے نام کے ایک حقیقت تھی۔ مطلب یہ کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے وقت میں یہ نام تو نہ تھا مگر ہر شخص میں اس کے معنے موجود تھے: اب نام تو ہے مگر معنے نہیں یعنے حالات و کردار تو معروف تھے اور دعوے مجہول تھا اب دعوے معروف ہے مگر معاملات مجہول ہیں ۔

تصوف کے سلسلہ میں مشائخ کرام کے مقامات کی تحقیق اس قدر کافی ہے جتنا کہ بیان کیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت کر کے ان کی راہ واضح فرمائے، اب تصوف کے منکروں سے یہ پوچھو کہ تمہاری کیا مراد ہے اگر تصوف کے انکار سے ان کی مراد صرف نام کا انکار ہے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ مسمیات کی حقیقت اور اس کے معنے سے بیگانہ اور ناواقف ہیں اور اگر وہ خاص اس کے معنے کا انکار کرتے ہیں تو یہ انکار شریعت اسلامیہ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و خصائل اور اسوۂ حسنہ کا لازم آتا ہے۔ میں خاص طور پر دعا، استقامت کہ اللہ تعالےٰ تمہیں ایسا نیک بخت کرے جیسا کہ اپنے محبوب ولیوں کا فرمایا اور اس کتاب میں وصیت کرتا ہوں اس طائفہ سے محفوظ رہے ۔

معاملہ حقہ کے ساتھ حق و انصاف اور رعایت سے کام لیں یہاں تک [illegible] اعتقاد رکھنا و بار بار منافق

باب چہارم دربیان مرقعات (گدڑی)

دائم رہنا چاہیے کہ گدڑی یا گودڑی [illegible] خصوصیات [illegible] سے ہے اور [illegible] اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے [illegible] لازم کیونکہ اس سے آپ [illegible] شیریں پاؤ گے۔

نیز کسی [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible] اللہ عنہ [illegible] حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم صوف [illegible] حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا [illegible] کپڑے کو بیکار نہ کرو جب تک [illegible] پیوند لگ سکے۔ سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ [illegible] ایک گدڑی تھی جس میں [illegible] پیوند لگے ہوئے تھے، [illegible] آسانی [illegible]

سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ [illegible] کے پاس [illegible] پیوند [illegible] زیادہ [illegible] ہو گئے تو [illegible]

نیز رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے [illegible] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وثیابک فطہر [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے لباس مبارک کو [illegible] زیب تن کیجئے۔

سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے [illegible] صحابہ کو دیکھا سب کا لباس پشمینہ (صوف) کا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی تنہائیوں میں صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک گدڑی پیوند لگی پہنے دیکھا۔ سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب، سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ اور ہرم بن حیان رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو پشمینہ کا لباس پہنے دیکھا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بصری، مالک بن دینار اور حضرت سفیان ثوری رحمہم اللہ یہ سب گدڑی زیب تن کیا کرتے تھے۔ اور امام عالم سیدنا ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں محمد بن علی حکیم ترمذی اپنی کتاب تاریخ مشائخ میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء میں گدڑی پہن کر خلوت نشینی کا ارادہ فرمایا اس وقت آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار ہوا حضور نے ارشاد فرمایا تمہیں لوگوں

کے درمیان رہنا چاہیئے یعنے خلوت نشینی کا ارادہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ تمہارے ذریعہ [illegible] زندہ ہوا [illegible] چنانچہ [illegible] کے بعد خلوت [illegible] ترک [illegible] اور بڑی قیمتی [illegible]

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ [illegible] کرام [illegible] رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ لڑکپن میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس [illegible] تو امام [illegible] رحمۃ اللہ علیہ [illegible] کے [illegible] ان کو نظر حقارت و نفرت سے دیکھا۔ امام اعظم نے فرمایا [illegible] ہمارے سرداروں میں جو تشریف [illegible] لوگوں [illegible] امام [illegible] کی [illegible] کیونکہ [illegible] سیادت و سرداری [illegible] فرمایا [illegible] خدمت کر کے سیادت [illegible] کیونکہ [illegible] اللہ [illegible] خدمت [illegible] مشغول [illegible] خدمت کرنے [illegible] سے [illegible] سرداری [illegible]

اگر [illegible] گدڑی پہن کر عزت و جاہ کا [illegible] گروہ [illegible] مطالبہ [illegible] کی [illegible] نہیں ہے کیونکہ لشکر میں بہادر و شجاع کوئی [illegible] اسب [illegible] ان کی [illegible] کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز [illegible] حضور رسول [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے [illegible] اعتبار میں [illegible]

(۱) یہ جماعت [illegible] ہوتا ہے جو صوفیاء [illegible] اور ان [illegible] اور کوئی وہ ہوتا ہے تو [illegible] [illegible] مراقبہ اور [illegible] کے اسرار [illegible] کو دیکھتا ہے [illegible] ان فوائد کی [illegible] نزدیکی [illegible] کا مقام اور ان سے تعلق خاطر پیدا کر کے بصیرت حاصل [illegible] کیونکہ [illegible] کی ابتداء کشف احوال [illegible] اور [illegible] لذتوں سے روگردانی پر ہے۔

(۲) اور ایک اور گروہ [illegible] جو جسم کی درستگی [illegible] پاکیزگی اور [illegible] ان کے ظاہر حال میں دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ شریعت پر [illegible] آداب یعنے مستحبات کی حفاظت اور باہم معاملات میں خوبی کو دیکھے۔ وہ ان کی صحبت اختیار کرتا اور اصلاح حال کی کوشش کرتا ہے۔ ایسوں کے حال کی ابتداء ریاضت [illegible] ہے۔

(۳) ایک اور گروہ ہے جو انسانی مروت [illegible] صحبت [illegible] اور ان کے افعال میں [illegible] سیرت کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ ان کی ظاہری زندگانی کو [illegible] مروت [illegible] بڑوں کی تعظیم [illegible] شفقت و مہربانی اور ہمسروں اور عزیزوں سے حسن سلوک اور زیادتی کے طلب [illegible] دیکھے۔ وہ ایسوں کی صحبت کا ارادہ کرتا ہے اور حصول دنیا کے لئے خود پرورش

و محنت کو آسان بنانا [illegible] دوا [illegible] ہے ۔

(۴) ایک گروہ وہ [illegible] جمعیت کی [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ریاست [illegible] کے علو مقام کی طلب [illegible] وجود [illegible] خصوصیتوں [illegible] کر دیا [illegible] وہ [illegible] کے سوا [illegible] جہت [illegible] ان کی [illegible] کرتے ہیں ۔ اور [illegible] زندگانی [illegible] اثر نہیں ہوتا اور [illegible] طریقہ کے مجاہدوں کا کوئی [illegible] محض [illegible] طرح مخلوق [illegible] ان کی عزت و تکریم کرتے [illegible] ان کی اصلاح [illegible]

[illegible]

اگر [illegible] ایسے [illegible] لوگ بہت [illegible] طرف [illegible] کی [illegible] باعث بدبختی و شقاوت [illegible] خفیان [illegible] اور ان کی [illegible] نفاق ہو کر [illegible] حقیقت [illegible] اختیار کریں ۔

[illegible] اللہ تعالیٰ کی جانب سے صفائی بندہ پر رحمت و
کرامت کا اظہار ہے اور صوف پہننا انبیاء [illegible] کا لباس ہے [illegible] نہایت حیلہ اور فریب ہے، ایک گروہ نے اس ہی کو شہرت
سامان رکھا ہے، جو لوگ [illegible] ہیں وہ لباس کو پہن کر اپنے ظاہر کو آراستہ کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ انھیں میں سے ہو جائیں۔
اس قسم کے صوفی لوگ اپنے مریدوں کو ایسے لباس پہننے اور گدڑی سے زینت دینے کا حکم دیتے ہیں۔ اور وہ خود بھی سیر و سیاحت کرتے
ہیں تاکہ لوگوں میں وہ مشہور و معروف ہو جائیں اور مخلوق خدا [illegible] ان کی نگہبان و محافظ بن جاتی ہے جب بھی وہ کوئی
قدم خلاف شریعت اٹھاتے ہیں تو لوگ ان پر زبان طعن و ملامت دراز کرتے ہیں۔ اگر چاہیں کہ وہ لباس پہن کر [illegible] ہوں، تو
خلقت سے شرم کرتے ہیں۔

بہر حال گدڑی [illegible] اللہ کی نعمت ہے عوام تو اس سے عزت پاتے ہیں اور خواص ذلیل ہوتے ہیں۔ عوام تو یوں عزت پاتے
ہیں کہ جب وہ اس لباس کو پہنتے ہیں تو مخلوق ان کی عزت کرتی ہے۔ اور خواص یوں ذلیل ہوتے ہیں کہ جب وہ گدڑی پہنتے ہیں
تو لوگ انھیں عوام کی نظر سے دیکھ کر انھیں ملامت کرتے ہیں لہٰذا یہ لباس النعم للعوام و جوشن البلاء للخواص، عوام کے
لئے تو نعمت ہے اور خواص کے لئے بلا کی زرہ ہے۔ [illegible] اکثر عوام [illegible] پریشان ہوتے ہیں کیونکہ درجہ و مقام ان کی دسترس
سے باہر ہے اور اس کے حصول کا وہ سامان [illegible] نہیں رکھتے [illegible] وہ [illegible] نعمت کا ذریعہ خیال کرنے
لگتے ہیں۔ پھر خواص ریا و نمود اور ریاست کو چھوڑ کر عزت پر ذلت کو ترجیح [illegible] بلا کو نعمت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کہ
ظاہری نعمتیں عوام کے لئے تو نعمت اور موجب عزت ہوتی ہیں مگر ان کے لئے بلا و مصیبت۔

المرقعة قمیص أهل الوفاء لأهل الصفاء وسربال السرور لأهل الغرور: گدڑی صوفیوں کے لئے وفا کا لباس ہے، اور
مغرور لوگوں کے لئے خوشی کی پوشاک [illegible] اس لئے کہ صوفیائے کرام [illegible] ہیں اور مالوفات اپنی
طبیعت کی مرغوب چیزوں سے علاقہ ترک کر دیتے ہیں۔ اور مغرور لوگ اس لباس کے سبب [illegible] احوال سے محروم رہ
جاتے ہیں۔

بہر حال یہ لباس یعنی گدڑی کا پہننا سب کے لئے صلاح کا باعث اور فلاح کا موجب ہے ہر ایک کی اس سے اپنی مراد حاصل
ہو جاتی ہے۔ ایک کو مرتبہ صفا ملتا ہے تو دوسرے کو بخشش و عطا۔ کسی کے لئے [illegible] کسی کے لئے پاکیزگی، کسی کو رضا ہے تو کسی کو
رنج و افسوس۔

[illegible] ہم سب کے سب نجات پا جائیں گے کیونکہ [illegible] اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
[illegible] جس گروہ سے محبت رکھے گا وہ انھیں میں سے ہوگا [illegible]

کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور وہ انھیں کے زمرہ میں شمار ہوں گے۔ لیکن یہ لازمی ہے کہ اپنے باطن کو حقیقت کی طلب میں سرگرم رکھے اور دکھاوے کی رسموں سے اجتناب کرے اس لئے کہ جو شخص ظاہری چیزوں کو پسند کرتا ہے وہ ہرگز حقیقت تک نہیں پہنچتا اور یہ بھی واضح رہنا ہے کہ وجودِ آدمیت قربِ ربوبیت کے لئے حجاب ہے اور یہ حجاب صرف احوال اور ریاضت و مجاہدہ و مقامات ہی فنا کرتے اور دور کرتے ہیں۔ اسی کی صفائی اور دور کرنے کا نام فنا ہے۔ وجو فانی الصفت ہو جائے اس کا اختیار کرنا محال ہوتا ہے۔ اور تکلف زیب و زینت اختیار کر کے قربِ حق اور فنائے بشریت کا حصول ناممکن ہے۔ جو آدمی فانی الصفت ہو گیا اور بشریت کی آفتیں اس سے دور ہو گئیں اب اسے خواہ صوفی کہہ کر پکاریں یا اور کسی نام سے یاد کریں اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔

فصل در شرائطِ مرقعات

اب رہی یہ بات کہ گدڑی کے پہننے کی شرائط کیا ہیں وہ یہ ہیں کہ آسانی و فراغت کے خیال سے اسے تیار کرے اور جب تک اصل کپڑا باقی رہے پیوند نہ لگائے اور جب کہیں سے پھٹ جائے تو اس پر پیوند لگانا بہتر ہے۔ مشائخ طریقت رحمہم اللہ کے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ پیوند کے لگانے میں ترتیب و زینت کا دھیان رکھنا شرط نہیں ہے جہاں سے بھی سوئی چلے پیوند لگائے اس میں تکلف نہ کرے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ پیوند کے لگانے میں ترتیب و درستی کا خیال رکھنا شرط ہے مناسبت پیدا کرنا درست ہے کیونکہ درست کرنا یہ بھی معاملات فقر سے تعلق رکھتا ہے اور معاملات کا صحیح کرنا اصل کی صحت کی دلیل ہے۔

اور میں جو کہ علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ) ہوں میں نے حضرت شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے مقام طوس میں ان سے استفسار کیا کہ درویش کے لئے کم سے کم کونسی چیز ہے جو فقر کو سزاوار و لائق ہے۔ فرمایا کہ تین چیزیں فقر و درویشی کے لئے ضروری ہیں ان سے کم پر نامِ فقر نہیں آتا ایک یہ کہ گدڑی پر پیوند درست اور مناسب لگائے دوسرے یہ کہ سچی بات سننا پسند کرے اور تیسرے یہ کہ زمین پر پاؤں ٹھیک رکھے [illegible] اتفاقاً شیخ کی [illegible] جب یہ [illegible] تو ایک جماعت صوفیا کی میرے پاس موجود تھی۔ ان سب کی موجودگی میں [illegible] ہر ایک نے ان باتوں پر تصرف شروع کر دیا جاہلوں کے ایک طبقہ کو ان باتوں میں لذت و شیرینی محسوس ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ [illegible] کا نام ہے چنانچہ بہت سے لوگ خوب پیوند لگاتے اور زمین پر پاؤں [illegible] کو مشغلہ بنا لیا۔ اور ہر ایک یہ خیال کرنے لگا کہ ہم طریقت کی باتیں سننا جانتے ہیں چونکہ میرا دل حضرت شیخ کی باتوں پر لگا ہوا تھا اس لئے مجھے حضرت شیخ کی باتوں کا [illegible] زمین پر گرتا ہوا اور پامال جاتا ہوا گوارا نہ ہوا۔ میں نے ان سے کہا آؤ ہم سب مل کر اس بارہ میں اپنے خیالات ظاہر کریں۔ اور ہر ایک اپنے اپنے فہم کے مطابق اس کی تشریح کرے، چنانچہ جب یہ سلسلہ میری طرف آیا تو میں نے کہا گدڑی میں درست پیوند لگانا یہ ہے کہ فقر کے لئے پیوند لگایا جائے نہ کہ زیب و

زینت کے لئے۔ جب پیوند فقر کے لئے ہوگا تو وہ اگرچہ بظاہر نادرست سا ہو مگر فقر میں درست ہوگا۔ اور سچی بات سننے کا خوگر ہونا ہے بحال کے لئے ہو نہ کہ اپنے وجود کی درستی کے لئے۔ اور وجد کی خاطر اس میں تصرف کرے نہ کہ کھیل کود اور عیش پسندی کے لئے۔ اور زندگانی سے اس میں غور و فکر کرے نہ کہ صرف عقل و خرد سے۔ اور ٹھیک پاؤں زمین پر رکھتا ہے [illegible] کی خاطر زمین پر پاؤں رکھے نہ کہ کھیل کود کے لئے۔ اور کچھ لوگوں نے حضرت شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے میری یہ تقریر بھی [illegible] نقل کر دیا تو آپ نے فرمایا اصاب علی خَیَّرَہُ اللّٰہ (داتا گنج بخش) راہ راست پر ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں اچھا فرمایا ہے۔

لہٰذا صوفیائے کرام کا گدڑی پہننے سے مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مشقتوں میں کمی ہو اور اللہ تعالیٰ سے فقر و احتیاج میں صدق و اخلاص ہو۔

معاویہ [illegible] منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدڑی [illegible] کہتے تھے جب آپ [illegible] آسمان پر [illegible] ایک [illegible] نے انھیں خواب میں اس حال میں دیکھا کہ آپ کی گدڑی کے ہر پیوند سے نور [illegible] عرض کیا [illegible] کہ آپ کی گدڑی سے کیسے درخشاں نور ہیں؟ فرمایا یہ میرے اضطرار و پریشانی کے انوار ہیں کیونکہ ہر پیوند [illegible] ضرورت و احتیاج کے وقت سیا تھا، اللہ تعالیٰ نے میرے [illegible] کے بدلے ایک نور بنا دیا۔

میں نے ماوراء النہر میں ایک ملامتی گروہ کے شخص کو دیکھا کہ آدمی جو چیز کھاتا اور پہنتا ہے وہ ان میں سے کچھ نہ کھاتا اور نہ پہنتا تھا۔ [illegible] وہی چیزیں کھاتا تھا جو [illegible] پھینک دیتے تھے جیسے خراب ککڑی اور [illegible] اور بیکار کا چرہ وغیرہ، اور وہ ایسی گدڑی پہنتا تھا جسے راستوں سے چیتھڑے چن کر پاک کر کے بنایا تھا۔

میں نے سنا ہے کہ مرو [illegible] میں ایک بزرگ تھا جو متاخرین ارباب [illegible] اچھا [illegible] اس کی گدڑی اور مصلے میں بے ترتیب پیوند لگے [illegible] رضی اللہ عنہ نے اکیاون سال تک ایک ہی گدڑی پہنی اور [illegible] ایک [illegible] جس میں ایک [illegible] تو صاحب مشاہدہ تھے اور دوسرے صاحب مجاہدہ [illegible] گدڑی پہنی کہ بوقت سماع درویشوں کی گدڑی پھاڑ دی جاتی ہے [illegible] جو صاحب [illegible] پہنی کہ استغفار و امرزش کی حالت میں ہوتی ہے۔ اور درویش [illegible] اس کی ظاہری کیفیت اس کے واقع وجود سے جو ان کی باطنی سیرت پر ہوتی ہے [illegible] اور نگہبانی کے لئے ہوتی ہے۔

حضرت شیخ محمد بن خفیف رضی اللہ عنہ نے بیس سال تک [illegible] پہنا اور ہر سال چار چلے کرتے اور ہر چالیس روز میں علوم حقائق کی باریکیوں پر ایک کتاب تصنیف فرماتے تھے۔ ان کے زمانہ میں محمد بن [illegible] طریقت و حقیقت کے محقق علماء میں سے

اسے بزرگ تھے وہ جیتے جی کمال پر پہنچتے [illegible] انہوں نے شیخ محمد [illegible] سے دریافت کیا کہ [illegible]
[illegible] اور [illegible] [illegible] اپنے [illegible]
[illegible]

فصل

لیکن [illegible] طریقوں [illegible] لباس [illegible] اس کی
وجہ [illegible] ایک [illegible]
[illegible] بات کو
پہننے میں حسب و نعمت [illegible] کوان کی [illegible]
[illegible] اس
[illegible] اور [illegible] کو اکثر
[illegible] پاس حاضر ہوا
[illegible] رکھے تھے وہ [illegible] پاس [illegible] کیونکہ صفا سے مطلب
یہ [illegible] اصل [illegible] نرم اور مزاج کو لطیف بنایا جائے۔ [illegible] جیسا کہ غیر موزوں شعر طبیعت پر گراں گزرتا ہے اسی
طرح نا مناسب فعل طبیعت پر گراں ہوتا ہے۔

ایک گروہ السائحی [illegible] جس نے لباس کے ہونے یا نہ ہونے میں تکلف نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گدڑی دی تو پہن لی
اگر قبا دی تو بھی پہن لی اور اگر برہنہ رکھا تو برہنہ رہے۔

اور میں علی بن عثمان (داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ) اسی طریقہ کو پسند کرتا ہوں۔ اور لباس کے پہننے میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

حکایتوں میں ہے کہ جب احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ ابو یزید علیہ الرحمۃ کی زیارت کو گئے تو انھوں نے قبا پہن رکھی تھی اور جب
شاہ شجاع ابو حفص رحمہم اللہ کی زیارت کو آئے تو وہ [illegible] پہنے ہوئے تھے۔ اور ان کا معمول لباس جسم پر نہ تھا۔ کیونکہ وہ اکثر اوقات میں گدڑی
پہنا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اونی لباس پہنتے یا سفید قمیض پہنتے تھے۔ غرضکہ جو لباس بھی موجود ہوتا اس کو جسم پر ڈال لیتے
کیونکہ آدمی کا نفس معتاد یعنی خو پسند ہوتا ہے جیسی اس کی خو و عادت ڈال دی جاتی ہے اسی سے انس و الفت کرنے لگتا ہے۔ جب نفس
کوئی عادت و خصلت پکڑ جاتی ہے تو یہ حجاب بن جاتا ہے۔ بایں وجہ حضور سید عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے
ارشاد فرمایا خیر الصیام صوم اخی داؤد علیہ السلام : بہترین روزے میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کے تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے؟ فرمایا ایک دن روزہ دار رہتے اور دوسرے دن افطار کرتے تاکہ نفس کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی عادت نہ پڑے۔ تاکہ یہ حجاب نہ بنے۔ چنانچہ یہی عادت ابو حامد دوستان مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی کہ ان کو جو مرید کبھی مرقع پہنا دیتا، وہی پہن لیتے تھے۔ پھر جب کسی کو اس کپڑے کی ضرورت ہوئی تو اُن کے بدن سے اُتار لیتے اس پر نہ ابو حامد نہ پہنانے والے سے کچھ [illegible] نہ اُتارنے والے سے پوچھتے کیوں اتارا۔ ہمارے اس زمانے میں بھی ایک بزرگ غزنی میں ہیں جن کا لقب مؤید ہے جو اپنے لباس میں کوئی پسند یا ناپسند [illegible] نہیں رکھتے۔ یہ طریقہ اس لحاظ سے درست ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ ان کا [illegible] سیاہ [illegible] وہ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے اور سفید کپڑا سفر [illegible] اپنی حالت پر [illegible] ایک [illegible] جاتا ہے۔

[illegible] ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیاہ لباس ماتمیوں اور مصیبت زدوں کا شعار ہے۔ اور یہ دنیا مصیبت و مشقت کا گھر اور غم و اندوہ کی خندق اور غم ہائے فراق [illegible] مریدوں نے جب دیکھا کہ اس دنیا میں مقصود حاصل نہیں ہوتی تو وہ سیاہ لباس پہننے لگے اور وصال کے غم میں سوگوار بن گئے۔

دوسرے گروہ نے جب معاملات میں قصور اور دل میں خرابی کے سوا کچھ نہ دیکھا اور زمانہ میں بجز ضیاعِ وقت کے کچھ نہ پایا تو سیاہ پوشی اختیار کر لی کیونکہ ضیاعِ وقت کسی کے مرنے سے زیادہ سخت ہے۔ کسی نے اپنے کسی عزیز کی موت پر سیاہ پوشی اختیار کی اور کسی نے مقصود کے فوت ہونے پر سیاہ پوشی کی۔

کسی اہلِ علم نے کسی درویش سے پوچھا سیاہ پوشی کیوں اختیار کرتے ہو؟ درویش نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں چھوڑی ہیں۔ ایک فقر، دوسرا علم، تیسرا تلوار۔ تلوار تو بادشاہوں نے پکڑی مگر اس کو بے جگہ استعمال کیا۔ اور علم علماء نے اختیار کیا مگر صرف سیکھنے اور پڑھنے [illegible] فقر کو [illegible] گروہ نے اختیار کر لیا مگر اسے تونگری و مالداری کا ذریعہ بنا لیا۔ میں نے انہیں تینوں مصیبتوں پر سیاہ پوشی اختیار کی ہے۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ ایک دن بغداد کے ایک محلہ سے گذر رہے تھے۔ کہ انہیں پیاس لگی ایک دروازہ پر جا کر پانی مانگا ایک عورت پانی کا برتن لے کر حاضر ہوئی، انھوں نے پانی لے کر پیا جب پانی پلانے والے کو دیکھا تو اس کا دل اس کے جمال پر فریفتہ ہو گیا اور وہیں بیٹھ گئے، یہاں تک کہ مالکِ مکان باہر آیا اس سے حضرت مرتعش نے کہا اے خواجہ میرا دل ایک گھونٹ پانی کا پیاسا تھا تمہارے گھر سے جو شخص پانی لے کر آیا اور مجھے پانی پلایا وہ میرا دل لے گئی۔ مالکِ مکان نے کہا وہ میری بیٹی ہے میں نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا۔ اس کے بعد مرتعش دل کی طلب کی خاطر گھر کے اندر گئے اور نکاح کر لیا۔ یہ گھر والا بڑا امیر آدمی تھا اس نے انہیں حمام میں بھیجا، اور عمدہ لباس پہنایا اور گدڑی اتروا دی، جب رات آئی تو مرتعش نماز پڑھنے لگے اور خلوت میں جا کر ورد ادا کرنے لگے۔ اسی اثناء میں

* حضرت [illegible] نے فرمایا ایک عجیب بات ہوئی [illegible] نے دریافت کیا [illegible] لوگوں [illegible] فقیری گدڑی اوڑھ رکھی تھی تو [illegible] ہوا
[illegible] ایک نظر ہمارے [illegible] پر ڈالی ہم نے اس کی [illegible] حدیث کا لباس [illegible] تمہارے [illegible] کہ ترک اختیار کی ہے۔ اب اگر تم دو سری
[illegible] نگاہ ڈالو گے تو تم [illegible] ہمارے۔ مالک سے قرب و معرفت کا دعویٰ کیا [illegible] لیں [illegible] پہنچنے سے [illegible] تعالیٰ کی رضا اور [illegible] محبوبوں
[illegible] کی موافقت حاصل ہوتی ہے جس [illegible] قرار [illegible] ہوتا ہے [illegible] تعالیٰ کے ساتھ [illegible] زندگی گزار سکتے ہو تو کرو اور اگر ایسا
نہیں کر سکتے تو اپنے دین کی حفاظت کرنی چاہیئے اور [illegible] کرام کے لباس [illegible] کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم حقیقی اور سچے مسلمان ہو
[illegible] دوسرا [illegible] ہے [illegible] جھوٹ [illegible] گدڑی [illegible] ایک تارک الدنیا اور دوسرے
[illegible]

مشائخ طریقت رضی اللہ عنہم کی عادات ہے کہ [illegible] تارک الدنیا ہو کر ان سے وابستہ ہوتا ہے تو وہ اسے تین
سال [illegible] تین معنے میں مؤدب و [illegible] گردہ [illegible] میں قائم و مستحکم [illegible] تو بہتر ہے ورنہ اس سے کہتے ہیں کہ مسلک طریقت [illegible] تمہاری
[illegible] نہیں [illegible]

[illegible] خدمت خلق [illegible] خدمت [illegible] ریاضت و مجاہدے کرتے
[illegible] اپنے دل کی پاسداری کرنے [illegible] کی خدمت جب [illegible] کو سب کا خادم اور ان کو اپنے مخدوم کی مانند جانے
[illegible] بلا استثناء [illegible] اپنے سے بہتر سمجھے، اور ان کی خدمت کو خود پر واجب جانے۔ ایسا [illegible] ان کی خدمت تو کرے اور اس اثنائے
[illegible] اپنے مخدوم [illegible] پر خود کو [illegible] سمجھتا رہے۔ یہ حالت ظاہری طور پر [illegible] ایک [illegible]
[illegible] تعالیٰ کی [illegible] وقت خدمت کر سکتا ہے [illegible] وہ دنیا و آخرت [illegible] مشغول [illegible] سب سے
[illegible] کی عبادت [illegible] مشغول ہو جائے۔ کیونکہ جب [illegible] کی عبادت کسی اور شئے کے لیئے کرتا ہے تو وہ گویا اپنی
پرستش کرتا [illegible] اور دل کی حفاظت اس وقت کر سکتا ہے کہ اپنے دل کو صبوط کرکے پوری دلجمعی اور تمام افکار و ہموم سے پاک و
[illegible] حضور قلب [illegible] حاصل [illegible] جب مرید [illegible] یہ تینوں شرطیں آگئیں اس وقت بلا تقاضہ حقیقت گدڑی
پہننے کا مرتبہ [illegible] کامل [illegible] گدڑی پہننے کی اجازت [illegible] لازم ہے کہ وہ یہ دیکھے اب یہ مرید مستقیم
الحال ہو کر [illegible] کے تمام [illegible] گدڑی [illegible] کی لذت چکھی اور اعمال کا گھونٹ پیا اور مظہر
جلال اور [illegible] پایا ہے یا نہیں [illegible] شیخ طریقت [illegible] کرے۔ کہ یہ مرید اپنی حالت میں کس منزل تک رسائی حاصل کر سکے گا اور یہ کہ
واپس ہونے والوں میں سے ہوگا یا [illegible] والوں [illegible] کاملوں [illegible] ہوگا۔ اور اگر اس مرید کے واپس ہونے کا خطرہ ہو تو اسے شروع ہی سے
مریدنہ کرے [illegible] اس کے درمیان [illegible] رہ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے آگے بڑھانے کی سعی کرے۔ اور اگر کامیاب ہونے کی توقع ہو تو اس کی

تربیت کرے۔ کیونکہ مشائخ طریقت دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ اور جب طبیب کو بیمار کی بیماری کی خبر نہ ہو تو ایسا طبیب معالجہ کر کے بیمار کو ہلاک کر دے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کے معالجہ کو نہیں جانتا اور خطرے کے مواقع کو نہیں پہچانتا اور مرض کے خلاف علاج و غذا دیگا۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ؛ اپنی قوم میں شیخ ایسا ہوتا ہے جیسے اپنی امت میں نبی۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت و تبلیغ فرمائی وہ امت کے حالات سے واقف ہو کر کی۔ اور ہر شخص کو اس کے مزاج کے موافق غذا دی۔ تاکہ دعوت کا مقصد حاصل ہو۔ لہذا ولایت ربانی میں کمال کے لئے ان تین سال کے ریاضت و مجاہدہ کے بعد شیخ طریقت تربیت و ارشاد فرمائے۔ ایسا ریاضت میں اگر گدڑی پہنائے تو جائز ہو سکتا ہے۔ گدڑی پہننے کی شرط کفن پہننے کی شرط کی مانند ہے۔ جس طرح کہ مردہ زندگانی کی لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور حیات دنیاوی کی خوشیوں سے دل کو پاک و صاف کر لیتا ہے۔ اسی طرح جو مرید اپنی تمام عمر کو حق تعالےٰ کے حقوق کی ادائیگی اور اس کی عبادت و خدمت میں وقف کر کے نفسانی خواہشات سے قطعاً بری ہو جائے تو اس وقت شیخ طریقت گدڑی پہننے کی اجازت عطا فرمائے۔ پھر وہ اس کے حقوق ادا کر دے اور اس ادائیگی حقوق میں پوری کوشش کرے۔ اپنی ذات کے لئے کوئی طمع و حرص کی خواہش نہ رکھے۔

خلاصہ یہ کہ گدڑی پہننے میں بکثرت ہدایات و اشارات بیان فرمائے گئے ہیں چنانچہ شیخ ابو عمر اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں مستقل ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے لیکن خود ساختہ صوفیوں کو گدڑی کے پہننے میں بہت غلو و اصرار ہے۔ ہماری اس کتاب کی تحریر کا مقصد اقوالِ مشائخ طریقت نہیں ہے بلکہ سلوک و معرفت کی عقدہ کشائی اور مشکلات کا حل کرنا ہے۔

مرقعہ پوشی میں سب سے بہتر اشارہ یہ ہے کہ گریبان صبر کا ہو اور دونوں آستینیں خوف و امید کی ہوں اور دونوں دامنیں قبض و بسط کی ہوں اور کمر نفس کے خلاف کرنے میں ہو اور وہ کرسی صحتِ یقین اور فراخی اخلاص سے مرکب ہے اور اس سے دنیاوی عمدہ اشارہ یہ ہے کہ گدڑی کا گریبان محبت کی قبا سے اور دونوں آستینیں حفاظت و عصمت سے، اور دونوں دامن فقر و صفا سے اور کمر مشاہدہ میں قائم رہنے سے اور کرسی بارگاہِ الٰہی میں مامون رہنے سے اور کشادگی مقامِ وصل میں قرار پانے سے مرکب ہو۔ جب تم نے باطن کے لئے ایسی گدڑی بنائی تو ظاہر کے لئے بھی ایسی ہی گدڑی بنانی چاہئے، اس باب میں میری ایک مستقل کتاب ہے جس کا نام "اسرار الخرق والموئنات" ہے مرید کے لئے یہ نسخہ لازمی ہے۔

لیکن جب مرید نے اس گدڑی کو نہ پہنا اور سلطانِ وقت کے قہر و جلال اور غلبہ حال میں اس نے اس گدڑی کو پھاڑ دیا تو یہ اسے لائق و زیبا ہے، اس میں وہ معذور ہے اور جب باختیار و تمیز اس نے گدڑی کو پھاڑا تو طریقت کے شرائط میں ہے کہ پھر اسے واجب نہیں ہے کہ وہ گدڑی رکھے اور اسے پہنے، اور اگر اس نے گدڑی رکھی تو گویا وہ ایسا ہے جیسا کہ زمانہ ساز صوفی ظاہر داری میں بغیر صفائے باطن گدڑی پہنتے ہیں۔

اور گدڑی پھاڑنے کی حقیقت یہ ہے کہ جب سالکِ طریقت ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف انتقال کرتا ہے تو وہ اظہارِ شکر میں لباس سے باہر آجاتا ہے اور دوسرے کپڑے ایک مقام کا لباس ہوتے ہیں مگر گدڑی طریقت و فقر اور صفا کے ہر مقام کا ایک جامع اور مکمل لباس ہے۔ اور سب سے باہر آنا یہ ہے کہ وہ ہر ایک سے کنارہ کش ہو گیا ہے۔ گو کہ یہ جگہ اس مسئلہ کے بیان کرنے کی نہیں کیونکہ یہ خرقہ اور کشف "حجاب السماع" میں بیان کرنا چاہئے تھا تاہم میں نے اس جگہ اشارہ کر دیا تاکہ یہ لطیفہ فوت نہ ہو جائے۔ اسے اپنی جگہ انشاء اللہ تعالیٰ میں پوری تفصیل سے بیان کروں گا۔

یہ بھی منقول ہے کہ گدڑی پہنانے والے شیخ کو طریقت میں اتنا تصرف و اختیار ہو کہ جب کسی غیر کو پہنائے شفقت و مہربانی سے اسے آشنائے معرفت کر دے اور جب کسی گنہگار کو پہنائے تو اُسے اولیاء میں سے کر دے۔ ایک دن میں اپنے شیخ کے ساتھ آذربائیجان گیا تو گندم کے خرمن پر میں نے دو تین گدڑی پوشوں کو کھڑے دیکھا جو گدڑی کے دامن کو پھیلائے ہوئے تھے مزارع نے تھوڑے سے گندم کے دانے اُن کی جھولی میں ڈال دیئے۔ شیخ نے اُن کی طرف متوجہ ہو کر یہ آیت کریمہ پڑھی اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو انہیں ان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ لوگ کس بنا پر اس بے عزتی میں مبتلا ہوئے کہ برسرِ عام ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا ان کے پیروں کو مریدوں کے جمع کرنے کی لالچ ہے اور انہیں دنیاوی مال جمع کرنے کا حرص ہے۔ کوئی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں ہے۔ اور بغیر امرِ حق دعوت دینا خواہشات کی پرورش کرنا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں نے باب الطلق کے بازار میں ایک مجوسی کو دیکھا جو نہایت حسین تھا۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی کہ خدایا اسے میری طرف پھیر دے۔ تُو نے اسے کتنا خوبصورت پیدا فرمایا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ مجوسی میرے پاس آیا اور کہنے لگا اے شیخ! مجھے کلمۂ شہادت پڑھائیے اور مسلمان کر کے درجہ ولایت پر فائز کیجئے۔

حضرت شیخ ابو علی سیاہ سے کسی نے دریافت کیا کہ گدڑی پہننا کیسے درست ہے؟ فرمایا اس شخص کو جو خدا کی ساری مملکت سے مشرف ہونے ہوئے سارے جہان میں کوئی حکم اور کوئی معاملت ایسی نہ ہو جس کا اسے خبر نہ ہو۔ لہٰذا گدڑی اہل الحسین کی نشانی، نیکوں کی علامت، و فقراء و صوفیاء کا لباس ہے۔

اور فقر و صفا کی حقیقت کا بیان اس سے قبل کیا جا چکا ہے اب اگر کوئی اولیائے کرام کے لباس کو دنیا کے جمع کرنے کا ذریعہ بنائے اور اس لباس کو اپنی مصیبت کا سبب بنائے تو جو اس لباس کے اہل ہیں ان کا کوئی نقصان زیادہ نہیں ہوتا۔ ہدایت کے لئے اسی قدر بیان کافی ہے۔ اگر میں اس کی مزید تشریح کی طرف جاؤں یہ کتاب بھی ناکافی ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

باب در بیانِ ذکرِ اختلافِ مشائخ در فقر و صفوت

فقر و صفوت کی تفضیل میں علمائے طریقت کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ بہ نسبت صفوت کے فقر زیادہ کامل ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ بہ نسبت فقر کے صفوت زیادہ کامل ہے۔ وہ علماء جو فقر کو صفوت پر مقدم رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ فقر فنائے کلی اور امید کے انقطاع کا نام ہے اور صفوت ان کے مقامات میں سے ایک مقام ہے جب فنائے کامل حاصل ہو گئی تو تمام مقامات فنا ہو گئے۔ یہ مسئلہ فقر و فنا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس سے قبل اس کا بیان گذر چکا ہے۔ اور وہ علماء جو صفوت کو مقدم رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ فقر ایک شئے موجود ہے جس کا نام لیا جاتا ہے اور صفوت اس حالت کا نام ہے جو تمام موجودات سے پاک و صاف ہو جائے۔ اور صفا عین [illegible] اور فقر عین بقا لہٰذا فقر اس کے مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے۔ اور صفوت ان کے کمالات میں سے کمال کا نام ہے۔ اس میں طول طویل بحث ہے۔ اس زمانہ میں ہر شخص تعجب کے طور پر بیان کرتا ہے اور اپنی طرف سے ایک بڑھ کر حیرت انگیز باتیں بیان کرتا ہے حالانکہ فقر و صفوت کی تفضیل و تقدیم میں اختلاف ہے لیکن محض باتیں بنانا یا صرف فقر یا صفوت کسی نے صرف بیان کو مذہب بنا کر اس پر طبع آزمائی و نکتہ سنجی شروع کر دی اور طبیعت کو اس کی رعنائی سے خالی کر کے حق بات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کی نفی کو عین نفی کہنے لگے اور ثبوت مراد کو ثبوت خواہشات جاننے لگے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی خواہشات نفسانی کے قیام میں موجود و مفقود اور نفی و اثبات کے ہو کر رہ گئے حالانکہ طریقت اور مشائخ کی خرافات سے پاک و منزہ ہے۔ غرضکہ اولیاء کرام اس مقام پر پہنچتے ہیں جہاں کوئی مقام نہیں رہتا اور درجات و مقامات سب کے سب فنا ہو جاتے ہیں اور ان معانی کو الفاظ کی ضرورت [illegible] چنانچہ نہ پینا رہتا ہے نہ لذت، نہ قہر، نہ ہوش نہ بے ہوشی۔ اس وقت ہر شخص اس کیفیت معانی کو ایسے نام سے جو اس کے نزدیک بزرگ ترین ہو۔ ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا [illegible] پر تقدیم و تاخیر اعلیٰ و ادنیٰ کہنا جائز نہیں ہوتا کہ کوئی کہے یہ مقدم ہے یا یہ مقدم، کیونکہ تقدیم و تاخیر اور اعلیٰ و ادنیٰ تو مسمیات یعنی موجودات میں ضروری ہوتا ہے لہٰذا کسی جماعت کو اسم فقر مقدم و افضل معلوم ہوا اور ان کے دل میں یہ بہت مشرف نام اچھا لگا کیونکہ اس سے نسبت کرنا شکستگی و تواضع کو چاہتا ہے (یعنی نام بہتر پایا) اور کسی جماعت کو صفوت مقدم و افضل معلوم ہوا اور ان کے دل میں یہی بزرگ و مشرف نام اچھا لگا کیونکہ اس سے علائق دنیا کو ترک کرنا [illegible] دور ہوتی ہیں اور فنا و آفات زیادہ تر ہوتی ہیں چونکہ ان ناموں مراد و مقصود نہیں وہ ناموں سے ظاہر ہو سکتی تھیں اس لئے یہ نام رکھ دیئے ورنہ ان معانی کے نشانات و علامت کی تعبیر سے بہتر تھیں (یہ نام رکھنا اس لئے ہوا) کہ [illegible] اشارات میں آپس کے [illegible] اور اپنے کشف و حال کو [illegible] کے ذریعہ بیان کیا [illegible] اس گروہ کو اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے خواہ وہ ان معنی کو فقر سے تعبیر کریں یا صفوت سے۔ پھر یہ تعبیر کرنے والے جو [illegible] ان کے معانی سے بے خبر رہتے ہوئے محض لفظی بحثوں میں مبتلا ہو گئے کسی نے کسی کو مقدم و افضل جانا اور کسی نے

کسی کو حالانکہ دونوں تعبیرات تھیں (یعنی حقیقت و اصلیت) پس وہ گروہ تو معانی کی تحقیق اور حقیقت و معرفت کی تلاش میں مصروف ہو گئے اور یہ لوگ تعبیرات کی باریکیوں میں پھنس کر رہ گئے بخلاصہ یہ ہے کہ جسے وہ معنے حاصل ہو جاتے ہیں اور اس نے ان کو اپنے دل کا قبلہ بنا لیا اب اس درویش کو خواہ فقیر کہیں یا صوفی، دونوں نام [illegible] ہیں [illegible] یہ اختلاف ابوالحسن سمنون بارک کے وقت سے ہے کیونکہ جب وہ اپنے کشف میں ہوتے جو فنا سے تعلق رکھتا تو فقر کو صفوت پر تقدم و فضل رکھتے۔ اس وقت جو ارباب معانی، اہل معرفت تھے انہوں نے ان سے دریافت کیا [illegible] کہا کہ جب طبیعت کو فنا [illegible] سطوت پورا ہوتا ہے اور بقاء و علو میں بھی ایسا ہے، تو جب میں اس مقام میں ہوں جو فنا سے تعلق رکھتا ہے تو صفوت کو فقر پر مقدم و افضل کرتا ہوں، اور جب اس مقام پر ہوتا ہوں جس کا تعلق بقا سے ہے تو فقر کو صفوت پر مقدم و افضل کہتا ہوں کیونکہ فقر بقا کا نام ہے اور صفوت اس سے فنا کا نام، اپنے سے رویت بقا کو فانی کرتا ہوں۔ اور فنا میں اپنے سے رویت فنا کو فانی کرتا ہوں تاکہ اپنی طبیعت فنا سے بھی فانی ہو جائے اور بقا سے بھی فانی۔ یہ باتیں از روئے عبارت بھی ہیں لیکن [illegible] نہیں ہوتا اور بقا کو بھی فنا نہیں ہوتا جو باقی کہ فانی ہو وہ از خود فانی ہوتا ہے اور جو فانی کہ باقی ہو وہ از خود باقی ہوتا ہے۔ [illegible] حالت [illegible] میں مبالغہ محال و ناممکن ہے تاکہ کوئی کہے کہ فنا ہو گیا۔ کیونکہ [illegible] ہے جو ابھی فنا نہیں ہوا۔ حالانکہ [illegible] تو فنا کچھ نہ ہوگی۔ بجز عبارت [illegible] کی ہیں جو مفہوم کی تعبیرات کے وقت کرتے ہیں۔ اور بقا و فنا لکھنے میں ہمارا اسی جنس سے کلام ہے [illegible] کے وقت میں ہوتا ہے لیکن اس کتاب میں احتیاطاً ہم نے بیان کیا ہے انشاء اللہ تعالے۔

فقر و صفوت کے درمیان فرق یا معنوی ہے۔ لیکن معاملہ کے لحاظ سے صفوت [illegible] ہونا ہے۔ اور یہ [illegible] خود دوسری چیز ہے۔ اور اس کی حقیقت فقر و مسکنی [illegible] تعالیٰ فرماتا ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ [illegible] جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہو [illegible]

یہ [illegible] باز طریقت میں [illegible] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی [illegible] التخمیصۃ والقطیفۃ، یعنے دینار و درہم [illegible]

مال و دولت سے کنارہ کشی کرنے [illegible] مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ [illegible] افضل [illegible] لئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اللہم [illegible]

وامتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین: اے خدا مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین کی وفات دے اور مسکینوں میں حشر فرما۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مسکین کو یاد فرمایا اور دعا کی جب فقر کو یاد فرمایا تو ارشاد فرمایا کاد الفقران یکون کفراً۔ قریب ہے کہ فقیری کفر میں مبتلا کر دے۔

یہ اس لئے کہ فقیر وہ ہے جو سبب سے علاقہ رکھے اور مسکین وہ ہے جو اسباب سے ترک تعلق کرے۔ اور شریعت میں فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک فقیر وہ جو ایک وقت کا کھانا رکھے اور مسکین وہ جو یہ بھی نہ رکھے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک مسکین وہ جو صاحب توشہ ہو اور فقیر وہ جو یہ بھی نہ رکھے۔ اسی لحاظ سے اہل طریقت مسکین کو صوفی کہتے ہیں یہ اختلاف مختلف فقہاء کے مطابق ہے ان کے نزدیک فقیر وہ جو کچھ نہ رکھے اور مسکین وہ جو ایک وقت کا توشہ رکھے ان کے نزدیک فقر صفوت سے افضل ہے صفوت و فقر میں ان کے اختلاف کا یہ حکم بر سبیل اختصار ہے واللہ اعلم بالصواب۔

باب الملامۃ

مشائخ طریقت کی ایک جماعت نے ملامت کا طریقہ پسند فرمایا ہے کیونکہ ملامت میں خلوص و محبت کی بہت بڑی تاثیر اور کامل لذت ہے۔ اور اہل حق، مخلوق کی ملامت کے لئے مخصوص رہے ہیں بالخصوص بزرگانِ ملت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہ آپ اہل حق کے مقتداء و امام ہیں۔ آپ سے قبل بھی تمام محبوبانِ خدا پر جب تک برہانِ حق نازل نہ ہوئی تھی اور ان کو وحی سے سرفراز نہ کیا گیا تھا اس وقت تک سب میں وہ نیک نام اور بزرگ رہے ہیں اور ان کے سر پر دوستی کی خلعت رکھی گئی تو خلق نے ان کے حق میں زبانِ ملامت دراز کر دی۔ کسی نے کہا کاہن ہیں، کسی نے کہا شاعر ہیں، کسی نے کہا مجنون ہیں، کسی نے کہا کاذب ہیں وغیرہ وغیرہ اور اللہ عزوجل نے مومنوں کی تعریف میں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم ۰ اور یہ زبان درازوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے یہ خدا کا فضل جسے چاہے دے اور اللہ کا علم وسیع ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا دستور ایسا ہی ہے کہ جو کوئی اس کی بات کرے اسے سارے جہان سے ملامت کراتا ہے کیونکہ اس بندے کے اسرار اس کی ملامت میں مشغول ہونے کے باعث مخفی رہتے ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کی غیرت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو دوسرے کے دیکھنے سے محفوظ رکھتا ہے تاکہ ہر کسی کی آنکھ دوست کے حال کے جمال پر نہ پڑے۔ اور بندے کو خود اپنے آپ کو دیکھنے سے بھی محفوظ رکھتا تاکہ وہ خود بھی اپنا جمال نہ دیکھے اور خود بخود متعجب ہو کر غرور و تکبر کی مصیبت میں نہ مبتلا ہو جائے۔ اسی لئے خلق کو ان پر ملامت کرنے کے لئے مقرر فرمایا اور "نفس لوامہ" یعنے ملامت کرنے والی خصلت کو ان کے اندر رکھا تاکہ جو کچھ بھی وہ کریں اس پر ملامت کرتی رہے۔ اگر بدی

کریں تو بدی پر ملامت کرے اور اگر نیکی کریں تو کوتاہی پر انھیں ملامت کرے۔ راہ خدا میں یہی وہ اصلی قول ہے جس میں کوئی آفت اور حجاب نہیں ہو کہ طریقت میں دشوار تر ہے اس لئے کہ بندہ آپ سے کہیں غرور میں نہ پھنس جائے۔ اور عجب و غرور دراصل دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے خلق کی عزت افزائی اور ان کی مدح سرائی سے۔ یہ یوں ہوتا ہے کہ بندے کے افعال مخلوق کو پسند آتے ہیں جس پر اس کی مدح سرائی کرتے ہیں وہ بندہ اس پر غرور و عجب کرتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اپنے ہی افعال سے پسندائی اور خود کو شائستہ رکھے اس پر وہ غرور و عجب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے دوستوں پر اس دروازہ کو بند کر دیتا ہے۔ تاکہ ان کے معاملات اگرچہ نیک ہوں خلق کو پسند نہیں آتے اسی وجہ سے ان کی حقیقت انہیں نظر نہیں آتی۔ اور ان کی ریاضت و مجاہدہ اگرچہ بکثرت ہوں مگر وہ اپنی قوت و طاقت کے مقابلہ میں ہیچ نظر آتے ہیں اور خود کو پسند نہیں آتے تاکہ عجب و غرور سے محفوظ رہیں۔

پس وہ شخص جو پسندیدۂ حق ہوگا خلق اسے ناپسند کرے گی اور جو شخص اپنے جسم کو تکلیف دے گا حق تعالیٰ اسے تکلیف نہ دیگا۔ چنانچہ شیطان کو لوگوں نے پسند کیا اور فرشتوں نے قبول کیا اور اس نے خود اپنے آپ کو بھی پسند کیا جب حق تعالیٰ نے اسے پسند نہ کیا تو اس کی یہ اپنی پسندیدگی اس پر لعنت لانے کی موجب بن گئی۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے پسند نہ کیا اور کہنے لگے اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا (اے خدا تو کیا زمین میں اسے بناتا ہے جو اس میں فساد کرے) اور خود انہوں نے بھی اپنے آپ کو پسند نہ کیا اور کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) جب وہ پسندیدۂ حق ہوا تو فرمایا فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (پس وہ انسان بھول گیا اور ہم نے اسے ارادۃً نافرمانی میں نہ پایا) لہٰذا خلق کی ناپسندیدگی اور خود اپنی ناپسندگی میں خدا کی رحمت کا ثمرہ ملا۔ تاکہ جہان کے لوگ جان لیں کہ ہمارا مقبول خلق کا مہجور ہوتا ہے اور جو خلق کا مقبول ہو وہ ہمارا مہجور ہوتا ہے تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ خدا کے دوستوں کی غذا خلق کی ملامت ہے۔ اس لئے کہ اس میں قبولیت کے آثار ہیں۔ اور اولیاء اللہ کا مذہب ہے کہ اس میں قرب و اختصاص کی نشانی ہے۔ جس طرح لوگ قبولِ خلائق سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح وہ ملامت سے خوش ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری الا اولیائی (یعنے میرے دوست میری رحمت کی چادر میں ہوتے ہیں جنھیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا مگر میرے دوست ہی پہچانتے ہیں)۔

فصل دربیانِ اقسامِ ملامت

ملامت کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ سیدھا چلے، دوسرے یہ کہ قصد کرے، تیسرے یہ کہ ترک کرے۔ سیدھے چلنے میں ملامت کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کام کرتا ہے اور امورِ دینیہ کا لحاظ رکھتا ہے اور معاملات میں مراعات سے کام لیتا ہے مگر خلق اس میں بھی اس کی ملامت کرتی ہے کیونکہ لوگوں کی خصلت ہے مگر وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور قصد کرنے میں ملامت کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص

دُوگوں میں وہ صاحبِ عزت و منزلت ہو، اور ان میں مشہور بھی ہو جائے اور اس کا دل عزت کی طرف مائل بھی ہو۔ اور اس کی طبیعت بھی اس میں لگ جائے، پھر وہ چاہے کہ ان سے جُدا ہو کر حق سے مشغول ہو جائے۔ اور قصداً ایسی راہ اختیار کرے جس سے مخلوق اُس پر ملامت کرے۔ اور اس عمل سے شریعت میں بھی نقصان نہ پہنچے مگر لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں جیسا کہ ان کی عادت ہے اور لوگ اس سے جدا ہو جائیں۔ اور ترک کرنے میں ملامت کی صورت یہ ہے کہ دل میں تو کسی کے کفر و ضلالت سے طبعی نفرت ہو تا کہ وہ شریعت سے باہر نہ نکلے مگر بظاہر شریعت کی متابعت نہ کرے اور کہے کہ یہ وہ ملامتی طریقہ ہے جسے کرتا ہوں اور یہ طریقِ ملامت اس کی عادت ہو مگر دین میں مضبوط و راست رو ہو، اور ظاہر طور پر دین میں خلاف ورزی کو نفاق و ریا کے باعث بغرضِ ملامت ترک کرنے کو اختیار کرے، اور مخلوق کی ملامت سے بے خوف ہو وہ ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھے خواہ لوگ جس نام سے چاہیں پکاریں۔ میں نے ایک حکایت میں پایا ہے کہ:۔

حکایت

شیخ ابو طاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن گدھے پر سوار ہو کر بازار کی طرف گئے، ایک مرید نے اس کی لگام پکڑ رکھی تھی کسی نے پکارا کہ یہ پیر زندیق آگیا۔ جب مرید نے یہ بات سنی تو اس کی ارادت کی غیرت نے جوش مارا، اُسے مارنے کے لیے دوڑا۔ بازار والے جوش میں آئے، شیخ نے مرید کو آواز دی کہ اگر تو خاموش ہو جائے، تو تجھے ایک نصیحت آموز چیز دکھاؤں تاکہ تو اس سختی سے باز رہے، مرید خاموش ہو گیا، جب قیام گاہ واپس آئے تو مرید سے کہا فلاں صندوق لے آؤ، وہ لایا اس میں بہت سے خطوط تھے، جنہیں لوگوں نے شیخ کی طرف لکھے تھے انھوں نے انھیں باہر نکالا اور اس کے سامنے کر دیئے فرمایا کہ پڑھ کہ کیا لکھا ہے؟ جن لوگوں نے وہ خطوط اُن کی طرف بھیجے ہیں انھوں نے القاب میں سرنامہ پر کسی نے شیخ الاسلام لکھا، کسی نے شیخ زکی کسی نے شیخ زاہد کسی نے شیخ الحرمین وغیرہ لکھا۔ انھوں نے کہا یہ القاب و خطاب ہیں میرا نام نہیں حالانکہ میں یہ سب کچھ نہیں ہوں ہر شخص نے اپنے اعتقاد کے موجب مجھے مخاطب کیا۔ اگر اس بچارے نے اپنے اعتقاد کے موجب کوئی بات کہدی اور میرا کوئی لقب رکھ دیا تو تو کیوں جھگڑا اور تکرار کرتا ہے!

لیکن قصد کے طریقہ پر ملامت کی صورت یہ ہے کہ منزلت کا چھوڑنا اور ریاست سے کنارہ کش ہونا جس کے لائق تھا۔

حکایت

چنانچہ مروی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان خلیفۂ سوم رضی اللہ عنہ ایک دن کھجوروں کے باغ سے آرہے تھے اور لکڑیوں کا گٹھا آپ کے سر مبارک پر رکھا ہوا تھا حالانکہ آپ چار سو غلام بھی رکھتے تھے، کسی نے عرض کیا اے امیر المومنین! یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا اردت ان اجرب نفسی میں نے چاہا کہ اپنے نفس کا تجربہ کر لوں، اگرچہ میرے غلام بھی یہ کر سکتے تھے مگر میں نے چاہا کہ اپنے

سا کی آزمائش کروں تاکہ خلقت میں جو رتبہ ہے اس کی وجہ سے کسی کام سے باز نہ رکھے۔ یہ حکایت اثباتِ ملامت پر واضح اور صریح ہے۔

اسی معنے میں ایک اور حکایت...

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حسن مؤدبی ... گا وہ بات انشاء اللہ تعالیٰ تلاش کرنے پر مل جائیگی۔ ابویزید سے بھی منقول ہے کہ سفرِ حجاز سے آ رہے تھے، شہر میں غلغلہ ہوا کہ بایزید آ گئے، شہر کے سب لوگ استقبال کو گئے تاکہ عزت و اکرام سے شہر میں لے کر آئیں۔ بایزید نے دیکھا شہر کے لوگ خاطر مدارات میں مصروف ہیں، ان کی خاطر میں ان کا دل بھی مشغول ہو گیا اور حق سے پریشان ہونے لگے۔ جب بازار میں آئے تو قبا کی آستین سے ایک روٹی نکال کر وہیں کھانے لگے، سب لوگ ان سے برگشتہ ہو کر تنہا چھوڑ چلے گئے۔ یہ واقعہ ماہ رمضان میں ہوا تھا چونکہ خود مسافر تھے (اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے) اس وقت اپنے ہمراہی مریدیت کو نے دیکھا شریعت کے ایک مسئلہ میں مجھے لوگوں نے کاربند نہ دیکھا تو سب چھوڑ کر چلے گئے۔

اور میں جو کہ علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) ہوں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں ملامت کے لئے کسی برے عمل کی ضرورت ہوتی تھی اور ایسی بات ظاہر کرنی پڑتی تھی جو خلافِ عادت ہو لیکن اس کے برخلاف آج اگر کوئی چاہے کہ اسے ملامت ہے تو دو رکعت نفلی شروع کر کے اسے خوب طول دے دے یا پورے دین کی مکمل پیروی شروع کر دے تو سب لوگ اسے ریاکار اور منافق کہنے لگیں گے۔

لیکن وہ جو ترک کے طریقہ پر ملامت اختیار کرے اور کوئی کام خلافِ شریعت کر کے یہ کہے کہ میں نے ملامت کرانے کے لئے کیا ہے تو یہ کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی، ظاہری آفت و صادق ہوس پرستی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ایسے بکثرت لوگ ہیں جو رد خلق کی صورت میں قبولِ خلق کے خواستگار ہیں۔ اس لئے پہلے ضرورت ہے کہ اولاً خلق میں مقبول ہو۔ پھر کسی فعل کے ذریعہ ان کے رد کا قصد کرے تاکہ وہ مردود قرار دیں۔ نامقبول شخص کا رد کرنے کا قصد کرنا قبولیت کے بہانہ سے ہوتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ان باطل مدعیوں میں سے ایک کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا اس دن اس سے ایک خراب معاملہ سرزد ہوا، مگر عذر یہ کیا کہ یہ ملامت کے لئے تھا۔ کسی نے اس سے کہا کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے اسے دیکھا کہ طیش میں اس کا سانس پھول گیا۔ تب میں نے اس سے کہا اے شخص اگر تیرا دعوائے ملامت کے لئے تھا تو اس پر اعتراض کا التزام کرنا تیرے مذہب کی تاکید ہے۔ جب وہ تیرے ساتھ تیری راہ میں موافقت کرتا ہے تو تیرا یہ جھگڑا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور تیرا غصہ کیوں ہے؟ تیرا یہ قصہ ملامت کی نسبت لوٹنے سے زیادہ مشابہ ہے۔ اور جو شخص امرِ حق کی طرف بلاتا ہے اس کے لئے دلیل درکار ہے۔ اور وہ دلیل سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہے۔ جب میں تجھے ظاہر میں فرائض کا تارک دیکھتا ہوں حالانکہ تو لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہوتا ہے تو یہ کام دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

فصل دربیان لطائف در ملامت

واضح رہنا چاہئے کہ ملامتی مذہب کو طریقت میں اپنے زمانہ کے شیخ ابوحمدون قصار نے پھیلایا ہے۔ ان کی جانب سے ملامت کی حقیقت میں بہت سے لطیفے منسوب ہیں، چنانچہ ان کا قول ہے کہ الملامۃ ترك السلامۃ: سلامتی سے کنارہ کش ہونے کا نام ملامت ہے، جب کوئی قصداً اپنی سلامتی کے ترک کا دعوے کرے تو بلاؤں میں خود کو مبتلا کرکے اپنی راحتوں اور ذائقہ دار چیزوں سے خود کو دور رکھے اس غرض سے کہ جلالت ظاہر ہو اور امید بر آئیں، یہاں تک کہ لوگ اس کی عادت سے بیزار ہوجائیں، اور اس کی طبیعت لوگوں کی محبت سے خالی ہوجائے جس قدر بھی وہ اس میں خود کو گھلائے گا اتنا ہی حق سے واصل ہوگا۔ لہٰذا جس سلامتی کی طرف لوگ رغبت سے مائل ہوتے ہیں یہ اس سے اتنا ہی نفرت و بیزاری کرتا ہے، ایک دوسرے کی ہمتیں باہم مخالف ہوتی ہیں۔ وہ اپنی صفتوں میں کامیاب ہوتے ہیں۔

چنانچہ احمد بن فاتک حسین بن عصور سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا من الصوفی، صوفی کون ہے، قال وَاحِدُ ذُنِ الذات، فرمایا وہ لوگ ہیں جنہوں نے ذات باری تعالیٰ کو پالیا۔ نیز ابوحمدون سے کسی نے ملامت کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا اس کا راستہ عام لوگوں پر دشوار اور تنگ ہے لیکن اتنا بتائے دیتا ہوں کہ رجاء المرجیۃ وخوف القدریۃ۔ مرجیوں کی امید اور قدریوں کا خوف ملامتیوں کی صفت ہے۔ ان معانی میں ایک رمز ہے۔

واضح رہنا چاہئے کہ ملامتیوں کی طبیعت اللہ تعالیٰ کی کسی چیز سے تنی نفرت نہیں کرتی جتنی کہ لوگوں میں عزت و منزلت پانے میں نفرت کرتی ہے، انسان کی خوشنودی کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں، اس پر وہ جان و دل سے فدا ہوتا ہے اسی بنا پر وہ قرب الٰہی سے دور رہتا ہے، لہٰذا ڈرنے والا ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہے کہ خطرے کی جگہ سے دور رہے، اس کوشش میں طالب کو دو خطرے درپیش ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ سے حجاب نہ آجائے، اور دوسرا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا کام کرنے سے باز رہے جس سے لوگ گنہگار ہوں اور اس پر طعن و تشنیع کرنے لگیں۔ ان کا یہ مقصود نہیں ہوتا کہ ان میں عزت پانے سے راحت محسوس کریں اور نہ یہ کہ ملامت کرانے سے انہیں گنہگار بنائیں۔ اس لئے ملامتی کو سزاوار ہے کہ پہلے دنیا کی جھگڑوں، اور لوگوں کی اخروی علاقوں سے خود کو جدا کرے پھر لوگ کچھ بھی کہیں۔ اور دل کی نجات کے لئے ایسا فعل کرے جو کہ شریعت میں نہ کبیرہ ہو نہ صغیرہ تاکہ لوگ اس سے منحرف ہوں، یہاں تک کہ معاملات میں اس کا خوف قدریوں کے خوف کی مانند ہو۔ اور معاملہ کنندگان سے ایسی امید رکھے جیسے فرقہ مرجیہ امید رکھتا ہے۔ اور حقیقت میں ملامت سے بہتر کسی چیز سے محبت و دوستی نہ ہو۔ اس لئے کہ دوست کی ملامت کا، دوست کے دل پر اثر نہ ہوگا۔ اور دوست کا گزر دوست کی گلی ہی میں ہوگا، اور اغیار کا دوست کے دل پر خطرہ نہ ہوگا۔

اجد الملامۃ فی ھواك لذیذۃ (اپنی خواہش میں ملامت کو سب سے بڑھ کر لذیذ پائیں گے) لان الملامۃ روضۃ العاشقین

ونزهۃ المشتاقین وسرور المریدین (اس لئے کہ ملامت عاشقوں کا باغ، محبوبوں کی تازگی، مشتاقوں کی راحت اور مریدوں کی خوشی ہے) یہ لوگ دل کی سلامتی کی خاطر جن و انسان سے ملامت کو اختیار و پسند کرنے میں مخصوص ہیں۔ اور کوئی مخلوق بھی خواہ وہ مقربوں میں سے ہوں یا کروبیوں اور روحانیوں میں سے ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اور پہلی اُمتوں کے زہاد و عباد، سالک و طالبانِ حق میں سے کوئی بھی ان کے رتبہ تک نہیں پہنچا بجز اس اُمت کے اس گروہ کے جو طریقت کے سالک ہیں اور دل کو منقطع کر چکے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ملامت کی خواہش عین ریا ہے اور ریا کاری عین نفاق ہے۔ اس لئے کہ ریا کار قصداً ایسی ڈگر پر چلتا ہے کہ وہ مخلوق میں مقبول ہو، اور ملامتی بھی قصداً ایسی روش اختیار کرتا ہے جس سے لوگ اس سے نفرت کریں، یہ دونوں طبقے مخلوق میں ہی سرگرداں رہتے ہیں ان سے گزرنے کی راہ ہی نہیں ملتی۔ ایک نے اس معاملہ میں ظہور پایا اور دوسرے نے اُس معاملہ میں۔ حالانکہ درویش کو تو خود ہی مخلوقات کا خیال دل میں نہیں گزرتا، جب دل کے آئینہ سے خلق کی تصویر محو ہو چکی تو وہ دونوں معنے سے جُدا ہو چکا۔ (یعنے نہ ریا کاری رہی نہ نفاق کا خطرہ) اور وہ کسی چیز میں گرفتار نہیں رہتا۔

ایک دن مجھے ماوراء النہر میں ایک ملامتی سے ملاقات ہوئی، جب وہ خوش ہُوا تو اسی دوران میں نے کہا اے بھائی! ان افعالِ بد سے تیری کیا مراد ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ لوگوں سے گلو خلاصی کے لئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ مخلوق تو بہت ہے اور تیری عمر تھوڑی ہے ان سب سے اپنا پیچھا چھڑانا دشوار ہے۔ اگر تو خلقت سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے تو ان سب کو چھوڑ دے تاکہ ان سب مصروفیتوں سے باز رہے۔

ایک گروہ ایسا بھی ہے جو خلقت میں مشغول ہوتے ہوئے سمجھتا ہے کہ لوگ خود ان کی طرف مشغول ہیں۔ پس کوئی تجھ کو نہیں دیکھتا تو خود اپنے آپ کو مت دیکھ۔ جب تیرے حال پر مصیبت خود تیری ہی نظر سے ہے تو تجھے غیر سے کیا سروکار۔ اگر کسی کو پرہیز سے شفا حاصل ہو جائے تو وہ اسے غذائی حاصل کرنا مردانگی نہیں ہے۔ پھر ایک گروہ ایسا بھی ہے جو ریاضت کے لئے نفس کی ملامت کرتے ہیں تاکہ خلقت میں رسوائی سے، یا شکستہ کپڑوں میں ہونے کی ذلت سے ان کا نفس ادب پذیر ہو۔ اس سے وہ داد کے خواہشمند ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں جس میں اپنے نفس کی خواری اور رسوائی پائیں۔

حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے یہ حکایت منقول ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کبھی تم نے اپنے مقصد میں کامیابی دیکھی ہے؟ فرمایا دو بار دیکھا ہے۔ ایک اس وقت جبکہ میں کشتی میں تھا اور کسی نے مجھے نہیں پہچانا، میں نے شکستہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور بال لانبے تھے۔ اور ایسی حالت میں تھا کہ تمام کشتی والے مجھ پر استہزاء اور مسخرگی کرتے تھے، ہمارے ساتھ ایک مسخرہ تھا وہ کبھی آتا میرے سر کے بالوں کو نوچتا، اُکھاڑتا اور میرے ساتھ بوجہ مسخرگی بے قدری کرتا، اس وقت میں نے اپنی مراد پائی اور اپنے اس خراب لباس سے مسرت محسوس ہوتی۔ یہاں تک کہ میری یہ مسرت بایں سبب انتہا تک پہنچی کہ وہ مسخرہ اٹھا اور اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا۔ اور دوسری بار اس

وقت جبکہ ایک گاؤں میں تھا، وہاں شدید بارش ہوئی، سرما کا موسم تھا سردی نے مجھ پر غلبہ کیا اور میرے بدن پر جو گدڑی تھی بھیگ گئی، میں نے مسجد کی طرف رُخ کیا۔ مجھے وہاں ٹھہرنے نہ دیا گیا، پھر دوسری مسجد کی طرف رُخ کیا، وہاں بھی ٹھہرنے نہ دیا گیا، پھر تیسری مسجد کی طرف گیا وہاں بھی یہی سلوک ہوا، میں عاجز ہو گیا، اور سردی میری قوت برداشت سے باہر ہو گئی، آخر کار میں حمام کی بھٹی کے آگے آیا اور اپنے دامن کو آگ میں لے لیا اور اُس کا دھواں مجھ پر پڑا جس سے میرے کپڑے اور میرا چہرہ سیاہ ہو گیا اس رات بھی میں اپنی مراد کو پہنچا ۔

میں جو کہ علی بن عثمان جلابی (یعنے سید نا داتا گنج بخش رحمہ اللہ) ہوں ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل درپیش ہوئی میں نے بہت کوشش کی کہ اس مشکل سے خلاصی حاصل ہو مگر نہ ہوئی۔ اس سے قبل مجھے ایسی ہی مشکل اور لاحق ہوئی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی تھی یہاں تک کہ وہ مشکل رفع ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ بھی میں نے ارادہ کیا وہاں حاضری دوں، بالآخر تین ماہ تک میں نے ان کے مزار مبارک پر چلہ کشی کی تاکہ یہ مشکل حل ہو، ہر روز تین مرتبہ غسل کرتا اور تیس مرتبہ وضو۔ اس امید پر کہ یہ مشکل حل ہو جائے مگر حل نہ ہوئی۔ وہاں سے اُٹھا اور خراسان کی طرف سفر کا ارادہ کر لیا ۔

اُس ولایت میں ایک رات ایک گاؤں میں پہنچا وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت تھی، میرے جسم پر ایک گدڑی اور سخت قسم کی گدڑی تھی، مسافروں کی طرح میرے ساتھ کچھ سامان نہ تھا بجز ایک لاٹھی اور لوٹے کے۔ اس جماعت نے مجھے حقارت کی نظر سے دیکھا اور کسی نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق باہم گفتگو کرتے اور کہتے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور یہ درست بھی تھا، کہ میں اُن میں سے نہ تھا۔ لیکن مجھے وہاں رات گزارنی ضروری تھی، چونکہ وہاں جگہ نہ تھی۔ مجھے ایک دریچہ میں بٹھا دیا اور وہ خود سب سے اونچی چھت پر چلے گئے۔ اور میں زمین پر رہا۔ میرے آگے ایک سوکھی ہوئی پھپھوندی روٹی ڈال دی اور میں ان خوشبوؤں کو سونگھ رہا تھا جو وہ خود کھا رہے تھے، وہ چھت پر برابر مجھ پر آوازیں کستے رہتے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزہ کھانے لگے اور اُس کے چھلکے میرے سر پر اپنی دل لگی سے پھینکتے رہے۔ اور میری بے قدری کرتے رہے۔ اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا اے خداوند کریم! اگر میں تیرے محبوبوں کا لباس پہننے والوں میں سے نہ ہوتا تو میں ان میں سے کنارہ کش ہو جاتا۔ جس قدر بھی ان کی طعن و تشنیع مجھ پر زیادہ ہوتی گئی میرا دل مسرت سے لبریز ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری مشکل حل ہو گئی۔ اس وقت میں نے جانا کہ مشائخ کرام، جاہل لوگوں کا اپنے ساتھ شامل ہونے کو کیوں گوارا کرتے ہیں۔ اور ان کی سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ یہ ہیں کامل تحقیق کے ساتھ ملامت کے احکام جو مذکور ہوئے ۔

بتوفیق اللہ تبارک و تقدس ۔

باب در ذکر ائمہ مشائخ از صحابہ

اب کچھ ائمہ کرام کے احوال کا تذکرہ کرتا ہوں جو صحابہ کرام میں سے مشائخ عظام کے پیشرو طریقت اور ذات و صفات اور احوال میں ان کے امام و قائد ہیں جن کا مرتبہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد ہے۔ جو سابقین اولین اور مہاجرین و انصار میں سے ہیں، ہمارے اور تمہارے مقصد و مراد کے اثبات کے لئے ان [illegible] رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے شیخ الاسلام بعد از انبیاء خیر الانام خلیفہ و امام تارک دنیا کے سردار ارباب تجرید کے شہنشاہ، آفات انسانی سے دور، امیر المومنین سیدنا ابوبکر عبداللہ بن عثمان قحافہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ کی کرامتیں اور بزرگیاں مشہور ہیں اور معاملات و حقائق میں آپ کے نشانات و دلائل ظاہر ہیں۔ باب تصوف میں آپ کے کچھ حالات مذکور ہیں۔ آپ کو مشائخ طریقت نے ارباب مشاہدہ اور صوفیا میں مقدم رکھا ہے اس لئے کہ آپ کی روایت و حکایت کم ہیں اور سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ارباب مجاہدہ میں مقدم رکھا ہے اس لئے کہ آپ کے معاملات اور حق پر صلابت صحیح خبروں میں مرقوم اور اہل علم کے درمیان ہیں۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شب کو جب نماز پڑھتے تو قرآن کی تلاوت نرم آواز میں کرتے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو بلند آواز سے تلاوت کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیوں نرم آواز سے تلاوت کرتے ہو؟ تو عرض کیا، اسمع من اناجیه، (وہ خوب سنتا ہے جس سے مناجات کرتا ہوں) کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے غائب نہیں ہے اور اس کی سماعت کے لئے نرم یا بلند آواز سے پڑھنا دونوں برابر ہیں۔ اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تو آپ نے عرض کیا اوقظ الوسنان اى النائم واطرد الشیطان (سوتے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں) یہ مجاہدہ کی علامت ہے اور وہ مشاہدہ کا نشان، مجاہدہ کا مقام مشاہدہ کے پہلو میں ایسا ہے جیسے قطرہ دریا میں۔ یہ اس لئے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هَلْ اَنْتَ اِلَّا حَسَنَةٌ مِّنْ حَسَنَاتِ اَبِیْ بَکْرٍ (اے عمر تم تو ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہو)۔

جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں جن سے اسلام کو عزت ملی، تو غور کرو کہ سارے جہان کے لوگ کس درجہ میں ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دارنا فانیة واحوالنا عاریة وانفاسنا معدودة وکسلنا موجودة (ہمارا گھر فانی ہے۔ ہمارے احوال عارضی ہیں۔ ہمارے سانس گنتی کے ہیں، ہماری سستی و کاہلی ظاہر و موجود ہے) لہٰذا فانی گھر کو تعمیر کرنا جہالت ہے اور عارضی حال پر اعتماد کرنا نادانی ہے، گنتی کے سانسوں پر دل لگانا غفلت ہے۔ اور کاہلی کو دین سمجھ لینا نقصان و خسارہ ہے۔ اس لئے کہ جو چیز عاریۃً لی جاتی ہے اسے واپس کرنا ہوتا ہے، جو چیز جانے والی ہو وہ باقی نہیں رہتی، جو چیز

گنتی میں آتے وہ محدود ہوتی ہے، اور سستی کی تو کوئی دوا ہی نہیں۔ آپ نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ دنیا اور دنیاوی چیزوں کے جاتے رہنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے کہ ان کی خاطر ان میں مشغول ہوں۔ کیونکہ جب تم فانی سے دل لگاؤ گے تو باقی سے پوشیدہ اور حجاب میں رہ جاؤ گے۔ حالانکہ یہ نفس اور یہ دنیا طالبِ حق اور اس کے محبوبوں کے لئے حجاب اور پردہ ہے وہ دونوں سے بچتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ دنیا عاریۃً ہے اور رعایت بھی کیسی کہ اس کی ملکیت و تصرفِ کُرسی کی دسترس بھی نہیں۔ آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے اپنی مناجات میں کہا کہ اَللّٰھُم اَبسُط لی الدنیا و زھدنی عنہا یعنے اے خدا میرے لئے دنیا کو کشادہ فرما اور مجھے اس کا تارک بنا۔ پہلے فرمایا کہ مجھ پر دنیا کو فراخ کر پھر اس کی لذتوں سے مجھے محفوظ رکھ۔ اس معنے کے تحت ایک رمز ہے وہ یہ کہ دنیا دے تاکہ اس کا شکر بجا لاؤں اس کے بعد اس کی توفیق دے کہ تیری راہ میں اپنے ہاتھ سے خرچ کروں اور اپنا رُخ تیری طرف پھیروں تاکہ شکرو انفاق کا درجہ بھی پاؤں اور مقامِ صبر بھی حاصل کروں تاکہ فقر میں پریشان نہ ہوں اور فقر پر میرا اختیار ہو۔ اس مفہوم کی بنا پر اس پیر معاملہ کی تردید ہو جاتی ہے جس نے کہا کہ جس کا فقر اضطراری ہو وہ فقر اختیاری سے زیادہ مکمل ہے۔ اگر اضطراری ہو تو وہ فقر کی صفت ہے اور اگر اختیاری ہو تو فقر، بندہ کی صفت ہے۔ جب اس کا عمل کشش فقر سے منقطع ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ تکلف سے اپنا درجہ بنائے ؛

میں کہتا ہوں (یعنے سیدنا داتا گنج بخش رحمہ اللہ فرماتے ہیں) کہ صفتِ فقر اس وقت زیادہ ظاہر ہوتا ہے جبکہ غنا و مالداری کی حالت میں فقر کا ارادہ اس کے دل پر ہو۔ اور ایسا عمل کرے جیسا کہ آدم اور اس کی ذریت کی محبوب چیزوں سے یعنے دنیاوی مال و دولت سے دستکش ہو جائے۔ نہ یہ کہ فقر کی حالت میں اس کا دل غنا و مالداری کی خواہش سے بھرپور ہو۔ اور ایسے عمل کرے کہ اسے تونگری کے لئے مالداروں کے گھروں اور بادشاہوں کے درباروں میں لے جائے۔ صفتِ فقر تو یہ ہے کہ غنا چھوڑ کر فقر اختیار کرے نہ یہ کہ فقر میں مال و جاہ اور ریاست کو طلب کرے ؛

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل اور مقدم ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی اُن سے آگے قدم رکھے اور وہ معنے میں مقدم ہو جائے کیونکہ آپ نے فقرِ اختیاری کو فقرِ اضطراری پر مقدم و افضل رکھا ہے۔ یہی تمام مشائخ طریقت کا مذہب ہے۔ مگر وہ پیر جس کا ذکر گزر چکا اور اس کے دلائل کو بیان کر کے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے مؤکد کیا۔ اور دلیل واضح کر دی ؛

حضرت زہری رضی اللہ عنہ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نے بیعتِ خلافت لی تو آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اس میں فرمایا واللہ ما کنت حریصًا علے الامارۃ یومًا ولا لیلۃ قط ولا کنت فیھا راغبًا ولا سألتھا اللہ تعالٰی فی سرٍّ و علانیۃٍ و مالی فی الامارۃ من راحۃٍ : خدا کی قسم میں ایک دن یا ایک رات کے لئے بھی امارت و حکومت کا حریص نہیں، اور نہ اس میں مجھے رغبت ہے اور نہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالٰے سے اس کا سوال کیا اور نہ میرے لئے حکومت میں کوئی راحت ہے ؛

جب اللہ تعالیٰ بندہ کو کمال صدق پر فائز کرتا اور عزت و منزلت کے مقام پر متمکن فرماتا ہے تو بندۂ صادق منتظر رہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم ہوتا ہے، جیسا بھی اس پر حکم وارد ہو وہ اسی پر برقرار رہتا ہے اگر فرمان آئے کہ فقیر ہو جا، فقیر ہو جاتا ہے، اور اگر فرمان آئے کہ امیر ہو جا، تو امیر ہو جاتا ہے۔ اس میں وہ اپنا تصرف و اختیار استعمال نہیں کرتا جس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں بھی ویسی ہی تسلیم و رضا اختیار فرمائی جس طرح انتہا میں۔ اسی لحاظ سے صوفیائے کرام نے ترک دنیا و منزلت و حرص کو فقر پر اور ترک ریاست کی تمنا کو اس لئے پسند کیا ہے کہ آپ دین میں تمام مسلمانوں کے امام عام ہیں۔ اور طریقت میں آپ تمام صوفیاء کے امام خاص ہیں رضی اللہ عنہ (**منہم**) ان ائمہ صحابہ میں سے، سرہنگ اہل ایمان، مقتدائے اہل احسان، امام اہل تحقیق، محبت کے سمندر کے غریق سیدنا ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں آپ کے فضائل و کرامات مشہور اور فراست و دانائی مذکور ہے۔ آپ فراست و صلابت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ آپ کے اس طریق میں متعدد لطائف و دقائق ہیں۔ اسی معنے میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحق ینطق علےٰ لسان عمر (حق زبان عمر پر بولتا ہے) نیز حضور نے فرمایا قد کان فی الامم محدثون فان یك منھم فی اُمتی فعمر (گذشتہ اُمتوں میں محدثین گزرے ہیں، اگر میری اُمت میں محدث ہو گا تو وہ عمر ہوں گے رضی اللہ عنہ) آپ سے طریقت کے بکثرت رموز و لطائف مروی ہیں ان سب کو اس کتاب میں جمع کرنا دشوار ہے البتہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا العزلة راحة من خلطاء السوء (بدوں کی ہم نشینی سے گوشہ نشینی میں راحت و سکون ہے) عزلت یعنے گوشہ نشینی دو طریقے سے ہوتی ہے ایک خلقت سے کنارہ کشی کرنے سے دوسرے ان سے تعلق منقطع کرنے سے، اعراض عن الخلق یعنے خلقت سے کنارہ کشی کی صورت یہ ہے کہ ان سے مونہہ موڑ کر خلوت میں بیٹھ جائے اور ظاہری طور پر ہم نشینوں کی صحبت سے بیزار ہو جائے اور اپنے اعمال کے عیوب دیکھنے سے خود ہی آرام ملے، اور لوگوں کے ملنے جلنے سے خود کو بچائے۔ اور اپنی برائیوں سے ان کو محفوظ رکھے لیکن خلقت سے تعلق منقطع کرنے کی صورت دل سے ہے یعنے دل کی یہ کیفیت ہو کہ وہ ظاہر سے کوئی علاقہ نہ رکھے۔ جب کسی کا دل خلق سے منقطع ہو گیا تو کسی مخلوق کا اسے اندیشہ و خطرہ نہیں رہتا کہ ان کا خطرہ اس کے دل پر غلبہ پا سکے اس وقت یہ شخص اگرچہ خلقت کے درمیان ہوتا ہے لیکن خلقت سے وہ جدا ہوتا ہے اور اس کے ارادے ان سے منفرد ہوتے ہیں یہ درجہ بہت بلند اور بعید از قیاس ہے۔ یہی سیدھی روش ہے۔ اور اسی مقام پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فائز تھے۔ کہ آپ بظاہر خلقت کے درمیان حکومت و خلافت میں متمکن تھے لیکن ان کا دل عزلت و تنہائی سے راحت پاتا تھا۔ یہ دلیل واضح ہے کہ اہل باطن اگرچہ بظاہر خلقت کے ساتھ ملے جلے ہوتے ہیں لیکن ان کا دل حق کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ اور ہر حال میں خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور جتنا وقت خلق سے ملنے جلنے میں صرف ہوتا ہے وہ اسے حق کی جانب سے بلاء امتحان شمار کرتے ہیں۔ وہ خلق کی ہم نشینی سے حق تعالیٰ کی طرف بھاگتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا خدا کے محبوبوں کے لئے ہرگز پاک و صاف نہیں ہوتی کیونکہ احوال دنیا مکدر ہیں جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دَارٌ اُسِّسَتْ علی البلوٰی بلا بلوی محال (وہ گھر جس کی بنیاد بلاؤں پر ہو محال ہے کہ بلا سے خالی ہو)۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ میں سے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں آپ کے تمام افعال مقبول ہیں اس حد تک کہ جب ابتدا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا قد استبشر یا محمد اهل السماء الیوم باسلام عمر (اے سید عالم آسمان والے آج حضرت عمر کے مشرف باسلام ہونے پر بشارت دیتے ہیں) لہٰذا صوفیائے کرام گدڑی پہننے اور دین میں صلابت و سختی اختیار کرنے میں آپ کی پیروی کرتے ہیں اس لئے کہ آپ ہر قسم کے امور میں سارے جہان کے امام ہیں رضی اللہ عنہ ؛

(**منہم**) ان ائمہ صحابہ میں سے، مخزن حیاء، اعبد اہل صفا، متعلق درگاہ رضا، متقلب الطریق مصطفےٰ، سیدنا ابو عمر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہر لحاظ سے آپ کے فضائل واضح اور آپ کے مناقب ظاہر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رباح اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جس دن آپ کے گھر کا بلوائیوں نے محاصرہ کیا ہم امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے جب بلوائی آپ کے مکان کے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اٹھا لئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا جو بھی ہتھیار نہ اٹھائے وہ میری غلامی سے آزاد ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے خوف کے سبب باہر نکل آئے اثنائے راہ میں حضرت امام حسن ابن علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ آتے ہوئے ملے، ہم اُن کے ہمراہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے تاکہ دیکھیں کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کیا کرتے ہیں، جب امام حسن اندر داخل ہوئے تو سلام عرض کیا، انھوں نے آپ سے بلوائیوں کی حرکت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا اے امیر المؤمنین! میں آپ کے حکم کے بغیر مسلمانوں پر تلوار بے نیام نہیں کر سکتا، آپ امام برحق ہیں آپ حکم دیجئے تاکہ آپ سے اس قوم کی بلا کو دور کر دوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا ابن اخی ارجع واجلس فی بیتك حتی یاتی اللہ بامرہ فلا حاجة لنا فی اهراق الدماء ؛ اے میرے بھائی علی کے فرزند تم لوٹ جاؤ اور اپنے گھر آرام کرو یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی حکم آ جائے ہمارے لئے لوگوں کے خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے ؛

مقام خلت و دوستی میں، بلا و مصیبت کے درمیان تسلیم و رضا کی یہ علامت ہے۔ چنانچہ نمرود علیہ اللعنة نے آگ جلائی اور جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو گوپھن (منجنیق) میں رکھا گیا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا هل لك من حاجة (کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟) آپ نے فرمایا اما الیك فلا (بندہ سراپا محتاج ہے لیکن تم سے کوئی حاجت نہیں) جبریل نے عرض کیا، پھر اللہ تعالےٰ سے عرض کیجئے۔ فرمایا حسبی من سوالی علمہ بحالی (اللہ تعالےٰ میرے سوال سے بے نیاز ہے وہ میری حالت کو جانتا ہے) یعنی وہی مجھے کافی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے ساتھ کیا برتنا ہے؟ وہ میرے معاملہ کو مجھ سے زیادہ واقف ہے۔ وہ مجھے جانتا ہے کہ میری درستگی و صلاح کس چیز میں ہے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس جگہ حضرت خلیل علیہ السلام کو منجنیق میں رکھے جانے کے مقام پر تھے اور بلوائیوں کا اجتماع قائم مقام آتش نمرود اور امام حسن بجائے حضرت جبریل علیہ السلام تھے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا میں نجات ملی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا میں ہلاکت کیونکہ نجات کا تعلق بقا سے ہے اور ہلاکت کا تعلق فنا سے۔ ہم پہلے اس معنے میں کچھ بتا چکے ہیں۔ لہٰذا صوفیائے کرام جو مال و جان خرچ کرتے

اور بلاؤں میں تسلیم و رضا اور عبادت میں اخلاص رکھتے ہیں یہ سب انھیں کی اقتداء و پیروی کیا ہے ۔ درحقیقت آپ حقیقت و شریعت کے امام برحق ہیں ۔ اور آپ کی طریقت میں ترتیب (یا تربیت) نو کی نہایت ظاہر ہے رضی اللہ عنہ ۔

(منہم) ان ائمہ صحابہ میں سے ، برادر مصطفےٰ ، غریق بحر بلا ، حریق نار ولا ، مقتدائے جملہ اولیاء و اصفیاء ، سیدنا ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں ۔ طریقت میں آپ کی شان عظیم اور درجہ رفیع ہے ۔ حصول حقائق کی نہایت آپ کو کمال دسترس تھی ۔ یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخنا فی الاصول والبلاء علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ، اصول و بلا میں ہمارے پیشوا ہمارا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں یعنے آپ علم طریقت اور اس کے معاملات میں ہمارے امام ہیں ۔ کیونکہ علم طریقت کو اہل طریقت اصول کہتے ہیں ۔ اور معاملات طریقت فی نفسہٖ بلا میں پڑنا ہے ۔

منقول ہے کہ کسی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے امیر المومنین مجھے کوئی وصیت فرمائیے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا ۔ لا تجعلن اکبر شغلك باهلك وولدك فان يكن اهلك وولدك من اولياء الله تعالى فان الله لا يضيع اولياءه وان كانوا اعداء الله فما همك وشغلك لاعداء الله سبحانه ۔ (بیوی بچوں اور اولاد کی مشغولیت کو بڑا سمجھنا ۔ اگر وہ اللہ کے دوستوں اور اولیاء اللہ میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور ولیوں کو ضائع نہیں فرماتا ۔ اور اگر وہ اللہ کے دشمن ہیں تو تیرا قصد و ارادہ اور ان میں مشغولیت سبحانہ کے دشمنوں کے لئے ہوگی تو تو کیوں ان کی غم خواری اور ان سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہ مسئلہ دل کی انقطاع و علیحدگی من دون اللہ سے متعلق ہے ۔ وہ اپنے بندوں کو جیسا چاہتا رکھتا ہے ۔ چنانچہ موسیٰ صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر کو ایسی حالت میں جو انتہائی سخت تھی (یعنے دردِ زہ میں تھیں) چھوڑ کر تسلیم رضائے الٰہی ہو گئے ۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے ۔ انھوں نے ان کو اپنا سب سے بڑا شغل نہ جانا ۔ اور ہمہ تن ہو کر دل کو حق سے واصل کر لیا یہاں تک کہ انہیں دونوں جہان میں سرفرازی حاصل ہوئی ۔

اس حال میں جو اپنی مراد نہیں رکھتے اور اپنے معاملات کو حکم خدا کے سپرد کر دیتے ہیں یہ بات اس طرح پر ہے کہ کسی سائل نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کونسا ہے ؟ فرمایا غناء القلب باللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کو تونگر بنانا) جو دل خدا کے ساتھ غنی ہو تو اسے دنیاوی تنگی پریشان کرتی ہے اور نہ دنیاوی ہستی اسے خوش کرتی ہے ۔ حقیقت میں یہ معنے فقر و صفوت کی طرف لے جاتے ہیں ۔ ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ۔ لہٰذا اہل طریقت کو چاہئے کہ عبارات کے حقائق ، اشارات کے دقائق ، مال دنیا و آخرت سے جدائیگی اور تقدیر الٰہی کے نظارہ میں آپ کی اقتداء کرے ۔ آپ کے کلام کی باریکیاں اور لطائف گنتی سے زیادہ ہیں ۔ اور اس کتاب میں میرا دستور و مذہب اختصار ہے ۔ و باللہ التوفیق ۔

باب در ذکرِ ائمۂ طریقت از اہلِ بیت اطہار

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت وہ ہیں جن کی طہارت ازلی مخصوص ہے۔ ان میں سے ہرایک طریقت میں کمل تھا ہر عام وخاص مشائخ وصوفیاء کے یہ امام رہے ہیں۔ اب میں ان میں سے چند افراد کا انشاء اللہ تعالےٰ مختصر سا تذکرہ کرتا ہوں۔

(**منہم**) یعنے ان ائمہ اہل بیت اطہار میں سے جگر بند مصطفےٰ، ریحان ولِ مرتضےٰ، قرۃ العین زہرا ابو محمد الحسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں۔ طریقت میں آپ کی نظر کامل اور تعبیرات طریقت کے حقائق میں دسترس اعلےٰ درجہ کی تھی یہاں تک کہ آپ نے اپنی وصیت کے وقت فرمایا علیکم بحفظ السرائر فان اللہ تعالیٰ مطلع علے الضمائر یعنے تم اسرار ربانی کی حفاظت میں محکم رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں پر خبردار ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اسرار کی حفاظت میں ایسا ہی مخاطب ہے جس طرح اضمار یعنے دلوں کے بھیدوں کو دوسروں کو چھپاتا ہے۔ پس حفظِ اسرار یہ ہے کہ غیروں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور حفظِ اضمار یہ ہے کہ اس کے اظہار میں مخالفتِ حیا لاحق ہوتی ہے

منقول ہے کہ قدریوں نے جب غلبہ پکڑا اور مذہب اعتزال جہان میں پھیلا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن رضؓ بن علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایک خط بدیں مضمون لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم السلام علیك یا ابن رسول اللہ وقرۃ عینہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اما بعد فانکم معاشر بنی ھاشم کالفلك الجاریۃ فی بحر لجی ومصابیح الدجی واعلام الھدی والائمۃ القادۃ الذین من تبعھم نجی کسفینۃ نوح المشحونۃ التی یؤل الیھا المومنون وینجو فیھا المتمسکون فما قولك یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عند حیرتنا فی القدر واختلافنا فی الاستطاعۃ لتعلمنا بما تاکد علیہ رأیك فانکم ذریۃ بعضھا من بعض بعلم اللہ علمتم وھو الشاھد علیکم وانتم شھداء اللہ علے الناس والسلام

یعنے اے ابن رسول اللہ! آں کی چشمہائے مبارکہ کی ٹھنڈک، آپ پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت وبرکت ہو۔ آپ تمام بنی ہاشم میں مانند اس کشتی کے ہیں جو گہرے اور اندھیرے میں جارہی ہو، اور آپ ہدایت کے روشن ستارے اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اور آپ ہی ان سرکردہ ائمۂ دین میں سے ہیں جس نے آپ کی پیروی کی نجات پائی۔ آپ کشتی نوح کی مانند ہیں کہ جس مسلمان نے اس میں پناہ لی، وہ نجات پاگیا۔ اے فرزندِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم آپ کا کیا ارشاد ہے جو قدریوں کے بارے میں ہمیں پریشانی لاحق ہے اور ان سے اپنی استطاعت بھر اختلاف کیا ہے آپ ہماری رہنمائی فرماتے ہوئے بتائیے کہ آپ کی اس میں کیا روش ہے کیونکہ آپ اولادِ رسول ہیں۔ آپ ہمیں اپنے اس علم سے ہرگز فراموش نہ فرمائیں گے جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو علم خصوصی مرحمت فرمایا ہے وہی آپ کا محافظ ونگہدار ہے اور آپ ہم سب لوگوں پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے محافظ و پاسبان ہیں والسلام

جب یہ مکتوب آپ کی خدمت میں موصول ہوا، تو آپ نے بدیں مضمون جواب تحریر فرمایا:-

بسم الله الرحمٰن الرحیم اما بعد فقد انتهی الیّ کتابك عند حیرتك وحیرة من زعمت من امتنا والذی علیه رأیی ان من لم یومن بالقدر خیره وشره من الله تعالیٰ فقد کفر ومن حمل المعاصی علی الله فقد فجر ان الله لا یطاع باکراه ولا یعصی بغلبة ولا یهمل العباد فی ملکه لکنه المالك لما یملکهم والقادر علی ما علیه قدرهم فان ائتمروا بالطاعة لم یکن لهم اختیارا ولا لهم عنها مثبطا وان اتوا بالمعصیة وشاء ان یمن علیهم فیحول بینهم وبینها فعل وان لم یفعل فلیس هو حملهم علیها اجبارا ولا الزمهم اکراهًا ایاها باحتجاجه علیهم ان عرفهم ومکنهم وجعل لهم السبیل الی اخذ ما دعاهم الیه وترکوا ما نهاهم عنه ولله الحجة البالغة والسلام

یعنے بعد اسم الٰہی کے تم نے جو کچھ اپنی پریشانی اور ہماری امت کی حیرانی کے بارے میں لکھا اس پر میری رائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر، خیر وشر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے، اور جو اللہ کی نافرمانی کو اس کے حوالہ کرتا ہے وہ فاسق وفاجر ہے یعنے تقدیر کا انکار، قدریوں کا مذہب ہے، اور معاصی ونافرمانی کو خدا کے سپرد کرنے کا مذہب جبریوں کا ہے۔ بلاشبہ نہ جبر سے اطاعت ہے اور نہ غلبہ سے بے فرمانی وگنہگار ہوتا ہے۔ اور نہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اپنے ملک میں مہمل وبیکار چھوڑتا ہے لیکن وہ ان ملکیتوں کا مالک ہے جو بندوں کے اختیار میں ہیں اور وہ اُن اقدار وطاقت پر قادر ہے جو اُن کے تصرف میں ہیں۔ اگر وہ طاعت بجالانا چاہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں اس سے باز نہیں رکھتا اور نہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کا بھوکا ہے، اور اگر وہ اس کی معصیت ونافرمانی کرنا چاہیں اور حسنہ ا کی مشیت یہ ہو کہ ان پر احسان فرمائے تو ان کے درمیان کوئی فعل حائل کر دیتا ہے اب اگر وہ ارتکاب معاصی کریں تو یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے انھیں مجبور کر دیا تھا اور نہ جبر سے وہ فعل ان کے درمیان لازم کیا۔ یہ ان پر دلیل وحجت کے طور پر ہے۔ اگر وہ جانیں لیکن اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے راہِ ہدایت بنا دی ہے تاکہ وہ امر معروف کریں اور منہی عنہ یعنے بدیوں سے بچیں یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حجت بالغہ ہے والسلام

اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر توفیق مرحمت فرمائی بندہ عمل میں اسی قدر مختار ہے۔ ہمارا دین جبر وقدر کے درمیان ہے۔ اگرچہ اس خط کے بیان سے صرف ایک ہی کلمہ ہمارا مقصود تھا لیکن ہم نے پورے خط کو بیان کر دیا تاکہ کلام عمدہ اور فصیح ہو جائے۔ اور یہ جملہ اس لئے لایا ہوں کہ اندازہ ہو جائے کہ حضرت امام حسن بن علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہما علم حقائق واصول میں اتنی مہارت وکمال رکھتے تھے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ باوجود اشارات میں کمالِ مبالغہ کے ان کے مقابل علم میں دسواں حصّہ تھے۔

حکایت

مَیں نے ایک حکایت میں پایا ہے کہ ایک دیہاتی جنگل سے آیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ کے دار الخلافہ میں دروازہ پر تشریف

فرمایا تھے اس نے آپ کو اور آپ کے والدین کو بُرا بھلا کہا، آپ اُٹھے اور فرمایا اے دیہاتی کیا تو بھوکا ہے یا پیاسا یا کوئی اور مصیبت تجھے پہنچی ہے؟ سائل نے کہا کہ آپ ایسے تھے اور آپ کے والدین ویسے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا ایک طشت چاندی کا سے بھر کر لاؤ! اُسے آپ نے عنایت فرمایا پھر فرمایا اے دیہاتی ہمیں معذور سمجھنا گھر میں اس کے سواء کچھ نہیں ہے۔ ورنہ اس کے دینے میں دریغ نہ کرتا۔ جب دیہاتی نے آپ کی یہ بات سُنی تو کہنے لگا اشهد انك ابن رسول الله صلے الله عليه وسلم میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی خدمت میں میں آپ کے حلم و بردباری کے تجربہ اور آزمائش کے لئے آیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صفت تمام مشائخ و اولیائے کرام کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک لوگوں کا بُرا بھلا کہنا برابر ہے۔ ان کے ظلم وستم اور سب دشتم سے وہ اثر پذیر نہیں ہوتے ہ

(صفحہ ۴) ان ائمہ اہل بیت میں سے شمع آلِ محمد تمام دنیاوی علاقوں سے جُدا۔ اپنے زمانہ کے امام و سردار ابو عبداللہ الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ اولیاء میں سے عظیم المرتبت، قبلۂ اہل بلا، شہیدِ دشتِ کربلا ہیں۔ اور اہلِ طریقت آپ کے حال کی درستگی پر متفق ہیں۔ یہاں تک کہ جب تک حق ظاہر و غالب رہا آپ حق کے فرماں بردار رہے، اور جب حق مغلوب و مفقود ہو گیا تو تلوار کھینچ کر میدان میں نکل آئے۔ اور جب تک خدا کی راہ میں اپنی جان عزیز قربان نہ کر دی آرام و چین نہ لیا۔ اور آپ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بکثرت نشانیاں تھیں جن سے آپ مخصوص تھے ہ

چنانچہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب حاضر ہوا، تو دیکھا کہ حضرت امام حسین کو آپ نے اپنی پشت پر سوار کر رکھا ہے اور ڈوری کا ایک حصہ حضور نے اپنے مُنہ مبارک میں لے رکھا ہے اور دوسرا حصہ امام حسین کے ہاتھ میں دے رکھا ہے۔ یہاں تک کہ امام حسین رضی اللہ عنہ چلاتے ہیں اور حضور ان کے حکم سے زانو کے ذریعہ چلتے ہیں جب میں نے یہ دیکھا تو کہا نعم الجمل جملك يا اباعبد الله یعنی اے ابو عبداللہ کتنی عمدہ سواری پر سوار ہو! اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم الراكب هو يا عمر: اے عمر! یہ سوار بھی کتنا عمدہ ہے۔ غرضکہ آپ طریقت میں بکثرت کلام لطیف اور رموزِ معاملاتِ حسنہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اشفق الاخوان عليك دينك یعنے تمہارے لئے سب سے زیادہ مہربان بھائی تمہارا دین ہے۔ اس لئے کہ بندہ کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور اس کی ہلاکت اس کی مخالفت میں۔ لہٰذا عقلمند شخص وہی ہے جو مہربان کے حکم کی پیروی کرے اور اس کی شفقت کو خود پر جانے۔ اور اس کی متابعت سے کسی حالت میں روگردانی نہ کرے۔ اور برادرِ مشفق وہی ہے جو نصیحت کرے اور شفقت و مہربانی کا دروازہ بند نہ کرے ہ

حکایت

ایک حکایت میں میں نے پایا کہ ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے فرزندِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں ایک

نادار شخص ہوں، میرے بچے ہیں مجھے اپنے پاس سے اپنے رات کے کھانے میں سے عنایت فرمیئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ میرا رزق ابھی راہ میں ہے یہاں تک کہ تھوڑی دیر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے دیناروں کی پانچ تھیلیاں آگئیں۔ اور ہر تھیلی میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔ لانے والوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ معذرت خواہ ہیں اور کہتے ہیں کہ فی الحال ان کو تو آپ اپنے خدام پر خرچ فرمایئے یہاں تک کہ اس سے زیادہ پھر او حاضر ہو۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس نادار درویش کی طرف اشارہ فرمایا اور پانچوں تھیلیاں عنایت فرماتے ہوئے معذرت خواہی کی کہ میں نے تمہیں بہت دیر انتظار میں رکھا صرف اتنا ہی بے خطر عطیہ تھا جو ملا۔ اگر میں جانتا اتنی قلیل مقدار ہے تو تمہیں انتظار کی گھڑیاں نہ گنواتا۔ اب مجھے معذور جانناہم تو اہلِ بلا سے تعلق رکھتے ہیں، اپنی دنیاوی تمام ضرورتوں کو چھوڑ رکھا ہے، اور اپنی راحتوں کو فنا کرکے دوسروں کی زندگیوں کے خواستگار ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب اس قدر مشہور ہیں کہ امتی بھی ان سے بے خبر نہیں ہے رضوان اللہ علیہ۔

(۵۵ھ) اور ان ائمہ اہل بیت اطہار میں سے، وارثِ نبوّت، چراغ امت، سیّد مظلوم، امام مرحوم، زین عباد، شمع اوتاد سیّدنا ابوالحسن علی، المعروف بہ زین العابدین بن امام حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور کشف حقائق و نطق دقائق میں آپ بہت مشہور تھے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ کون شخص دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت و سعید ہے؟ فرمایا من اذا رضی لم یحمله رضاه علی الباطل و اذا سخط لم یخرجه سخطه من الحق: یعنے وہ شخص جب راضی ہو تو اس کی رضا اسے باطل پر آمادہ نہ کرسے اور جب ناراض ہو تو اس کی ناراضگی اسے حق سے نہ نکالے۔ یہ وصف، راست رو لوگوں کے اوصافِ کمال میں سے ہے۔ اس لئے کہ باطل سے راضی ہونا بھی باطل ہے اور غصہ کی حالت میں حق کو ہاتھ سے چھوڑنا بھی باطل ہے۔ مومن کی شان یہ نہیں کہ وہ باطل میں مبتلا ہو۔ نیز آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب حضرت امام حسین اپنے اہل و عیال اور رفقاء سمیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کربلا میں شہید کر دیے گئے اور آپ کے سوا کوئی نہ بچا، کہ مستوراتِ حرم کا محافظ و نگہبان ہو۔ اور آپ بھی اس وقت بیمار و علیل تھے۔ امیر المومنین سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کو علی اصغر کے نام سے یاد فرماتے تھے اور جبکہ ان سب کو بغیر کجاوے کے اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر سوار کرکے دمشق لے جایا گیا، اور یزید بن امیر معاویہ (علیہ ما یستحق، اخزاه الله دون ابیه) کے دربار میں کسی نے آپ سے پوچھا کیف اصبحتم یا علی و یا اهل بیت الرحمة

یزید کو اس کے عمل کی جزا [illegible]

قال اصبحنا من قومنا بمنزلة قوم موسی من آل فرعون یذبحون ابناءهم و یستحیون نساءهم فلا ندری صبحنا من مساءنا من حقیقة بلائنا: یعنے کسی نے پوچھا اے علی! اے رحمت کے گھر والو! تم نے کیسے صبح کی؟ آپ نے جواب میں فرمایا ہم نے اپنی قوم میں اس طرح صبح کی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعونیوں میں صبح کی تھی کہ فرعونیوں نے ان کے بچوں کو تو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچیوں کو زندہ رکھا لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس امتحان گاہ میں ہماری صبح ہماری شام کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھے

گی۔ ہم خدا کی نعمتوں پر شکر بجالاتے ہیں اور اُس کی بلاو مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں ‌۔

حکایت

حکایتوں میں ہے کہ ایک سال ہشام بن عبدالملک بن مروان حج کے لئے آیا، وہ طوافِ خانۂ کعبہ میں مشغول تھا اور چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دے لیکن لوگوں کے اژدحام میں راہ نہ ملتی تھی اسی وقت وہ منبر پر کھڑا ہوا اور خطبہ دینے لگا، اس اثناء میں حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم مسجدِ حرام میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آپ کا چہرہ تاباں، آپ کے رخسار منور اور آپ کا لباس معطر تھا، آپ نے طواف شروع کیا، جب آپ حجرِ اسود کے نزدیک پہنچے تو لوگوں نے آپ کے احترام و تعظیم میں حجرِ اسود کے گرد ہٹ کر کھڑے ہوگئے تاکہ آپ حجرِ اسود کو بوسہ دے سکیں ‌۔

شامیوں نے جب آپ کی یہ شان و شوکت دیکھی تو ہشام سے کہنے لگے اے امیرالمومنین! تم کو تو لوگوں نے حجرِ اسود کے بوسہ کے لئے راہ نہ دی حالانکہ تم امیرالمومنین ہو، اور یہ خوبرو نوجوان جب آیا تو سب لوگ حجرِ اسود سے ہٹ گئے اور اسے ان کے لئے خالی کردیا ہشام نے کہا میں اسے نہیں جانتا اس انکار سے اس کا مقصد یہ تھا کہ شامی لوگ انھیں نہ پہچانیں۔ اور ان کی پیروی میں کہیں ان کی امارت کا شوق نہ پیدا ہو جائے۔ فرزدق شاعر اس وقت وہاں کھڑا تھا اس نے کہا میں انھیں خوب جانتا ہوں۔ شامی کہنے لگے اے ابو فراس ہمیں بتائیے یہ کون ہے؟ بڑی ہیبت و دبدبہ والا نوجوان ہم نے دیکھا ہے۔ فرزدق شاعر نے کہا تم کان کھول کر سنو تاکہ میں ان کا حال اور ان کے وصف و نسب کو بیان کروں، اس کے بعد فی البدیہہ یہ قصیدہ موزوں کرکے پڑھا ‌۔

قصیدہ مدحیہ در شانِ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

هٰذا الذی تعرف البطحاء وطأتهٗ	‌۔	والبیت یعرفه والحل والحرمُ
یہ وہ شخص ہے جس کے نشانِ قدم بطحا والے جانتے ہیں	‌۔	اور خانہ کعبہ، حل و حرم اسے جانتے ہیں،
هٰذا ابن خیر عباد اللّٰه کلهم	‌۔	هٰذا التقی النقی الطاهر العلمُ
یہ شخص اللہ کے سارے بندوں میں سب سے بہتر بندے کا فرزند ہے	‌۔	یہ پرہیزگار، پاکیزہ، نیکی میں مشہور شخص ہے
هٰذا ابن فاطمة الزهراء ان کنت جاهله	‌۔	بجدّه انبیاء اللّٰهِ قد ختموا
یہ بنت رسول فاطمۃ الزہرا کے فرزند کا فرزند ہے اگر تم ناواقف ہو	‌۔	ان کے نانا پر اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ نبوت ختم فرمایا

یبین نور الدُّجیٰ عن نور طلعته ٭ کالشمس ینجاب عن اشراقها الظلم

ان کی منور پیشانی سے نور ہدایت اس طرح جلوہ فگن ہے ٭ جس طرح آفتاب کی روشنی سے تاریکیاں جاتی رہتی ہیں

یُغضی حیاءً و یُغضیٰ من مھابته ٭ فما یُکلّم اِلّا حین یتبسم

یہ اپنی آنکھیں تو حیا سے نیچی رکھتا ہے اور لوگوں کی آنکھیں دبدبہ سے نیچی ہیں ٭ اسی لئے رعب و دبدبہ ہٹانے کے لئے ہنس کر کلام کرتا ہے

اذا رأته قریشٌ قال قائلها ٭ الیٰ مکارم ھذا ینتھی الکرم

جب کوئی قریشی انھیں دیکھتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے، کہ ٭ ان کی بزرگیوں پر تمام بزرگیاں ختم ہیں

ینمی الیٰ ذروة العز التی قصرت ٭ عن نیلھا عرب الاسلام و عجم

عزت و منزلت کی ایسی بلندی پر فائز ہے جہاں ٭ عرب و عجم کے مسلمان ان سے فخر نسبت پاتے ہیں

من جدّہ دان فضل الانبیاء له ٭ وفضل امته دانت له الامم

ان کے نانا کی فضیلت سب نبیوں کی فضیلتوں سے زیادہ ہے ٭ ان کی فضیلت سب امتوں سے زیادہ ہے

یکاد یمسکه عرفان راحته ٭ رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم

جب حجر اسود کے بوسہ کے لئے قریب ہوں تو ان کی امنگوں کی راحت کی معرفت سے رکن حطیم بند ہو جائے

فی کفه خیزران ریحه عبقٌ ٭ من کف اروع من عرنینه شمم

ان کے ہاتھ میں شاہانہ چھڑی ہے جس کی خوشبو دل نواز ہے ٭ ان کی ہتھیلی کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے ،،،،

سھل الخلیقة لا یُخشیٰ بوادرہ ٭ یزینه اثنان حسن الخلق والشیم

نرم اخلاق والے ہیں اچانک غصہ کا ان سے ڈر نہیں ٭ یہ اپنی دو خوبیوں حسن اخلاق اور عادت سے مزین ہیں

مشتقة من رسول الله نبعته ٭ طابت عناصرہ والخیم والشیم

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سے ان کی فضیلت نکلی ہو ٭ ان کے عناصر اور خو، بو پاکیزہ ہے

فلیس قولك من ھذا بضائرہ ٭ العُرب تعرف من انکرت والعجم

اے ہشام تیرا انکار، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا ٭ انہیں تو عرب و عجم سب پہچانتا ہے

کلتا یدیه غیاثٌ عم نفعھما ٭ تستوکفان ولا یعروھما العدم

ان کے دونوں ہاتھ فریاد رس ہیں ان کا نفع عام ہے ٭ یہ ہاتھ خوب بخشش کرنے کے باوجود خالی نہیں ہوتے

عم البریة بالاحسان فانقشعت ٭ عنها الغیابة والاملاق والظلم

مخلوقِ خدا پر ان کا احسان عام ہے، جس سے ٭ گمراہی، تنگدستی، اور ظلم پراگندہ ہو کر رہ گئے

لا یستطیع جواد بعد غایتهم ٭ ولا یدانیهم قوم وان کرموا

کوئی بخشش کرنے والا ان کی بخشش کی حد سے بڑھ نہیں سکتا ٭ اور کوئی قوم ان کی ہمسر نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ کتنی ہی بزرگ ہو

هم الغیوث اذا ما ازمة ازمت ٭ والاسد اسد الشری والناس محتدم

قحط سالی کے وقت یہ بارش ہیں ٭ یہ شیر، شیر ببر ہیں، اور لوگ جلنے والے

من معشر حبهم دین وبغضهم ٭ کفر وقربهم منجی ومعتصم

یہ اس زمرہ میں سے ہیں جن سے محبت دین ہے اور ان سے عداوت ٭ کفر ہے اور ان کا قرب باعثِ نجات اور جائے پناہ ہے

ان عد اهل التقی کانوا ائمتهم ٭ او قیل من خیر اهل الارض قیل هم

اگر پرہیزگاروں کا شمار کیا جائے تو یہ سب کے امام ہیں ٭ اگر اہل زمین سے اچھے لوگ شمار کئے جائیں تو یہی کہا جائیگا کہ یہی ہیں

سیان ذالك ان اثروا وان عدموا ٭ لا ینقص العسر بسطا من اکفهم

ان کے نزدیک تونگری اور مفلسی دونوں برابر ہیں ٭ ان کے ہاتھوں کی فراخی کو تنگدستی کم نہیں کرتی

الله فضله قدما وشرفه ٭ جری بذالك له فی اللوح والقلم

اللہ نے انہیں شرافت و منزلت سے فضیلت دی ٭ یہی حکم فضیلت لوح و قلم میں بھی جاری ہوا

مقدم بعد ذکر الله ذکرهم ٭ فی کل بدء ومختوم به الکلم

ذکر الٰہی کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے ٭ ہر میدان میں انہی کا کلمہ بول رہا ہے

ای القبائل لیست فی رقابهم ٭ لاولیة هذا اوله نعم

وہ کونسا قبیلہ ہے جن کی گردنوں پر ٭ ان کے اور ان کے اجداد کے احسان نہیں ہیں

اس قسم کے اشعار آپ کی تعریف میں اور نیز کہے جن میں ان کی اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار کی بہت مدح وثناء کی۔ اس پر ہشام نے فرزدق کو گرفتار کر کے عسفان کے جیل خانہ میں قید کر دیا۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ خبر بعینہٖ جب حضرت امام علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے نقل کی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ بارہ ہزار درہم آپ کے پاس لے کے جاؤ اور اس سے کہو کہ اے ابو فراس! ہمیں معذور سمجھئے کیونکہ ہم محتاج ہیں اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں تھا کہ ہم تمہیں بھیج سکتے۔ فرزدق نے ان درہموں کو واپس لوٹاتے ہوئے کہلایا کہ اے فرزند رسول خدا میں نے بادشاہوں اور امیروں کی تعریف میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور ان شعروں

میں جھوٹی مدح سرائی کی گئی تھی اب اس کے کفارہ میں چند اشعار خدا کے لئے فرزندانِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں عرض کر دیئے ہیں۔ جب یہ پیغام حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ملا تو آپ نے ان درہموں کو دوبارہ لوٹ جانے کے لئے فرمایا اور کہلوایا کہ اے ابوفراس! اگر تم ہم سے محبت رکھتے ہو تو اسے پسند نہ کرو کہ ہم وہ چیز واپس لے لیں جسے اپنی ملک سے نکال کر کسی کو دے دیا ہو۔ اس وقت فرزدق نے وہ درہم لے لئے اور احسان مندی کا اظہار کیا اور آپ کی تعریف میں اس سے زیادہ شعر کہے۔

(۴۴) اور ان ائمۂ اہلِ بیت اطہار میں سے، طریقت میں دلیل، اربابِ مشاہدہ کے برہان، امام اولادِ نبی، برگزیدۂ نسل علی، سیدنا امام ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم جو الباقرؒ سے معروف ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور آپ کا لقب باقر تھا، آپ کتاب الٰہی کے بیان کرتے وقت علوم کی باریکیاں اور لطیف و اشارات واضح کرنے میں مخصوص تھے۔ آپ کی کرامتیں مشہور ہیں اور روشن نشانیاں، تابندہ دلائل معروف ہیں۔

بادشاہِ وقت نے ایک دن آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور آپ کو کسی کے ہاتھ بلوایا، جب آپ اس کے قریب پہنچے تو وہ معذرت کرنے لگا اور تحائف پیش کر کے عزت کے ساتھ واپس کر دیا۔ لوگوں نے بادشاہ سے پوچھا اے بادشاہ! تو نے تو انھیں ہلاک کرنے کے لئے بلایا تھا لیکن ہم نے تجھے اس کے سوا سلوک کرتے دیکھا کیا وجہ ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے دو شیروں کو دیکھا جو دائیں بائیں کھڑے تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر تو نے ان کو ہلاک کیا تو ہم تجھے مار ڈالیں گے۔

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے کلامِ الٰہی کی اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ قال من شغلك عن مطالعة الحق فهو طاغوتك، آیۂ کریمہ "جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان رکھا (اس کی تفسیر میں) فرمایا جو تجھے حق تعالےٰ کے مطالعہ سے غافل کرے وہی تیرا طاغوت ہے۔

لہٰذا اب دیکھو کہ کونسی چیز حجاب بن رہی ہے جو معرفتِ الٰہی میں مانع ہے اور یادِ الٰہی سے غافل کر رہی ہے اسے ترک کرو، تاکہ مکاشفۂ ربانی حاصل ہو اور کوئی حجاب و مانع باقی نہ رہے۔ اور کسی ممنوع و محجوب شخص کو لائق نہیں کہ وہ قربت کا دعوےٰ کرے۔

آپ کے ایک خاص عقیدت کیش سے منقول ہے کہ جب رات کا ایک پہر گزر جاتا اور آپ ورد و وظائف سے فارغ ہو جاتے تو اس وقت آپ بلند آواز سے مناجات کرتے اور کہتے اے میرے خدا! اے میرے مالک! رات آگئی ہے، اب بادشاہوں کا تصرف و اختیار ختم ہو چکا ہے، آسمان پر ستارے جگمگانے لگے ہیں اور لوگ سو چکے ہیں، خلقت گھروں میں گھس گئی ہے، ان کی آوازیں ناپید ہو چکی ہیں، ان کی آنکھیں سو گئی ہیں، خلقت، لوگوں کے دروازوں سے بھاگ چکی ہے، اور بنو امیہ بھی آرام میں مشغول ہو چکے ہیں، انھوں نے خزانوں کے دروازوں کو بند کر کے محافظوں کو کھڑا کر دیا ہے۔ جو لوگ ان سے حرص و لالچ رکھتے ہیں اب وہ بھی ان سے دور ہو چکے ہیں، اے میرے خدا! تو زندہ و پایندہ اور دیکھنے و جاننے والا ہے، تجھ پر اونگھ اور نیند حرام ہے، جو تجھے ایسا نہ جانے وہ کسی نعمت کا مستحق نہیں ہے، اے

خداوند کریم! کوئی چیز تجھ کو کسی چیز سے روک نہیں سکتی۔ اور رات و دن تیری بقا میں اثر انداز نہیں ہوتے۔ تیری رحمت کے دروازے ہر دعا کرنے والے پر کھلے ہوتے ہیں اور تیرے تمام خزانے، تیری حمد و ثنا کرنے والے پر وقف ہیں۔ تو ایسا مالکِ حقیقی ہے کہ کسی سائل کو محروم رکھنا تیری شان کے لائق نہیں ہے۔ جو مومن بھی تیری درگاہ میں دعا مانگے تو اسے رد نہیں فرماتا۔ اور زمین و آسمان میں کسی سائل کو محروم نہیں رکھتا۔ اے میرے خدا! جب موت، قبر اور حسابِ حشر کو یاد کرتا ہوں تو دنیا میں دل کس طرح راحت پذیر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تجھی سے درخواست گزار ہوں اور تجھی کو اکیلا فریادرس جانتا ہوں اور تجھی سے مانگتا ہوں جو بھی میری حاجت ہو۔ میری عرض یہ ہے کہ بوقتِ موت عذاب سے محفوظ رکھنا اور بوقتِ حساب، بے عقاب راحت کرامت فرمانا۔

آپ یہ دعا مانگتے اور تمام رات روتے رہتے۔ چنانچہ ایک رات میں نے عرض کیا اے میرے اور میرے ماں باپ کے سردار! کب تک یوں گریہ زاری اور سینہ فگاری کرتے رہیں گے؟ آپ نے فرمایا اے دوست! سیدنا یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسف (علیہ السلام) گم ہوا تھا تو وہ اتنے روئے تھے کہ آنکھوں کی بصارت چلی گئی اور آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور میرے تو اٹھارہ نفوس مع اپنے والد ماجد یعنے سیدنا امام حسین اور دیگر شہیدانِ میدانِ کربلا (رحمہم اللہ) گم ہو چکے ہیں یہ اس سے کم نہیں ہے، اب میں ان کے فراق میں آنکھیں سفید نہ کروں!

یہ مناجات عربی میں بہت فصیح ہے، میں نے طوالت کے لحاظ سے صرف اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا ہے تاکہ تکرار نہ ہو جائے۔ انشاء اللہ اسے کسی اور جگہ ذکر کروں گا۔

(منہم) ان ہی ائمہ اہل بیت اطہار میں سے، یوسفِ سنت، جمالِ طریقت، معبرِ معرفت، مزینِ صفوت، سیدنا ابو محمد امام جعفر صادق بن محمد الباقر بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔ آپ کا حال بلند، سیرت پاکیزہ، ظاہر آراستہ اور باطن و خصلت میں منور تھے۔ آپ کے اشارات تمام علوم میں مشہور و خوب تر ہیں اور مشائخ عظام رحمہم اللہ میں لطائفِ کلام اور معانی کی واقفیت میں معروف ہیں۔ اور آپ سے مروی و منقول طریقت میں بکثرت کتابیں مشہور ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ اَعْرَضَ عَمَّا سِوَاہُ، جسے اللہ کی معرفت حاصل ہو گئی وہ ماسوی اللہ سے کنارہ کش ہو گیا۔

عارف کامل غیر اللہ سے کنارہ کش اور اسباب دنیاوی سے بے نیاز ہوتا ہے اس لئے کہ دراصل اس کی معرفت، اس کے غیر سے علیحدگی ہی ہے۔ کیونکہ غیر اللہ سے کنارہ کشی سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور غیر اللہ سے لگاؤ رکھنا معرفت الٰہی سے محرومی کا موجب ہے۔ چنانچہ عارف خلقت اور ان کی فکر سے بے نیاز اور اس کا دل غیر اللہ سے جدا ہو کر اللہ تعالےٰ سے واصل ہوتا ہے۔ اس کے دل میں مخلوق کی کچھ قدر نہیں نہ وہ کسی حال میں ان کی طرف ملتفت ہوتا ہے نہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ دل میں ان کی کوئی گرہ ہوتی ہے۔

یہ منقول بھی انھیں سے منقول ہے کہ لا تصح العبادۃ الا بالتوبۃ لان اللہ تعالیٰ قدم التوبۃ علی العبادۃ قال اللہ تعالیٰ
التائبون العابدون الآیہ : توبہ کے بغیر عبادت صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے عبادت پر توبہ کو مقدم رکھا چنانچہ فرمایا توبہ کرنے
والے، عبادت بجالانے والے الآیہ ۰

اس لئے کہ توبہ مقامات کی ابتداء ہے اور عبودیت اس کی انتہاء ۔ جب اللہ تعالےٰ نے گنہگار بندوں کا ذکر فرمایا تو توبہ کے حکم سے
ذکر کیا چنانچہ فرمایا توبوا الی اللہ جمیعًا ایھا المومنون : اے مسلمانو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو ۰

اور جب اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو یاد فرمایا تو عبودیت و بندگی سے یاد کیا، چنانچہ فرمایا فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ
پس ہم نے اپنے بندۂ خاص پر جو چاہا وحی فرمائی ۰

حکایت

میں نے ایک حکایت دیکھی کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے ابن رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمایئے میرا دل سیاہ ہوگیا ہے، آپ نے فرمایا اے ابا سلیمان (کنیت حضرت داؤد طائی) تم تو اپنے زمانہ کے
مشہور زاہد ہو تمھیں میری نصیحت کی کیا حاجت ہے، عرض کیا اے فرزند رسول! آپ کو ساری مخلوق پر فضیلت حاصل ہے، اور آپ
پر سب کی نصیحت فرمانا واجب ہے۔ فرمایا اے ابوسلیمان! میں اس سے خوف زدہ ہوں کہ کل قیامت کے دن میرے جدِ کریم علیہ السلام
کہیں مجھ سے گرفت نہ فرمائیں کہ کیوں میرے اتباع کا حق ادا نہ کیا۔ اور یہ معاملہ نہ نسب صحیح سے متعلق ہے، اور نہ نسبت قومی سے۔ بلکہ یہ معاملہ
ان کی پیروی کرنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ رونے لگے اور کہنے لگے اے خدا! جس شخص کا خمیر ہی نبوت
کے پانی سے ہے اور جس کی طبعی نشوونما ہی اپنے جدِ کریم علیہ السلام کے برہان و حجت کے اصول سے ہے اور جس کی مادرِ معظمہ بتول ہیں جن کا
نام گرامی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے وہی جب بذاتِ خود اس حیرانی و پریشانی میں ہیں تو داؤد کس گنتی میں ہے وہ کب اپنے زہد و ع
پر مغرور ہو سکتا ہے ۰

حکایت

آپ سے ہی یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن آپ اپنے غلاموں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا آؤ تم سب مجھ سے
بیعت و عہد کرو کہ تم میں سے کوئی بھی جب ہم میں سے رستگاری پائے وہ قیامت کے دن میری شفاعت کرے۔ سب عرض کرنے لگے
اے ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے؟ آپ کے جدِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خود ساری
مخلوق کے شفیع ہوں گے، آپ نے فرمایا میں اپنے افعال سے شرمندہ ہوں بروزِ قیامت اپنے جدِ کریم علیہ السلام کے روبرو کھڑے ہونے
کی طاقت نہیں رکھتا ۰

آپ کی یہ کیفیت اپنے نفس کی عیب گیری کے لئے تھی۔ کیونکہ یہ صفت اوصاف کمال سے متعلق ہے۔ اور اسی صفت پر تمام مقبولانِ بارگاہِ قدس ہیں خواہ وہ انبیاء و رسل ہوں یا اولیاء و اصفیاء۔ کیونکہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اذا اراد اللہ بعبدٍ خیراً ابصرہ بعیوب نفسہٖ: اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔

جو بندہ خدا کے حضور بندگی و تواضع سے سر جھکاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے دونوں جہان میں سربلند رکھتا ہے۔ اگر ہم اسی طرح تمام اہلِ بیت اطہار کا تذکرہ کریں اور ان کے مناقب و فضائل شمار کرائیں تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں بن سکتی۔ اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اتنا بھی اس قوم کی ہدایت کے لئے کافی ہے جسے عقل و ادراک ہے خواہ وہ مریدوں میں سے ہو یا منکروں میں سے۔

اب ہم رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ صفہ کا تذکرہ بر سبیلِ ایجاز و اختصار اس کتاب میں کرتے ہیں۔ اس سے قبل میں اپنی تصنیف "منہاج الدین" میں نام بنام تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، یہاں پر صرف ان کے اسماء، کنیت اور مختصر حال بیان کیا ہے تاکہ تمھیں مقصود برآری ہو جائے۔ اعزک اللہ تعالیٰ وباللہ التوفیق۔

باب در ذکرِ اصحاب صفہ رحمہم اللہ

باخبر رہنا چاہیئے کہ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی ایک جماعت مسجد نبوی شریف میں ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتی تھی جو دنیا اور کسبِ معاش سے کنارہ کش رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف خصوصی توجہ کی ترغیب فرمائی، چنانچہ فرمایا وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ الآیہ: ان لوگوں کی طرف توجہ خاص فرمایئے جو صبح و شام رب کو پکارتے اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔

قرآنِ کریم اور بکثرت فرامینِ نبوی ان اصحاب کے مناقب و فضائل میں ناطق و شاہد ہیں، ان میں جس قدر ہم تک پہنچی ہے ان میں سے مختصراً اس کتاب میں ذکر کرتا ہوں، چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ وقف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی اصحاب الصفۃ فرای فقرھم وجھدھم وطیب قلوبہم فقال ابشروا یا اصحاب الصفۃ فمن بقی من امتی علی النعت الذی انتم علیہ راضیا بما فیہ فانھم من رفقائی فی الجنۃ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر اصحابِ صفہ پر ہوا اور آپ نے ان کا فقر و جہد ملاحظہ فرمایا اور اس میں ان کے قلوب کی پاکیزگی دیکھی تو فرمایا اے اصحابِ صفہ تمھیں بشارت ہو میری اُمت میں سے جو شخص بھی تمھاری اس صفت پر راضی ہو گا وہ بھی جنت میں میرے رفیقوں میں ہو گا۔

ان اصحابِ صفہ میں سے ایک صحابی بارگاہِ جبروت کے منادی، حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ سیدنا حضرت بلال

بن رباح رضی اللہ عنہ ہیں ، اور دوسرے صحابی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے محرمِ احوال سیدنا ابو عبداللہ سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ ہیں ، اور تیسرے صحابی، مہاجر و انصار کے جرنیل، رضائے الٰہی کے طلبگار سیدنا ابو عبیدہ عامر بن عبداللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہیں ، اور چوتھے صحابی، صحابہ کرام میں برگزیدہ و محبوبانِ خدا کی زینت سیدنا ابوالیقظان عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں ، اور پانچویں صحابی، مخزنِ علوم، خزانہ علم سیدنا ابومسعود عبداللہ بن مسعود الہزلی رضی اللہ عنہ ہیں ، اور چھٹے صحابی، درگاہ حرمت کے متمسک، عیب و آفت سے پاک، سیدنا عتبہ بن مسعود برادر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں ، اور ساتویں صحابی، سالک بحرِ عزلت، معرض از معائب و ذلت سیدنا مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ہیں ، اور آٹھویں صحابی، داعیِ مقامِ تقویٰ، راضی ببلا و بلویٰ سیدنا خباب ابن الارت رضی اللہ عنہ ہیں ، اور نویں صحابی، قاصد درگاہِ رضا، طالب بارگاہِ بقا اندر فنا سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ ہیں ، اور دسویں صحابی، درجِ سعادت، بحرِ قناعت، سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ہیں ، اور (۱۱) گیارھویں صحابی، برادر فاروق، معرض از کونین و مخلوق سیدنا زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں ، اور بارھویں صحابی، مشاہدت کی طلب میں مشقتیں برداشت کرنے والے سیدنا ابوکبیشہ رضی اللہ عنہ دوست حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ، اور تیرھویں صحابی معرض از ثواب، مخلوق الٰہی سے روگرداں ہو کر خدا کی طرف رجوع کرنے والے سیدنا ابوالمرثد کنانہ الحصین العدوی رضی اللہ عنہ ہیں ، اور چودھویں صحابی، تواضع کی راہ کو آباد کرنے والے، حجج قطعیہ کی راہ کو طے کرنے والے سیدنا سالم مولےٰ حذیفۃ الیمانی رضی اللہ عنہم ہیں ، اور پندرھویں صحابی، عذاب الٰہی سے ڈرانے والے، راہِ مخالف سے بھاگنے والے سیدنا عکاشہ بن الحصین رضی اللہ عنہ ہیں ، اور سولھویں صحابی، مہاجر و انصار کی زینت، قبیلہ بنی قار کے سردار سیدنا مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ ہیں ، اور سترھویں صحابی، سیدنا عیسےٰ علیہ السلام کی زہد کے مشابہ زاہد، سیدنا موسےٰ علیہ السلام کی مانند مشتاقِ دیدارِ الٰہی سیدنا ابوذر بن جنادہ الغفاری رضی اللہ عنہ ہیں ، اور اٹھارھویں صحابی، حافظ انفاسِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم، ہر خوبی کے خوگر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں ، اور انیسویں صحابی، مقامِ استقامت پر گامزن، متابعتِ شریعت پر مستقیم سیدنا صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ ہیں ، اور بیسویں صحابی، صاحبِ ہمت، خالی از تہمت، سیدنا ابو درداء عویم بن عامر رضی اللہ عنہ ہیں ، اور اکیسویں صحابی، متعلق درگاہِ رجا، برگزیدۂ سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ ہیں ، اور بائیسویں صحابی، کیمیائے بحرِ شرف، توکل کی صدف کے موتی سیدنا عبداللہ بن بدر الجہنی رضی اللہ عنہ وعن جمیعہم ہیں ،

اگر تمام اصحابِ صفہ کے اسمائے گرامی کو بیان کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے، حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلمی رحمہ اللہ، جو مشائخ عظام کے کلام و اقوال کے مورخ و ناقل ہیں انھوں نے ایک کتاب خاص اہل صفہ کے لئے مرقوم فرمائی ہے جس میں ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ مناقب و فضائل، اسمائے گرامی اور ان کی کنیتیں بیان کی ہیں ،

لیکن حضرت مسطح بن ثابت بن عباد رضی اللہ عنہ کو بھی اسی جماعت میں شمار کیا گیا مگر میں دل سے ان کو دوست نہیں رکھتا، کیونکہ ام المومنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائی جانے والی جھوٹی تہمت کی ابتداء ان سے ہی ہوئی تھی ۔

لیکن حضرت ابوہریرہ، سیدنا ثوبان، سیدنا معاذ بن الحارث دستان وعلاب، ثابت بن ودیعہ، ابوعیسیٰ، عویم بن ساعدہ سالم بن عمر بن ثابت، ابو اللیث کعب بن عمر، ذہب بن معقل، عبداللہ بن انیس، حجاج بن عمر الاسلمی رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی انھیں اصحاب صفہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر کبھی کبھی انھوں نے اپنے متعلقات کی طرف بھی توجہ کرلی تھی لیکن یہ تمام اصحاب مرتبہ صحابیت میں ایک درجہ پر تھے اور ہر وقت وہر زمانہ سے بہتر و افضل تھے، درحقیقت صحابہ کرام کا زمانہ ہی خیر القرون تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے سرفراز فرمایا اور ان کے دلوں کو تمام عیبوں سے محفوظ رکھا: چنانچہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم الحدیث: سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ جو اس سے متصل ہے پھر وہ جو اس سے متصل ہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان الآیہ یعنی سب سے پہلے سبقت کرنے والے مہاجر و انصار ہیں اور وہ لوگ جو بھلائی کے ساتھ ان کے بعد ہوئے ۔

اب بعض تابعین کا تذکرہ اس کتاب میں لاتا ہوں تاکہ مکمل فائدہ حاصل ہو کیونکہ ان کا زمانہ ان کے زمانہ سے پیوست و متصل ہے ۔

باب دربیان تابعین از ائمہ طریقت

منہم یعنے ان ائمہ طریقت میں سے، آفتاب امت، شمع دین وملت سیدنا اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اہل تصوف کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ آپ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری، عہد مبارک میں تھے، آپ کو دو چیزوں نے دیدار جمال جہاں آرائے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے روکے رکھا ایک آپ کا غلبۂ حال تھا دوسرا آپ کی والدہ کا حق تھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا اویس نامی قرن میں ایک مرد خدا ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کے بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر میری امت داخل جنت ہو گی۔ پھر حضور نے سیدنا عمر فاروق اور علی مرتضے رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم اسے دیکھو گے وہ پستہ قد، لانبے بال اور داہنی جانب روپے کے برابر سفیدی والا شخص ہو گا۔ یہ سفیدی کا داغ برص کی قسم کا نہ ہو گا۔ ایسا ہی اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہو گا۔ وہ ربیعہ و مضر کی بکریوں کی تعداد کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا، جب تم اس سے ملاقات کرو تو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ میری امت کے لئے دعا کریں ۔

چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ آئے، اور امیر المومنین سیدنا علی

مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ آپ کے ہمراہ تھے تو آپ نے دوران خطبہ فرمایا یا اھل النجد قوموا : اے نجد کے رہنے والو کھڑے ہو جاؤ! جب وہ کھڑے ہو گئے تو فرمایا تم میں کوئی قرن کا رہنے والا ہے کہا ہاں : تو وہ ایک قوم کو سیدنا فاروق اعظم کی خدمت میں لائے، آپ نے ان سے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال دریافت فرمایا، انھوں نے کہا، وہ تو ایک دیوانہ ہے، اویس اس کا نام ہے، وہ نہ تو آبادی میں آتا ہے اور نہ کسی سے ملتا جلتا ہے۔ اور جو لوگ عام طور پر کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا۔ وہ غم و خوشی تک کو نہیں جانتا، جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے، اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ ہنستا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم نے فرمایا میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں، لوگوں نے کہا وہ جنگل میں ہمارے اونٹوں کے پاس ہے۔ اس پر حضرت سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہما کھڑے ہو گئے، اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں مشغول پایا، وہ بیٹھ گئے ۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام عرض کیا اور انھوں نے ان کی ہتھیلی اور پہلو پر نشان دیکھا جب معلوم ہو گیا تو دعا کے خواستگار ہو کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام امت کے لئے دعا کی وصیت پہنچائی، کچھ دیر اُن کے پاس رہے، پھر حضرت اویس نے کہا تم نے تکلیف اٹھائی، اب جاؤ قیامت نزدیک ہے، ہمیں وہاں ایسا دیدار نصیب ہوگا جو کبھی دور نہ ہوگا اب قیامت کا راستہ بنانے اور صاف کرنے میں مشغول ہوں ۔

جب اہل قرن ان دونوں امیروں کے پاس سے واپس لوٹے تو اُن کے دل میں حضرت اویس قرنی کا از حد احترام و مرتبہ تھا اس وقت حضرت اویس وہاں سے کوچ کر کے کوفہ میں آ گئے۔ وہاں صرف ھرم بن حبان نے دیکھا اور کسی نے نہ دیکھا یہاں تک کہ بوقت جنگ صفین حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہادت پائی عاش حمیداً ومات شھیداً پسندیدہ زندگی گزاری اور شہادت کی موت پائی، رضی اللہ عنہ ۔

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا السلامۃ فی الوحدۃ : تنہائی میں سلامتی ہے۔ اس لئے کہ جس کا دل تنہا ہو وہ غیر کے اندیشہ و فکر سے بے نیاز اور ہر حال میں مخلوق سے کنارہ کش اور ان کی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن کوئی اگر یہ سمجھے کہ تنہائی کی زندگی گذارنا محال ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر شیطان کا تسلط اور اس کے سینہ میں نفس کا غلبہ ہے، حالانکہ جس وقت تک دنیا و آخرت کی فکر اسے لاحق ہے اور خلق کا اندیشہ اس کے سر میں موجود ہے، اس وقت تک تنہائی و وحدت سے وہ ہم کنار نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی خاص چیز سے آرام پانا اور اس کا اندیشہ رکھنا ایک ہی چیز ہے، لہٰذا جسے خلوت گزینی اور تنہائی کی عادت ہو گئی اگرچہ وہ مجلس میں بیٹھا ہو مگر وہ اس کی وحدت میں خلل انداز نہیں ہوتی، اور جو شخص کسی اور خیال میں محو ہو اگرچہ وہ خلوت گزیں ہو تو اس کی یہ خلوت گزینی اسے فارغ نہیں کرتی۔ معلوم ہوا کہ انسانوں سے جدا ہونا محبت الٰہی نہیں ہے۔ لیکن جسے حق تعالیٰ سے محبت ہو اُسے انسانوں سے ملنا جلنا ضرر و نقصان نہیں دیتا۔ اور جسے انسانوں سے محبت ہے اس کے دل پر خدا کی محبت و دوستی کا گزر نہیں ہوتا بلکہ اُسے محبت الٰہی

کی خبر تک نہیں ہے لان الوحدۃ صفۃ عبدٍ صافٍ اسمع قال اللہ تعالیٰ الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ ، اس لئے کہ وحدت صاف دل بندہ کی صفت ہے سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بندہ کے لیے کافی نہیں ہے ؟

ومنہم یعنے ائمہ طریقت تابعین میں سے ، منبع صفا ، معدنِ وفا ، سید ناھرم بن حیان رحمۃ اللہ ہیں یہ اکابر طریقت میں سے ہیں ، انھیں طریقت و معرفت میں خوب دسترس تھی ، صحابہ کرام کی مجلسوں میں رہے ہیں ۔ انھوں نے ارادہ کیا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی زیارت کریں ، جب قرن پہنچے ، تو وہ وہاں سے تشریف لے جا چکے تھے ، ناامید ہو کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے ، پھر پتہ چلا کہ کوفہ میں ہیں ، تو کوفہ گئے مگر زیارت نہ ہو سکی طویل عرصہ تک کوفہ میں مقیم رہے ، جب بصرہ جانے کا عزم کیا تو وہ اچانک فرات کے کنارے وضو کرتے ہوئے جبہ پہنے مل گئے ، ان کو پہچان لیا ، جب کنارۂ فرات سے باہر آکر ریش مبارک میں کنگھی کی تو ھرم بن حیان نے سامنے ہو کر انھیں سلام کیا ، انھوں نے جواب دیا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یا ھرم بن حیان ! کہا آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا کہ میں ہرم ہوں !؟ فرمایا عرفتُ روحی روحك : میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا ، کچھ عرصہ ان کے پاس رہے پھر واپس کر دیا ؛

ھرم فرماتے ہیں کہ سید نا عمر اور سید نا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے میری اکثر باتیں ہوئیں ، حضرت اویس قرنی نے مجھ سے بروایت سید نا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما روایت کی اور انھوں نے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ حضور نے ارشاد فرمایا ۔ انما الاعمال بالنیات ولکل امرءٍ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او الی امرأۃٍ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ ؛ بلاشبہ ہر عمل کا مدار نیتوں پر ہے ۔ ہر شخص کو وہی ثمرہ ملتا ہے جو نیت کرے ، پس جس نے خدا و رسول کی طرف ہجرت کی تو اُس کی ہجرت خدا و رسول کی طرف ہے اور جس نے دنیا کی طرف ہجرت کی اُسے وہی پہنچے گا یا بیوی کے لیئے کی تو اُس سے نکاح کرے گا لہٰذا اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کی وہ نیت کرے ؛

اس وقت مجھ سے فرمایا علیك بقلبك تمہیں لازم ہے کہ اپنے دل کی حفاظت کرو یعنے اس میں کسی غیر کی فکر نہ ہو ۔ اس نصیحت کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ دل کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ حق تعالیٰ کی فرماں برداری میں لگائے رکھے ؛ دوسرے یہ کہ خود کو دل کے تابع کر دے ۔ یہ دونوں اصول قوی ہیں ؛ دل کو حق کے تابع کرنا ارادتمند دل کا کام ہے تا کہ خواہشات کی کثرت اور ہوائے نفس کی محبت سے دل کو محفوظ رکھے اور تمام ناموافق خطرات و اندیشے دل سے نکال پھینکے ۔ اور اس کی درستگی و حفاظت کی تدبیر میں مشغول ہو کر حق تعالیٰ کے نشان قدرت پر نظر رکھے ۔ تا کہ دل خدا کی محبت کی آماجگاہ بن جائے ، اور خود کو دل کے تابع کرنا کاملوں کا کام ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کے دل کو نور جمال سے منور کر کے تمام اسباب و علل سے پاک و صاف بنا کر مقام بلند ، اعلےٰ درجہ پر فائز کر دیا ہے ۔ اور ان کے جسموں کو خلعت قرب سے نوازا ، اور اپنے لطائف و تجلیات اُن پر ڈال کر مشاہدہ و قربت سے سرفراز کر دیا ہے ۔ جس وقت کامل کی ایسی حالت ہو جائے اس وقت خود کو دل کے موافق و تابع کر دینا چاہیئے ۔ پس پہلے یہ حضرات صاحب القلوب ، مالک القلوب اور باقی

الصفت ہیں۔ اور دوسرے یہ حضرات مغلوب القلوب، فانی الصفت ہوئے ہیں اس مسئلہ کی اصل وحقیقت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان و ارشاد ہے الاعبادك منهم المخلصين مگر ان میں سے تیرے مخلص بندے ان میں دو قرأت ہیں، ایک مخلِصین لام کے زیر کے ساتھ۔ اور دوسرے مخلَصین لام کے زبر کے ساتھ، مخلِص اسم فاعل ہے جو کہ باقی الصفت ہے۔ اور مخلَص اسم مفعول ہے جو کہ فانی الصفت ہے۔ اس مسئلہ کو دوسرے مقام پر زیادہ تشریح سے بیان کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ ۔

الغرض وہ حضرات جو فانی الصفت ہیں وہ زیادہ بزرگ ہیں۔ کیونکہ انھوں نے خود کو دل کے موافق و تابع کر رکھا ہے، اور ان کے دل حق ہی کے سپرد ہیں اور ان میں حق ہی جلوہ گر ہے اور اس کے شاہدہ میں قائم ہیں، اور وہ دوسرے حضرات جو باقی الصفت ہیں وہ دل کو بکوشش امر کے موافق کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی بنیاد ہوش و مستی و مشاہدہ و مجاہدہ ہے واللہ اعلم ۔

ومنھم اور ان ہی ائمہ طریقت تابعین میں سے، امام عصر یگانۂ زمانہ، سیدنا ابو علی الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بعض علماء ان کی کنیت ابو محمد کہتے ہیں۔ اور بعض علماء ابو سعید۔ اہل طریقت کے نزدیک آپ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اور علم سلوک میں آپ کے لطیف اشارات ہیں ۔

حکایت

میں نے ایک حکایت میں پایا کہ ایک دیہاتی نے حاضر ہو کر دریافت کیا آپ نے فرمایا صبر کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ بلا و مصیبت میں صبر کیا جائے اور دوسرے یہ کہ جن چیزوں سے حق تعالیٰ نے ہمیں منع فرمایا ہے ان سے صبر کرے اور جن چیزوں کے پیچھے چلنے سے روکا ہے انھیں نہ کرے۔ اس پر دیہاتی نے کہا انت زاهدٌ ما رأيتُ ازهدُ منك یعنی آپ بہت ہی زاہد ہیں میں نے آپ سے بڑھ کر کسی زاہد کو نہ دیکھا۔ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اے دیہاتی! میرا زہد مرغوب چیزوں میں ہے اور میرا صبر بے قراری میں ہے۔ دیہاتی نے کہا ارشاد کی تشریح فرمائیے کیونکہ میرا اعتقاد پریشان ہو گیا، فرمایا بلاؤں پر میرا صبر کرنا اور حق کی منع کردہ چیزوں سے رکنا یہ اطاعت الٰہی میں ہے کیونکہ آتش دوزخ کے خوف سے ہے اور یہ بے قراری ہے۔ اور دنیا میں جو میرا زہد ہے وہ آخرت کی رغبت کی وجہ سے ہے اور یہ عین رغبت ہے موجب مسرت تو یہ ہے کہ دنیا میں اپنے نصیب کو حاصل کرے تاکہ اس کا صبر حق تعالیٰ کے لئے ہو نہ کہ اپنے جسم کو آتش دوزخ سے بچانے کے لئے ہو۔ اور اپنا زہد خالص حق تعالیٰ کے لئے ہو نہ کہ بہشت میں جانے کی خواہش کے لئے ہو۔ یہ علامت صحت اخلاص کی ہے ۔

حکایت دوم

یہ حکایت بھی انھیں سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ان صحبة الاشرار تورث سوء الظن بالاخيار بلاشبہ بدوں کی صحبت اختیار کرنے سے نیکوں کے ساتھ بدظنی پیدا کرتی ہے۔ یہ کلام مبارک بالکل یقینی بات ہے۔ اور اس وقت کے لوگوں کے موافق حال ہے اور

مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے تمام منکروں پر صادق ہے۔ یہ بدظنی و انکار یہاں وجہ ہے کہ وہ نقلی صوفیوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ اور جب ان نقلی صوفیوں سے خیانت دیکھتے ہیں۔ اور ان کی زبان پر جھوٹ، غیبت ہوتا ہے اور ان کے کان کھیل و بیہودہ پن پر ہوتے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں لغویات و شہوات پر ہوتی ہیں۔ اور ان کے ارادے مالِ حرام و مشتبہ کے جمع کرنے میں ہوتے ہیں، تو وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ سب صوفی ایسے ہوتے ہوں گے یا صوفیوں کا یہی مذہب ہوگا۔ یہ بات سراسر غلط اور لغو ہے، بلکہ صوفیوں کے تمام افعال طاعتِ الٰہی میں ہوتے ہیں ان کی زبان پر کلامِ حق اور محبتِ الٰہی کے نتیجہ میں ہوتا ہے ان کا دل محبتِ الٰہی کی جگہ ہوتی ہے، ان کے کان کلامِ حق سُننے کا مقام ہوتا ہے اور ان کی آنکھ مشاہدۂ جمالِ الٰہی کی جگہ ہوتی ہے۔ جو کوئی اس میں خیانت کرے تو ایسے خائنوں کی خیانت کا وبال انہیں پر ہوگا۔ نہ یہ کہ جہان کے بزرگوں اور اکابروں پر تھوپا جائے۔ لہٰذا جو بدوں کے ساتھ صحبت کرتا ہے خود اس میں ہی بدی ہوتی ہے۔ اگر اس کے دل میں نیکی و بھلائی ہوتی تو نیکوں کے ساتھ صحبت اختیار کرتا۔ چنانچہ ہر شخص کی ملامت اپنے ہی پر ہے کہ کیوں اس نے نالائقوں اور نا اہلوں کی صحبت اختیار کی۔ اہلِ معرفت صوفیائے کرام کے منکرین شریر تر اور مخلوقِ الٰہی میں غایت درجہ رذیل و ذلیل ہیں کیونکہ انھوں نے رذیلوں اور شریروں کی صحبت اختیار کی یا یہ کہ ان کو اپنی خواہش نفس کے موافق نہ پایا تو ان کے منکر ہو گئے یا منکروں کی پیروی اختیار کرلی۔ جب یہ اشرار ہلاک ہوئے تو ان کے پیروکار بھی انھیں کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ سوائے ان مقبولانِ خدا کے جو اہلِ معرفت صوفیوں کو رضاء و خوشنودی کی آنکھ سے دیکھتے اور ان کی صحبت کو دل و جان سے خواہشمند رہتے ہیں۔ کیونکہ سارے جہان میں ان کا طریقہ برگزیدہ اور ان کی برکتوں سے دونوں جہاں کی مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ حضرات قدس تمام جہان سے ممتاز و مفتخر ہیں اسی معنے میں یہ شعر ہے ؎

فلا تحقرن نفسی وانت حبیبها ؎ فکل امرئٍ یصیب الی من یجانس

اے لوگو! میرے نفس کو حقیر نہ سمجھو۔ حالانکہ وہ تمہارا محبوب ہے۔ پس ہر مراد اپنے ہی ہم جنس سے ملتی ہے ؎ ؎ ؎ ؎ ؎

ومنہم ان ہی ائمۂ طریقت تابعین میں سے، رئیس العلماء، فقیہہ الفقہاء سیدنا سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ ہیں، جو عظیم المرتبت اور رفیع المنزلت تھے۔ قوم میں ہر دل عزیز اور خوب سیرت تھے۔ ان کے مناقب علمِ فقہ و توحید، حقائق و تفسیر اور شعر و نعت وغیرہ میں بکثرت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ظاہر میں ہوشیار اور طبیعت میں نیک و پارسا تھے، یہ خصلت و عادت تمام مشائخ کرام کے نزدیک طریقت میں محمود ہے، ان ہی سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں ارض بالیسر من الدنیا مع سلامة دینک کما رضی قوم بکثیرها مع ذهاب دینهم: اپنے دین کی سلامتی کے ساتھ دنیاوی مال کی قلت کے ساتھ راضی رہو جس طرح عام لوگ اپنا دین کھو کر مال کی کثرت پر راضی ہوتے ہیں یعنی دین کی سلامتی کے ساتھ اگر فقر ہے تو اس تونگری سے بہتر ہے جس میں غفلت ہو۔ کیونکہ جب فقیر اپنے دل کی طرف خیال کرتا ہے تو زیادتی مال کی ہوس نہیں ہوتی جو میسر ہو اسی پر قناعت کرتا ہے اور تونگر جب اپنے دل کی طرف خیال کرتا ہے تو اسے زیادتی مال کی فکر میں پاتا ہے۔ اور حصول دنیا کی خاطر ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ لہٰذا محبوبانِ خدا کی رضا، حق تعالےٰ کی بے غفلت کبریائی

پر ہے یہ اس سے بہتر ہے کہ غافلوں کی رضاء اس دنیا پر موجو غرور، آفت سے بھرپور ہے۔ اور حسرت وندامت، ذلت ومعصیت سے بہتر ہے پس جب بلا ومصیبت آتی ہے تو غافل کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمارے جسموں پر ہی آئی۔ اور محبوبانِ خدا کہتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمارے دین پر نہیں آئی۔ کیونکہ اگر جسم پر نزولِ بلا ہو اور دل میں بقاء ہو تو جسم پر بلا آنے پر خوش ہوتے ہیں، و اگر دل میں غفلت ہے اگرچہ جسم وبدن نعمت میں ہو تو وہ نعمت موجب ذلت ہے۔ درحقیقت رضا وہ ہے کہ دنیا کو زیادہ جانے اور زیادہ دنیا کو لم۔ اس لئے کہ اس کی کمی اس کی زیادتی کی مانند ہے

اور یہ بھی انہیں سے منقول ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں آکر عرض کیا مجھے بتائیے کہ وہ کونسا حلال ہے جس میں حرام نہ ہو اور وہ کونسا حرام ہے جس میں حلال نہ ہو؟ فرمایا ذکر اللہ حلال لیس فیہ حرامٌ و ذکر غیرہ حرام لیس فیہ حلال: خدا کو یاد کرنا ایسا حلال ہے جس میں حرام ہی نہیں ہے اور غیر اللہ کو یاد کرنا ایسا حرام ہے جس میں حلال ہی نہیں ہے اسی لئے ذکر الٰہی میں نجات ہے اور ذکر غیر میں ہلاکت۔ وباللہ التوفیق۔

باب در ذکر ائمۂ طریقت تبع تابعین سے آج تک

ومنہم یعنے ائمۂ طریقت جو تبع تابعین میں سے ہیں، شجاعِ طریقت، متمکن در شریعت سیدنا حبیب العجمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ بلند ہمت، مردانِ خدا کے مرتبہ میں باقیمت اور عظیم مرتبہ کے ہیں۔ ابتداءً آپ کی توجہ سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ہوئی۔ قبل از توبہ شروع زمانہ میں ریاء اور ہر قسم کا فساد صادر ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے توبۂ نصوح کی توفیق بخشی۔ وہ اس کی طرف رجوع ہوئے۔ عرصہ تک امام حسن بصری سے علم وطریقت کی تحصیل کی۔ آپ کی زبان عجمی تھی عربیت جاری نہ ہو سکی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو متعدد کرامتوں سے سرفراز کر کے مقرب خاص بنا لیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس درجہ پر فائز کیا کہ ایک رات سیدنا حسن بصری کا ان کی خانقاہ کی طرف گزر ہوا۔ آپ نے اقامت کہکر عشاء کی نماز شروع کر دی تھی۔ جب حسن بصری داخل ہوئے تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا حسن بصری نے ان کی اقتداء نہ کی۔ چونکہ قرآن کریم کی تلاوت میں عربیت ان کی زبان پر صحیح جاری نہیں ہو رہی تھی۔ جب رات کو سوئے تو خواب میں سیدنا حسن بصری کو دیدار الٰہی ہوا، رب تعالیٰ سے عرض کیا خدایا تیری رضا کس چیز میں ہے فرمایا اے حسن! تو نے میری رضا پالی تھی مگر اس کی قدر نہ جانی، آپ نے عرض کیا خدایا وہ کون سی رضا تھی؟ فرمایا اگر تم حبیب عجمی کی اقتداء میں نماز پڑھتے تو اس کے نیت کی درستگی اس کی عبادت کے معتبر ہونے کے انکار سے محفوظ رکھتی اور ہم تجھ سے راضی ہو جاتے۔

مشائخ کرام میں یہ بات معروف ومشہور ہے کہ جب سیدنا حسن بصری حجاج کے ظلم سے بھاگ کر حبیب عجمی کی خانقاہ میں تشریف لائے، حجاج کے سپاہی آئے انھوں نے پوچھا اے حبیب! تم نے حسن بصری کو کہیں دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں۔ انھوں نے کہا کس جگہ ہے؟

فرمایا میرے حجرے میں ہے۔ وہ آپ کے حجرے میں گئے وہاں کسی کو نہ پایا۔ انھوں نے سمجھا کہ حبیب عجمی نے مذاق کیا ہے۔ انھوں نے برا بھلا کہا اور کہا کہ سچ بتاؤ کہاں ہے؟ انھوں نے قسم کھا کر فرمایا میں سچ کہتا ہوں وہ میرے حجرے میں ہیں۔

سپاہی دو تین بار اندر گئے مگر ان کو نہ دیکھ سکے۔ جب وہ واپس چلے گئے تو حسن بصری باہر تشریف لے آئے فرمایا اے حبیب! میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے تمہاری برکت سے ان ظالموں کے پنجہ سے محفوظ رکھا۔ لیکن یہ بتائیے کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ وہ اس حجرے میں ہیں؟ حبیب عجمی نے جواب دیا اے مرشد برحق! اللہ تعالےٰ نے میری برکت کی وجہ سے آپ کو ظاہر نہ کرایا بلکہ سچ بولنے کی وجہ سے خدا نے انھیں آپ کو نہ دکھایا۔ اگر جھوٹ کہتا تو اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ دونوں کو رسوا کرتا۔ آپ سے اس قسم کی بکثرت کرامتیں ہیں۔

سیدنا حبیب عجمی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ رضائے الٰہی کس چیز میں ہے؟ فرمایا فی قلبٍ لیس فیہ غبار النفاق۔ اس دل میں جس میں نفاق کا غبار نہ ہو۔ اس لئے کہ نفاق، وفاق کے خلاف ہے۔ اور رضا عین وفاق ہے اور محبت کو نفاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ وہ محل رضا ہے۔ پس رضا محبوبانِ خدا کی صفت ہے اور نفاق اس کے دشمنوں کی صفت۔ یہ بہت بڑی بات ہے انشاء اللہ اسے دوسری جگہ بیان کروں گا وباللہ التوفیق ومنہ العون۔

ومنہم یعنے ان ہی تبع تابعین میں سے امام طریقت، نقیب اہل محبت، جن وانس کی زینت سیدنا مالک بن دینار مصاحب سیدنا حسن بصری رحمہما اللہ ہیں۔ طریقت میں بڑے بزرگ ہوئے ہیں ان کی کرامتیں مشہور اور ریاضتوں میں ان کی عادتیں مذکور ہیں۔

دینار غلام تھا جب آپ پیدا ہوئے تو والد غلامی کی حالت میں تھے۔ آپ کی توبہ کی ابتداء یہ تھی۔ کہ ایک رات آپ ایک جماعت کے ساتھ گانے بجانے کی شغل میں مشغول تھے، جب سب سو گئے۔ تو وہ طنبورہ جو بجایا جا رہا تھا اس میں سے آواز آئی یا مالک مالک ان لا تتوب۔ اے مالک تیرا کیا حال ہے؟ کب تک توبہ نہ کرو گے؛ اس وقت آپ نے سب سے ہاتھ کھینچ کر سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سچی توبہ کر کے اپنا حال درست کیا۔ اور ثابت قدم رہے۔

پھر تو آپ کا مرتبہ اتنا بلند ہوا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کشتی میں سوار سفر فرما رہے تھے، ایک تاجر کا موتی کشتی میں گم ہو گیا باوجودیکہ آپ کو علم تک نہیں مگر اس تاجر نے آپ پر تہمت رکھ دی، آپ نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا اسی وقت دریا میں جتنی مچھلیاں تھیں سب نے ہی اپنے منہوں میں موتیاں دبائے سر نکال دیئے، آپ نے ان میں سے ایک موتی لے کر اس تاجر کو دے دیا اور آپ نے دریا میں اپنا قدم اتار دیا اور پانی پر چلتے ہوئے دریا پار کر کے کنارے پر تشریف لے آئے۔

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا احب الاعمال علیّ الاخلاص فی الاعمال: میرے نزدیک سب سے محبوب عمل عملوں میں اخلاص ہے۔ اس لئے کہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہی عمل ہے کیونکہ عمل کے لئے اخلاص جسم کے لئے روح کی مانند ہے چنانچہ بغیر روح کے جسم پتھر و جماد ہے۔ اسی طرح بے اخلاص کے عمل ریت کا تودہ ہے۔ لیکن اخلاص باطنی اعمال کے قبیل سے ہے اور طاعات

ونیکیاں ظاہری اعمال کے قبیل سے ہیں۔ اعمالِ ظاہرہ باطنی اعمال کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے۔ اور اعمالِ باطنہ ظاہری اعمال کے ساتھ ہی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہزار برس تک دل سے مخلص ہو، جب تک اخلاص کے ساتھ عمل کو نہ ملائے وہ مخلص نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ہزار برس تک ظاہری عمل کرے جب تک عمل کے ساتھ اخلاص نہ ملائے تو وہ عمل نیکی نہیں ہو سکتی۔

ومنہم اور ان ہی ائمہ طریقت تبع تابعین میں سے، فقیر کبیر، سب ولیوں کے امیر، ابوحلیم حبیب بن اسلم الراعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مشائخ عظام میں آپ کی بڑی منزلت ہے۔ آپ کے دلائل و شواہد تمام احوال میں بکثرت ہیں۔ آپ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مصاحب تھے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ارشاد ہوا ہے نیۃ المومن خیر من عملہ مومن کی نیت اس کے عمل سے افضل ہے۔

حضرت حبیب بن اسلم بکریاں پالتے تھے اور فرات کے کنارے بیٹھتے تھے۔ ان کا طریقہ خلوت گزینی تھا۔ ایک بزرگ بیان کرتے تھا کہ ایک دفعہ میرا گزر ان کی طرف ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ خود تو نماز میں مشغول ہیں اور بھیڑیا ان کی بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے خیال کیا کہ اس بزرگ کی زیارت کرنی چاہیئے کیونکہ بزرگی کی علامت دیکھ ہی لی ہے۔ میں انتظار میں عرصہ تک کھڑا رہا یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوئے میں نے سلام عرض کیا۔ فرمایا اے فرزند! کس کام سے آئے ہو؟ عرض کیا زیارت کے لئے۔ فرمایا جزاک اللہ۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! بھیڑیے کو آپ کی بکریوں کے ساتھ موافقت دیکھتا ہوں! فرمایا اس لئے کہ بکریوں کے چرواہے کی حق تعالےٰ کے ساتھ موافقت ہے یہ فرمایا اور لکڑی کے پیالے کو پتھر کے نیچے رکھ دیا، پتھر سے دو چشمے جاری ہوئے ایک دودھ کا اور ایک شہد کا، فرمایا نوش کرو۔ میں نے عرض کیا یہ درجہ و مقام کس طرح پایا؟ فرمایا سید عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے ذریعہ۔

اے فرزند! حضرت موسےٰ علیہ السلام کی قوم اگرچہ مخالف تھی لیکن پتھر نے اُن کے لئے پانی دیا، حالانکہ موسےٰ علیہ السلام، حضور سید عالم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں نہ تھے جبکہ میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان بردار ہوں، تو آخر پتھر مجھے دودھ اور شہد کیوں نہ دے۔ کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت موسےٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ میں نے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمایئے فرمایا لاتجعل قلبک صندوق الحرص وبطنک وعاء الحرام یعنے اپنے دل کو حرص کی کوٹھڑی اور پیٹ کو حرام کی جگہ نہ بناؤ کیونکہ لوگوں کی ہلاکت انھیں دو چیزوں میں ہے اور ان کی نجات ان کی حفاظت میں ہے۔

حضرت شیخ مذکور کے بارے میں اور بھی بکثرت روایتیں ہیں تنگیٔ مقام کے لحاظ سے اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ میری کتابیں غزنی (حرسہا اللہ تعالےٰ) رہ گئی ہیں۔ اس وقت میں علاقہ ملتان میں مقام بہنور میں دشمنوں کے جنگل میں محصور تھا والحمد للہ علی السراء والضراء۔

ومنہم یعنے تبع تابعین میں سے، امام طریقت، پیر صالح ابوحازم المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ بعض مشائخ کرام کے پیشوا

تھے آپ کو سلوک و معرفت میں خوب دسترس تھی۔ فقر میں بزرگ اور صادق قدم تھے اور مجاہدات میں کامل مشقت کرنے والے تھے عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ نے اُن کے لئے کوشش کی ہے۔ آپ کا کلام مقبول اور تمام کتابوں میں مذکور ہے۔

چنانچہ عمرو بن عثمان آپ سے نقل فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا مَالُكَ قال الرضاءُ عن الله والغنیٰ عن الناس یعنے آپ کی پونجی کیا ہے؟ فرمایا میرا مال خدا کی رضا اور لوگوں سے بے نیازی ہے۔ بلاشبہ جو شخص حق تعالےٰ سے راضی ہوگا وہ لوگوں سے مستغنی ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے سب سے بڑا خزانہ خدا کی رضا ہے۔ غنا سے ان کی مراد حق تعالےٰ سے غنا ہے۔ لہٰذا جو شخص حق تعالےٰ سے غنی ہوتا ہے وہ غیروں سے بے پرواہ ہوتا ہے۔ اُس کی درگاہ کے سواء اور کوئی درجانتا ہی نہیں۔ ظاہر و باطن کسی حالت میں بھی خدا کے سواء کسی کو پکارتا ہی نہیں۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر آیا، تو ان کو سوتا پایا تو میں انتظار میں بیٹھ گیا تاکہ بیدار ہو جائیں۔ اور کہا کہ اس وقت میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تمہارے لئے مجھے پیغام دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ماں کے حق کی حفاظت کرنا حج کرنے سے بہتر ہے، لوٹ جاؤ! ماں کو خوش کرو۔ میں وہاں سے واپس آگیا اور مکہ مکرمہ حاضر نہ ہوا۔ میں نے اس سے زیادہ بات نہیں سنی۔

ومنہم یعنے تبع تابعین میں سے امام طریقت، داعی اہل مجاہدہ و قائم اندر مشاہدہ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ اپنے وقت میں بے نظیر ہوئے ہیں اور بہت سے تابعین کی صحبت پائی ہے۔ اور اکثر مشائخ متقدمین نے بھی ان سے ملاقات کی ہے۔ یہ طریقت میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور ان سے طریقت کے حقائق، انفاس عالیہ و اشارات کاملہ بہت منقول ہیں۔

چنانچہ فرمایا مارأیت شیئاً الا ورایت اللہ فیہ۔ یعنے میں نے کوئی چیز ایسی نہ دیکھی جس میں اللہ تعالےٰ کا جلوہ نظر نہ آیا ہو۔ یہ مقام، مشاہدہ کا مقام ہے اس لئے کہ بندہ فاعل کی دوستی کے غلبہ میں اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ جب کسی فعل کو دیکھتا ہے تو اُسے فعل نظر نہیں آتا بلکہ فاعل ہی نظر آتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص تصویر کو دیکھ کر تصویر بنانے والے کو دیکھے۔ اس کلام کی اصل و حقیقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قول مبارک کی طرف ہے کہ انھوں نے چاند ستارے اور آفتاب کو کہا ھٰذَا رَبِّی یہ میرا رب ہے، یہ آپ کے غلبۂ شوقِ الٰہی کا حال ہے کہ جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اُس میں اپنے محبوب ہی کے صفت کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ جب محبوبانِ خدا نگاہ ڈالتے ہیں تو عالم کو اس کے قہر کا مقہور اور اس کے غلبہ کا اسیر دیکھتے ہیں اور ہستی کے وجود کو اس کے فاعل کی قدرت کے پہلو میں پراگندہ دیکھتے ہیں۔ وہ مفعول کو نہیں دیکھتے بلکہ فاعل کو دیکھتے ہیں۔ اور تکوین کی حالت میں ناچیز نظر آتے ہیں۔ جب حالتِ اشتیاق میں اس پر نظر پڑتی ہے تو ان کی نظر مقہور یعنے کائنات پر نہیں پڑتی بلکہ قاہر یعنے کائنات کے بنانے والے ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس لئے ان کی نظر مفعول پر نہیں ہوتی بلکہ فاعل ہی کے مشاہدہ میں ہوتی ہے مخلوق نظر ہی نہیں آتا بلکہ خالق ہی پر نظر ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کو انشاء اللہ مشاہدہ کے باب میں لاؤں گا۔

اس مقام میں ایک گروہ کو غلطی لگی ہے وہ کہا کرتے ہیں کہ رأیت اللہ فیہ میں نے اس میں اللہ کو دیکھا۔ یہ قول مکان تجزی یعنے جزو حلول کا اقتضاء کرتا ہے حالانکہ یہ خالص کفر صریح ہے۔ اس لئے کہ مکان، اور جو مکان میں ہو ایک ہی جنس کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ فرض کرے مکان مخلوق ہے تو لازم ہے کہ جو مکان میں ہو گا وہ بھی مخلوق ہو گا اور اگر یہ فرض کرے کہ جو مکان میں متمکن ہے وہ قدیم ہے تو لازم آتا ہے کہ وہ مکان بھی قدیم ہے۔ دونوں قولوں سے فساد لازم آتا ہے۔ یا مخلوق کو قدیم کہا جائے گا یا خالق کو حادث۔ یہ دونوں باتیں کفر ہوں گی۔ لہٰذا کسی چیز میں اس کی رویت اسی معنے میں ہے جسے شروع میں بیان کیا گیا۔ اس میں باریک نکتے ہیں کسی اور جگہ انشاء اللہ لاؤں گا

ومنہم یعنے تبع تابعین میں سے امام طریقت، امام الائمہ، مقتدائے اہل سُنّت، شرف فقہاء، عز علماء، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخزاز رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ عبادات و مجاہدوں میں ثابت قدم اور طریقت کے اصول میں عظیم شان رکھتے تھے۔

ابتدائے احوال میں گوشہ نشینی کا قصد کیا اور لوگوں سے بیزاری ظاہر کی اور چاہا کہ لوگوں کے ہجوم سے نکل جائیں تا کہ لوگوں کے منصب و حشمت پانے سے دل کو پاک و صاف کر کے حق تعالےٰ کی راہ میں ساری رات بھر کھڑے رہیں یہاں تک کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہڈیوں کو جمع کر رہے ہیں اور بعض کو بعض سے چن رہے ہیں۔ خواب کی اس ہیبت سے بیدار ہو گئے ایک صحابی یا سیدنا محمد بن سیرین سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا تم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم اور آپ کی سُنّت کی حفاظت میں اس بلند درجے تک پہنچو گے۔ گویا کہ تم ان میں تصرف کر رہے ہو، اور صحیح کو سقیم سے ممتاز کرو گے۔

دوسری مرتبہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضور نے فرمایا اے ابوحنیفہ! تمھیں میری سُنّت کے زندہ کرنے کے لئے زندہ کیا گیا ہے تم گوشہ نشینی کا قصد نہ کرو۔ چنانچہ آپ بکثرت مشائخ کرام کے استاد ہوئے۔ حضرت ابراہیم ادھم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی، بشر حافی وغیرہ رحمہم اللہ نے فیض حاصل کیا۔

علماء کے درمیان یہ واقعہ مسطور و مشہور ہے کہ آپ کے زمانہ میں ابوجعفر المنصور خلیفہ تھا اُس نے یہ انتظام کیا کہ ان چاروں میں کوئی ایک قاضی بنا دیا جائے، جن میں ایک تو امام اعظم ابوحنیفہ، دوسرے سفیان ثوری، تیسرے صلہ بن اشیم، چوتھے شریک رحمہم اللہ تھے۔ یہ چاروں غایت درجہ متبحر عالم تھے۔ فرستادہ کو بھیجا کہ چاروں کو دربار میں لے کر آئے۔ جب جا رہے تھے تو اثنائے راہ میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا میں تم میں سے ہر ایک سے اپنی فراست کے مطابق ہر ایک کی بابت کہتا ہوں کہ سب نے کہا آپ جو فرمائیں گے درست ہی ہو گا فرمایا میں کسی حیلہ سے اس منصب قضا کو خود سے دور کر دوں گا اور صلہ ابن اشیم خود کو دیوانہ بنا لیں، اور سفیان ثوری بھاگ جائیں۔ اور شریک قاضی ہو جائیں۔

چنانچہ سفیان ثوری تو راہ میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور کشتی میں گھس کر کہنے لگے مجھے پناہ دو، لوگ میرا سر کاٹنا چاہتے ہیں، ان کے یہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من جعل قاضیًا فقد ذبح بغیر سکین۔ جسے قاضی بنایا گیا،

بس وہ بقیہ چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ ملاح نے کشتی میں انھیں چھپا دیا۔ بقیہ تینوں حضرات منصور خلیفۂ وقت کے سامنے ہوئے۔ امام ابوحنیفہ سے کہنے لگا آپ کو قاضی ہونا چاہئے۔ فرمایا اے امیر! میں تو ایسا شخص ہوں جو عربی نہیں بلکہ ان کے غلاموں میں سے ہوں، سادات عرب میرے حکم پر راضی نہ ہوں گے۔ ابوجعفر منصور نے کہا یہ کام نسبت و نسل سے تعلق نہیں رکھتا اس کے لئے علم درکار ہے، اور آپ تمام علمائے زمانہ سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا میں اس منصب کے لائق نہیں، پھر فرمایا کہ میرا یہ کہنا کہ میں اس منصب قضا کے لائق نہیں، اگر سچ ہے تو میں اس کے لائق نہیں، اور اگر جھوٹ ہے تو جھوٹے کو مسلمانوں کا قاضی نہیں بنانا چاہیئے، تو خدا کی مخلوق پر حاکم ہے، ایک جھوٹے کو اپنا نائب و خلیفہ بنانا اور لوگوں کے اموال کا متمد و مسلمانوں کے ناموس کا محافظ مقرر کرنا زیبا نہیں۔ یہ فرما کر منصب قضا سے نجات پائی۔

اس کے بعد خلیفہ نے حضرت صلہ کو بلایا، انھوں نے خلیفہ منصور کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے منصور! تیرا کیا حال ہے اور تیرے اہل عیال کیسے ہیں؟ منصور نے کہا یہ تو دیوانہ ہے اسے نکال دو۔ اس کے بعد حضرت شریک کی طرف متوجہ ہو کر کہا تمھیں منصب ملنا چاہیئے! انھوں نے فرمایا میں سوداوی مزاج کا آدمی ہوں اور میرا دماغ بھی کمزور ہے۔ منصور نے کہا تم مزاج کے مطابق شربت شیرے سے علاج کرو تاکہ دماغی کمزوری دور ہو کر عقل کامل حاصل ہو۔ غرضکہ منصب قضا شریک کو دے دیا گیا۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا اور پھر کبھی ان سے بات تک نہ کی۔

اس واقعہ سے آپ کا کمال دو صورت سے ظاہر ہے، ایک یہ کہ آپ کی فراست اتنی بلند و صادق تھی کہ آپ پہلے ہی ہر ایک کی خصلت و عادت پہچان لیتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو صحت و سلامتی کی راہ پر برقرار رکھتے ہوئے مخلوق سے خود کو بچائے رکھنا اور ان میں حصولِ مرتبہ پر مغرور نہ ہونا۔

یہ حکایت اس امر کی قوی دلیل ہے کہ صحت و سلامتی کے لئے مخلوق سے کنارہ کشی بہتر ہے، حالانکہ آج حصولِ جاہ و مرتبہ اور منصب قضا میں لوگ سرگرداں ہیں کیونکہ یہ لوگ خواہش نفسانی میں پڑ کر راہِ حق و صواب سے دور چلے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے امیروں کے دروازوں کو اپنا قبلہ بنا رکھا ہے اور ظالموں کے گھروں کو بیت المعمور سمجھ لیا ہے۔ اور جابروں کی مسند کو قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کے برابر جان رکھا ہے۔ جو بات بھی ان کی مرضی کے خلاف ہو وہ اس کے منکر ہو جاتے ہیں۔

حکایت

غزنی (اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے) میں ایک مدعی امامت و علم نے کہا کہ مرقعہ یعنے گدڑی پہننا بدعت ہے۔ میں نے کہا کہ حشیشی اور دبیقی لباس جو کہ خالص ریشم کا ہوتا ہے شریعت میں مردوں پر حرام ہے۔ اور ظالموں سے منت و سماجت اور تملق و خوشامد سے مال لینا بھی حرام ہے کیونکہ ظالموں کے اموال حرام مطلق ہیں۔ اسے تو پہنتے ہو اور اسے بدعت نہیں کہتے، بھلا جو لباس حلال ہو اور حلال

مال سے خریدا ہو وہ کیسے بدعت ہو سکتا ہے۔ اگر نفس کی رعونت اور طبیعت کی ضلالت تم پر مسلط نہ ہوتی تو اس سے زیادہ پختہ بات کہتے کیونکہ ریشمی لباس عورتوں کے لئے حلال ہے اور مردوں پر حرام۔ اور جو دیوانے ہیں اور انہیں عقل و شعور نہیں ہے ان کے لئے مباح ہے اگر ان دونوں کے قائل ہو کر خود کو معذور سمجھتے ہو تو مقام افسوس ہے فنعوذ باللہ من عدام الانصاف، ہم ناانصافی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

حکایت

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نوفل بن حیان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور تمام لوگ حساب کی جگہ کھڑے ہیں۔ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے حوض کوثر کے کنارے کھڑے ہیں، اور آپ کے دائیں بائیں مشائخ عظام بزرگوں کو کھڑا دیکھا۔ ان میں ایک بزرگ دیکھا جن کا چہرہ نورانی اور سر پر بال سفید ہیں اور حضور کے رخسار مبارک پر اپنا رخسار رکھے ہوئے ہیں اور ان کے برابر نوفل کو دیکھا جب نوفل نے مجھے دیکھا تو وہ میری طرف آئے اور سلام کیا میں نے کہا مجھے پانی دیجئے! انھوں نے کہا میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیتا ہوں حضور نے اپنی انگشت مبارک سے اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ انھوں نے مجھے پانی دیا۔ اس سے کچھ میں نے پیا اور کچھ اپنے ساتھیوں کو پلایا لیکن اس پیالہ کے پانی میں سے کچھ بھی کم نہ ہوا۔ میں نے دریافت کیا اے نوفل! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب کون بزرگ ہیں؟ جواب دیا۔ کہ یہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیٰ نبینا وعلیہ السلام ہیں۔ اور حضور کے بائیں جانب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس طرح میں دریافت کرتا رہا یہاں تک کہ سترہ شخصوں کی بابت پوچھا۔ جب میں خواب سے جاگا تو میں اپنے ہاتھ کی سترہ گرہوں کی گنتی پر انگلی تھی۔

حکایت

حضرت یحییٰ ابن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اَیْنَ اَطْلُبُكَ؟ قال عند عَلَمِ ابی حنیفۃ: یا رسول اللہ! (قیامت میں) حضور کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا ابوحنیفہ کے جھنڈے کے پاس۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ورع (پارسائی) اور آپ کے مناقب اس کثرت سے منقول و مشہور ہیں کہ ان سب کے بیان کی یہ کتاب متحمل نہیں۔

اور میں (یعنی سیدنا داتا گنج بخش علی بن عثمان جلابی رضی اللہ عنہ) ملک شام میں سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ مؤذن مسجد نبوی کے روضۂ مبارک کے سرہانے سویا ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک بزرگ کو آغوش

میں لئے ہیں جس طرح بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں، باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں، میں نے دوڑ کر حضور کے پائے اقدس کی پشت کو بوسہ دیا۔ میں متعجب و حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ حضور کی اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت اور دل کی پریشانی پر اطلاع ہو گئی، حضور نے فرمایا یہ تمھارا امام ہے، جو تمھارے ہی ملک کے ہیں یعنے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ مجھے اس خواب سے اپنے ملک کے لوگوں سے بڑی امید ہو گئی۔ نیز اس خواب سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ سیدنا امام اعظم ان بزرگوں میں سے ہیں جن کے طبعی اوصاف فانی اور شرعی احکام میں باقی و قائم ہیں۔ کیونکہ ان کو لے جانے والے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم خود ہیں۔ اگر وہ خود جاتے ہوتے تو "باقی الصفۃ" ہوتے۔ اور جس کی حالت "باقی الصفۃ" کی ہوتی ہے وہ یا تو خطا کار ہوتا ہے یا راہ یاب، جبکہ انھیں لے جانے والے خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ فانی الصفۃ ہو کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صفتِ بقا کے ساتھ قائم ہوئے اور چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے خطا کے صدور کا امکان ہی نہیں ہے اس لئے جو حضور کے ساتھ قائم ہو اس سے بھی ممکن نہیں۔ یہ ایک لطیف اشارہ ہے۔

حکایت

منقول ہے کہ جب حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ نے علم حاصل کر لیا۔ اور ایک جہان کے مقتدا و رہنما ہو گئے، تب وہ ایک دن سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے بتائیے اب کیا کروں؟ امام صاحب نے فرمایا علیك بالعمل فان العلم بلا عمل كالجسد بلا روح یعنے اب تم اپنے علم پر عمل کو لازم کر لو کیونکہ بلا عمل کے علم ایسا ہے جیسے کہ بلا روح کے جسم ہوتا ہے عالم جب تک باعمل نہیں ہوتا اسے صفائیِ قلب اور اخلاص حاصل نہیں ہوتا۔ جو شخص محض علم پر ہی قناعت کرے وہ عالم نہیں ہے عالم کو لائق نہیں کہ محض علم پر قناعت کرے کیونکہ عینِ علم کا اقتضا ہی یہ ہے کہ عمل کرے، جس طرح کہ عینِ ہدایت مجاہدہ کو مقتضی ہے۔ جس طرح مشاہدہ بغیر مجاہدہ کے حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح علم بغیر عمل کے مفید نہیں۔ اس لئے کہ علم عمل کی میراث ہے، علم میں نور وسعت اور اس کی منفعت عمل کی ہی برکت کا ثمرہ ہوتا ہے کسی صورت میں بھی علم، عمل سے جدا نہیں ہو سکتا جس طرح آفتاب کا نور کہ وہ عینِ آفتاب سے ہے اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ علم کے بارے میں شروع کتاب میں مختصراً بیان کر چکا ہوں وباللہ التوفیق۔

ومنہم تبع تابعین میں سے امامِ طریقت، سیدِ زہاد، قائد اوتاد حضرت عبداللہ بن المبارک مروزی رحمتہ اللہ علیہ ہیں، جو مشائخ طریقت میں بڑے محتشم اور اپنے وقت میں طریقت و شریعت کے اسباب اور ان کے احوال و اقوال کے خوب عالم اور امامِ زمانہ تھے اور بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت میں رہے ہیں۔ اور علم و فن میں بکثرت تصانیف و کرامت میں مشہور ہیں۔ اور آپ کی ابتدائی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک باندی پر عاشق ہو گئے، اور ایک رات آپ مستوں کے درمیان سے اٹھ کر ایک ساتھی کو لے کر معشوقہ کے مکان کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو گئے، وہ معشوقہ چھت پر آ گئی، صبح تک یہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ اور جب حضرت عبداللہ نے صبح

کو فجر کی اذان سُنی تو گمان کیا کہ یہ عشاء کی اذان ہے لیکن جب دن چڑھا تو سمجھے کہ تمام رات اس کے حسن کے مشاہدہ میں مستغرق رہے یہی بات ان کی تنبیہ کا موجب بنی، دل میں کہنے لگے اے مبارک کے بیٹے تجھے شرم کرنی چاہیئے آج کی پوری رات پاؤں پر کھڑے کھڑے محض اپنے نفس کی خواہش میں گزار دی اس پر تو اعزاز بزرگی کا خواستگار ہے لیکن اگر نماز میں امام سورۃ کو دراز کر دے تو گھبرا جاتا ہے، پھر مومن ہونے کا بھی دعوٰے کرتا ہے۔ اسی وقت آپ نے توبہ کی اور تحصیلِ علم اور اس کی جستجو میں مشغول ہو گئے اور اس قدر زہد و دیانت اختیار کیا کہ آپ ایک دن اپنی والدہ کے باغ میں گئے اُن کو دیکھا کہ وہ سو رہی ہیں اور ایک سانپ ریحان کی بڑی شاخ لئے اُن کے پہلو پر سے مکھی و مچھر اُڑا رہا ہے ؛

اس کے بعد وہ مقامِ مرو سے کوچ کر کے بغداد میں آکر ایک عرصہ تک مشائخ کی صحبت میں رہے۔ پھر کچھ عرصہ تک مکہ مکرمہ میں مجاور رہے پھر اپنے گھر مرو لوٹے، شہر کے تمام لوگ خدمت میں آئے، آپ نے اُن کے لئے درس کی مجلس قائم فرمائی ؛

اُس زمانہ میں شہر کی نصف آبادی تو حدیث کی متابعت کرتی اور نصف آبادی راہِ طریقت پر چلتی تھی چنانچہ اسی بنا پر آپ کو رَضِی الفریقین کہا جاتا تھا کیونکہ ہر دو فریق آپ سے موافقت رکھتے اور راضی رہتے تھے، اور دونوں فریق آپ کو اپنا جانتے تھے۔ آپ نے اس جگہ دو کمرے بنائے ایک متبعینِ حدیث کے لئے اور ایک اہلِ طریقت کے لئے۔ آج تک یہ دونوں کمرے وہاں انہی بنیادوں پر قائم ہیں

پھر آپ وہاں سے حجاز آئے، وہیں سکونت اختیار کی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا آپ نے کون سی عجیب و غریب چیز دیکھی ہے؟ فرمایا میں نے ایک راہب کو دیکھا جس کا جسم مجاہدوں سے پگھل چکا تھا اور خوفِ خدا سے وہ کُبڑا ہو گیا تھا میں نے اُس سے پوچھا یا راهب کیف الطریق الی اللہ قال لو عرفت اللہ لعرفت الطریق الیہ فقال اُعبد من لا اعرفہ وتعصی من تعرفہ یعنے اے راہب خدا کی رسائی کی کون سی راہ ہے، اُس نے کہا اگر تم اُسے جانتے تو اس کی راہ بھی معلوم ہوتی۔ پھر کہا میں خوف زدہ ہوں کہ میں اُسے نہیں جانتا اور نہ پہچانتا ہوں اور تم اس کے نافرمان ہو جس کو تم جانتے ہو!! مطلب یہ کہ معرفت کا اقتضاء ہے کہ خوف زدہ رہے تاکہ تمہیں بے خوف دیکھ رہا ہوں جس کا کفر و جہل مقتضی ہے۔ اور میں اپنے آپ کو خوف زدہ پاتا ہوں، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا، اس نے مجھے بہت سے ناجائز افعال سے باز رکھا ؛

یہ قول بھی انہیں سے مروی ہے کہ السکون حرام علیٰ قلوب اولیائہ : یعنے خدا کے دوستوں کا دل ہرگز ساکن نہیں ہوتا کیونکہ اس گروہ پر سکون و آرام حرام ہے اس لئے کہ یہ دنیا میں تو طلب کی حالت میں بے قرار ہوتے ہیں اور آخرت میں خوشی سے۔ کیونکہ دنیا میں حق تعالیٰ سے غائب ہونے کی وجہ سے ان پر سکون و آرام جائز نہیں ہوتا اور عقبےٰ میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی تجلّے و رؤیت کی وجہ سے ان پر قرار نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کے لئے دنیا عقبےٰ کی مانند، اور عقبےٰ دنیا کی مانند ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سکون قلب دو چیزوں کا مقتضی ہے یا تو مقصود و مراد کو پالے یا اس سے غافل ہو جائے، اور اس کا حصول دنیا و آخرت میں جائز نہیں! تو محبت کی وارفتگی سے دل کو

قرار کیسے حاصل ہو۔ اور اس کے محبوبوں، دوستوں پر غفلت حرام ہے یوں بھی حصول وطلب میں دل کو کیسے سکون وآرام میسر ہو، محققین کرام کے نزدیک یہ قاعدہ مستحکم ہے واللہ اعلم ۔

ومنہم یعنے ائمۂ طریقت میں سے، واصلین حق کے سردار، مقربین بارگاہ کے بادشاہ سیدنا ابوعلی الفضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو فقراء میں بہت بزرگ ہیں اور ان کے پیشوا تھے، ان کو طریقت وحقائق میں مہارت کاملہ اور شغف تام حاصل تھا مشائخ طریقت میں مشہور ومعروف تھے ان کے احوال صدق وصفا سے معمور ہیں۔ یہ ابتدائے عمر میں عیار اور مرد اور مادہ کے درمیان رہزنی کرتے تھے اس کے باوجود ان کی طبیعت ہر وقت اصلاح کی طرف مائل رہتی اور ہمت وحوصلہ رکھتے تھے، چنانچہ جس قافلہ میں کوئی عورت ہوتی تو اس کے قریب تک نہ جاتے۔ اور جس کے پاس سرمایہ تھوڑا ہوتا تو اس کا سامان نہ لیتے اور وہ ہر شخص کے پاس کچھ نہ کچھ سرمایہ ضرور چھوڑ دیتے ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرو سے ایک سوداگر چلا، لوگوں نے اس سے کہا کوئی بدرقہ لینے ہتھیار وغیرہ ساتھ لے لے کیونکہ راہ میں فضیل رہزنی کرتا ہے، سوداگر نے جواب میں کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ رحمدل اور خدا ترس مرد ہے، سوداگر نے اجرت پر ایک قاری لیا اسے اونٹ پر سوار کرکے چل دیا، راستہ بھر دن رات قاری قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہا یہاں تک کہ یہ قافلہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں فضیل گھات لگائے بیٹھے تھے اتفاق سے قاری نے یہ آیت تلاوت کی اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (کیا ابھی تک مومنوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ذکر الٰہی سے ان کے دل ڈریں۔ الآیہ) فضیل نے جب یہ سنا تو اس کے دل پر رقت طاری ہوگئی، فضل الٰہی نے اس کے دل پر غلبہ دکھایا اور اسی وقت رہزنی سے انھوں نے توبہ کرلی اور جن جن لوگوں کے مال لوٹے تھے اُن کے نام لکھ رکھے تھے سب کو راضی کیا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے۔ اور بکثرت اولیاء اللہ کے حضور میں حاضری دی۔ پھر کوفہ واپس آگئے اور سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں مدت تک رہے، ان سے بڑی روایتیں ہیں جو محدثین کے نزدیک بہت مقبول ہیں۔ اور حقائق تصوف ومعرفت میں اعلیٰ درجہ کی گفتگو کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ من عرف اللہ حق معرفتہٖ عَبَدَہٗ بکل طاقتہٖ، یعنے جس نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ معرفت پالی اس نے اپنی طاقت بھر اس کی عبادت کرلی۔ اس لئے کہ اس کی معرفت، اس کے احسان وانعام کی پہچان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جب اس کے رحم وکرم کی پہچان ہوجاتی تو اس نے اس کو دوست بنالیا۔ اور جب دوست بنالیا تو گویا طاقت بھر طاعت وعبادت بجالایا۔ کیونکہ دوست کا کوئی حکم مشکل ودشوار نہیں ہوتا، اسی بنا پر جتنی دوستی زیادہ ہوگی اتنی ہی طاعت وعبادت پر حرص زیادہ ہوگی۔ اور دوستی کی زیادتی ہی معرفت کی حقیقت ہے ۔

چنانچہ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے اٹھے اور میری نظروں سے اوجھل ہوگئے، مجھے خیال گزرا کہ غالباً کسی دوسرے حجرے میں تشریف لے گئے ہیں میں اٹھی اور حضور کے پیچھے

چل دی یہاں تک کہ میں نے حضور کو مسجد شریف میں نماز پڑھتے قیام فرما دیکھا اور حضور کی چشمان مبارک سے آنسو جاری تھے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے صبح کی اذان دی اور حضور بدستور نماز میں مشغول رہے۔ نماز صبح ادا فرمانے کے بعد جب حضور حجرے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضور کے دونوں پائے مبارک پر ورم تھا اور پاؤں کی انگلیاں پھٹ کر خون جاری ہو رہا تھا۔ میں نے رو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالےٰ نے آپ کے اگلے پچھلے ہر گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپ اتنی شدت کیوں برداشت فرماتے ہیں ایسا تو وہ کرے جس کی آخرت محفوظ نہ ہو۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ عفو و مغفرت اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم ہی سے ہے افلا اکون عبداً شکوراً کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔ جب اللہ تعالےٰ نے مجھ پر کرم فرمایا اور بخشش کی بشارت دی اب تم کیا کہتی ہو کہ مجھے اس کی بندگی نہ کرنی چاہیئے! اور مقدور بھر حق کی نعمت سے سرفرازی پر شکر بجا نہ لانا چاہیئے؟

نیز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج میں پچاس نمازیں قبول فرمالی تھیں اور ان کو گراں نہ جانا تھا لیکن حضرت موسےٰ علیہ السلام کے عرض کرنے پر واپس جا کر پانچ نمازیں کرائیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور کی سرشت میں ہی فرمانِ الٰہی کی مخالفت کا شائبہ تک نہ تھا لان المحبۃ ھی الموافقۃ اس لئے کہ محبت نام ہی موافقت کا ہے۔

نیز حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا الدنیا دار المرضےٰ والناس فیھا مجانین للمجانین فی دار المرضےٰ الغل والقید یعنے یہ دنیا بیماری کی جگہ ہے اور اس میں لوگ دیوانوں کی مانند ہیں اور دیوانوں کو بیمارستان میں زنجیروں سے مقید رکھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہماری نفسانی خواہشات ہماری زنجیریں اور ہماری معصیت ہماری قید ہے۔

حکایت

فضل بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ میں ہارون رشید کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حاضر تھا، جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو اس نے مجھ سے کہا کوئی مردانِ خدا میں سے یہاں موجود ہے؟ تاکہ میں اس کی زیارت کروں۔ میں نے کہا ہاں! اس جگہ عبدالرزاق صنعانی ہے اس نے کہا مجھے اس کے پاس لے چلو، جب ہم ان کے پاس پہنچے تو بہت دیر ان سے ہم کلام رہے، جب واپسی کا قصد کیا تو ہارون رشید نے مجھ سے اشارہ کیا ان سے دریافت کرو کیا کچھ قرضہ ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! ہارون رشید نے مجھے حکم دیا کہ ان کا قرضہ ادا کر دو۔ پھر وہاں سے نکل آئے اور کہا اے فضل! میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے زیادہ بزرگ کی زیارت کروں! جواب میں کہا کہ حضرت سفیان بن عینیہ یہاں جلوہ فرما ہیں، کہا ان کے پاس لے چلو! چنانچہ جب حاضر ہوئے تو عرصہ تک گفتگو رہی۔ جب واپسی کا قصد کیا، پھر ہارون رشید نے مجھ سے اشارہ کیا کہ ان سے بھی قرضہ کے بارے میں دریافت کرو! چنانچہ جب میں نے دریافت کیا تو انھوں نے کہا ہاں قرضہ ہے! ہارون رشید نے حکم دیا کہ ان کا قرضہ بھی ادا کر دو۔ پھر باہر آگئے اور کہا اے فضل! ابھی میرا مقصد حاصل نہیں ہوا کسی اور بزرگ کی

زیارت کراؤ) میں نے کہا مجھے یاد آیا کہ یہاں حضرت فضیل بن عیاض بھی ہیں۔ چنانچہ میں اسے حضرت فضیل کے پاس لے گیا وہ عزلت یعنے گوشہ میں بیٹھے تھے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، میں نے دستک دی اندر سے استفسار ہوا کون ہے؟ میں نے کہا امیرالمومنین ہیں، انھوں نے فرمایا مالی ولامیر المومنین یعنے مجھے امیرالمومنین سے کیا سروکار ہے؛ میں نے کہا "سبحان اللہ"! کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں کہ آپ فرماتے ہیں لیس للعبد ان یذل نفسہ فی طاعۃ اللہ؛ کسی بندہ کو لائق نہیں کہ طاعت الٰہی میں اپنے آپ کو ذلیل کرے، قال بلےٰ، فرمایا ارشاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حق ہے اما الرضا فعزعند اھلہ لیکن رضائے الٰہی اس کے حضور میں دائمی عزت ہے تو میری اس حالت کو ذلیل گمان کرتا ہے حالانکہ میں طاعت الٰہی میں عزت جانتا ہوں۔

اس کے بعد پیچ آکر دروازہ کھول دیا اور چراغ بجھا دیا اور گوشہ میں کھڑے ہو گئے اور ہارون رشید اندر آگیا جب حضرت فضیل کا ہاتھ ہارون رشید کے ہاتھ سے مس ہوا تو فرمایا افسوس ایسا نرم و نازک ہاتھ میں نے نہیں دیکھا ایسا ہاتھ اگر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو تو تعجب ہے: یہ سُن کر ہارون رشید پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا رویا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو کہنے لگا اے فضیل مجھے کوئی نصیحت فرمایئے! فرمایا اے امیرالمومنین! تیرا باپ سید عالم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا انھوں نے حضور سے درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم پر امیر بنا دیجئے، حضور نے فرمایا اے چچا میں نے تم کو تمہاری جان پر امیر بنا دیا کیونکہ ایک سانس طاعت الٰہی میں تمہارا گزرے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگ ہزار سال تک تمہاری فرماں برداری کریں۔ لان الامارۃ یوم القیٰمۃ الندامۃ، اس لئے کہ قیامت کے دن امیری میں بجز ندامت و شرمندگی کے کچھ نہ ہوگا،

ہارون رشید نے کہا کچھ اور بھی نصیحت فرمایئے! فرمایا جب حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو خلافت پر لوگوں نے فائز کیا تو انھوں نے سالم بن عبداللہ، رجاء بن حیوٰۃ اور محمد بن کعب القرظی کو بلایا، ان سے فرمایا لوگوں نے مجھے ان بلاؤں میں مبتلا کر دیا ہے تو اب مجھے کیا تدبیر کرنی چاہیئے؟ کیونکہ میں امارت کو بلا جانتا ہوں اگرچہ لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں ان میں سے کسی ایک نے کہا اے عمر بن عبدالعزیز! اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے نجات ہو تو مسلمان بزرگوں اور بوڑھوں کو اپنے باپ کی مانند سمجھو اور جوانوں کو بھائی اور بچوں کو اپنی اولاد کی مانند سمجھو اور ان سب کے ساتھ وہی سلوک کرو جس طرح خاندان کا سربراہ باپ اپنے بھائیوں اور فرزندوں کے ساتھ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام دیار اسلام تمہارے گھر کی مانند ہے ان شہروں کے سب رہنے والے تمہارے گھر والے ہیں "زرا باک واکرم اخاک واحسن علےٰ ولدک" تم اپنے بڑوں کی زیارت کرو اور بھائیوں کی عزت کرو اور بچوں کے ساتھ پیار و محبت کرو؛

پھر اس کے بعد حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے امیرالمومنین! ایسا نہ ہو کہ تیرا یہ خوبصورت چہرہ آتش دوزخ میں گرفتار ہو خدا کا خوف رکھو اور اس کا حق اس سے بہتر طریق پر ادا کرو۔ اس کے بعد ہارون رشید نے عرض کیا آپ پر کچھ بارِ قرض ہے؟ فرمایا ہاں! خدا کا قرض میری گردن پر ہے، وہ اس کی اطاعت ہے، اگر وہ اس پر میری گرفت فرمائے تو میری بدنصیبی ہے۔ ہارون رشید نے عرض کیا، اے

فضیل: میں لوگوں کے قرض کے بارے میں دریافت کرتا ہوں؟ فرمایا اللہ عزوجل کا شکر و احسان ہے اس نے مجھے بہت کچھ نعمت دے رکھی ہے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے کہ لوگوں سے شکوہ کرتا پھروں۔ ہارون رشید نے ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا اسے اپنی ضرورتوں میں خرچ فرمائیے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے امیرالمومنین: میری اتنی نصیحتوں نے تجھ پر کچھ اثر نہیں کیا اور مجھے بھی اس ظلم میں شریک کرتے ہو اور بیداد گری کو اپنا پیشہ بناتے ہو: ہارون نے کہا میں نے آپ پر کیا ظلم اور بیداد گری کی ہے؛ فرمایا میں تو تجھے نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تو مجھے بلا میں ڈالتا ہے یہ ظلم و بیداد نہیں ہے! اس پر ہارون رشید اور فضل بن ربیع دونوں رونے لگے اور روتے روتے دونوں باہر آ گئے۔

اس کے بعد ہارون نے مجھ سے کہا اے فضل بن ربیع۔ بادشاہ درحقیقت حضرت فضیل ہی ہیں اور یہ سب اس کے دبدبہ کی دلیل ہے جو دنیا اور دنیا داروں میں انھیں حاصل ہے۔ دنیا اور اس کی زیب و زینت ان کے دل میں حقیر ہے وہ دنیا داروں کی خاطر تواضع دنیا کے لئے نہیں کرتے۔ آپ کے مناقب و فضائل اس سے کہیں زیادہ جتنے کہ لکھے جا سکتے ہیں واللہ اعلم۔

منہم اور انھیں ائمہ طریقت میں سے، سفینۂ تحقیق و کرامت، صمصام شرف اندر ولایت، سیدنا ابوالفیض ذوالنون ابن ابراہیم مصری ہیں جو کہ نوبی بچہ "تھے" اور ان کا نام ثوبان تھا۔ یہ اہل معرفت اور مشائخ طریقت میں بڑے برگزیدہ تھے۔ ریاضت و مشقت اور ملامت کی راہ اختیار کر رکھی تھی اور مصر کے تمام رہنے والے ان کے مرتبہ کی عظمت میں متحیر و عاجز تھے اور اہل زمانہ ان کے حال سے ناواقف تھے یہاں تک کہ مصر میں کسی نے بھی ان کے حال و جمال کو ان کے انتقال کے وقت تک نہ پہچانا۔ جس رات انہوں نے دنیا سے رحلت فرمائی اس رات ستر لوگوں نے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ اور آپ نے فرمایا کہ خدا کا دوست و محبوب دنیا سے آرہا ہے اس کے استقبال کے لئے آیا ہوں، چنانچہ جب انھوں نے وفات پائی تو ان کی پیشانی پر لکھا پایا گیا کہ ھٰذا حبیب اللّٰہ مات فی حبّ اللّٰہ قتیل اللّٰہ: یہ اللہ کا محبوب ہے جو اللہ کی محبت میں مرا وہ خدا کا شہید ہے۔

جب لوگوں نے ان کا جنازہ کندھوں پر رکھا تو فضا کے تمام پرندوں نے جمع ہو کر پروں پر پر رکھ کر جنازہ پر سایہ کر دیا جب یہ حال مصر کے لوگوں نے دیکھا تو خوف زدہ ہو کر ان پر کئے گئے ظلم و جفا پر توبہ کرنے لگے۔ طریقت و حقیقت اور علوم معرفت میں ان کے نہایت عمدہ کلمات ہیں چنانچہ منقول ہے کہ العارف کل یوم اخشع لانہ فی کل ساعۃ من الرب اقرب: عارف کا ہر دن زیادہ خشیت میں ہے کیونکہ اس کی ہر گھڑی رب سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے کہ جتنا زیادہ قرب ہوگا اتنی ہی اس کی حیرت و خشوع زیادہ ہوگی۔ کیونکہ وہ بارگاہ حق کے دبدبہ و ہیبت کا زیادہ شناسا ہو کر اس کے دل پر جلال حق غالب ہوگا اور اپنے آپ کو اس سے دور دیکھ کر اس کے وصال میں اور کوشش کرے گا اس طرح خشوع پر خشوع کی زیادتی ہوتی جائے گی۔

چنانچہ حضرت موسیٰ صلوات اللہ علیہ نے بوقت مکالمت عرض کیا یا رب این اطلبك قال عند المنکسرۃ قلوبہم: خدایا

تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا ان دل شکستہ اور اپنی صفائی قلب سے مایوس شدہ لوگوں میں۔ عرض کیا اے میرے رب! مجھ سے زیادہ دل شکستہ و ناامید تر کوئی نہیں ہے۔ فرمایا میں وہیں ہوں جہاں تم ہو! معلوم ہوا کہ ایسا مدعی معرفت جو بے خوف اور بلا خشوع ہو، وہ جاہل ہے عارف نہیں ہے۔ کیونکہ معرفت کے حقیقت کی علامت، صدق ارادت ہے۔ اور صدق ارادت خدا کے سواء ہر سبب کو فنا کرنے والی اور نسبتوں کو قطع کرنے والی ہے۔

چنانچہ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں الصدق سیف اللہ فی ارضہ ما وضع علیٰ شئی الا قطعہ ؛ زمین پر صدق خدا کی ایسی تلوار ہے جو اس کی زد میں آئے گا اُسے کاٹ ڈالے گی، اور صدق یہ ہے کہ مسبّب کی طرف نظر ہو نہ کہ مسبّب کے اسباب کی طرف۔ کیونکہ جب تک سبب ثابت و قائم ہے اس وقت تک صدق ساقط و دُور ہے۔

حکایت

میں نے ایک حکایت میں دیکھا ہے کہ ایک دن وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریائے نیل میں کشتی میں سوار تھے اور وہ اپنی عادت کے مطابق کشتیوں کے مقابلہ کا تماشا کر رہے تھے (کیونکہ ان مصریوں کا دستور تھا کہ وہ کشتی میں سوار ہوتے اور دوسری کشتی جب آتی تو ان کی وہ جماعت جو گانے بجانے کا شغل کرتی شور و غل مچانے لگتی تھی) چنانچہ حسب عادت جب دوسری کشتی آئی اور اس کے سوار گانے بجانے والوں نے شور و غل اور فساد برپا کیا تو حضرت ذوالنون مصری کے شاگرد ساتھیوں نے عرض کیا اے شیخ! ان کے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ ان سب کو غرق کر دے تاکہ ان کی بدبختی سے لوگ نجات پائیں۔ حضرت ذوالنون مصری کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی خدایا! جس طرح تو نے اس جماعت کو دنیا میں خوشی و مسرت بخشی ہے اسی طرح اس جہان میں بھی ان کو خوشی و مسرت عطا فرما، مریدین ایسی دعا سے بڑے حیرت زدہ اور متعجب ہو گئے۔ جب وہ کشتی نزدیک آکر آمنے سامنے ہوئی اور لوگوں کی نظریں حضرت ذوالنون مصری پر پڑیں تو رونے لگے اور عذر خواہی کرنے لگے۔ اور آلاتِ طرب گانے بجانے کی اشیاء توڑ کر تائب ہو گئے۔ اور حق کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حضرت ذوالنون مصری نے مریدوں سے فرمایا اُس جہان کی خوشی و مسرت اِس جہان میں توبہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو سب کی مراد حاصل ہو گئی تمہاری بھی اور ان کی بھی، بغیر کسی کو رنج و تکلیف پہنچائے۔

یہ بات اُن بزرگ کی مسلمانوں کے ساتھ انتہائی شفقت و مہربانی کی وجہ سے ہے۔ اس میں انھوں نے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ کافروں نے آپ پر از حد ظلم و ستم کیا مگر آپ ہرگز متغیر نہ ہوئے اور ہر بار یہی دعا کی اللّٰھم اھدِ قومی فانھم لا یعلمون ؛ اے خدا میری قوم کی ہدایت فرما کیونکہ وہ نادان ہیں۔

حکایت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس سے مصر کی جانب آ رہا تھا۔ میں نے راہ میں دُور سے ایک شخص کو آتے دیکھا۔ دل میں خیال آیا کہ اس سے کچھ پوچھنا چاہیئے۔ جب وہ میرے قریب آیا تو وہ کُبڑی کمر کی ایک بوڑھی عورت تھی لکڑی ہاتھ میں تھی اور پشمین جبہ پہنے ہوئے تھی۔ میں نے پوچھا من این (کہاں سے آرہی ہو؟) قالت من اللہ (جواب دیا خدا کی طرف سے) قلت الی این (میں نے کہا کس طرف قصد ہے؟) قالت الی اللہ (اُس نے کہا خدا کی طرف۔ میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اسے نکالا تاکہ اُسے دے دوں۔ اُس نے ایک طمانچہ میرے رخسار پر مارا اور کہا کہ اے ذوالنون! تو نے جو مجھے سمجھا ہے وہ تیری نادانی ہے میں خدا کے لئے ہی کام کرتی ہوں اور کسی دوسرے سے کچھ نہیں لیتی ہوں۔ اسی کی پرستش کرتی ہوں، یہ کہا اور مجھ سے جدا ہو گئی۔

اس حکایت میں ایک لطیف رمز و اشارہ ہے یہ کہ اُس بوڑھی نے کہا میں خدا کے لئے ہی کام کرتی ہوں۔ اس میں صدق و محبت کی دلیل ہے کیونکہ لوگوں کا سلوک دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ کام کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ اسی کے لئے کیا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے ہی لئے کرتے ہیں۔ اگرچہ اس عمل میں خواہش نفسانی کا دخل نہ ہو۔ لیکن یہ تو خواہش ہوتی ہے کہ اس کی جزا و ثواب اُس جہان میں ملے۔ اور دوم یہ کہ اُس جہان کے ثواب و عقاب کا ارادہ، اور اس جہان میں ریا و سمع کا دخل اس کے عمل سے جدا ہو جائے ایسا عمل جو کرے وہ خاص اللہ تعالیٰ کے فرمان کی عظمت اور اس کی محبت کی اقتضا میں ہو کہ اس کے فرمان کی بجا آوری میں اپنی ذاتی بہتری کی خواہش کو چھوڑ دے گا۔ دوسرے گروہ کی یہ حالت ہے کہ وہ جو عمل خیر کرتے ہیں گمان رکھتے ہیں کہ دوسروں کے لئے ہے حالانکہ وہ زاد آخرت کے لئے ہوتا ہے اگرچہ یہ جائز ہے مگر جاننا چاہیئے کہ فرماں برداری اطاعت الٰہی کا اجر اس شخص سے زیادہ ہے جو شخص معصیت میں مبتلا ہو۔ اس لئے کہ معصیت میں خوشی ایک گھڑی کی ہے اور طاعت میں خوشی دائمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خلق کے مجاہدہ سے کوئی فائدہ نہیں، اور نہ ان کے نہ کرنے سے اس کا کوئی نقصان۔ اگر سارا جہان سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدق کی مانند ہو جائے تو اس کا فائدہ انھیں کو ہے (خدا کو نہیں) اور اگر سارا جہان فرعون کی مانند خدا کو جھٹلائے تو اس کا نقصان بھی انہی کو ہے (نہ کہ خدا کو) چنانچہ فرمایا ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلہا (اگر تم اچھا کام کرو تو اپنے ہی لئے اچھا کرتے ہو اور اگر تم بُرا کام کرو تو وہ بھی تمہارے لئے) + اور فرماتا ہے ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین (جو مجاہدہ کرتا ہے بلاشبہ وہ اپنے لئے ہی مجاہدہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے جہان سے بے نیاز ہے) لوگ عاقبت کے لئے حکم بجالاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ خدا کے لئے کرتے ہیں لیکن اپنے دوست و محبوب کی راہ پر چلنا اور چیز ہے جو لوگ دوست کے فرمان کو بجالانے کا اہتمام کرتے ہیں ان کی نگاہیں کسی اور طرف نہیں لگتی ہیں۔ ایسی باتیں اس کتاب کے باب الاخلاص میں انشاء اللہ تعالیٰ آئیں گی۔

منہم اور انھیں ائمۂ طریقت میں، امیر الامراء، سالکِ طریقِ لقا حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن ادہم منصور رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ اپنے زمانہ اور اپنے سلوک میں منفرد اور سید اقران تھے۔ وہ سیدنا خضر علیہ السلام کے مرید تھے۔ انھوں نے بکثرت قدمائے مشائخ کو پایا اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہو کر تحصیلِ علم کیا۔ ان کا پہلا حال یہ ہے کہ وہ بلخ کے امیر تھے۔ ایک دن شکار کو گئے اور لشکر سے جدا ہو گئے۔ آپ ایک ہرن کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے کلام کرنے کی طاقت بخشی، اس نے زبانِ فصیح میں کہا اَلِهٰذَا خُلِقْتَ اَمْ بِهٰذَا اُمِرْتَ یعنے اے ابراہیم! کیا تم اس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہو یا اس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے؟ یہ بات ان کی توبہ کا موجب ہوئی۔ اسی وقت انھوں نے دنیا سے کنارہ کش ہو کر زہد و ورع کی راہ اختیار فرمالی۔ اور حضرت فضیل بن عیاض حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت اختیار کر لی۔ پھر توبہ کے بعد اپنی ساری عمر میں محنت و کسب سے حاصل کردہ غذا کے سوا کچھ نہ کھایا۔ طریقت و معرفت کے اشارات ظاہر اور کرامتیں مشہور ہیں۔ اور تصوف کے حقائق میں ان سے کلمات اور نغز لطائف منقول ہیں۔ چنانچہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مفاتیح العلوم ابراھیم" حضرت ابراہیم ادہم علوم طریقت و معرفت کی کنجیاں ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اتخذ اللّٰه صاحبا وذر الناس جانبا۔ اللہ تعالےٰ کو اپنا مالک بنا اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ دو۔ اس کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالےٰ کے ساتھ جب بندہ کا تعلق صحیح اور درست ہو، اور اس کی محبت میں اخلاص ہو تو حق تعالےٰ سے یہ صحیح تعلق خلق سے کنارہ کشی کا مقتضی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خلق سے صحبت کرنا اللہ کی باتوں سے جدا ہونا ہے اور اللہ تعالےٰ سے صحبت اسی صورت میں ممکن ہے کہ اخلاص کے ساتھ اس کے احکام کی فرماں برداری کرے اور طاعت میں اخلاص جب ہی پیدا ہوتا ہے جبکہ محبت الٰہی میں خلوص ہو۔ اور حق تعالےٰ سے محبت میں خلوص جب پیدا ہوتا ہے جبکہ نفسانی خواہشات کا دشمن بن جائے جو شخص نفسانی خواہشات کا خوگر بنا، وہ خدا سے جدا ہو گیا۔ اور جس نے خواہشات نفسانیہ کو نکال پھینکا وہ خدا سے آرام پائے گا۔ گویا کہ تو اپنے وجود میں خود ہی تمام خلق ہے جب تو نے اپنے سے اعراض کر لیا گویا کہ ساری خلقت سے کنارہ کش ہو گیا۔ اور وہ شخص جو خلقت سے تو کنارہ کش ہو مگر اپنے نفسانی خواہش کی پیروی کرے تو یہ ظلم ہے۔ اس لئے کہ ساری خلقت جس حالت میں ہے وہ تو حکم و تقدیر سے ہے اور تیرا معاملہ تیرے ساتھ ہے۔

طالب کی ظاہری و باطنی استقامت دو چیزوں پر ہے ایک شناخت یعنے علم سے متعلق ہے دوسرے کردنی یعنے عمل سے متعلق ہے۔ لہٰذا وہ جو کہ شناخت یعنے علم سے متعلق ہے وہ تقدیر الٰہی کو دیکھتا ہے خواہ وہ برائی میں ہو یا بھلائی میں۔ اس لئے کہ عالم میں کوئی متحرک شئے کو ساکن نہیں کر سکتا اور کسی ساکن کو متحرک نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ اس میں حرکت یا سکون اللہ تعالےٰ ہی کی پیدا کردہ ہے۔

اور وہ جو عمل سے متعلق ہے وہ فرمان الٰہی کو بجالانا ہے، معاملہ کی صحت، مکلفات احکام الٰہیہ کا تحفظ اور ہر وہ حال تقدیر الٰہی سے متعلق ہو ترکِ فرمانِ الٰہی کے لئے حجت نہیں بن سکتا۔

لہٰذا خلق سے اعراض وکنارہ کشی اس وقت تک درست نہیں ہوسکتی جب تک خود سے کنارہ کش نہ ہو جب خود سے کنارہ کش ہو گئے تو تمام خلق سے کنارہ کشی ہو حق تعالیٰ سے حصول مراد ہے حاصل ہو گئی۔ اور جب حق تعالیٰ سے لگاؤ اور تعلق حاصل ہوئے تو اہ حق کی اقامت کے لئے پائے ثبات حاصل ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ خلق کے ساتھ آرام وراحت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر سے راحت چاہو گے تو یہ غیر کے ساتھ آرام کرو گے کیونکہ غیر سے آرام پانا توحید کے منافی ہے۔ اور اپنی ذات سے آرام پانا کم ہمتی ہے اسی وجہ سے حضرت شیخ ابو الحسن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے بلی (گربہ) کا حکم ماننا اپنے نفس کی پیروی سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس کی محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے اور اپنے نفس کی محبت اور اس کی پیروی خواہشات نفسانیہ کی پرورش ہے۔ اس بات کو کتاب ہٰذا کے دوسرے مقام میں۔ انشاء اللہ مفصل لاؤں گا۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایتوں میں ہے کہ جب میں جنگل میں پہنچا تو ایک بوڑھے نے مجھ سے کہا اے ابراہیم تم جانتے ہو یہ کون سا مقام ہے جہاں بغیر توشہ کے سفر کر رہے ہو؟ میں نے جان لیا کہ یہ شیطان ہے۔ میرے پاس اس وقت چار سکے چاندی کے تھے جو کوفہ میں زنبیل فروخت کر کے حاصل کئے تھے انھیں جیب سے نکال کر پھینک دیا اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار سو رکعت نماز ادا کروں گا۔ تب چار سال جنگل میں رہا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ بے مشقت کے روزی عطا فرماتا تھا اسی دوران حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت حاصل ہوئی اور مجھے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم سکھایا۔ اسی وقت یکدم میرا دل غیر سے خالی ہو گیا۔

آپ کے مناقب بکثرت ہیں وباللہ التوفیق۔

ومنہم یعنی ائمہ طریقت میں سے، سر برآرائے معرفت، تاج اہل معاملت حضرت بشر بن الحافی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ مجاہدہ میں عظیم الشان اور برہان کبیر تھے، معاملات طریقت میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت فضیل رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل کی تھی، وہ اپنے ماموں علی بن حشرم رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، وہ علم اصول و فروع کے عالم تھے ابتدائے توبہ کا حال یہ ہے کہ وہ ایک دن نشہ کی حالت میں گھر سے باہر نکلے راستہ میں انھیں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا تعظیم کے ساتھ اٹھایا اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر تھا انھوں نے اس کاغذ کے پرزے کو عطر سے خوشبودار کر کے پاک جگہ میں رکھ دیا۔ اسی رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا یا بشر طیّبتَ اسمی فبعزتی لاطیبن اسمک فی الدنیا والاٰخرۃ یعنی اے بشر تو نے میرے نام کو خوشبودار کیا مجھے اپنی عزت کی قسم یقیناً تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار کروں گا۔ یہاں تک کہ جو بھی تیرا نام سنے گا اس کے دل میں راحت ہو گی۔

انھوں نے اسی وقت توبہ کی اور زہد کا طریقہ مضبوطی سے تھام لیا۔ مشاہدۂ حق تعالیٰ میں غلبہ کی شدت اس حد تک تھی کہ وہ اپنے

پاؤں میں کچھ نہ ڈالتے تھے۔ لوگوں نے ننگے پاؤں رہنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا زمین خدا کا فرش ہے میں جائز نہیں سمجھتا کہ اس کے فرش پر اس حالت میں پھروں کہ میرے پاؤں اور اس کے فرش کے درمیان کوئی واسطہ حائل ہو۔ یہ ان کے معرفت کا عجیب معاملہ ہے۔ یعنے حق تعالےٰ کی جانب ان کی توجہ ایسی تھی کہ جوتوں کو بھی انھوں نے حجاب سمجھ لیا تھا۔

یہ بھی انھیں کا مقولہ ہے کہ من اراد ان یکون عزیزاً فی الدنیا وشریفاً فی الاٰخرۃ فلیجتنب ثلاثاً لا یسأل احداً حاجتہ ولا یذکر احداً بسوءٍ ولا یجیب احداً الی طعامٍ۔ فرماتے ہیں جو شخص یہ ارادہ کرے کہ وہ دنیا میں عزیز اور آخرت میں شریف ہو اسے تین باتوں سے بچنا چاہیئے۔ ایک یہ کہ وہ کسی سے کوئی سوال نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی کا ذکر برائی سے نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ کسی کا مہمان نہ ہو۔ کیونکہ جسے اللہ تعالےٰ کی معرفت ہوگی اسے مخلوق کی احتیاج نہ ہوگی اس لئے کہ خلق کی احتیاج عدم معرفت الٰہی کی دلیل ہے یعنے اگر خدا کو قاضی الحاجات جانتا تو کسی اور سے حاجت براری نہ چاہتا لان استعانۃ المخلوق الی المخلوق کاستعانۃ المسجون الی المسجون۔ اس لئے کہ مخلوق کا مخلوق سے استعانت کرنا ایسا ہی ہے جیسے مقید کا مقید سے استعانت کرنا۔

اب رہا یہ کہ جو کسی کو بُرا کہے گویا وہ خدا کے حکم میں تصرف کرتا ہے اس لئے کہ وہ شخص اور اس کا فعل بد خدا ہی کے پیدا کردہ ہیں، اس کی پیدا کردہ کو برا کہنا خدا کی طرف رجوع ہوتا ہے کیونکہ جب فعل میں عیب ڈالتا ہے تو وہ فاعل میں عیب ڈالتا ہے۔ مگر یہ کہ جسے خدا نے برا فرمایا ہے اس کی موافقت میں کفار کی مذمت کی جائیگی۔

اب رہی تیسری بات کہ وہ کسی کا مہمان نہ ہو اس لئے کہ روزی رساں اللہ تعالےٰ ہے اگر مخلوق کو تیری روزی کا سبب بنائے تو مخلوق کو نہ دیکھ بلکہ یہ دیکھ کہ یہ تیری روزی ہے جسے خدا نے تیرے پاس پہنچایا۔ نہ یہ کہ اس مخلوق نے روزی دی ہے۔ اگر وہ بندہ جانے کہ یہ روزی اس کی طرف سے ہے اور بایں وجہ تجھ پر احسان رکھے تو اسے قبول نہ کر۔ اس لئے روزی میں کسی کا کسی پر احسان نہیں ہے البتہ یہ کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک روزی کی غذا ہے (جسے خدا نے ان کو سبب بنایا ہے) اور معتزلہ کے نزدیک اشیاء اور مخلوق کو اللہ تعالےٰ ہی غذا کے ذریعہ پالتا ہے نہ کہ کوئی مخلوق ذریعہ و سبب مجازہے اس کی اور بھی وجوہ ہیں واللہ اعلم۔

ومنہم اور انھیں ائمۂ طریقت میں سے، معرفت ومحبت کے آسمان حضرت ابو یزید طیفور بن عیسٰے بسطامی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ تمام مشائخ میں جلیل القدر ہیں۔ ان کا حال سب میں بہت رفیع ہے اور ان کی شان بڑی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ابویزید منا بمنزلہ جبرئیل من الملائکۃ۔ صوفیائے کرام میں ابو یزید کی شان ایسی ہے جیسے فرشتوں میں جبریل کی ہے علیہ السلام۔

ان کے دادا بسطام کے رہنے والے مجوسی تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ان کی روایتوں کا مقام بہت بلند ہے تصوف میں جو دس امام مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہیں حقائق معرفت میں ان سے بڑھ کر کسی اور کو دسترس اور قوت استنباط نہیں ہے

طریقت وشریعت کے تمام علوم اور ان کے احوال کے بہت بڑے عالم اور ان سے محبت کرنے والے تھے۔ بخلاف ملحدین کا وہ مردود گروہ جو خود کو ان کی وضع وطریق کا پابند بتاتا ہے۔ ان کا ابتدائی زمانہ مجاہدہ اور تحصیل علم طریقت میں مشغول رہا۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں، عملت فی المجاھدۃ ثلثین سنۃ فما وجدت شیئا اشد علیّ من العلم ومتابعتہ ولولا اختلاف العلماء لبقیت واختلاف العلماء رحمۃ الا فی تجرید التوحید: میں نے تیس سال مجاہدے میں گزارے، علم اور اس کی متابعت سے زیادہ سخت و دشوار کوئی چیز مجھ پر نہیں تھی اگر ہر چیز میں علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں رہ جاتا اور دین حق نہ پا سکتا اختلاف علماء کا رحمت ہے مگر توحید وتجرید میں:

حقیقت یہ ہے کہ انسانی طبیعت جہل کی طرف زیادہ مائل ہے اس لئے کہ بے علم شخص جہالت میں بہت سے کام بے رنج وتعب کے کر گزرتا ہے۔ اور علم کے ساتھ ایک قدم بھی بغیر دشواری کے نہیں رکھ سکتا، شریعت کی راہ اس جہان کی راہ سے زیادہ باریک اور پرخطر ہے لہٰذا ہر حالت میں ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر احوال رفیع اور مقامات بلند سے رہ جائے تو میدان شریعت میں اتر جائے۔ اس لئے کہ اگر تجھ سے تمام چیزیں جاتی رہیں تو شریعت کے دائرہ میں تو رہے۔ کیونکہ مرید کے لئے سب سے بڑی آفت معاملات سلوک کا ترک ہے اور مدعیوں کے تمام دعوے میدان شریعت میں پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور سب اہل زبان شریعت کے مقابلہ میں برہنہ اور خالی ہو جاتے ہیں۔ خود ہی فرماتے ہیں الجنۃ لاخطر لھا عند اھل المحبۃ واھل المحبۃ محجوبون بمحبتھم: محبت والوں کے نزدیک جنت کی کوئی عزت نہیں کیونکہ اہل محبت اپنی محبت میں در پردہ ہیں یعنے جنت مخلوق ہے اگرچہ بلند عزت ہے اور اس کی محبت اس کی ایسی صفت ہے جو غیر مخلوق ہے۔ اور جو شخص غیر مخلوق سے مخلوق کی طرف رہے وہ بے قدر اور بے عزت ہوتا ہے۔ پس مخلوق دوستوں کے نزدیک عزت نہیں رکھتا اور دوست دوستی میں در پردہ ہے۔ اس لئے کہ وجود اور ہستی دوئی کو چاہتی ہے اور اصل توحید میں دوئی ناممکن ہے۔ اور دوستوں کا راستہ وحدانیت سے وحدانیت کی طرف ہے۔ اور دوستی کی راہ دوستی کی علت ہے اور آفت یہ ہے کہ مرید اللہ تعالے کی دوستی اس خیال سے کرے کہ وہ مرید ہو جائے یا مراد بن جائے۔ خواہ مرید حق ہو یا مراد بندہ، خواہ مراد حق ہو یا مرید بندہ۔ اور اگر مرید حق ہو کر مراد بندہ ہو جائے تو مراد حق میں ہستی بندہ ثابت ہو گئی۔ اور اگر مرید بندہ ہو کر مراد حق کا طالب ہو تو مخلوق کی ارادت کی وہاں گنجائش نہیں۔ ہر دو حالتوں میں یہ آفت ہے کیونکہ محبت میں ہستی کا ثبوت ہے۔ لہٰذا محب صادق وہی ہے کہ محبت کی بقاء میں پورا پورا فنا ہو جائے۔ اس لئے کہ دوست کی فنا میں محبت کی بقا ہے۔ وہ خود ہی فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ جب میں مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو صرف خانہ مفرد (یعنے خالی مکان) دیکھا میں نے گمان کیا حج مقبول نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے بکثرت پتھر میں نے دیکھے ہیں۔ اور دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو خانہ کعبہ کو بھی دیکھا اور صاحب خانہ کو بھی میں نے خیال کیا کہ ابھی حقیقت توحید سے دور ہوں۔ اور جب تیسری مرتبہ حاضر ہوا تو سب صاحب خانہ ہی کو دیکھا، گھر نظر نہ آیا۔ اس وقت ندائے غیب آئی کہ اے بایزید! اگر اپنے آپ کو نہ دیکھتا اور سارے عالم کو دیکھتا تو تو مشرک نہ ہوا اور جب تو سارے عالم کو نہ دیکھے اور اپنے آپ کو دیکھے تو مشرک ہو جائے اس وقت توبہ کی اور توبہ سے بھی میں نے توبہ کی۔ اور اپنی ہستی دیکھنے سے بھی توبہ کی۔ ان کے حال کی درستگی میں یہ حکایت لطیف ہے اور صاحب حال

احوال کے لئے عمدہ نشانی ہے ۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے ، امام فنون ، جاسوسِ ظنون حضرت ابو عبداللہ الحارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۔ یہ اصول و فروع کے عالم اور اپنے وقت کے تمام اہلِ علم کے مرجع تھے ۔ اور "رغائب" نامی ایک کتاب علمِ تصوف میں انہیں کی تصنیف ہے اس کے سوا بھی ان کی بکثرت تصانیف ہیں ۔ اور ہر فن میں بلند مرتبہ اور بزرگ ہمت تھے ، اپنے وقت کے بغداد شریف میں شیخ المشائخ تھے ۔

انھیں سے منقول ہے کہ فرمایا العلم بحرکات القلوب فی مطالعۃ الغیوب اشرف من العمل بحرکات الجوارح : دل کی حرکتوں کا علم محلِ غیب میں ، زیادہ مشرف ہے اس عمل سے جو اعضاء کی حرکتوں سے ہو ۔

اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ علم محلِ کمال ہے اور جہل محلِ طلب ۔ اور علم حضوری اس سے بہتر ہے کہ جہل کی چوکھٹ پر کھڑا رہے ۔ اس لئے کہ مرد کو علم درجۂ کمال تک پہنچاتا ہے اور جہالت تو چوکھٹ سے بھی گزرنے نہیں دیتی ۔ درحقیقت علم عمل سے افضل ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالے کو علم سے پہچان سکتے ہیں اور صرف عمل سے اُسے نہیں پا سکتے ۔ اور اگر عمل بغیر علم کے اُس تک پہنچا سکتا تو نصاریٰ اور رہبان اپنی شدید ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے وہ تو مشاہدہ میں ہوتے اور مومن و مسلمان قلتِ عمل کی بنا پر غیبوبیت میں نافرمان ہوتے ۔ معلوم ہوا کہ عمل بندہ کی صفت ہے اور علم خدا کی صفت ۔

بعض راویوں کو اس قول کے بیان میں غلطی واقع ہوگئی ہے وہ دونوں جگہ عمل کو روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں العمل بحرکات القلوب اشرف من العمل بحرکات الجوارح : اور یہ محال ہے کیونکہ بندہ کا عمل دل کی حرکات سے تعلق نہیں رکھتا اور اگر اس سے فکر اور احوالِ باطن کا مراقبہ مراد ہو تو یہ بذاتِ خود نادر ہے کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تفکر ساعۃ خیرٌ من عبادۃ ستین سنۃ : ایک گھڑی غور و فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے ۔

درحقیقت اعمالِ باطن ، اعمالِ جوارح یعنے ظاہری عمل سے افضل ہے اور احوال و اعمالِ باطنی کی تاثیر درحقیقت اعمالِ ظاہری سے مکمل و عمدہ ہے ۔ بایں وجہ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ نوم العالم عبادۃ وسہر الجاھل معصیۃ : عالم کا سونا عبادت ہے اور جاہل کا جاگنا معصیت ہے ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سونے اور جاگنے میں اس کا باطن مغلوب ہوتا ہے ، جب باطن مغلوب ہے تو تن یعنے ظاہر بھی مغلوب ہے ۔ لہٰذا غلبۂ حق سے باطن کا مغلوب ہونا اس نفس سے بہتر ہے جو مجاہدے کے ظاہری حرکات پر نفس کا غلبہ ہو ۔

حکایت

انھیں سے منقول ہے کہ ایک دن ایک درویش نے فرمایا کُنْ لِلّٰہِ وَاِلَّا فَلَا تَکُنْ خدا کے ہو کر رہو ورنہ خود نہ رہو ۔ یعنے حق کیساتھ

باقی رہو یا اپنے وجود سے فانی ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ صفائی باطن کے ساتھ خاطر جمع رہو یا فقر سے پراگندہ۔ حق کے ساتھ باقی رہو یا اپنے وجود کو فنا کر دو یا اس صفت پر رہو جو خدا نے فرمایا اسجدوا لآدم (آدم کے لئے سجدہ کرو) یا اس صفت پر رہو جو کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے هل اتیٰ علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئا مذکورا (کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا جبکہ کچھ قابل ذکر شئے نہ تھا) اگر تو اپنے اختیار سے حق کے ساتھ ہوگا تو بروز قیامت اپنی خودی کے ساتھ ہوگا اور اگر با اختیار نہ ہوگا تو قیامت میں حق کے ساتھ ہوگا، یہ معنے بہت لطیف و باریک ہیں واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے وہ امام جو لوگوں سے کنارہ کش اور حصول جاہ و مرتبت سے مستغنی یعنے حضرت ابو سلیمان داؤد ابن طائی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ اکابر مشائخ اور سادات اہل تصوف میں سے اور اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضے اللہ عنہ کے شاگرد اور حضرت فضیل و ابراہیم ادھم رحمہم اللہ کے ہم عصر تھے۔ طریقت میں حضرت حبیب راعی کے مرید تھے۔ تمام علوم میں بدرجۂ اولیٰ کمال تام رکھتے تھے، اور علم فقہ میں فقیہ الفقہاء تھے۔ گوشہ نشینی اختیار کرکے ہر جاہ و منزلت سے مستغنی تھے۔ زہد و تقویٰ کی راہ کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ ان کے بکثرت مناقب و فضائل معاملات عالم میں مشہور ہیں۔ حقائق معرفت کی کامل دسترس تھی

چنانچہ انہیں سے منقول ہے کہ اپنے مریدوں میں سے کسی مرید سے فرمایا ان اردت السلامة سلم علی الدنیا وان اردت الکرامة کبر علی الاخرة: اے فرزند اگر سلامتی چاہتے ہو تو دنیا کو غائب کرکے چھوڑ دو اور اگر بزرگی چاہتے ہو تو آخرت پر تکبیر مرگ کہو۔ ایسے یہ دونوں مقام حجاب کے ہیں۔ اور سب فراغتیں ان دونوں چیزوں میں بند ہیں۔ جو شخص تن سے فارغ ہونا چاہے اس سے کہو کہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور جو چاہے کہ دل سے فارغ ہو جائے اس سے کہو آخرت کی خواہش دل سے نکال دے۔

ان حکایتوں میں مشہور ہے کہ وہ محمد ابن حسن سے مصاحبت رکھتے تھے اور امام ابو یوسف قاضی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قریب نہ آنے دیتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا یہ دونوں بہت بڑے عالم ہیں کیا وجہ ہے ایک کو تو عزیز رکھتے ہو اور دوسرے کو قریب تک آنے نہیں دیتے؟ فرمایا وجہ یہ ہے کہ محمد بن حسن نے دنیاوی نعمت و مال بکثرت دے کر علم پڑھا ہے اور اس کا علم دین کی عزت اور دنیا کی ذلت کا موجب ہے اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے درویشی اور مسکینی دے کر علم پڑھا ہے اور اپنے علم کو عزت و منزلت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لئے محمد بن حسن ان جیسے نہیں ہیں۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا حضرت داؤد طائی کے ہم مثل کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ دنیا کو حقیر و کمتر جانتا ہو۔ کیونکہ وہ ساری دنیا اور دنیا داروں کو انتہائی ذلیل جانتے تھے اور فقراء کو چشم کمال سے دیکھتے تھے اگرچہ وہ پر آفت ہو۔ ان کے مناقب بہت ہیں واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، شیخ اہل حقائق، منقطع از جملہ علائق حضرت ابو الحسن سری بن مغلس سقطی رحمۃ اللہ علیہ

ہیں جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے۔ تصوف کے تمام علوم میں ان کی بڑی عظمت و شان تھی۔ سب سے پہلے جس نے باطنی مقامات کی ترتیب اور بسط احوال میں غور و خوض کیا ہے وہ یہی تھے۔ عراق کے بکثرت مشائخ ان کے مرید تھے انھوں نے حضرت حبیب راعی کو دیکھا ان کی مجلس میں رہے اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے تھے۔ وہ بغداد کے بازار میں سقط (کپڑا فروشی) کرتے تھے۔ جب بغداد کا یہ بازار (کسی وجہ سے) جل گیا تو لوگوں نے خبر دی کہ آپ کی دکان بھی جل گئی ہے۔ فرمایا میں اس کی فکر سے فارغ ہوگیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ ان کی دکان نہیں جلی تھی بلکہ اس کے چاروں جانب کی تمام دکانیں جل گئی تھیں۔ جب انھوں نے اپنی دکان کو سلامت دیکھا تو جو کچھ تھا سب فقراء میں تقسیم کردیا اور تصوف کی راہ اختیار کرلی۔

لوگوں نے ان سے ان کی ابتدائی حالت کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا ایک دن سیدنا حبیب راعی میری دکان کے آگے سے گزرے میں نے روٹی کا ٹکڑا انھیں دیا جو عام فقیروں کو دیا جاتا ہے انھوں نے دعا میں فرمایا خیرک اللہ (اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کی توفیق دے) جب سے میرے کانوں نے یہ دعا سنی ہے میں دنیاوی مال سے بیزار ہوگیا۔ اور اس سے نجات پانے کی کوشش کردی۔

انھیں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ اللّٰھم مھما عذبتنی بہ من شیٔ فلا تعذبنی بذل الحجاب۔ خدایا! اگر تو کسی چیز کا عذاب دینا چاہے تو مجھے حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا، اس لئے کہ جب میں محجوب نہ ہوں گا تو تیرے عذاب و بلا، تیرے ذکر و مشاہدے کے ذریعہ آسان ہوجائے گا۔ اور جب محجوب ہوں گا تو اس حجاب کی ذلت میں تیری نعمتیں مجھے ہلاک کردیں گی۔

معلوم ہوا کہ جو بلا، مشاہدہ کی حالت میں واقع ہو وہ بلا نہیں ہوتی لیکن وہ نعمت جو حجاب کی حالت میں ہو وہ بلا ہے۔ دوزخ میں حجاب سے بڑھ کر کوئی شدید و سخت اور دشوار عذاب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر دوزخ میں دوزخی اللہ تعالیٰ کے مشاہدے اور مکاشفہ میں ہوں تو ہرگز گنہگار مسلمان جنت کو یاد نہ کرتے۔ اس لئے دیدار الٰہی جانوں میں ایسی خوشی و مسرت پیدا کردیتا ہے کہ جسم پر بلا و عذاب کا ہوش ہی نہیں رکھتا۔ اور جنت میں کوئی بھی نعمت کشف و مشاہدۂ الٰہی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ کیونکہ جنت کی تمام نعمتیں اور مزید سوگنا نعمتیں حاصل ہوں اور حق تعالیٰ سے محجوب ہوں تو یہ ان کے دلوں کے لئے ہلاکت خیز ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں، محبوبوں کے دلوں کو ہر حال میں بینا رکھتا ہے تاکہ وہ تمام بشری مشقت و ریاضت کو برداشت کرسکیں۔ ایسی حالت میں یقیناً ان کی دعا یہی ہوتی ہے کہ تیرے حجاب کے مقابلہ میں ہر قسم کا عذاب پیارا ہے جب تک ہمارے دلوں پر تیرا جمال ظاہر و منکشف ہے بلا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے، سر فہرست اہل بلاد بلونی، مایۂ زہد و تقویٰ حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ صوفیائے کرام کے مقتدا و رہنما اور جملہ علوم شرعیہ کے عالم اور حقیقت و معرفت کے دانا تھے۔ ان کی تصانیف علم تصوف میں بہت ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کے مصاحب تھے، بکثرت مشائخ عظام کو دیکھا اور ان کی مجلس میں حاضر رہے۔ ان کا مقولہ

ہے کہ جعل اللہ اھل طاعتہ احیاءً فی مماتھم واھل المعاصی امواتاً فی حیوتھم ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں برداروں کو ان کی حالت مرگ میں زندہ کیا اور نافرمانوں کو ان کی زندگی میں مُردہ کیا ہے ؂

یعنے مطیع اگرچہ مردہ ہو زندہ ہے کیونکہ فرشتے اس کی طاعت پر قیامت تک آفریں کہتے رہتے ہیں۔ اور ان کا اجر و ثواب بڑھتا رہتا ہے؛ معلوم ہوا کہ وہ موت کی فنا کے بعد بھی بقا کے ساتھ باقی ہیں اور جزا لیتے رہتے ہیں ؂

مروی ہے کہ ایک بوڑھا ان کے پاس آیا اور کہا اے شیخ! میں بہت گناہ رکھتا ہوں، چاہتا ہوں کہ توبہ کروں۔ فرمایا تُو تاخیر سے آیا ہے! بوڑھے نے کہا نہیں جلدی آیا ہوں۔ فرمایا کیسے؟ کہا جو شخص مرنے سے پہلے آئے اگرچہ دیر میں آئے جلدی آتا ہے ؂

منقول ہے کہ ان کی توبہ کا ابتدائی واقعہ یہ ہے کہ ایک سال بلخ میں شدید قحط پڑا۔ لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے، تمام مسلمان غمگین تھے۔ ایک غلام کو دیکھا کہ بازار میں ہنستا اور خوشی منا رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کیوں ہنستے ہو؟ شرم نہیں آتی کہ تمام مسلمان تو غم زدہ ہیں اور تو خوشی کا اظہار کر رہا ہے! اس نے کہا مجھے کوئی غم نہیں ہے، میں اس کا بندہ ہوں جو اس شہر کا مالک ہے، اس نے میرے دل سے ہر مشغولیت کو نکال دیا ہے۔ شفیق نے فرمایا اے خدا! یہ غلام جس کا آقا ایک شہر کا مالک، وہ اس قدر خوش ہے تو تو مالک الملک ہے ہماری روزی اپنے ذمہ کرم میں لے رکھی ہے، ہم نے اتنے غم و فکر اپنے دل میں لگا رکھے ہیں؛ انھوں نے دنیاوی مشغولیتوں سے تائب ہو کر راہ حق اختیار کر لی اور کبھی روزی کا فکر و غم نہ رکھا۔ اور ہمیشہ یہ کہتے رہے میں اس غلام کا شاگرد ہوں، اور جو کچھ میں نے پایا اسی سے پایا ہے۔ ان کا یہ کہنا تواضع سے تھا۔ ان کے مناقب بہت مشہور ہیں وباللہ التوفیق ؂

ومنھم انھیں ائمہ طریقت میں سے، اپنے وقت کے شیخ، راہ حق میں یگانہ حضرت ابو سلیمان عبدالرحمٰن عطیہ درانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ صوفیاء کے محبوب اور ان کے دلوں کے پھول تھے، شدید ریاضت و مجاہدے کئے۔ علم وقت کے عالم، آفاتِ نفس اور اس کی گھاتوں کی معرفت سے باخبر تھے۔ سلوک میں ان کے لطیف اقوال ہیں۔ اور قلوب کے تحفظ اور اعضاء کی پاسداری میں عمدہ گفتگو فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اذا غلب الرجاء علی الخوف فسد الوقت۔ جب خوف پر امید غالب ہو جائے تو وقت میں خلل آ جاتا ہے ؂

اس لئے کہ وقت حال کا نگہبان ہے اور جب تک بندہ حال کی رعایت کرتا ہے تو اس کا خوف دل پر غالب رہتا ہے اور جب وہ خوف جاتا رہے تو وہ رعایت کا تارک ہو کر اپنے وقت کو خلل پذیر کر لیتا ہے۔ اگر امید پر خوف کو غالب کرے تو اس کی توحید باطل ہوتی ہے اس لئے غلبۂ خوف ناامیدی سے ہوتی ہے، اور رحمتِ تعالیٰ سے ناامید ہونا شرک ہے۔ لہٰذا توحید کا تحفظ بندہ کی امید کے صحت میں ہے اور وقت کا تحفظ اس کے خوف کے تحفظ میں۔ جب دونوں برابر ہوں گے تو توحید اور وقت دونوں محفوظ رہیں گے۔ بندہ توحید کی حفاظت سے مومن ہوتا ہے اور وقت کی حفاظت سے مطیع۔ اور امید کا تعلق خاص مشاہدے سے ہے کہ اس میں مکمل اعتماد و بھروسہ ہے۔ اور خوف کا تعلق خاص مجاہدے سے ہے کہ اس میں مکمل اضطراب و پریشانی ہے۔ اور مشاہدہ مجاہدے کی میراث ہے۔ اور یہ وہ مراد ہے کہ سب امیدیں ناامیدی سے ظاہر ہوتی

ہیں جو شخص اپنے عمل کے سبب اپنی نجات سے ناامید ہو، تو ایسی ناامیدی اسے حق تعالٰے کی جانب سے نجات اور فلاح کا مژدہ دے گی اور اسے راہ دکھائے گی اور خوشی کے دروازے کھول کر اس کے دل کو طبعی آفتوں سے محفوظ کر دے گی۔ اور تمام اسرار ربانی اس پر منکشف ہو جائیں گے۔

احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات تنہائی میں نماز پڑھی۔ مجھے اس میں بہت راحت و قرار حاصل ہوا اس کا تذکرہ دوسرے دن ابوسلیمان سے کیا، فرمایا تو ابھی کمزور ہے، کیونکہ ابھی تک تیرے دل میں لوگوں کا خیال موجود ہے کہ خلوت میں تیری اور حالت ہوتی ہے اور ظاہر میں کچھ اور۔ حالانکہ دونوں حالتوں میں کچھ فرق نہ ہونا چاہیئے تاکہ بندہ کو حق تعالٰے سے روک اور حجاب کا موجب نہ بنے۔ جب دلہا کا مجمع عام میں جلوہ کرایا جاتا ہے تاکہ ہر خاص و عام اسے دیکھے، اس نمائش میں دولہا کی عزت افزائی ہوتی ہے یہی حال عارف باللہ کا ہے) لیکن (عارف باللہ کو) یہ مناسب نہیں کہ اپنے مقصود حقیقی کے سوا کسی اور طرف نظر ڈالے۔ کیونکہ غیر کی طرف نظر اٹھانا اس کی ذلت کا موجب ہے۔ اگر ساری مخلوق ہم طبع (عارف باللہ) کی اطاعت کی کیفیت کو دیکھے تو اس (عارف باللہ) کی عزت میں فرق نہیں آتا۔ لیکن اگر وہ (عارف) اپنی عزت کی طرف نظر ڈالے اور اپنے وجود کو دیکھنے لگے تو وہ ہلاک ہو جائیگا عیاذاً باللہ منہا،

ومنہم انھیں ائمہ طریقت میں سے متعلق درگاہ رضا، پروردۂ سیدنا علی بن موسےٰ الرضا رضی اللہ عنہ) ابوالمحفوظ حضرت معروف بن فیروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ متقدمین سادات مشائخ کرام میں سے تھے اور جوانمردی و انکساری میں مشہور و معروف اور تقویٰ و پرہیزگاری میں زبان زد تھے۔ اس لحاظ سے تو ان کا تذکرہ پہلے آنا چاہیئے تھا لیکن ایسے دو گزشتہ بزرگوں کی موافقت کی وجہ سے مؤخر کیا جن میں سے ایک تو صاحب نقل ہیں اور دوسرے صاحب تصرف۔ چنانچہ گزشتہ ان دو بزرگوں میں سے ایک حضرت شیخ مبارک ابوعبدالرحمٰن سلمی ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ اور دوسرے استاد ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہما ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب کے شروع میں ان کا ذکر اسی نہج پر کیا ہے۔ میں نے بھی ویسا ہی تذکرہ برقرار رکھا۔ اس لئے کہ وہ سری سقطی کے استاد اور حضرت داؤد طائی کے مرید تھے (رحمہم اللہ) یہ ابتدا میں غیر مسلم تھے سیدنا امام علی بن موسےٰ رضا رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر اسلام لائے۔ آپ کے نزدیک بہت پیارے اور عزیز تھے، آپ نے ان کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ ان کے مناقب و فضائل فنون علم میں بکثرت ہیں صوفیائے کرام کے یہ راہنما و مقتدا تھے۔ انھیں سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں۔ للفتیان ثلث علامات وفاءٌ بلا خلاف ومدحٌ بلا جود وعطاءٌ بلا سوالٍ۔ جوانمردوں کی تین علامتیں ہیں، وفا بدون خلاف، تعریف بلا حصول بخشش اور عطا بغیر سوال کے

لیکن وفا بدون خلاف یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی میں مخالفت احکام اور معصیت فرمان الٰہی کو اپنے اوپر حرام کر دے۔ اور تعریف بلا حصول بخشش یہ ہے کہ جس کسی کی نیکی نہ دیکھی ہو پھر بھی اس کی تعریف کرے۔ اور عطا بغیر سوال کے یہ ہے کہ جب مال ہو تو اس کے دینے میں کوتاہی نہ کرے جب اسے کسی کا حال معلوم ہو جائے تو اسے سوال کرنے کی ذلت کا موقع نہ دے۔ یہ اخلاق ہر مخلوق کے لئے ہے مگر لوگ ان خوبیوں سے بیگانے ہیں۔ یہ تینوں صفتیں حق تعالٰے کی ہیں، وہ اپنے بندوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے، اس لئے کہ اس کی یہ صفات حقیقی

ہیں اللہ تعالیٰ وفا میں دوستوں کے ساتھ خلاف نہیں کرتا خواہ وہ وفا کرنے میں کتنے ہی خلاف کریں۔ اس کی بجائے وہ لطف و مہربانی ہی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وفا کی علامت یہ ہے کہ وہ ازل میں اپنے بندہ اس کو ان کے صدور کے سبب سے پہلے یاد فرماتا ہے۔ اور آج دنیا میں ان کے افعالِ بد کے باوجود انہیں نظر انداز نہیں کرتا اور ... سوچتے کیف کا ... دیتا ہے اور ... اس کے سوا کوئی کر سکتا ہی نہیں۔ کیونکہ وہ کسی بندے کے فعل ... وجود اس کے بندہ ... مدد ... پر اس کی تعریف کرتا ہے۔ یہی حال عطائے بے سوال کا ہے اس کے سوا کوئی ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ کریم ہے اور ہر ایک کے حال کا واقف و علیم ہے۔ اور ہر ایک کی ضرورت و مقصد کو بغیر سوال کے پورا فرماتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اکرام و اعزاز دینا چاہتا ہے تو وہ اسے بزرگی دیتا اور اپنے قربِ خاص سے نوازتا ہے۔ اور ان کے ساتھ یہ نسبتِ خلیلی برتتا ہے۔ اور جو بندہ اپنی استطاعت کی حد تک لوگوں کے ساتھ ان اخلاق سے سلوک کرتا ہے (اصطلاحِ تصوف میں) اسے جوانمرد کہتے ہیں اور جوانمردوں کی فہرست میں اس کا نام لکھا جاتا ہے

یہ تینوں صفتیں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ میں بکمال موجود تھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت اس کے اپنے مقام میں بیان کروں گا۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے زین عباد، جمال اوتاد ابو عبد الرحمٰن حاتم بن عنوان الاصم رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بلخ کے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے اور خراسان کے مشائخ متقدمین سے۔ یہ حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور احمد خضرویہ کے استاد تھے۔ ابتدائے عمر سے کر آخر تک صدق کے خلاف کبھی قدم نہ رکھا۔ یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق زماننا حاتم الاصم یعنے حاتم اصم ہمارے زمانہ کے صدیق ہیں۔

رویت ... آفاتِ نفس اور رعونتِ طبع کے دقائق میں ان کا کلام بہت بلند ہے۔ اور علم تصوف میں آپ کی بکثرت تصانیف ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ الشہوۃ ثلاثۃ شہوۃ فی الاکل وشہوۃ فی الکلام وشہوۃ فی النظر فاحفظ الاکل بالثقۃ واللسان بالصدق والنظر بالعبرۃ؛ تین قسم کی شہوتیں ہیں ایک شہوت کھانے کی ہے، دوسری شہوت گفتگو کی ہے اور تیسری شہوت نظر یعنے آنکھ کی ہے۔ لہٰذا ان کی حفاظت کرو اپنی خوراک کا خدا پر بھروسہ رکھو اور زبان سچ بولے اور آنکھ عبرت پکڑے۔

لہٰذا جس نے خوراک میں توکل کیا درحقیقت وہ کھانے کی شہوت سے محفوظ رہا اور جس نے زبان کو صدق کا خوگر بنا لیا وہ زبان کی شہوت سے بچ گیا اور جس نے آنکھ سے درست کام لیا وہ نظر کی شہوت سے باز رہا۔ توکل کی اصل حقیقت سچ جاننے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب ہر چیز کو اسی سے جانے گا اور اللہ تعالیٰ کی روزی رسانی پر یقین و اعتماد اور بھروسہ رکھے گا تو اپنے کلام کو عبادت کے ساتھ مشغول رکھے گا اور اپنی نظر کو اس کی معرفت و راستی پر رکھے گا۔ اس وقت بندہ جو کھائے گا پیئے گا وہ دوستی کے ساتھ ہی ہوگا۔ جو بولے گا وہ بھلائی کے ساتھ بولے گا۔ جب اسے سچا کہے گا تو اس کا ذکر کرے گا۔ اور جب سچ دیکھے گا تو اسی کو دیکھے گا۔ اس لئے کہ اس کے دیئے ہوئے کو اس کی

اجازت کے بغیر کھانا حلال نہیں اور اس کے ذکر کے سواء زبان پر کسی اور کا ذکر لانا راستی نہیں، اور اس کے جمال و جلال کے سواء موجودات پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ جب اس سے لے کر اس کی اجازت سے کھائے گا تو اب اس کی اپنی شہوت و خواہش سے نہ ہوگا لیکن جب اپنی خواہش و شہوت سے کھائے گا اگرچہ شئے حلال ہو تو یہ شہوت ہے، اور جب اپنی خواہش سے بولے گا اگرچہ اسی کا ذکر ہو تو یہ جھوٹ اور شہوت ہے اور جب اپنی خواہش سے دیکھے گا اگرچہ وہ صفات الٰہی کے استدلال میں ہو تو وہ وبال و شہوت ہے واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، امام مطلبی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت ابو عبد اللہ بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے بزرگوں میں سے اور تمام علوم کے مشہور و معروف امام ہیں۔ جوانمردی و پارسائی میں فضائل مشہور اور کلام بلند ہے۔ جب تک مدینہ منورہ میں رہے امام مالک رضی اللہ عنہ کی شاگردی میں رہے۔ اور جب عراق تشریف لائے تو امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے۔ اور ان کی طبیعت ہمیشہ گوشہ نشینی کی طرف مائل رہی اور طریقت کی تحقیقات میں مشغول رہتے یہاں تک کہ ایک جماعت ان کے گرد جمع ہوگئی اور ان کی اقتدا کرنے لگی حضرت احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ بھی انہیں میں سے ہیں اسی وقت طلب جاہ اور پرورش امامت میں ہو گئے اس کے بعد وہ اس سے باز آ گئے۔ یہ اپنی ہر حالت میں پسندیدہ خصائل کے حامل رہے، ابتدائے احوال میں صوفیاء کے زمرہ میں رہے ہیں مگر ان کے دل میں سختی رہی اور جب حضرت شیبان راعی کو دیکھا اور ان کی صحبت اختیار کی، اس کے بعد جہاں کہیں بھی رہے طالب صادق رہے۔ انہیں کا مقولہ ہے کہ اذا رأیت العالم یشتغل بالرخص فلن یجیئ منہ شیئ: جب تم ایسے عالم کو دیکھو جو رخصت و تاویلات میں مشغول ہے تو ہرگز اس سے کچھ حاصل نہ کر سکو گے۔

مطلب یہ کہ علماء ہمیشہ ہر قسم کے ہیں لیکن کسی کو یہ جائز نہیں ان سے آگے بڑھ کر قدم رکھے خواہ کسی معنے میں ہو۔ راہ حق بجز احتیاط اور مجاہدہ میں مبالغہ کرنے کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور علم میں رخصت یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس میں تخفیف اور مجاہدہ سے فرار ہو۔ اور اپنے لئے تخفیف کی روش پسند کرے۔ لہٰذا رخصت کی جستجو عوام کا درجہ ہے تاکہ شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکل جائے۔ اور مجاہدہ کرنا خواص کا درجہ ہے۔ تاکہ اس سے پھل پائیں۔ اور علماء تو خواص کے زمرہ میں ہیں۔ اور جب خواص ہی عوام کے درجہ پر راضی رہیں اور اس کو اختیار کرلیں تو ان سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے سواء ایک یہ بھی بات ہے کہ رخصت کی جستجو کرنے میں فرمان الٰہی کو ہلکا جاننا ہے۔ اور علماء اللہ تعالےٰ کے دوست ہیں۔ کوئی دوست اپنے دوست کے فرمان کو ہلکا نہیں جان سکتا۔ اور عوام کے درجہ کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ احتیاط کرتے ہیں۔

حکایت

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور کی ایک روایت مجھے پہنچی ہے کہ زمین میں اللہ تعالےٰ کے اوتاد، اولیاء اور ابرار ہیں۔ حضور نے فرمایا اس راوی نے میری یہ حدیث تم تک صحیح

پہنچائی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ کو مجھے ان میں سے کسی کو دکھایا جائے۔ فرمایا محمد بن ادریس ان میں سے ایک ہیں۔ اس کے سوا بھی ان کے مناقب بکثرت ہیں ۔

ومنہم انہیں اہل طریقت میں سے، شیخ سنت، قاہر بدعت حضرت ابو محمد احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ ورع، تقویٰ اور حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے حافظ ہونے میں مخصوص ہیں۔ تمام مشائخ طریقت اور علماء شریعت ان کو مبارک جانتے ہیں۔ انھوں نے بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت پائی ہے مثلاً حضرت ذوالنون مصری، بشر حافی، سری سقطی، معروف کرخی وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ یہ ظاہر الکرامت اور صحیح الفراست تھے۔ آج کچھ مشتبہ لوگ اپنے آپ کو ان سے متعلق ظاہر کرتے ہیں وہ مفتری اور جھوٹے ہیں۔ وہ ان سب سے ترک و بری ہیں۔ اصول دین اور مذہب میں ان کا وہی اعتقاد ہے جو تمام علماء کے نزدیک مختار ہے۔ جب بغداد میں معتزلہ کا غلبہ و تسلط ہوا تو وہ کہنے لگے کہ ان کو اتنی تکلیف دینی چاہئے کہ وہ قرآن کو مخلوق کہنے پر مجبور ہو جائیں۔ باوجودیکہ آپ بوڑھے اور کمزور تھے ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے کھینچ لیا اور باندھ لیا، پھر ایک ہزار کوڑے ان کے جسم پر مارے گئے۔ تاکہ وہ قرآن کو مخلوق کہہ دیں مگر آپ نے ہرگز یہ کہنا گوارا نہ فرمایا۔ اس دوران آپ کا ازار بند کھل گیا۔ چونکہ آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے ایک غیبی ہاتھ ظاہر ہوا اور آپ کے ازار بند کو باندھ دیا۔ انھوں نے جب یہ آپ کی حقانیت کی دلیل دیکھی تو آپ کو چھوڑ دیا۔ انہیں کوڑوں کے زخموں کے درمیان فرمان حق آگیا یعنے آپ کا وصال ہوا) اس آخری وقت میں ایک گروہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اس قوم کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے آپ کو کوڑے مارے؟ فرمایا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ انھوں نے خدا کی راہ میں اس گمان پر مارے ہیں کہ (معاذ اللہ) میں باطل پر ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ میں محض اپنے زخمی ہونے پر قیامت کے دن ان سے جھگڑا نہیں کروں گا ۔

طریقت و سلوک میں آپ کا کلام بہت ارفع ہے۔ ان سے جو بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا۔ اگر سلوک و طریقت میں سوال تو جواب عنایت فرما دیتے اور اگر حقائق و معرفت میں ہوتا تو حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیتے ۔

چنانچہ ان سے منقول ہے کہ ایک دن کسی نے آکر دریافت کیا ما الاخلاص؟ (اخلاص کیا ہے؟) قال (فرمایا) الاخلاص ھو الخلاص من آفات الاعمال۔ اخلاص یہ ہے کہ اعمال کی آفتوں سے محفوظ رہے ۔

مطلب یہ کہ تیرا عمل بے ریا و سمع ہو اور بے آفت رسیدہ ہو۔ پھر سوال کیا ما التوکل؟ (توکل کیا ہے؟) قال (فرمایا) الثقۃ باللہ روزی رسانی میں اللہ تعالےٰ پر مکمل اعتماد و بھروسہ رکھنا۔ پھر سوال کیا ما الرضا (رضا کیا ہے؟) فرمایا تسلیم الامور الی اللہ، اللہ تعالےٰ کی طرف اپنے معاملہ کو تفویض کر دینا۔ پھر سوال کیا ما المحبۃ؟ (محبت کیا ہے؟) فرمایا یہ حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو جب تک وہ زندہ ہیں میں اس کا جواب نہ دوں گا ۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی معتزلہ کی طعن و تشنیع اور ان کے ظلم و ستم میں گزری۔ اور بعد وفات مشتبہ لوگوں کے اتہام

وافتراء میں۔ یہاں تک کہ اہلِ سنت و جماعت ان کے احوال پر کما حقہ واقف نہ ہو سکے۔ عدمِ واقفیت کی وجہ سے ان پر اتہام لکھنے لگے حالانکہ وہ اس سے بری ہیں۔ واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، سراجِ وقت متحمل آفات حضرت ابوالحسن احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان کا کلام طریقت اور روایات صحیحہ احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام علوم و فنون اور ان کے اشارات میں بلند و لطیف ہے۔ ان علوم میں وقت کے علماء ان سے رجوع کرتے تھے۔ یہ حضرت ابو سلیمان کے مرید اور حضرت سفیان بن عیینہ اور مروان بن معاویہ القاری رحمۃ اللہ علیہم کے صحبت یافتہ تھے۔ ہر ادب میں آپ نے ہر ایک سے استفادہ کیا۔ ان کا مقولہ ہے کہ الدنیا مزبلۃ ومجمع الکلاب واقل من الکلاب من عکف علیہا فان الکلب یاخذ منہا حاجتہ وینصرف والمحب لہا لایزول عنہا ولا یترکہا بحال۔ دنیا ایک گندگی کا ڈھیر ہے اور یہ کتوں کی جگہ ہے۔ سب سے کم کتا وہ ہے جو اس پر بھروسہ کرے اور اس کی چوکھٹ پر بیٹھ جائے کیونکہ کتا اسی سے اپنی ضرورت پوری کرتا اور چلا جاتا ہے اور جو محب صادق ہے اور وہ کبھی خدا سے دور نہیں ہوتا اور نہ اسے چھوڑتا ہے۔

جوانمرد کے لئے دنیا بہت ذلیل جگہ ہے کیونکہ دنیا نجاست کی جگہ کی مانند ہے اور دنیا والوں کو کتوں سے کمتر سمجھتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کتا جب مزبلہ سے اپنی خوراک لے لیتا ہے تو وہ وہاں سے چلا جاتا ہے لیکن دنیا دار دنیا کی چوکھٹ پر جم جاتا اور اس سے محبت کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ وہ وہاں سے نہیں جاتا۔ ان کا یہ فرمان اس امر کی علامت ہے کہ وہ دنیا داروں سے جدا رہتے اور اہلِ دنیا سے کنارہ کش رہتے تھے۔ اہلِ طریقت کے لئے دنیا سے آزردہ رہنا ان کے لئے موجب مسرت اور جائے گلزار ہے۔ انھوں نے پہلے تحصیل علم کیا اور درجۂ امامت تک پہنچے اس کے بعد اپنی کتابوں کو اٹھا کر دریا برد کر دیا۔ اور فرمایا نعم الدلیل انت واما الاشتغال بالدلیل بعد الوصول الی المدلول محال، تیری ذات کتنی بہتر دلیل ہے مدلول کے حاصل ہونے کے بعد دلیل میں ہی مشغول رہنا محال ہے کیونکہ دلیل تو اس وقت تک ہے جب تک کہ سالک و مرید حصولِ مقصد کی راہ میں ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وصلت فقد فصلت (یعنے مجھے وصول الی اللہ حاصل ہو گیا پس اب اس سے جدا ہو گیا) جب پہنچنا ہی باز رہنا ہے تو اب مشغولِ راہ ہونا محض مشغولیت ہے اب فراغت ہی فراغت ہے۔ فراغت و شغل میں اصول کا حصول ایک نسبت سے ہے۔ کیونکہ یہ دونوں بندہ کی صفتیں ہیں۔ اور فصل و وصل اور عنایتِ حق اور اس کا ارادۂ ازلی یہ بندہ کے لئے خیر خواہی ہے۔ جو بندہ کے شغل و فراغت سے حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے وصول کو اصول نہیں اور دائمی قرب و مجاورت کا اتحاد روا نہیں۔ کیونکہ اس کا وصل بندہ کی کرامت و عزت افزائی ہے اور اس سے جدائیگی اس کی اہانت و تذلیل ہے۔ اس کے صفات کا تغیر جائز نہیں ہے۔

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کا ارشاد

میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس بزرگ و شیخ کا لفظ وصول سے مراد وصول راہ حق ہو۔ اس لئے کہ کتابوں میں راہِ حق اس کی ایک عبارت ہے۔ کیونکہ جب راہ واضح ہو گئی تو عبارت منقطع ہوئی اس لئے کہ عبارت کی اب چنداں حاجت نہیں رہی۔ عبارات کی تو اس وقت تک ضرورت رہتی ہے جب تک کہ مقصود مخفی ہو۔ جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو عبارت کی احتیاج مفقود ہو گئی جب معرفت کی صحت میں زبانیں گنگ ہیں۔ تو کتابوں کی عبارتیں بدرجۂ اولیٰ ضائع ہیں۔ ان کے سواء دیگر بعض مشائخ کرام نے بھی اسی طرح کتابوں کو ضائع کیا ہے۔ جیسے شیخ المشائخ ابو سعید فضل اللہ بن محمد المہینی وغیرہ کہ انھوں نے بھی اپنی کتابوں کو دریا برد کیا ہے۔ اور کچھ ایسے بھی نقلی و رسمی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جہالت کے باوجود ان آزاد حضرات کی تقلید کی ہے بلاشبہ یقیناً ان مقدس آزاد بزرگوں نے انقطاع علائق، ترکِ التفات اور ماسوا اللہ سے دل کو فارغ کر کے کمال حاصل کیا۔ ان کی یہ کیفیت سکر کی حالت کی ہے۔ مبتدی اور نادان بچے کو ایسا نہ چاہیئے اس لئے کہ متمکن یعنے مقام رفیع پر پہنچنے والے کو جب دونوں جہان حجاب نہیں کرتے تو کاغذ کا ٹکڑا بھی حجاب نہیں کرتا جب دل علائق سے جدا ہو گیا تو کاغذ کے ٹکڑے کی کیا قیمت ہے۔ لیکن کتاب دھونے کا جو مقولہ ہے اس سے ان کی مراد تحقیق معنے سے عبارت کی نفی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ لہٰذا سب سے بہتر وہ ہے کہ عبارت کو زبان سے ادا نہ کیا جائے اس لئے کہ جو کتاب میں مکتوب ہے اور جو عبارت زبان پر جاری ہے، یہ عبارت اُس عبارت سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلبۂ حال میں کسی کو سننے کے قابل نہ پایا اور اپنے حال کی وضاحت و تشریح کاغذوں پر تحریر فرمائی۔ جب بہت جمع ہو گئے اور کسی کو اس کا اہل نہ پایا تو اس کو منتشر کرنے کے لئے دریا برد کر دیا۔ اور فرمایا نعم الدلیل انت الخ لیکن ان کا یہ فرمانا کہ جب تجھے مراد حاصل ہو جائے تو پھر تیرا مشغول ہونا محال ہے تو یہ قول بھی محتمل ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ان کے پاس بہت کتابیں جمع ہو گئی ہوں اور وہ اوراد و معاملات سے باز رکھتی ہوں اور انھیں مشغول رکھتی ہوں تو اس شغل کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور دل کی فراغت چاہی ہو تاکہ عبارت کو چھوڑ کر اس کے معنے کی طرف رجوع ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب ونعوذ باللہ من السفہ ؁

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، سرفہرست جوانمرداں، آفتاب خراساں، ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ حال کی بلندی اور وقت کی بزرگی میں مخصوص ہیں۔ اپنے زمانہ میں اہلِ طریقت کے مقتداء اور خواص و عوام کے محبوب تھے، ملامت کی روش پسند کرتے اور فوجیوں کی مانند کپڑے پہنتے تھے۔ اور فاطمہ جو آپ کی بیوی تھیں طریقت میں ان کا عظیم مرتبہ تھا وہ بلخ کے حاکم کی دختر تھیں۔ جب انہیں توبہ کی توفیق میسر ہوئی تو کسی کو احمد بن خضرویہ کے پاس بھیجا کہ وہ اپنا پیام میرے والد کو بھیجیں۔ لیکن انھوں نے اسے منظور نہ کیا۔ دوبارہ پھر کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ اے احمد میں تجھے اس سے زیادہ مرد جانتی تھی کہ تو ایک عورت کا راہِ حق میں راہبر بنے

نہ کہ تو راہزن ہو۔ چنانچہ احمد نے کسی کو بھیجا اور اسے اس کے والد سے مانگا اس کے والد نے اسے بطور تبرک ان کے حوالہ کر دی۔ فاطمہ نے دنیاوی مشاغل ترک کر کے احمد کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جس وقت احمد حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے گئے تو فاطمہ نے ان کی موافقت کی۔ جب بایزید رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے پہنچی تو چہرہ سے نقاب اٹھا کر گستاخانہ کلام شروع کر دیا۔ احمد نے اس حرکت پر بہت تعجب کیا ان کے دل پر اس کی غیرت چھائی، فرمایا اے فاطمہ! یہ کیسی گستاخی ہے؟ جو تم بایزید کے ساتھ پیش آ رہی ہو مجھے معلوم ہونا چاہئے! فاطمہ نے کہا اس لئے کہ تم میری طبیعت کے محرم ہو، اور بایزید میری طریقت کے محرم ہیں۔ میں تم سے اپنی خواہش سے رسم و راہ رکھتی ہوں اور ان سے خدا کے لئے۔ (یعنے تم میرے نفس کی خواہش پوری کرتے ہو اور یہ مجھے خدا سے ملاتے ہیں) احمد نے کہا اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ میری صحبت سے بے نیاز ہے اور تو میرے ساتھ حاجتمند ہے۔ وہ حضرت بایزید کے ساتھ ہمیشہ شوخ چشم (گستاخ) رہی، یہاں تک کہ ایک دن بایزید نے جب آنکھ اٹھائی تو اس کے ہاتھوں کو حنا میں رنگ آلود دیکھا، فرمایا تم نے اپنے ہاتھوں میں مہندی کیوں لگائی ہے، فاطمہ نے کہا اے بایزید! جب تک تم نے میرے ہاتھوں اور ان کی مہندی کو نہ دیکھا تھا تو مجھے تم سے خوشی تھی۔ اب جبکہ تم نے مجھ پر نظر اٹھائی، تو اب تمہاری صحبت مجھ پر حرام ہو گئی۔ پھر وہاں سے چل کر نیشاپور آ کر قیام کیا، نیشاپور کے مشائخ اور عام لوگ احمد سے بہت خوش ہوئے

جب حضرت یحیٰی بن معاذ رازی نیشاپور آئے اور وہ وہاں سے بلخ جانے کا قصد کر بیٹھے تو احمد نے چاہا کہ ان کی دعوت کریں انھوں نے فاطمہ سے مشورہ لیا کہ یحیٰی کی دعوت میں کیا ہونا چاہئے؟ فاطمہ نے کہا بہت سی گائے بھیڑیں، ضروری چیزیں مصالحہ، کچھ موم بتیاں، اور عطر و خوشی کے علاوہ بیس گدھے بھی درکار ہیں تاکہ انھیں ذبح کریں۔ احمد نے کہا گدھوں کو ذبح کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کہا جب کوئی کریم کسی کریم کے گھر مہمان ہوتا ہے تو محلے کے کتوں کو بھی اس کی خبر ہو جاتی ہے۔

حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ من اراد ان ینظر الی الرجل من الرجال مختو تحت لباس النسوان فلینظر الیٰ فاطمہ رضی اللہ عنہا یعنے جو خواہش رکھے کہ مردانِ خدا کے کسی مرد کو عورت کے لباس میں دیکھے تو اُسے فاطمہ کو دیکھنا چاہئے۔

حضرت ابو حفص حداد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لولا احمد ابن خضرویہ ماظهرت الفتوت، اگر احمد بن خضرویہ نہ ہوتے تو جواں مردی اور مروت ظاہر نہ ہوتی۔

ان کا کلام بلند اور انفاس مہذب ہے اور طریقت و آداب طریقت کے ہر فن میں تصانیف مشہور ہیں اور حقائق میں ان کے نکتے معروف ہیں خود ہی فرماتے ہیں الطریق واضح والحق لائح والراعی قد اسمع فما التحیر بعد ھا الامن العمٰی: راہ ظاہر، حق آشکارا اور نگہبان خوب سننے والا ہے پھر اس مقام میں متحیر و پریشان رہنا بجز اندھے پن کے کچھ نہیں۔

مطلب یہ کہ راہ کی تلاش غلطی ہے کیونکہ راہِ حق جب مثل آفتاب تاباں ہے تو تو اپنے آپ کو ڈھونڈتا ہے کہ کہاں ہے جب تو نے پا لیا تو تو راہ پر آ گیا کیونکہ حق اس سے زیادہ ظاہر ہے کہ طالب جستجو میں کاوش کرے۔ خود ہی فرماتے ہیں اُستر عز فقرک عن الخلق

اپنے فقر کی عزت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھو، یعنے لوگوں سے نہ کہو کہ میں درویش ہوں تاکہ تمہارا بھید کھل نہ جائے۔ اس لئے یہ اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی بزرگی اور انعام ہے ،

خود ہی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درویش نے ماہِ رمضان میں کسی مالدار کی دعوت کی حالانکہ اس کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی وہ بھی سوکھی ہوئی۔ جب مالدار واپس ہوا تو اشرفیوں کی ایک تھیلی بھجوائی۔ اُس نے اُس تھیلی کو اُسی کے ہاتھ واپس کرکے کہلوایا یہ اس کی سزا ہے جو اپنے بھید کو اپنے جیسوں پر کھولتا ہے۔ یا غنی کو فقر کی عزت دی۔ یہ ان کے فقر کے صداقت کی دلیل ہے واللہ اعلم ،

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، امام متوکلاں، برگزیدۂ اہل زماں ابوتراب عسکر بن الحسین نخشبی النسفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ خراسان کے بزرگترین سادات مشائخ اور مشہور جواں مردوں میں سے تھے ان کا زہد و تقوےٰ معروف تھا، بکثرت کرامات اور بیشمار عجائب رکھتے تھے جو کہ جنگل اور ہر جگہ دیکھے گئے تھے۔ صوفیاء اور سالکوں میں بہت دانشور تھے۔ جنگلوں میں تنہا رہتے تھے۔ ان کی وفات بھی بصرہ کے جنگل میں ہوئی۔ چند سالوں کے بعد جب ایک جماعت کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو ان کو رو بقبلہ کھڑے ہوئے مردہ پایا۔ جسم سوکھ چکا تھا، لوٹا آگے رکھا ہوا اور عصا ہاتھ میں تھا۔ اور کوئی درندہ تک اُن کے پاس نہیں پہنچا اور کسی کے پاؤں کا نشان تک نہ تھا۔ ان کا مقولہ ہے کہ الفقیر قوتہ ما وجد ولباسہ ما ستر ومسکنہ حیث نزل ، درویش کی غذا وہی ہے جو مل جائے۔ اس کا لباس وہی جو پہن لے اور اس کا مکان وہی ہے جہاں ٹھہر جائے ،

مطلب یہ کہ غذا میں اس کی اپنی کوئی پسندیدگی نہ ہو اور لباس میں بھی اس کا اپنا کوئی تصرف نہ ہو اور مکان بھی وہی ہو جہاں وہ ٹھہر جائے کوئی خاص مکان و ٹھکانا نہ بنائے۔ اس لئے کہ ان تینوں باتوں میں تصرف کرنا مشغولیت ہے سارے جہان کی بلائیں انھیں تینوں چیزوں میں ہیں۔ جبکہ اس میں تکلف کریں۔ یہ بات از روئے معاملہ ہے لیکن از روئے تحقیق درویش کی غذا وجد ہے اور اس کا لباس تقوےٰ ہے اور اس کا مسکن غیب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقیناھم ماءً غدقا، اگر وہ طریقت پر استقامت رکھیں تو یقیناً ہم انھیں ستھرا پانی پلائیں ،

اور فرمانِ الٰہی ہے وریشاً ولباس التقوی ذالک الخیر: زینت اور تقوےٰ کا لباس یہی بہتر ہے ،

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ الفقر وطن الغیب (فقیر کا وطن غیب ہے) معلوم ہوا کہ درویش کا کھانا پینا شرابِ قربت اور اس کا لباس تقوےٰ و مجاہدہ اور اس کا وطن غیب و انتظارِ وصل ہے تو طریقت کی راہ واضح اور اس کا معاملہ روشن ہے۔ یہی کمال کا درجہ ہے ،

ومنہم انھیں ائمہ طریقت میں سے تہذیب و وفا کی زبان، ولایت و طریقت کی زینت ابوزکریا یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا حال بلند، نیک خصلت اور حقیقت میں حق تعالےٰ کی امید پر پورے ثابت قدم تھے۔ چنانچہ حضرمی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ

نے دو یحییٰ پیدا فرمائے ہیں، ایک نبیوں میں سے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام۔ دوسرے ولیوں میں یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام خوف الٰہی کی راہ پر اس طرح گامزن رہے کہ تمام مدعیانِ خوف نجات سے ناامید ہو گئے۔ اور یحییٰ بن معاذ حق تعالیٰ کی امید پر ایسے قائم رہے کہ تمام مدعیانِ امید ہاتھ باندھے رہ گئے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا حال تو معلوم ہے لیکن یحییٰ بن معاذ کا حال کس طرح معلوم ہوا؟ فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان میں قطعاً جہالت نہ تھی۔ اور ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوا۔ اور معاملاتِ طریقت اور اس کے مجاہدے میں اتنے کامل تھے کہ کوئی دوسرا ایسی طاقت نہیں رکھتا۔ کسی دوست نے ان سے دریافت کیا کہ اے شیخ! آپ کا مقام تو مقامِ رجا یعنے امید ہے اور آپ کا سلوک خائفوں کا سا ہے؟ فرمایا سن اے فرزند! بندگی کو چھوڑنا گمراہی ہے اور خوف و رجا ایمان کے دو ستون ہیں۔ یہ محال ہے کہ کوئی اپنے مجاہدے میں کسی ایمان کے رکن کو گمراہی میں ڈالے۔ خائف اپنے خوف کے دور کرنے کے لئے عبادت کرتا ہے، اور امیدوار اپنے وصالِ الٰہی کی امید میں۔ جب تک عبادت موجود نہ ہو، نہ خوف درست ہے نہ رجا۔ اور جب عبادت حاصل ہو تو یہ خوف و رجا سب کا سب عبادت بن جاتا ہے، اور جہاں محض عبادت ہو ایسی عبادت کچھ سود مند نہیں ہوتی۔ ان کی تصانیف بکثرت اور نکتے و اشارات انوکھے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد اس وقت جو شخص صوفیاء کرام میں سے منبر پر تھا وہ یہی تھے۔ میں ان کی باتوں کو بہت پسند و محبوب رکھتا ہوں جو کہ طبیعت میں نرم اور سننے میں شیریں و لذیذ ہیں اور اصل میں دقیق اور عبارت میں مفید ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ الدنیا دار الاشغال والاٰخرۃ دار الاھوال ولا یزال العبد بین الاشغال والاھوال حتّٰی یستقر بہ القرار اما الی الجنۃ واما الی النار۔ دُنیا مشغولیت کی جگہ اور آخرت خوف کی جگہ ہے اور بندہ ہمیشہ مشغولیت اور خوف و رجا کے درمیان ہے یہاں تک کہ جس پر بھی اسے قرار ہو جائے خواہ جنت میں آرام پائے یا جہنم میں رہے۔

مقامِ مسرت میں وہ دل ہے جو شغل سے بچے اور آخرت کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے۔ اور دونوں جہان سے توجہ ہٹا کر حق تعالیٰ سے واصل ہو۔

ان کا مذہب یہ تھا کہ وہ تونگری کو مفلسی پر ترجیح دیتے تھے اور جب شہر رے میں ان پر قرضہ زیادہ ہو گیا تو خراسان چلے گئے۔ جب بلخ پہنچے تو لوگوں نے ان کو وہاں روک لیا تاکہ کچھ عرصہ انھیں وعظ و نصیحت فرمائیں۔ وہاں کے لوگوں نے ان کو ایک لاکھ اشرفیاں نذر کیں۔ جب انھوں نے شہر رے کی طرف واپسی کا قصد کیا تو ڈاکوؤں نے چھاپا مار کر ان کی تمام نقدی لوٹ لی۔ پھر وہ خالی ہاتھ نیشاپور آ گئے، وہیں انھوں نے وفات پائی۔ وہ ہر حال میں صاحبِ عزت اور لوگوں میں وجیہ و باوقار تھے۔ واللہ اعلم۔

ومنہم انھیں ائمۂ طریقت میں سے خراسان کے شیخ المشائخ، زمین و زمان کے نادر حضرت ابو حفص عمر بن سالم نیشاپوری حدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو صوفیائے کرام کے بزرگ و سردار تھے اور تمام مشائخ کے ممدوح۔ ابو عبداللہ ابیوردی کے صحبت یافتہ اور

احمد خضرویہ کے رفیق تھے۔ شجاع بادشاہ کرمان سے ان کی زیارت کے لئے آیا۔ اور وہ بغداد میں مشائخ کرام کی زیارتیں کر رہے تھے۔ عربی زبان سے واقف نہ تھے۔ جب وہ بغداد پہنچے تو ان کے مریدوں نے باہم کہا کہ یہ تو بڑے عیب کی بات ہوگی کہ خراسان کے شیخ المشائخ کے لئے ترجمان کی ضرورت ہو۔ جب مسجد شونیزیہ میں پہنچے تو سب کو بلایا ان سے فصیح عربی میں گفتگو فرمائی۔ یہاں تک کہ ان کی فصاحت سے وہ دنگ ہو کر رہ گئے۔ انھوں نے دریافت کیا ما الفتوۃ، جواں مردی کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا باری باری ہر ایک تم میں سے پہلے اپنا اپنا نظریہ بیان کرے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الفتوۃ عندی ترك الرؤیۃ و اسقاط النسبۃ یعنی میرے نزدیک جواں مردی یہ ہے کہ جو عمل کرے اُسے نہ تو خود دیکھے اور نہ اپنی طرف نسبت کرے کہ یہ میں نے کیا ہے۔ حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ما احسن ما قال الشیخ ولکن الفتوۃ عندی اداء الانصاف و ترك مطالبۃ الانصاف یعنی شیخ نے جو کچھ فرمایا بہت ہی عمدہ ہے لیکن میرے نزدیک جواں مردی یہ ہے کہ انصاف دے کر اس کا مطالبہ نہ کرے۔ حضرت جنید نے فرمایا قوموا یا اصحابنا فقد زاد ابوحفص علی آدم و ذریتہ یعنی اے میرے ساتھیو! اُٹھو یا شبہ ابوحفص نے آدم اور ان کی اولاد پر سبقت فرمائی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ابتدائی توبہ کا حال یہ تھا کہ ایک لونڈی پر یہ فریفتہ ہو گئے تھے، لوگوں نے انھیں بتایا کہ نیشاپور کے شہر میں ایک یہودی جادوگر ہے اس کا وہ علاج و مداوا کر سکتا ہے۔ ابوحفص اس کے پاس پہنچے۔ اس سے اپنا حال بیان کیا یہودی نے کہا اے ابوحفص تمھیں چالیس دن نماز چھوڑنی ہوگی اور اس دوران کوئی ذکر خدا، عمل خیر اور کوئی نیک خیال زبان و دل پر نہ لانا ہوگا۔ تاکہ میں افسوں کروں اور تمھاری مراد بر آئے۔ چنانچہ چالیس دن گزر گئے یہودی نے طلسم اور افسوں کیا مگر ان کی مراد پوری نہ ہوئی یہودی نے کہا یقیناً تجھ سے کوئی نیک بات ہوئی ہے سوچ کر بتاؤ۔ ابوحفص نے کہا میں نے کوئی نیکی نہیں کی اور نہ کوئی ظاہر و باطن میں عمل خیر کیا البتہ ایک دن کا ذکر ہے کہ راستہ میں ایک پتھر پڑا دیکھا اُسے اس خیال سے پاؤں سے ہٹا دیا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگ جائے یہودی نے کہا بڑے حیف ہے کہ تو نے چالیس دن تک اس کے حکم کی نافرمانی کی اور اسے ضائع کیا۔ مگر خدا نے تیری اتنی سی تکلیف بھی دور نہ کی۔ اس پر ابوحفص نے توبہ کی اور اسی وقت یہودی بھی مسلمان ہو گیا۔

ابوحفص آہنگری کا پیشہ کرتے تھے جب بیاورد پہنچے تو ابوعبداللہ باوردی سے ملاقات کی انھوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب وہ نیشاپور واپس آئے تو ایک دن بازار میں ایک اندھے کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا وہ اپنی دکان پر بیٹھے اس کو سننے لگے اس میں انھیں اتنی محویت ہوئی کہ اپنے آپ میں نہ رہے اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالا اور بغیر آلہ (یعنی چمٹہ کے) لوہے کو بھٹی سے نکال لیا۔ جب شاگردوں نے استاد کی یہ محویت دیکھی تو ان کے ہوش اُڑ گئے۔

جب ابوحفص کی محویت ختم ہوئی تو اس پیشہ اور کسب معاش سے ہاتھ اٹھا لیا پھر وہ دکان پر نہ آئے، انھیں کا مقولہ ہے کہ ترکت العمل ثم رجعت الیہ ثم ترکنی العمل فلم ارجع الیہ: میں نے دستکاری چھوڑی پھر اس طرف لگا کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد

پھر میں نے اس طرف رجوع نہ کیا۔

اس لئے کہ جو چیز بندے کو ہنر، دستکاری اور تکلف سے حاصل ہو اس کا ترک اس کے کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ تمام اکتسابات (یعنے اعمال و ہنر) آفتوں کے محل ہیں، قابلِ قدر، لائق اعتناء تو وہ ہے جو بلا تکلف غیب سے آئے۔ اور جس جگہ بھی بندہ کا دخل و اختیار ہو وہاں اس سے حقیقت کے لطائف زائل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا بندہ پر کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کا از خود اختیار نہیں ہے کیونکہ عطا اور زوال اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اور اسی کی تقدیر سے ہے۔ جب عطا ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے لینا ہوتا ہے اور جب زوال ہو تو اسی کی طرف سے ترک ہے۔ جب ایسی حالت ہو جائے تو اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ کیونکہ اخذ و ترک کا قیام اسی کی طرف سے ہے۔ نہ یہ کہ بندہ اپنی کوشش سے نفع اور دفع کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر مرید ہزار برس قبولِ حق کی کوشش کرے تو ایسا نہ ہوگا کہ حق تعالےٰ ایک لمحہ کو قبولیت کا شرف بخش دے اس لئے کہ حق تعالےٰ کی قبولیت تو ازل سے مقرر ہے۔ اور دائمی مسرت پہلے سے ہی سعادت میں شامل ہے۔ بندہ کے لئے تو اپنے خلوص میں بجز اخلاص کے کوئی راہ بھی باقی نہیں گئی۔ لہٰذا وہی بندہ صاحب عزت ہے جو اپنے اسباب کو اپنی طرف سے مسبب الاسباب (حق تعالےٰ) کو سونپ دے۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، ملامتیوں کے سرخیل، گرفتار بلا میں سلامت حضرت ابو صالح حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار رحمۃ اللہ علیہ ہیں متقدمین مشائخ میں سے متورع اور علم فقہ میں بدرجۂ اتم عالم تھے۔ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے پیروکار، وہ طریقت میں ابوتراب نخشبی کے مرید تھے۔ وہ علی نصر آبادی کے خاندان سے تھے۔ سلوک کے ہر معاملہ میں ان کے رموز ہیں۔ اور ان کا کلام مجاہدات کے سب قسموں میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ ان کی شانِ علم بہت بلند تھی اس لئے نیشاپور کے تمام بزرگ آکر عرض کرتے کہ آپ کو منبر پر ہونا چاہیئے اور لوگوں کو نصیحت کرنی چاہیئے تاکہ آپ کی بات کا دلوں پر اثر ہو۔ آپ جواب میں فرماتے یہ مجھے جائز نہیں۔ لوگ کہتے کیوں؟ فرماتے اس لئے کہ ابھی میرا دل دنیا اور حصولِ مرتبت کا خواہاں ہے اس حال میں میرا وعظ کرنا سود مند نہ ہوگا۔ اور نہ دلوں پر اثر پذیر ہوگا۔ جو بات دلوں میں اثر نہ کرے اس میں علم کا استخفاف اور شریعت کا استہزاء ہے حالانکہ وعظ کرنا اس پر واجب ہے جس کی خاموشی دین میں خلل انداز ہو جب کہے تو خلل دُور ہو جائے۔ لوگوں نے دریافت کیا ہمارے وعظ کے مقابلہ میں اسلاف کا وعظ کس وجہ سے دلوں پر زیادہ نفع بخش تھا فرمایا لانہم تکلموا لعزالاسلام ونجات النفوس ورضاء الرحمٰن ونحن نتکلم لعزالنفس وطلب الدنیا وقبول الخلق۔ اس لئے کہ اسلاف اسلام کی عزت و برتری، لوگوں کی نجات اور اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے وعظ فرماتے تھے اور ہم اپنی ذات کی عزت، دُنیا طلبی اور لوگوں میں مقبول ہونے کے لئے وعظ کرتے ہیں۔

لہٰذا جو بھی مقصد حق کی موافقت میں بات کہتا ہے اور حق کہتا ہے اس میں ایسا دبدبہ اور غلبہ ہوتا ہے کہ شریر لوگوں پر بھی اثر کرتا ہے۔ اور جو اپنے مقصد کے لئے بات کرتا ہے اس میں رسوائی اور ذلت ہوتی ہے لوگوں کو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسے کہنے سے نہ کہنا

بہتر ہے۔ اس لئے اس میں مراد نہیں ہوتی وہ حقانیت سے خالی اور بیگانہ ہوتی ہے۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے شیخ با وقار، مشرب خواطر و اسرار، حضرت ابو الحسن یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ از روئے درجہ و مرتبہ مشائخ کبار میں سے تھے۔ خراسان کے بزرگوں میں سے مقبول اہل خراسان تھے۔ وعظ و نصیحت میں حسن کلام، ملکہ رکھتے تھے ہر فن علم میں لوگوں کو وعظ فرماتے تھے اور درایت و روایات، در احکام و معاملات کے عالم تھے۔ بعض صوفیاء تو حد سے زیادہ ان کے بارے میں مبالغہ کرتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ سبحان من جعل قلوب العارفین اوعیۃ الذکر وقلوب الزاھدین اوعیۃ التوکل وقلوب المتوکلین اوعیۃ الرضاء وقلوب الفقراء اوعیۃ القناعۃ وقلوب اھل الدنیا اوعیۃ الطمع۔ پاک ہے وہ خدا کہ جس نے عارفوں کے دلوں کو ذکر کی جگہ اور زاہدوں کے دلوں کو توکل کی جگہ اور توکل کرنے والوں کے دلوں کو رضا کی جگہ اور درویشوں کے دلوں کو قناعت کا محل اور دنیاداروں کے دلوں کو حرص و طمع کا مقام بنایا۔

اس میں یہ نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عضو اور حس پیدا فرمائی ہے اس میں اسی قسم کی حس و قوت رکھی ہے۔ چنانچہ ہاتھوں کو پکڑنے کا آلہ، پاؤں کو چلنے کی قوت، آنکھوں کو نظر کا مقام، کانوں کو سننے کا محل اور زبان کو بولنے اور کلام کرنے کی جگہ پیدا فرمائی۔ ان کی پیدائش اور ظہور میں کوئی زیادہ اختلاف نہ تھا۔ لیکن پھر جب دلوں کو پیدا فرمایا تو ہر دل کی مراد مختلف، ارادہ مختلف اور اس کی خواہش گوناگون پیدا فرمایا۔ کسی دل کو معرفت کی جگہ، کسی دل کو گمراہی کا مقام، کسی دل کو قناعت کی جگہ اور کسی دل کو محل طمع وغیرہ بنایا۔ حق تعالیٰ نے دل سے بڑھ کر کوئی چیز نرالی پیدا نہ فرمائی۔ انہیں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ الناس رجلان عارف بنفسہ فشغلہ فی المجاھدات والریاضۃ وعارف بربہ وشغلہ بخدمتہ وعبادتہ ومرضاتہ: لوگ دو قسم کے ہیں یا خود عارف ہوں گے یا حق تعالیٰ کے۔ وہ جو بخود عارف ہیں ان کا شغل ریاضت و مجاہدہ ہے اور جو بحق عارف ہیں ان کا شغل خدمت، عبادت اور طلب رضا ہے۔

لہٰذا جو عارف نفس ہیں ان کا خیال عبادت اور ریاضت کی طرف ہوتا ہے اور جو عارف رب ہیں ان کا خیال عبادت و ریاضت کی طرف نہیں ہوتا وہ عبادت کرتے ہیں تاکہ درجہ و مقام حاصل کریں۔ اور یہ عبادت کرتے ہیں کہ خود سب کچھ ہو جائیں فشتان ما بین الرتبتین (دونوں مرتبوں میں بڑا بُعد ہے) ایک بندہ مجاہدہ میں قائم ہے اور دوسرا مشاہدہ میں واللہ اعلم۔

ان کا یہ بھی مقولہ ہے کہ الناس رجلان مفتقر الی اللہ فھو فی اعلی الدرجات علی لسان الشریعۃ والاخر لا یری الافتقار لما علم من فراغ اللہ من الخلق والرزق والاجل والحیاۃ والسعادۃ والشقاوۃ وھو فی افتقارہ الیہ و استغنائہ بہ عن غیرہ: دو قسم کے لوگ ہیں ایک خدا کی طرف محتاج تو ان کا درجہ شریعت کی ظاہری زبان میں بہت اونچا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اپنی نیازمندی کو دیکھتا ہی نہیں اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہی ہر مخلوق کے رزق، موت و حیات، نیک بختی و بدبختی کو لکھ رکھا ہے وہ اپنی خدا سے نیازمندی میں خالص اور غیروں سے بے پرواہ ہے۔

لہٰذا یہ گروہ جو نیاز مندی کی شان میں تقدیر دیکھنے کی وجہ سے رویت احتیاج میں محجوب ہیں۔ اور وہ گروہ جو اپنی نیاز مندی کی رویت کو چھوڑے ہوئے ہیں وہ اپنی نیاز مندی کی رویت میں مکاشفہ در استغناء میں ہیں۔ پس ایک نعمت کے ساتھ ہے دوسرا نعمت دینے والے منعم کے ساتھ۔ لیکن وہ جو نعمت کے ساتھ نعمت کی رویت میں ہیں اگرچہ وہ غنی ہے مگر دراصل فقیر ہے۔ اور وہ جو نعمت دینے والے منعم کے ساتھ اس کی رویت و مشاہدہ میں ہیں اگرچہ وہ فقیر ہیں مگر دراصل وہ غنی ہیں ؛

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے ، ممدوح اولیاء ، قدوۂ اہلِ رضا ابو عبداللہ احمد بن عاصم انطاکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ خاصانِ خدا ، سردارانِ صوفیاء میں سے تھے۔ اور علوم شریعت و طریقت اور اس کے فروع و اصول کے عالم تھے۔ طویل عمر پائی اور متقدمین مشائخ کی صحبت میں رہے اور تبع تابعین کا زمانہ پایا تھا۔ بشر اور سری کے ہم زمانہ اور حارث محاسبی کے مرید تھے۔ حضرت فضیل کو دیکھا اور ان کی صحبت میں رہے۔ اور ہر ایک نے ان کی تعریف کی ہے۔ علم طریقت اور اس کے فنون میں ان کا کلام بلند اور لطائف دل پسند ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انفع الفقر ما کنت بہ متجملا و بہ راضیا : نافع ترین درویشی وہ ہے جس میں تم جمال والے اور اس کے ساتھ راضی ہو ؛

یعنے ساری خلق کے نزدیک تو جمال یہ ہے کہ وہ تمام اسباب کا مالک ہو، اور جمالِ درویشی یہ ہے کہ اسباب کی نفی اور اثبات و مسبب اور اس سے رغبت نہ ہو۔ خدا کے احکام سے راضی ہو۔ اس لئے کہ درویشی ، سبب کے عدم موجودگی اور تونگری ، سبب کی موجودگی کا نام ہے۔ درویش بے سبب کے حق کے ساتھ ہوتا ہے اور تونگر سبب کے ساتھ اپنے لئے۔ معلوم ہوا کہ سبب محلِ حجاب ہے۔ اور ترک سبب محلِ کشف۔ اور دونوں جہان میں جمال کشف و رضا میں ہے۔ سارے جہان کی سختی حجاب میں ہے۔ یہ بیان تونگری پر درویشی کی فضیلت میں واضح اور ظاہر ہے واللہ اعلم ؛

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے ، سالکِ طریق ورع و تقویٰ ، امت میں مشابہ زہد حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو مشائخ میں ہر حال میں زاہد و متورع تھے۔ احادیث میں ان کی روایتیں بلند مرتبہ ہیں، فقہ اور سلوک و حقیقت میں ، امام ثوری کے مذہب کے پابند اور ان کے اصحاب کو دیکھنے والے ۔ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔ ان کا کلام سلوک و طریقت میں پر مغز ہے۔ چنانچہ ان سے منقول ہے کہ من اراد ان یکون حیا فی حیوتہ فلا یسکن الطمع فی قلبہ : جو چاہے کہ زندگی میں زندہ دل رہے وہ اپنے دل میں طمع کو جگہ نہ دے ؛

یہاں تک کہ کھانے سے بھی بے نیاز ہو جائے۔ اس لئے کہ طامع شخص اپنی حرص میں مردہ ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دل میں طمع مثل دل پر مہر لگنے کے ہے۔ یقیناً مہر شدہ دل مردہ ہوتا ہے۔ عمدہ و بہتر وہ دل ہے جو ما سوی اللہ سے مردہ اور حق تعالےٰ کے ساتھ زندہ ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے دل کو عزت والا اور ذلت والا پیدا فرمایا اور اپنے ذکر سے دل کو عزت بخشا اور طمع سے دل کو ذلیل فرماتا ہے چنانچہ فرماتے

زین خلق اللہ تعالیٰ القلوب مساکن الذکر فصارت مساکن الشہوات من القلوب الاجوف مزعج او شوق مقلق:
اللہ تعالیٰ نے دلوں کو ذکر کا مقام بنایا پھر جب وہ نفس کی پیروی کرتے ہیں تو خواہشات کی جگہ بن جاتی ہے شہوات سے دلوں کی پاکیزگی یا تو بے قرار کرنے والے خوف سے یا بے آرام کرنے والے شوق سے ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ خوف اور شوق ایمان کے دو ستون ہیں جبکہ دل ایمان کی جگہ ہے تو اس کے لائق ذکر و قناعت ہے نہ کہ طمع و غفلت لہٰذا مومن کا دل طماع اور خواہشات کا پیروکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ طمع و شہوت موجب وحشت ہے اس سے دل پریشان ہوتا ہے اور ایمان سے بے خبر بنا دیتا ہے اس لئے کہ ایمان کو حق سے انس اور ماسوی اللہ سے وحشت ہے۔ چنانچہ فرمایا الطماع مستوحش منہ کل واحد؛ یعنے طمع کرنے والے سے ہر ایک ڈرتا اور پریشان ہوتا ہے۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے طریقت کے شیخ المشائخ، شریعت کے امام الائمہ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو علماء ظاہر اور ارباب قلوب میں مقبول تھے۔ فنون علم میں کامل، سلوک و معاملات کے اصول و فروع میں امام ومفتی تھے۔ امام ثوری کے مصاحب تھے۔ ان کا کلام بلند پایہ اور احوال کامل تھے یہاں تک کہ تمام اہل طریقت ان کی امامت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اور کسی مدعی و متصرف کا ان پر اعتراض نہیں ہے۔ حضرت سری سقطی کے بھانجے اور مرید تھے۔ ایک بار حضرت سری سقطی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا کسی مرید کا اپنے پیر سے زیادہ بلند درجہ ہے؟ فرمایا ہاں! اس کا ثبوت ظاہر ہے کہ حضرت جنید کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے حالانکہ ان کا یہ فرمان از روئے تواضع تھا۔ جو کچھ انھوں نے فرمایا بصیرت سے فرمایا لیکن کوئی اوپر کا درجہ نہیں دیکھتا۔ کیونکہ دیدار تحت تعلق ہے اور ان کا فرمان دلیل واضح ہے کہ انھوں نے حضرت جنید کو اپنے سے بلند درجہ پر دیکھا۔ جب دیکھا اگرچہ بلندی میں دیکھا تو وہ تحت میں ہے چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سری رحمہ اللہ کی حیات میں مریدوں نے حضرت جنید رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اے شیخ! ہمیں کوئی ایسی بات بتائیے جس سے ہمارے دل کو سکون و راحت ہو تو انھوں نے قبول نہ کیا اور فرمایا جب تک میرے شیخ اپنے مقام پر ہیں میں کوئی بات نہ سکھاؤں گا۔ یہاں تک کہ ایک رات خواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا حضور نے فرمایا اے جنید! لوگوں کو بات کیوں نہیں سکھاتے، تاکہ اللہ تعالےٰ تمہاری باتوں کے ذریعہ ایک عالم کو نجات عنایت فرمائے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے دل کا یہ تصور تھا کہ وہ خیال کر رہے تھے میرا درجہ میرے شیخ سری کے درجہ میں پیوست ہو گیا ہے اور مجھے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے امر دعوت و تبلیغ فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سری سقطی نے ایک مرید کو بھیجا کہ جب جنید نماز فجر کا سلام پھیر لیں تو ان سے کہنا کہ تم نے مریدوں کے کہنے سے تعلیم و تبلیغ نہ کی اور نہ مشائخ بغداد کی سفارش قبول کی سب کی درخواستوں کو رد کرتے رہے۔ میرا پیغام بھی پہنچا جب بھی تبلیغ شروع نہ کی اب تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہو چکا ہے اب تو حکم بجا لاؤ!

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے جانا کہ میرا شیخ میرے دل کے اسرار سے بخوبی واقف ہے اور وہ میرے ہر ظاہری و باطنی حالت سے

باخبر ہے۔ ان کا درجہ میرے درجہ سے بلند ہے کیونکہ وہ میرے اسرار سے بھی مطلع ہیں۔ اور میں ان کی حالت سے بے خبر ہوں۔ پھر شیخ کے دربار میں حاضر ہؤا اور توبہ و استغفار کی۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کو کیسے معلوم ہؤا کہ میں نے خواب میں حضور کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا میں نے خواب میں رب العزۃ جل وعلا کو دیکھا اُس نے مجھے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو وعظ کریں تاکہ بغداد کے لوگوں کی مراد ان سے حاصل ہو۔

اس حکایت میں روشن دلیل ہے کہ مرشدین جس حالت میں بھی ہوں وہ مریدین کی ہر حالت سے باخبر ہوتے ہیں۔ ان کا کلام بلند اور پرمغز ولطیف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کلام الانبیاء نبأ عن الحضور و کلام الصدیقین اشارات عن المشاھدۃ۔ نبیوں کا کلام حضورِ حق کی خبر دیتا ہے اور صدیقوں کا کلام مشاہدہ کا اشارہ کرتا ہے۔

خبر کی صحت نظر سے اور مشاہدہ کی فکر سے ہوتی ہے۔ خبر عین ذات کو دیکھے بغیر نہیں دی جا سکتی اور اشارہ غیر کے سوا نہیں ہوتا۔ پس صدیق کا جو کمال اور انتہا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے حالات کی ابتداء ہے۔ نبی اور ولی کے درمیان فرق اور ان کی فضیلت جو نبیوں کو اولیاء پر ہے واضح وظاہر ہے۔ بخلاف ملاحدہ کے ان دو گروہوں کے جو فضیلت میں انبیاء کو مؤخر کہتے اور اولیاء کو مقدم کہتے ہیں۔

آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک وقت خواہش پیدا ہوئی کہ ابلیس شیطان کو دیکھوں۔ ایک دن مسجد کے در میں کھڑا تھا دور سے ایک بوڑھا آتا ہؤا نظر پڑا۔ جب اس کا چہرہ میرے سامنے آیا اور میں نے اُسے دیکھا تو میرے دل میں وحشت نے اثر کیا جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے کہا اے بوڑھے! تو کون ہے؟ کہ وحشت سے میری آنکھیں تجھے دیکھ نہیں سکتیں اور ہیبت سے تیرے خیال کی دل میں طاقت نہیں پاتا۔ اُس نے کہا میں وہی (ابلیس) ہوں جس کے دیکھنے کی تم نے خواہش کی تھی۔ میں نے کہا اے ملعون! حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے باز رکھا؟ شیطان نے کہا اے جنید! تمھارا کیا خیال ہے کہ میں غیر خدا کو سجدہ کروں؟

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں اس کی بات سے متحیر ہو گیا اتنے میں غیب سے ندا آئی کہ قل له کذبت لو کنت عبداً مأموراً لما خرجت من امرہ ونهیه فسمع النداء من قلبی فصاح وقال احرقتنی بالله وغاب: اسے کہہ! اس سے کہو کہ تو جھوٹا ہے اگر تو فرماں بردار بندہ ہوتا تو تو اس کے حکم اور اس کی ممانعت سے باہر نہ نکلتا اُس نے میرے دل سے اس آواز کو سُنا تو چیخا اور کہا خدا کی قسم تو نے جلا دیا اور غائب ہو گیا۔

یہ حکایت ان کی حفاظت و عصمت کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ اپنے اولیاء کی نگہداشت فرماتا ہے اور ہر حال میں شیطان کے فریب سے محفوظ رکھتا ہے۔

ان کا ایک مرید کچھ آزردہ دل ہؤا اور گمان کیا کہ وہ کس درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ مُونھ موڑ کر چلا گیا۔ پھر ایک دن بایں خیال آیا کہ

وہ ان کا تجربہ کرے۔ حالانکہ آپ اپنی بزرگی سے اس کا مقصد ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اس نے آپ سے سوال کیا، حضرت جنید نے فرمایا اس کا جواب لفظوں میں چاہتا ہے یا معنٰے میں؟ اس نے کہا دونوں میں۔ فرمایا اگر لفظوں میں چاہتا ہے تو اگر تو نے اپنا تجربہ کر لیا ہے تو میرے تجربہ کی تجھے احتیاج نہیں۔ حالانکہ تو یہاں تجربہ کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور اگر معنوی چاہتا ہے تو تجھے میں اسی وقت ولایت سے معزول کرتا ہوں تو اسی وقت اس مرید کا چہرہ کالا ہو گیا اور کہنے لگا کہ یقین کی راحت میرے دل سے جاتی رہی اور استغفار میں مشغول ہو گیا۔ اور فضول باتوں سے توبہ کرنے لگا۔

اس وقت حضرت جنید نے اس سے فرمایا اے تو نہیں جانتا کہ اولیاء اللہ اسرار کے والی اور حاکم ہیں۔ تو ان کے زخم کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر آپ نے دم کیا پھر وہ اپنی مراد کو دوبارہ پہنچا اور اس نے مشائخ کے بارے میں عیب چینی سے توبہ کر لی ۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، طریقت کے شیخ المشائخ، شریعت کے امام الائمہ، بادشاہ اہل تصوف، بری از آفت تکلف حضرت ابوالحسن احمد بن محمد خراسانی نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو معاملات میں عمدہ، کلمات میں خاہر تر اور مجاہدات میں واضح تر تھے۔ ان کا اپنا خاص مذہب تصوف میں ہے۔ صوفیاء کی جماعت ان کو نوری کہتی اور ان کی اقتداء و پیروی کرتی ہے۔ صوفیوں کے بارہ گروہ ہیں جن میں سے دو مردود ہیں اور دس مقبول۔ اور ان مقبول گروہوں میں سے ایک گروہ محاسبیوں کا ہے اور دوسرا گروہ قصاریوں کا، تیسرا گروہ طیفوریوں کا، چوتھا گروہ جنیدیوں کا، پانچواں گروہ نوریوں کا، چھٹا گروہ سہیلیوں کا، ساتواں گروہ حکیمیوں کا، آٹھواں گروہ خرازیوں کا، نواں گروہ خفیفیوں کا دسواں گروہ سیاریوں کا ہے۔ یہ سب کے سب محقق اور اہل سنت وجماعت ہیں لیکن وہ دو گروہ جو مردود ہیں ان میں سے ایک حلولیوں کا ہے جو حلول اور امتزاج کے ساتھ منسوب ہیں۔ اور سالمی اور مشبہہ ان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور دوسرا حلاجیوں کا ہے جو ترک شریعت کے قائل ہیں انھوں نے الحاد کی راہ اختیار کر کے ملحد بن گئے۔ اباحتی اور فارسی ان سے متعلق ہیں۔ اس کتاب میں اپنی جگہ ہر ایک کو جدا جدا بیان کروں گا اور ان کا اختلاف بھی۔ اور اس دو گروہ کے خلافیات بھی بیان کروں گا تاکہ پورا پورا فائدہ حاصل ہو انشاء اللہ تعالیٰ ۔

لیکن نوری طریق ترک مداہنت، جواں مردی کی رفعت اور دائمی مجاہدے میں قابل تعریف ہے۔ انہیں سے منقول ہے کہ میں حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں صدر میں بیٹھا دیکھا میں نے کہا یا ابا القاسم غششتہم فصدروک ونصحتہم فرمونی بالحجارۃ اے ابوالقاسم! تم نے انہیں حق ظاہر نہ کیا تو انھوں نے تم کو صدر نشین کر دیا اور میں نے ان کو نصیحت کی تو انھوں نے مجھے پتھر مارے ،

اس لئے کہ مداہنت کو خواہشات کے ساتھ موافقت ہے اور نصیحت کو مخالفت ہے اور آدمی اس کا دشمن ہوتا ہے جو اس کی خواہش کے مخالف ہو۔ اور اس کا دوست ہوتا ہے جو اس کے موافق ہو۔ حالانکہ حضرت ابوالحسن نوری حضرت جنید کے رفیق اور حضرت سری سقطی (مرشد جنید) کے مرید تھے۔ انھوں نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا اور ان کی صحبت پائی ہے اور احمد بن ابی الحواری سے بھی ملاقات کی ہے۔ طریقت و تصوف میں ان کے اشارات لطیف اور پسندیدہ اقوال ہیں اور فنون علم میں ان کے نکتے بلند ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ الجمع بالحق تفرقۃ عن غیرہ و التفرقۃ من غیرہ جمع بالحق: حق کے ساتھ جمع ہونا اس کے غیر سے جدائی ہے اور اس کے غیر سے جدائی حق کے ساتھ جمع ہونا ہے ۔

مطلب یہ کہ ہر وہ شخص جو حق تعالیٰ کے ساتھ واصل ہے وہ ما سوی اللہ سے جدا ہے۔ وہ اسی کے ساتھ مجتمع ہے معلوم ہوا کہ حق سے واصل ہونا لوگوں کے ذکر سے منقطع کی ہے۔ جب مخلوقات سے اعراض درست ہے تو حق تعالیٰ کے ساتھ وصال درست ہوگا۔ اور حق تعالیٰ کے ساتھ وصال درست ہے تو خلق کے ساتھ اعراض درست ہوگا۔ کیونکہ الضدان لا یجتمعان دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

حکایت

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے تین شبانہ روز اپنے گھر میں کھڑے ہو کر شور و غل مچایا لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر حال بتایا تو آپ فوراً تشریف لائے اور فرمایا اے ابوالحسن! اگر تم جانتے ہو کہ اس شور و غل میں کوئی بھلائی ہے تو بتاؤ میں بھی شور و غل کروں؟ اور اگر تم جانتے ہو کہ اس شور و غل میں کوئی فائدہ نہیں ہے تو دل کو رضائے الٰہی کے حوالہ کرنا چاہیے تاکہ تمہارا دل خوش و خرم ہو۔ چنانچہ نوری اس سے باز آگئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم! آپ کیسے اچھے ہمارے استاد و راہنما ہیں۔ انھیں کا ارشاد ہے کہ اعز الاشیاء فی زماننا شیئان عالم یعمل بعلمہ وعارف ینطق عن الحقیقۃ۔ ہمارے زمانہ میں دو چیزیں بہت پیاری ہیں ایک وہ عالم جو اپنے علم سے کام لے دوسرا وہ عارف جو حقیقت کو بیان کرے۔

مطلب یہ کہ ہمارے زمانہ میں علم و معرفت دونوں عزیز ہیں اس لیے کہ علم پر عمل کے بغیر خود نادانی ہے اور معرفت بغیر حقیقت کے ناشناسی ہے۔ اس بزرگ نے اپنے زمانہ کی نشانی و علامت بیان فرمائی ہے ورنہ وہ ہر زمانہ میں اور ہر وقت میں تنہا عزیز ہوتے ہیں اور آج بھی عزیز ہیں اور جو شخص عالم اور عارف کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگا وہ اپنے حال میں پریشان ہوگا اور انہیں نہ پا سکے گا وہ اپنی ذات میں تلاش کرے تاکہ سارا جہان عالم و عارف نظر آئے۔ اور اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کردے تاکہ سارے جہان کو عارف دیکھے۔ کیونکہ عالم و عارف بہت پیارا اور عزیز ہوتا ہے اور عزیز و محبوب دشواری سے حاصل ہوتا ہے۔ جس چیز کا ادراک دشوار ہو اس کے حاصل کرنے میں وقت کی ضیاعت ہے۔ خود اپنے میں علم و معرفت کو حاصل کرنا چاہیے۔ اور خود میں علم و حقیقت پیدا کرنا چاہیے۔ انھیں کا ارشاد ہے من علم الاشیاء باللہ فرجوعہ فی کل شیء الی اللہ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی چیزوں کو جانے اور اسے پہچانے تو ایسے عارف کا مرجع ہر شے میں اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے اس لئے کہ ملک اور ملک کا قیام مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا تسکین خاطر پیدا کرنے والے کو دیکھنے سے ہوتی ہے نہ کہ پیدا شدہ اشیاء کے دیکھنے سے۔ کیونکہ اگر اشیاء کو افعال کی علت جانے تو غم و فکر میں مبتلا ہو جائے گا اور کسی شئے کی طرف اس کا متوجہ ہونا شرک ہوگا۔ اگر اشیاء کو فعل کا سبب جانے تو سبب از خود قائم نہیں ہوتا کیونکہ وہ مسبب کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جب مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہو گیا تو وہ شغل سے نجات پا گیا۔ واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے پیشوائے سلف، یادگار صلحاء حضرت ابو عثمان سعید بن اسمٰعیل حیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو متقدمین

کے بزرگترین صوفیا میں سے اپنے زمانہ میں منفرد تھے اولیاء کے دلوں میں ان کی منزلت بہت ہے۔ ابتدا میں یحییٰ بن معاذ کی صحبت میں رہے۔ پھر شاہ شجاع کرمانی کی عرصہ تک صحبت اختیار کی۔ پھر ان کے ساتھ ابوحفص کی زیارت کے لئے نیشاپور آئے۔ اور ان کی صحبت میں رہ گئے اور تمام عمر ان کی صحبت میں گزار دی۔

حکایت

معتبر راوی بیان کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ بچپن ہی سے میرا دل حقیقت کی طلب میں لگا ہوا تھا اور اہل ظاہر سے میرا دل متنفر تھا اور میرا دل جانتا تھا کہ عام لوگ جس ظاہری تربیتی حالت میں ہیں جیسا اس کے سوا بھی کوئی بات ضرور ہے۔ یہاں تک کہ میں بالغ ہو گیا ایک دن میں یحییٰ بن معاذ کی مجلس میں پہنچا تو میں نے وہاں باطنی حقیقت اور مقصود کو پایا میں نے ان کی صحبت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ ایک جماعت شاہ شجاع کرمانی کے پاس سے آئی اس کی باتیں لوگوں نے سنائیں تو میرا دل ان کی زیارت کے لئے مائل ہو گیا اور مقام رجا سے کرمان کا عزم کیا میں نے جستجو کی کہ کسی طرح شاہ کی صحبت میسر آ جائے۔ انھوں نے اجازت نہ دی اور فرمایا تم مقام رجا کے پروردہ اور صحبت یافتہ ہو کیونکہ حضرت یحییٰ کی صحبت میں رہے ہو وہ مقام رجا پر نازل ہیں اور جسے مشرب رجا مل جائے وہ طریقت پر گامزن نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ رجا کی تقلید سے کاہلی اور سستی آتی ہے۔ میں نے بہت منت سماجت کی اور بہت دن وہیں پڑا رہا پھر کہیں جا کر اجازت ملی ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہا، وہ ایک روز کہنے لگے کہ انھوں نے حضرت ابوحفص کی زیارت کے لئے نیشاپور کا ارادہ کیا تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا جب ہم ابوحفص کے پاس پہنچے تو شاہ قبا پہنے ہوئے تھے۔ ابوحفص نے جب انہیں دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور استقبال کو دوڑے۔ فرمایا

وجدت فی القباء ما طلبت فی العباء یعنے جسے میں گدڑی میں دیکھنا چاہتا تھا وہ قبا میں ملا۔

ایک عرصہ وہاں رہے اور میری تمام کوشش یہ تھی کہ حضرت ابوحفص کی صحبت میں استفادہ حاصل کروں مگر شاہ کا دبدبہ اور اس کی خدمت کا لزوم مجھے مانع بنا رہا۔ اور حضرت ابوحفص میری دلی خواہش کو دیکھ رہے تھے میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا تھا کہ مجھے ابوحفص کی صحبت اس طرح میسر آ جائے کہ شاہ آزردہ بھی نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب شاہ نے واپسی کا قصد کیا تو میں نے بھی ان کی ہمسفری کے لئے سفری لباس پہن لیا حالانکہ میرا دل ابوحفص کے پاس معلق تھا۔ تو حضرت ابوحفص نے شاہ سے فرمایا اس بچے کو خوش دلی کے ساتھ یہاں چھوڑ دو۔ کیونکہ مجھے اس سے خوشی ہے۔ شاہ نے اپنا چہرہ میری طرف پھیرا اور کہا اجب الشیخ یعنے شیخ کی بات مانو۔ وہ چلا گیا اور میں وہیں رہ گیا میں نے ان کی صحبت میں بڑے عجائب و غرائب دیکھے ان کو بڑی شفقت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کو تین بزرگوں کی صحبت میں تین منازل سے گزارا اور وہ تینوں منازل ان کے خود کے اشارات میں موجود ہیں یعنے مقام رجا حضرت یحییٰ کی صحبت میں، مقام غیرت شاہ کی صحبت میں اور مقام شفقت حضرت ابوحفص رحمہم اللہ کی صحبت میں حاصل ہوئے۔ طریقت میں یہ جائز ہے کہ مرید پانچ یا چھ اس سے زیادہ مشائخ کی صحبت میں رہ کر کوئی منزل حاصل کرے اور ہر شیخ اور اس کی صحبت اسے کسی خاص مقام کا کشف کرائے۔ لیکن سب سے بہتر خصلت یہ ہے کہ مشائخ کو اپنے مقام سے آلودہ نہ کرے۔ اور اس مقام

میں ان کی نہایت کو ظاہر نہ کرے۔ یوں کہے کہ ان کی صحبت میں میرا اتنا حصہ تھا۔ ورنہ ان کا مرتبہ اس سے بلند تھا میرے نصیب میں ان کی صحبت سے اس سے زیادہ حصہ مقدر نہ تھا۔ ایسی روش ادب کے زیادہ نزدیک ہے۔ اس لئے کہ سالکان راہ حق کے لئے کسی کے مقام و احوال سے کوئی محرم نہیں ہوتا۔ انھوں نے نیشاپور اور خراسان میں تصوف کا اظہار کیا۔ حضرت جنید، رویم، یوسف بن حسین اور محمد بن فضل بلخی رحمہم اللہ کے ساتھ بھی صحبت کی۔ اور مشائخ کے دلوں سے کسی نے اتنا فائدہ نہ اٹھایا جتنا انھوں نے اٹھایا۔ مشائخ نے اور نیشاپور والوں نے انھیں منبر پر بٹھایا تاکہ لوگوں سے تصوف کا وعظ فرمائیں۔ ان کی کتابیں بلند اور علم طریقت کے فنون میں ان کی روائتیں یقینی ہیں انھیں کا ارشاد ہے کہ حق لمن اعزاللہ بالمعرفۃ ان لایذلہ بالمعصیۃ: اللہ تعالیٰ جسے معرفت سے معزز فرمائے اسے واجب ہے کہ وہ معصیت کے ذریعہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔

یہ کا تعلق بندہ کے کسب، مجاہدے اور امور حق میں دائمی رعایت کرنے سے ہے۔ اگر تم اس راہ پر چلو جو کہ لائق ہے تو جان لو کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو معرفت سے نوازے تو وہ معصیت سے خود کو ذلیل نہ بنائے۔ اس لئے کہ معرفت حق تعالیٰ کی عطا ہے اور معصیت بندہ کا فعل ہے۔ جسے حق تعالیٰ کی عطا کی عزت حاصل ہو جائے تو محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فعل کے ذریعہ اسے ذلیل کرے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب اپنی معرفت سے عزیز کر دیا تو ذلت سے انھیں ذلیل نہ فرمایا۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، سہیل برادج معرفت، قطب محبت حضرت ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ بن جلال رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو از بزرگان قوم سادات وقت تھے۔

یہ نیک خصلت، عمدہ سیرت اور حضرت جنید و ابوالحسن نوری اور اکابر طریقت کے صحبت یافتہ تھے۔ حقائق میں ان کا کلام عالی اشارات لطیف ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ھمت العارف الی مولاہ ولم یعطف علی شئی سواہ: عارف کا ارادہ اور ہمت اپنے مولیٰ کی طرف ہوتی ہے اور وہ کسی چیز میں اس کے سوا دل نہیں لگاتا۔

اور کسی طرف مائل نہیں ہوتا اس لئے کہ عارف کو معرفت کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوتا جب کہ اس کے دل کا خزانہ معرفت ہے تو اس کی ہمت کا مقصود دیدار الٰہی ہے کیونکہ افکار کی پراگندگی غم و فکر لاتی ہے اور یہ غم و افکار اس کو بارگاہ حق میں مانع و حجاب بن جاتی ہے چنانچہ ان سے ایک حکایت مروی ہے کہ

حکایت

فرمایا ایک دن میں نے ایک خوبصورت حسین مجوسی لڑکے کو دیکھا اس کا حسن و جمال دیکھ کر میں متحیر ہو گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا گزر میرے پاس سے ہوا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ اے استاد اللہ تعالیٰ ایسے حسین چہرہ کو دوزخ میں جلائے گا؟ فرمایا اے فرزند! یہ نفس کا کھیل ہے جو تجھے لاحق ہوا ہے نہ کہ یہ نظارۂ عبرت ہے کیونکہ اگر تو عبرت سے دیکھے تو عالم کے ہر ذرہ میں ایسا عجائب

مجھ کو موجود پائے۔ لیکن بہت جلد تجھے اس فعلِ الٰہی کی بے حرمتی کی بنا پر عذاب دیا جائے گا۔ اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ مونھ پھیر کر میرے پاس سے گئے تو اسی وقت میرے حافظہ سے قرآن پاک فراموش ہو گیا یہاں تک کہ برسوں میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور توبہ کی پھر قرآن کی نعمت مجھے حاصل ہوئی۔ اب مجھے وہ طاقت نہیں کہ موجودات میں سے کسی چیز کی طرف التفات کروں اور اپنی ہمت کی چیزوں کو عبرت کی نظر سے دیکھنے میں ضائع کروں۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، وحید عصر، امام دہر حضرت ابو محمد رویم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اجلۂ سادات مشائخ اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے رازداروں اور ان کے مقربین میں تھے اور فقیہہ الفقہا حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے علم تفسیر و قرأت میں کامل مہارت اور اپنے زمانہ میں تمام علوم و فنون میں ایسے منفرد تھے کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ علوِ حال، رفعت مقام اور نیک خصلتی میں یگانہ، ریاضت شدیدہ میں یکتا اور بے مثل مشہور تھے۔ اپنی عمر کے آخری دنوں میں دنیا میں گم ہو کر منصب قضا پر فائز ہو گئے تھے۔ ان کا درجہ در پردہ ہونے سے زیادہ کامل تھا۔

چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مشغول عارف ہیں اور رویم مشغول فارغ ہے۔ طریقت میں ان کی تصانیف ہیں خاص کر وہ کتاب جس کا "غلطۃ الواجدین" نام ہے مجھے وہ بہت پسند ہے۔ انہیں سے منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیف حالک؟ تمہارا حال کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کیف حالُ من دینہ ھواہُ وھمتہٗ دنیاہ لیس ھو بصالحٍ تقی ولا بعارفٍ نقی یعنے کیا حال پوچھتے ہو جس کا حال یہ ہو کہ اس کا دین اس کی خواہش اور اس کی ہمت اس کی دنیا ہو نہ وہ صالح متقی ہے نہ وہ عارف مصفّیٰ ہے۔

ان کا یہ اشارہ نفس کے عیوب کی طرف ہے۔ اس لئے کہ نفس کے نزدیک دین ہوا کا نام ہے اور خواہشات نفس کے پیروکار اس کا دین نام رکھتے ہیں اور اس کی پیروی کو شریعت کی مطابعت کہتے ہیں جو بھی اس کی خواہش پر چلے گا اگرچہ مبتدع ہو ان کے نزدیک دیندار کہلائے گا اور جو اس کے خلاف چلے گا اگرچہ متقی ہو بے دین ہوگا۔ یہ فتنہ و فساد ہمارے زمانہ میں ایک دوسرے میں مروّج ہے۔ لہٰذا جن کی یہ حالت ہو ہم خدا سے ان کی صحبت سے پناہ مانگتے ہیں۔ درحقیقت اس شیخ نے سائل کے جواب میں زمانہ کے حال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس حال میں اسی پر چھوڑا ہو۔ اور اس سے اپنا ظاہری حال بیان کیا ہو۔ اور اپنا حقیقی حال مخفی رکھا ہو واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، نادر زمانہ، رفیع المنزلت حضرت ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو وقت کے اکابر ائمہ اور متقدمین مشائخ میں سے تھے۔ اپنی عمر خوب عمدہ گزاری، حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، بکثرت مشائخ کے صحبت یافتہ اور ان کے خدمت گزار تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اذل الناس الفقیر الطامع و اعزھم المحب لمحبوبہ الصدیق، لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل لالچی درویش ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ عزت والا درویش صادق ہے۔

کیونکہ لالچ درویش کو دونوں جہان میں ذلیل کر دیتا ہے اس لئے کہ بجائے خود درویشی دنیا والوں کی نظر میں حقیر و ذلیل ہے اور

جب اس میں لالچ آجائے تو اُسے اور زیادہ ذلیل بنا دیتا ہے۔ لہٰذا صاحب عزت تونگر، ذلیل درویش سے بہت اچھا ہے۔ اور طمع لالچ سے درویش محض جھوٹا معلوم ہوتا ہے اور دوسرا عیب بھی، اپنے محبوب کی نظر میں تمام مخلوق سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ محب خود کو اپنے محبوب کے مقابلہ میں بہت ذلیل جانتا ہے۔ وہ اس سے انکساری سے پیش آتا ہے یہ بھی طمع اور لالچ کا نتیجہ ہے۔ جب طمع طبیعت سے جاتی رہے تو ذلت یا عزت ہوتی ہے یہاں تک کہ زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام سے طمع تھی تو وہ ہر لحظہ ذلیل ہوتی رہی اور جب طمع جاتی رہی تو اللہ تعالےٰ نے اس کا جمال اور جوانی اسے واپس کر دی۔ یہ قاعدہ ہے کہ جتنا محب سامنے آنے کی کوشش کریگا محبوب اتنا ہی مونھ موڑے گا جب دوستی کو ہاتھ سے اور بحض دوستی میں دوست سے کنارہ کشی ہو اور صرف دوستی پر ہی اکتفا کرے تو لامحالہ دوست اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ درحقیقت محب کی عزت اس وقت تک ہے جب تک وصل کی خواہش اور لالچ نہ کرے۔ اور جب محب میں وصال کی طمع پیدا ہو اور وصل نہ ہو تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کی تمام عزتیں ذلیل ہو جاتی ہیں اور جب محب کو دوستی میں دوست کے وصال و فراق سے بے نیاز و فارغ نہ کرے اس کی محبت غرضمند ہوتی ہے۔ واللہ اعلم ؛

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، آفتاب اہل محبت، قدوۂ اہل معاملت حضرت ابوالحسن سمنون بن عبداللہ خواص رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے محبت میں ان کا بلند مرتبہ ہے۔ تمام مشائخ ان کو بزرگ جانتے اور انہیں سمنون المحب کہتے تھے حالانکہ وہ خود اپنے کو سمنون الکذب کہا کرتے تھے۔ غلام الخلیل سے بہت تکلیفیں اٹھائیں خلیفۂ وقت کے سامنے اس نے ناممکن و محال گواہیاں دیں جس سے تمام مشائخ اس سے آزردہ ہو گئے۔ یہ غلام الخلیل ایک ریاکار آدمی تھا جو پارسائی اور صوفی ہونے کا مدعی تھا اور خود کو بادشاہوں کا حضوری اور اس کا نائب و خلیفہ مشہور کراتا اور دین کو دنیا کے بدلہ فروخت کرتا تھا جیسا کہ اس زمانہ میں بھی لوگ چغلیاں کرتے اور جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔ پھر وہ مشائخ اور درویشوں کی بدگوئیاں حاکموں اور امیروں کے سامنے کرتا تھا اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ ان کی رسائی حاکموں اور امیروں تک نہ ہو اور کوئی ان سے برکت نہ چاہے اور اپنا رتبہ برقرار رہے ؛

مقام مسرت ہے کہ حضرت سمنون اور ان کے مشائخ کے زمانہ میں صرف ایک ہی شخص ایسی بدخصلت پر تھا اور ہمارے زمانہ میں تو ہر محقق کے لئے ایک لاکھ غلام الخلیل جیسے ہیں۔ بہرحال کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ مردار پر گدھ ہی زیادہ لائق ہیں۔ اور جب حضرت سمنون کا مرتبہ بغداد میں بلند ہوا اور ہر ایک ان کی نزدیکی کا خواہاں ہوا تو غلام الخلیل اس سے رنجیدہ ہوا اس نے کئی باتیں گھڑیں یہاں تک کہ ایک خوبصورت عورت کو حضرت سمنون کے پاس بھیجا، جب سمنون کی نظر اس کے جمال پر پڑی تو عورت نے اپنے آپ کو ان پر پیش کیا انھوں نے جھڑک دیا پھر وہ حضرت جنید کے پاس گئی ان سے کہا کہ آپ حضرت سمنون سے فرمائیں کہ وہ مجھ سے نکاح کرلیں۔ حضرت جنید کو اس کی یہ درخواست ناپسند آئی اور اسے سخت وسست کہا۔ پھر وہ غلام الخلیل کے پاس آئی اور اس نے ان عورتوں کی مانند جو اُن کی خواہش پوری نہ کریں ان پر اتہام طرازی کرنے لگتی ہیں تہمت لگانے لگی۔ اور ایسا ہی کرنے لگی جو دشمن سُنتے ہیں بُرا بھلا کہنے لگی اور خلیفۂ وقت کو ان سے اتنا برگشتہ کر دیا کہ اس

نے حکم دیا انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ جب جلاد کو بلایا اور اس نے خلیفہ سے قتل کی اجازت مانگی اور خلیفہ نے قتل کی اجازت دینی چاہی تو اُس کی زبان بند ہو گئی۔ جب اس رات سویا تو خواب میں دیکھا کہ کسی نے اس سے کہا کہ تیرے ملک و حکومت کا زوال حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ کے زوال کے ساتھ وابستہ ہے دوسرے دن اس نے معافی مانگی اور ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا۔

حقیقت محبت میں ان کا کلام بلند اور اشارات دقیق ہیں ان کی شان یہ ہے کہ وہ حجاز سے آرہے تھے تو شہر فید کے لوگوں نے درخواست کی کہ منبر پر تشریف فرما ہو کر ہمیں وعظ فرمائیے انھوں نے منبر پر کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کسی نے توجہ سے نہ سُنا انھوں نے اپنا رُخ مسجد کی قندیلوں کی طرف کرکے فرمایا اے قندیلو! میں تم سے مخاطب ہوں۔ وہ سب قندیلیں گر کر چور چور ہو گئیں۔ انہیں کا ارشاد ہے لا یعبر عن شیٔ الا بما ھو ارق منہ ولا شیٔ ارق عن المحبۃ فیم یعبر عنھا۔ کسی چیز کی تعبیر نہیں مگر وہ سب سے زیادہ باریک ہے اور محبت سے بڑھ کر کوئی چیز باریک نہیں جس سے اس کی تعبیر کی جائے۔

مطلب ان کا یہ ہے کہ محبت کے مفہوم کو الفاظ اور عبارات سے ادا نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ عبارات معبّر اور معنے کی صفت ہے اور محبت محبوب کی صفت ہے لہٰذا عبارات کے ذریعہ اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا واللہ اعلم۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے شاہ شیوخ زمانہ کے تغیرات سے محفوظ حضرت ابو الفوارس شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو بادشاہوں کے خاندان سے تھے وہ اپنے زمانہ میں بے نظیر اور ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ کے صحبت یافتہ تھے بکثرت مشائخ سے ملاقات کی۔ ابو عثمان حیری کے تذکرے میں ان کا مختصر حال مذکور ہے۔ تصوف میں ان کے رسائل و کتب مشہور ہیں جیسے "مراۃ الحکماء" کہا جاتا ہے۔ ان کا کلام عالی ہے چنانچہ ان کا ارشاد ہے کہ اھل الفضل فضل مالم یروہ فاذا راوہ فلا فضل لہم واھل الولایۃ ولایۃ مالم یروھا فاذا راوھا فلا ولایۃ لہم۔ صاحب فضیلت کو اس وقت تک فضیلت ہے جب تک اپنی فضیلت کو نہ دیکھیں جب دیکھ لیا تو اب ان کی کوئی فضیلت نہیں ایسے ہی صاحب ولایت کو ولایت ہے جب تک کہ وہ اس کی نظر سے پوشیدہ ہے جب رویت ہو گئی تو اب اُن کے لئے کوئی ولایت نہیں۔

مطلب یہ کہ فضیلت ایسی صفت ہے جسے فاضل نہیں دیکھتا اسی طرح ولایت بھی ایسی صفت ہے جسے ولی نہیں دیکھتا جس نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں فاضل ہوں یا ولی ہوں، تو وہ نہ فاضل ہے اور نہ ولی ہے۔ ان کی سیرت میں مذکور ہے کہ وہ چالیس سال تک نہیں سوئے لہٰذا جب وہ سوئے تو انہیں خواب میں دیدار الٰہی ہوا انھوں نے عرض کیا اے خدا! تجھے تو میں بیداری میں تلاش کر رہا تھا مگر تو خواب میں ملا۔ فرمایا اے شاہ! تو نے بیداری کی وجہ سے ہی خواب میں نعمت دیدار پائی ہے اگر تو وہاں سوتا تو یہاں نہ پاتا واللہ اعلم۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے، دلوں کے سرور، باطن کے نور حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر سادات اہل طریقت میں سے ہیں اس علم کے حقائق میں ان کی تصانیف مشہور ہیں۔ اپنی نسبت ارادت حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کرتے ہیں ان کے بعد

ابو سعید خراز کو دیکھا اور ناجی سے صحبت فرمائی۔ اصول میں وہ امام وقت تھے ان کا ارشاد ہے کہ لا یقع علٰی کیفیۃ الوجد عبارۃ لانہ سر اللہ عند المومنین : دوستوں کے وجد کی کیفیت کو عبارت ادا نہیں کر سکتی کیونکہ وہ حق کا بھید ہے جو مومنوں پر ہوتا ہے ۔

اس لئے کہ بندہ جن لفظوں کو مرکب کر کے مفہوم ادا کرے گا وہ حق تعالٰے کا بھید نہیں ہوگا کیونکہ بندوں کی ہر کوشش، تکلف اور تصرف اسرار ربانی سے بالکل دور ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو جب اصفہان سے آئے تو ایک نوجوان ان کی صحبت میں شامل ہو گیا حالانکہ اس کا باپ اسے ان کی صحبت سے منع کرتا تھا یہاں تک کہ (اس غم میں) وہ بیمار پڑ گیا عرصہ تک نہیں آیا۔ ایک روز حضرت شیخ اپنی جماعت کے ساتھ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ نوجوان نے اشارہ کیا کہ کسی قوال کو بلا کر چند اشعار سنوایئے چنانچہ قوال بلایا گیا اس نے یہ شعر پڑھا ۔ مالی مرضت فلم یعدنی عاید ۔ منکم و یمرض عندکم فاعود

یعنے مجھے کیا ہوا کہ میں بیمار پڑتا ہوں تو کوئی تم سے تیری بیمار پرسی نہیں کرتا اور جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں بیمار پرسی کرتا ہوں

نوجوان بیمار نے جب یہ سنا تو اٹھ کر بیٹھ گیا اور بیماری کی شدت بہت کم ہو گئی اور کہنے لگا اے قوال : کوئی اور شعر کہو چنانچہ اس نے پڑھا ۔ واشد من مرضی علیّ صدودکم ۔ وصدودعندکم علیّ شدید

مجھ پر تمھارے حضور رحاضری سے بندش اپنے مرض سے زیادہ سخت ہے۔ اور تمھارے حضور حاضری سے روکنا مجھ پر بہت شاق ہے

وہ بیمار کھڑا ہو گیا اور ساری بیماری جاتی رہی پھر اس کے باپ نے اسے حضرت عمرو کے سپرد کر دیا۔ ان کی طرف سے دل میں جو اندیشہ و خدشہ تھا اس کی معذرت چاہی اور توبہ کی۔ وہ نوجوان مشائخ طریقت میں سے ہوا واللہ اعلم ۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، مالک القلوب، ماحی العیوب حضرت ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو شیخ وقت اور سب لوگوں کی زبانوں پر ستودہ صفات تھے۔ ان کی بہت ریاضت نیکو خصلت تھے۔ اخلاص اور عیوب افعال میں ان کا کلام لطیف ہے۔ علماء ظاہر فرماتے ہیں کہ ھو جمع بین الشریعۃ والحقیقۃ وہ شریعت و حقیقت کے جامع تھے۔ حالانکہ یہ قول بجائے خود خطا کی علامت ہے اس لئے کہ کسی نے بھی اس میں فرق نہیں کیا ہے کیونکہ شریعت بغیر حقیقت کے نہیں اور حقیقت بغیر شریعت کے نہیں ممکن ہے کہ اس مقولہ سے ان کی مراد یہ ہو کہ فہم حقیقت میں ان بزرگ کا کلام بہت آسان تھا جو لوگوں میں اثر کرتا تھا جب اللہ تعالٰے نے خود شریعت اور حقیقت کو جمع فرمایا ہے تو ناممکن ہے کہ کوئی ولی فرق کرے لامحالہ جو فرق کرتا ہے اسے لازم آتا ہے کہ وہ ایک کو قبول کرتا ہے اور دوسرے کو رد کرتا ہے حالانکہ شریعت کا رد کرنا الحاد ہے اور طریقت کا رد کرنا کفر و شرک ہے اور جو فرق کرتے ہیں وہ معنے میں فرق نہیں ہے بلکہ حقیقت کے اثبات میں ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں :۔

لا الٰہ الا اللہ حقیقۃ محمد رسول اللہ شریعۃ : لا الٰہ الا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت ہے ۔

اگر کوئی صحت ایمان کی حالت میں ایک کو دوسرے کے ساتھ جدا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اس کی یہ خواہش صحت ایمان کی باطل ہے حالانکہ پوری شریعت حقیقت کی فرع ہے جس طرح توحید کا اقرار حقیقت کی معرفت ہے ایسے ہی فرمان کو بجا لانا شریعت کے معنے ہیں۔ یہ ظاہر دار

لوگ جوان کی طبیعت میں نہ آسکے منکر ہو بیٹھتے ہیں۔ راہِ حق کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار خطرناک ہے والحمد للّٰہ علی الایمان ۔

حضرت سہل فرماتے ہیں کہ ما طلعت الشمس ولا غربت علی اھل وجہ الارض الا وھم جھال باللّٰہ الا من یوثر اللّٰہ علی نفسہ وروحہ ودنیاہ واٰخرتہ ۔ روئے زمین کے رہنے والوں پر جس حال میں آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی شان سے جاہل ہیں۔ مگر وہ اللہ نے جس کے جسم و روح اور اس کی دنیا و آخرت کو برگزیدہ کر دیا ہے ۔

مطلب یہ کہ جو شخص اپنے مقدر کے امر پر دست اندازی کرے (غرور و تکبر کرے) یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جاہل ہے اس لئے کہ اس کی معرفت تدبیر کے ترک کو مقتضی ہے اور تدبیر کا ترک تسلیم ہے۔ اور تدبیر کا اثبات تقدیر سے جہالت و نادانی ہے واللہ اعلم

ومنہم اور انہیں ائمہ طریقت میں سے، مختار اہل حرمین، مشائخ کرام کے قرۃ العین حضرت ابو محمد عبد اللہ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اجلہ مشائخ میں سے اور اہل عراق و خراسان کے محبوب تھے۔ حضرت احمد بن خضرویہ کے مرید اور حضرت ابو عثمان حیری کو ان سے عظیم تعلق خاطر تھا۔ متعصب لوگوں نے اپنے مذہب کے جنون میں انہیں بلخ سے نکال دیا۔ سمرقند میں اقامت فرمائی اور وہیں عمر گزاری ۔

ان کا ارشاد ہے۔ اعرف الناس باللّٰہ اشدھم مجاھدۃ فی اوامرہ واتبعھم بسنۃ نبیہ ۔ اہلِ معرفت میں بزرگترین وہ ہے جو اوائے شریعت میں کوشاں اور اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی محافظت و پیروی میں بہت زیادہ خواہاں ہو ۔

جو جتنا خدا کے نزدیک ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ ادائے حکم میں حریص ہو گا۔ اور جتنا خدا سے دور ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ اس کے رسول کی پیروی سے کنارہ کش ہو گا۔ انہیں کا یہ بھی ارشاد ہے کہ عجبت لمن یقطع البوادی والقفار والمغاز حتّٰی یصل الیٰ بیتہ وحرمہ لان فیہ اٰثار انبیائہ کیف لا یقطع بادیۃ نفسہ وھواہ حتّٰی یصل علیٰ قلبہ لان فیہ اٰثار مولاہ ۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو جنگل، صحراء اور بیابانوں کو عبور کر کے اس کے گھر حریم یعنی کعبۃ اللہ تک تو پہنچے۔ کیونکہ اس میں اس کے نبیوں کے آثار ہیں اور وہ کیوں اپنے نفس کے جنگل اور اس کی خواہشات کی وادیوں کو عبور نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اپنے دل تک پہنچے اس لئے کہ اس میں اس کے مولا کے آثار ہیں

مطلب یہ کہ دل حق تعالےٰ کی معرفت کی جگہ ہے وہ اس کعبہ سے برتر ہے جو خدمت کا قبلہ ہے۔ کعبہ وہ ہے جس کی طرف بندہ کی نظر ہو اور دل وہ ہے جس پر حق تعالیٰ کی نظر ہو۔ اور جہاں میرے دوست کا دل ہے وہاں اور جہاں اس کا حکم ہے۔ میری مراد وہاں ہے۔ کیونکہ جہاں ہمارے نبیوں کے آثار کا اثر ہے وہاں میرے دوستوں کا قبلہ ہے ۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، شیخ باخطر، فانی از صفات بشر حضرت ابو عبد اللہ محمد علی ترمذی تھے جو فنونِ علم میں کامل و امام اور برگزیدہ شیخ المشائخ تھے۔ ان کی تصانیف بکثرت اور عمدہ کرامات ہر کتاب میں ظاہر ہیں۔ مثلاً ختم الولایت، کتاب النہج، نوادر الاصول وغیرہ۔ ان کے سوا بھی بہت بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ میں ان سب کتابوں پر فریفتہ ہوں۔ شیخ نے فرمایا ہے کہ محمد بن علی ایسے در یتیم ہیں یعنی یکتا ہیں جس کی مثال سارے جہان میں نہیں ہے۔ علومِ ظاہر میں بھی ان کی کتاب ہے۔ اور احادیث میں ان کی سندیں اونچی ہیں۔ انہوں نے

ایک تفسیر بھی شروع کی تھی مگر ان کی عمر مبارک اسے پوری نہ کر سکی۔ اور جس قدر بھی تحریر فرمائی ہے وہ تمام اہل علم میں مروج ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے خاص مصاحبین میں سے ایک کو فقہ پڑھائی۔ شہر ترمذ میں ان کو محمد حکیم سے موسوم کیا جاتا تھا اس ولایت میں سے تمام دانشور صوفی، ان کی پیروی کرتے تھے۔ ان کے مناقب بہت ہیں منجملہ یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ صحبت کی تھی۔ ان کے مریدوں میں سے حضرت ابوبکر وراق بیان کرتے ہیں کہ ہر اتوار کو حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آتے اور ایک دوسرے سے واقعات دریافت کرتے تھے

ان کا ارشاد ہے کہ من جهل باوصاف العبودية يكون اجهل باوصاف الربوبية ومن لم يعرف طريق معرفة النفس لم يعرف طريق معرفة الرب بان الظاهر متعلق بالباطن والتعلق بالظاهر بلا باطن محال ودعوى الباطن بلا ظاهر محال فمعرفة اوصاف الربوبية في تصحيح اركان العبودية ولا يصح ذالك الا بالادب ؛ جو شخص علم شریعت اور اوصاف عبادت سے جاہل ہے گا وہ معرفت الٰہی میں بڑا جاہل ہوگا اور جس نے فنا میں معرفت نفس کی راہ نہ جانی وہ معرفت راہ حق سے نابلد ہے کیونکہ ظاہر باطن کے ساتھ متعلق ہے اور ظاہری تعلق بغیر باطن کے محال ہے اور بغیر ظاہر کے باطن کا دعویٰ کرنا محال ہے۔ لہٰذا ربوبیت کے اوصاف کی معرفت بندگی و عبادت کے ارکان صحت سے وابستہ ہیں اور یہ ادب سے ہی صحیح ہو سکتا ہے۔

اصل و قاعدہ کے لحاظ سے یہ ارشاد از حد مفید ہے۔ اپنی جگہ ان شاء اللہ مکمل بیان کیا جائے گا۔

ومنهم انہیں ائمہ طریقت میں سے، شرف زہاد امت، مزکی اہل نفوس و صفوت حضرت ابوبکر محمد بن عمر وراق رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر زہاد مشائخ میں سے تھے۔ حضرت احمد خضرویہ کو دیکھا اور محمد بن علی ترمذی کی صحبت پائی تھی۔ آداب و معاملات میں ان کی کتابیں بہت ہیں مشائخ کرام ان کو مؤدب الاولیاء کہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن علی ترمذی نے چند جزو مجھے دیے کہ دریائے جیحون میں ڈال دو میرے دل نے نہ چاہا میں نے انہیں اپنے گھر میں رکھ دیا اور حاضر ہو کر کہہ دیا کہ میں نے ڈال دیا، فرمایا تم نے کیا دیکھا؟ عرض کیا میں نے کچھ نہیں دیکھا، فرمایا تم نے دریا برد نہیں کیا، جاؤ اسے دریا برد کر کے آؤ! پھر واپس ہوا اور میرے دل کو دلیل و وسوسہ نے پکڑ لیا میں نے ان جزدانوں کو پانی میں ڈال دیا۔ دریا کا پانی اسی وقت پھٹ گیا اور اس میں سے ایک صندوق نمودار ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ جب یہ جزو اس صندوق میں چلی گئیں تو اس کا ڈھکنا بند ہو گیا اور پانی برابر ہو گیا اور صندوق روپوش ہو گیا۔ واپس ہو کر یہ واقعہ بیان کر دیا۔ فرمایا اب تم نے ڈالا ہے۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ کیا اسرار ہیں؟ مجھ پر ظاہر فرمائیے! فرمایا میں نے اصول و تحقیق میں ایک کتاب لکھی تھی جن کا سمجھنا عقل پر دشوار تھا میرے بھائی خضر علیہ السلام نے اسے مجھ سے مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو حکم فرما دیا تھا کہ وہ ان تک پہنچا دیں۔

حضرت ابوبکر وراق سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا الناس ثلثة العلماء والامراء والفقراء فاذا فسد العلماء فسد الطاعة والشريعة واذا فسد الامراء فسد المعاش واذا فسد الفقراء فسد الاخلاق۔ علما کے تین گروہ ہیں علماء، امراء اور فقراء جب علماء خراب ہوتے ہیں تو خلق پر طاعت و احکام شریعت تباہ ہوتے ہیں اور امراء خراب ہوتے ہیں تو لوگوں کی روزی تباہ ہوتی ہے اور جب

فقراء خراب ہوتے ہیں تو لوگوں کے اخلاق برباد ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا امراء و سلاطین کی خرابی ظلم و ستم سے ہوتی ہے اور علماء کی خرابی لالچ و طمع سے۔ اور فقراء کی خرابی ریاست طلبی سے۔ جب تک امراء و سلاطین، علماء سے مُونھ نہ موڑیں تباہ و خراب نہیں ہوتے۔ اور جب تک علماء بادشاہوں کی صحبت نہ کریں تباہ و خراب نہیں ہوتے۔ اور جب تک فقراء ریاست و منزلت کی خواہش نہیں کرتے تباہ و خراب نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ بادشاہوں کا ظلم بے علمی سے ہے اور علماء میں طمع بددیانتی سے ہے اور فقراء میں ریاست طلبی، بے توکلی سے ہے۔ لہٰذا بے علم بادشاہ، بددیانت عالم اور بے توکل فقیر بہت بُرے ہوتے ہیں لوگوں میں خرابیوں اور بُرائیوں کا ظہور انہیں تینوں گروہوں سے ہوتا ہے۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے حقیقتِ توکل و بقاء، سالکِ طریق فنا حضرت ابو سعید احمد بن عیسیٰ خرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو مریدوں کے احوال کی زبان اور طالبان ذوقات کی برہان تھے۔ سب سے پہلے جس نے طریق بقا و فنا کی تعبیر لفظوں میں کی ہے وہ یہی تھے ان کے مناقب مشہور، عمدہ ریاضت اور اس کے نکتے مذکور ہیں جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں ان کا کلام رموز بلند ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ اور حضرت بشر و سری رحمہما اللہ کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جبلت القلوب علی حب من احسن الیہا قال وعجب من لم یر محسنا غیر اللہ کیف لا یمیل بکلیتہ الی اللہ۔ دوستی پر دلوں کی پیدائش اُس شخص کے لئے ہے جو اس سے بھلائی کرتا ہے یعنی کسی پر کوئی بھلائی کرتا ہے لامحالہ وہ شخص بھی دل سے اس کی بھلائی چاہے گا حضرت ابو سعید نے فرمایا حیرت ہے کہ جو بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو محسن نہ جانے وہ کس طرح دل کو مکمل طور پر خدا کے حوالہ نہ کرے۔

اس لئے کہ درحقیقت احسان وہی کرتا ہے جو اعیان یعنی جانوں کا مالک ہو کیونکہ احسان یہ ہے کہ کسی پر بھلائی کی جائے جو اس کا محتاج ہو اور جب وہ کسی اور کو احسان کرتا دیکھے وہ کیسے احسان کر سکتا ہے۔ چونکہ ملک و ملک، اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اسی کی ایسی ذات ہے کہ وہ غیر کے احسان سے بے نیاز ہے جب خدا کے دوست منعم و محسن کے انعام و احسان کے پہچاننے والے ہیں اور دیکھتے ہیں تو ان کے دل مکمل طور پر اسی کی دوستی میں مستغرق رہتے ہیں۔ اور اس کے غیر سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، شاہ محققاں، دل مریداں حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی بن سہل ہیں جو کبار مشائخ میں سے تھے اور ان سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی لطیف مکاتبت ہوئی اور عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیارت کو اصفہان گئے اور وہ ابو تراب کے مصاحب، حضرت جنید کے رفیق خاص تھے وہ عمدہ ممدوح مشائخ، رضا و ریاضت سے مزین اور فتنہ و آفت سے محفوظ تھے حقائق و معاملت میں عمدہ زبان اور دقائق و اشارات میں لطیف بیان کے حامل تھے ان کا ارشاد ہے الحضور افضل من الیقین لان الحضور وطأت والیقین خطرات۔ بارگاہِ الٰہی کی حضوری یقین سے افضل ہے اس لئے کہ حضور دل میں جاگزیں ہوتا ہے اس پر غفلت جائز نہیں اور یقین میں خطرہ ہے کبھی ہو اور

بھی ہے ہو ، لہٰذا حاضر حضور میں ہونے میں اور یقین کرنے والے چوکھٹ پر ۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں غیبت و حضور کے بیان کا مستقل باب لاؤں گا ۔ نیز فرماتے ہیں کہ من وقت آدم الی قیام الساعۃ الناس یقولون القلب القلب و انا احب ان اری رجلا یصف القلب و یقول ایش القلب و کیف القلب فلا اری ، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے قیامت تک لوگ یہی کہتے رہے اور کہتے رہیں گے ہائے دل ، ہائے دل ، لیکن میں ایسے شخص کو دوست رکھتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں جو دل کی تعریف کرے اور کہے دل کیا ہے یا وہ کیسا ہے اور میں نے ابھی تک نہیں دیکھا ۔

حالانکہ عام لوگ گوشت کے ٹکڑے کو دل کہتے ہیں وہ تو پاگلوں ، دیوانوں اور بچوں میں بھی ہے ۔ حالانکہ وہ بے دل ہیں بس دل کیا ہے جسے بجز لفظوں کے نہیں سنتا یعنی اگر عقل کو دل کہیں تو وہ دل نہیں ہے ، اگر روح کو دل کہیں تو وہ بھی دل نہیں ہے ۔ اگر علم کو دل کہیں تو وہ بھی نہیں ، مطلب یہ کہ تمام شواہد حق کا قیام دل سے ہے مگر وہ لفظ و بیان میں تو ہے لیکن ظاہر نہیں ہے ۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے ، شیخ اہل تسلیم ، دور طریق محبت شفیع حضرت ابو الحسن محمد بن اسمٰعیل خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بزرگان مشائخ میں سے اپنے زمانہ میں اور معاملات و مواعظ میں عمدہ بیان اور بہترین عبارت رکھتے تھے ۔ طویل عمر پائی ، حضرت شبلی و حضرت ابراہیم خواص رحمہما اللہ دونوں نے ان کی مجلس میں توبہ کی ، اور شبلی کو حضرت جنید کی خدمت میں بیاس احترام بھیجدیا ۔ وہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ، حضرت ابو الحسن نوری کے ہم زمانہ اور حضرت جنید رحمہ اللہ کے نزدیک محترم تھے ۔ اور ابو حمزہ نے ان کی پوری خیر خواہی کی ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو خیر النساج کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی جائے ولادت سے بارادۂ حج سامرہ سے گئے کوفہ سے ان کا گزر ہوا تو شہر پناہ کے دروازہ پر انہیں ایک ریشم بننے والے نے پکڑ لیا ۔ اور کہا کہ تو میرا غلام ہے اور خیر تیرا نام ہے ۔ انھوں نے حق سے دیکھا اور اس مرد کے خلاف کچھ نہ کیا یہاں تک کہ سالہا سال اس کے ساتھ کام کرتے رہے جب بھی وہ آپ کو پکارتا اور کہتا اے خیر ! تو فرماتے حاضر ہوں ۔ حتےٰ کہ وہ مرد اپنے کئے پر شرمسار ہوا اور ان سے کہا جاؤ میں نے غلط کیا ہے تو میرا غلام نہیں ہے ۔ پھر وہ چل دیئے اور مکہ مکرمہ پہنچے اور اس درجہ تک رسائی پائی ۔ چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خیرٌ خیرنا یعنے ہمارا خیر بہت اچھا ہے ۔ وہ اسے بہت پسند کرتے تھے کہ لوگ انہیں "خیر" سے پکاریں ۔ فرماتے تھے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ مسلمان شخص نے جو میرا نام رکھا ہے میں اسے بدل دوں ۔

مروی ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو شام کی نماز کا وقت تھا جب موت کی بیہوشی میں آنکھ کھولی تو ملک الموت کے سوا کچھ نظر نہ آیا فرمایا قف عافاک اللہ فانما انت عبد مامور وانا عبد مامور وما امرت بہ لا یفوتک وما امرتُ بہ فہو شیٔ یفوتنی فدعنی امضی فیما امرتُ بہ ثم امض بما امرت بہ ، اے ملک الموت ٹھہر جا اللہ تجھے معاف کرے یقیناً تو بھی بندۂ فرماں بردار ہے اور میں بھی بندۂ فرماں بردار ہوں تجھے جو حکم دیا گیا ہے تو اسے فوت نہیں کر سکتا (یعنے جان ضرور نکالے گا) اور وہ جو مجھے حکم دیا گیا ہے میں اسے فوت نہیں کر سکتا (یعنے شام کی نماز کو) لہٰذا مجھے چھوڑ دے تاکہ میں فرمان الٰہی بجالاؤں پھر میں تجھے چھوڑ دوں گا

تاکہ تو بھی فرمانِ الٰہی بجا لائے۔

اس کے بعد انھوں نے پانی طلب فرمایا وضو کر کے نماز ادا فرمائی اور جان دے دی۔ کسی رات لوگوں نے اُن سے خواب میں پوچھا بتاؤ خدا نے تمھارے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا لا تسألنی عن ھذا ولیکن استرحت من دنیاکم۔ اس سوال کو تم مجھ سے نہ پوچھو لیکن میں نے تمھاری دنیا سے رہائی پالی ہے۔

انہیں کا ارشاد ہے۔ شرح اللہ صدور المتقین بنور الیقین وکشف بصائر المومنین بنور حقائق الایمان: اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے سینہ کو یقین کے نور سے بھر دیا اور مسلمانوں کی آنکھوں کو ایمان کے حقائق کے نور سے منکشف فرما دیا۔
مطلب یہ ہے کہ متقی کے لئے یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان کا دل یقین کے نور سے کھول دیا گیا ہے۔ اور مومن کو ایمان کے حقائق کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ ان کے عقلوں کی بصیرتوں کو ایمان کے نور سے روشن کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا جہاں ایمان ہوگا یقین ہوگا اور جہاں یقین ہوگا تقویٰ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ ایک دوسرے کے قریب ہیں اور ایک دوسرے کے تابع۔ واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، داعیٔ عصر یکتا دہر حضرت ابو حمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو خراسان کے قدماء مشائخ سے تھے۔ انھوں نے حضرت ابوتراب کی صحبت پائی اور حضرت خراز کو دیکھا تھا توکل میں بھرپور حصہ تھا ان کی حکایتوں میں مشہور ہے کہ

حکایت

حضرت ابو حمزہ ایک روز جا رہے تھے کہ ایک کنوئیں میں گر پڑے جب تین دن گذر چکے تو قافلہ والوں کی ایک جماعت اس کے کنارے پہنچی۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ انہیں آواز دو، پھر خیال آیا یہ اچھا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سواء سے مدد مانگ رہا ہوں اور یہ شکایت ہوگی گویا کہ میں ان کو کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کنوئیں میں ڈال دیا ہے اب تم مجھے نکالو۔ اتفاقاً قافلہ والے کنوئیں کے اوپر آئے اور کنوئیں میں جھانکنے لگے اور کہنے لگے کہ راستہ کے درمیان میں یہ کنواں ہے نہ کوئی روک ہے نہ منڈیر ہے ممکن ہے کوئی بے خبر یا باخبر اس میں گر پڑے لاؤ بغرضِ ثواب اس کا دہانہ بند کر دیں تاکہ اس میں نہ گر پڑے۔

حضرت ابو حمزہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں پریشانی لاحق ہوگئی اور اپنی زندگی سے ناامید ہوگیا۔ جب قافلہ والوں نے کنوئیں کے دہانہ کو بند کر کے زمین ہموار کر دی اور وہ چلے گئے تو میں خدا سے دعائیں مانگنے لگا اور میرا دل موت سے بیٹھا جا رہا تھا اور ساری مخلوق سے مایوس ہو چکا تھا جب اس کے بعد رات آئی تو کنوئیں کے دہانہ پر جنبش و حرکت سُنی پھر میں نے غور سے دیکھا تو کوئی چیز دہانہ کے سرے کو کھول رہی ہے اور ایک بڑے جانور کو دیکھا جب اژدھے نے اپنی دم کو لٹکایا تو میں نے جان لیا کہ میری نجات اسی کے ذریعہ ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کا فرستادہ ہے میں اس کی دُم سے لٹک گیا یہاں تک کہ مجھے اُس نے اوپر کھینچ لیا اُس وقت غیب سے آواز آئی اے ابا حمزہ! کیسی اچھی تمھاری نجات ہے کہ

جان لینے والے کے ذریعہ تھمہ رنی جان کو نجات دلائی گئی۔

اُن سے لوگوں نے دریافت کیا غریب کون ہے؟ فرمایا المستوحش من الالف وہ شخص جو الفت سے پریشان ہو یعنے جو شخص ہر الفت سے پریشان ہو گیا وہ غریب ہے۔ اس لئے کہ درویش کے لئے دنیا و آخرت میں کوئی وطن نہیں ہے۔ اور وطن کے سوا الفت کرنا وحشت ہے۔ جب درویش کی الفت مخلوق سے منقطع ہو گئی تو وہ ہر ایک سے وحشت کریگا۔ اس وقت وہ غریب ہوگا۔ یہ درجہ بہت بلند ہے واللہ اعلم بالصواب

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، داعی مریداں تحکم فرمان ابو العباس احمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اجلۂ اکابر مشائخ خراسان میں سے تھے۔ اور تمام اولیاء اللہ زمین پر ان کے اوتاد ہونے پر متفق ہیں۔ انھوں نے قطب المدار علیہ کی صحبت پائی۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا "قطب المدار" کون ہیں ہمیں بتایئے؟ انھوں نے ظاہر نہ فرمایا اشارہ دل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے ان کی مراد حضرت جنید ہیں انھوں نے چالیس صاحب تمکین کی خدمت کی اور ان سے استفادہ کیا علوم ظاہری و باطنی میں کامل دسترس تھی۔ ان کا ارشاد ہے کہ من کان سرورہ بغیر الحق نسرورہ یورث الھموم ومن لم یکن انسہ فی خدمۃ ربہ فانسہ یورث الوحشۃ: جو شخص اللہ کے غیر سے خوش رہے اس کی خوشی غموں کو لاتی ہے اور جس کا اُنس خدا کی خدمت میں نہ ہو تو اس کا انس وحشت لاتی ہے۔

اس لئے کہ خدا کے سواء ہر چیز کے لئے فنا ہے اور جو فانی چیز سے خوش رہے تو جب وہ فنا ہو جائیگی تو اُسے غم ہوگا۔ اور غیر حق کی خدمت خاک ہے جب وقت اشیائے مخلوقہ کی دناءت ظاہر ہوئی تو اس کا اس سے انس رکھنا موجب وحشت ہوگا۔ لہٰذا غیر اللہ کے دیکھنے ہی میں سارے جہان میں وحشت و غم ہے واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، استاد متوکلاں، شیخ محققاں حضرت ابو عبد اللہ بن احمد اسمٰعیل مغربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بزرگان سلف میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں استادوں میں مقبول اور اپنے مریدوں کے نگہبان تھے۔ حضرت ابراہیم خواص، حضرت ابراہیم شیبانی رحمہما اللہ دونوں ان کے مرید تھے۔ ان کا کلام عالی اور براہین واضح ہیں، خلوت گزینی میں کامل تر تھے۔ انہیں کا ارشاد ہے کہ مارأیت انصف من الدنیا ان خدمتہا خدمتك وان ترکتہا ترکتك: دنیا سے زیادہ منصف چیز میں نے نہیں دیکھی اگر تو اس کی خدمت کرے تو یہ تیری خدمت کرے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تو یہ تجھے چھوڑ دے۔

مطلب یہ کہ جب تک تم دنیا کی طلب میں رہوگے تو وہ تمھاری طلب میں رہے گی جب اس سے کنارہ کش ہو کر خدا کے طالب ہو جاؤ گے تو وہ تمھیں چھوڑ دے گی اور اس کا خطرہ تمھارے دل میں نہ رہے گا۔ لہٰذا جو شخص صدق دل سے دنیا سے کنارہ کش ہوتا ہے وہ اس کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ واللہ اعلم وباللہ التوفیق۔

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، شیخ زمانہ، اپنے وقت کے یگانہ حضرت ابو علی بن الحسن بن علی الجوزجانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے ان کی تصانیف مشہور ہیں جو علم معاملات اور رویت آفات میں ہیں۔ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ کے مرید

اور حضرت ابوبکر وراق کے ہم زمانہ تھے حضرت ابراہیم سمرقندی رحمۃ اللہ ان کے مرید تھے ان کا اپنا ارشاد ہے کہ الخلق کلھم فی میادین الغفلۃ یرکضون وعلی الظنون یعتمدون وعندھم انھم فی الحقیقۃ ینقلبون وعن المکاشفۃ ینطقون۔ ساری مخلوق غفلت کے میدانوں میں گھوڑے دوڑاتے اور اپنے گمانوں پر اعتماد رکھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ان کا کردار حقیقت پر ہے اور مکاشفہ سے بولتے ہیں۔ اس شیخ کا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سب کچھ طبیعت کا غرور اور نفس کی رعونت کی وجہ سے ہے کیونکہ آدمی جاہل ہونے کے باوجود اپنی جہالت پر معتقد ہے خاص کر جاہل صوفیاء۔ اسی طرح عالم صوفی مخلوق خدا میں سب سے بڑھ کر عزیز ہے اور جاہل صوفی مخلوق خدا میں سب سے زیادہ ذلیل ہیں اس لئے کہ علماء طریقت حقیقت پر گامزن ہوتے ہیں نہ کہ گمان پر۔ اور جاہل صوفیاء گمان پر ہوتے ہیں نہ کہ حقیقت پر۔ وہ غفلت کے میدان میں پڑتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ میدان ولایت پر ہیں۔ ظن و گمان پر اعتماد رکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یقین پر ہیں۔ ظاہری رسموں پر ہوتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ یہی حقیقت ہے۔ نفسانی خواہش سے بولتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ مکاشفہ ہے۔ اس لئے کہ آدمی کے دماغ سے گمان کا اخراج نہیں ہو سکتا جب تک کہ جلال حق یا جمال حق کا دیدار نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس کے جمال کے اظہار میں سب کچھ اس کا دیکھتا ہے اور اس کا گمان فنا ہو جاتا ہے اور کشف جلال میں خود کو بھی نہیں دیکھتا اور اس کا گمان سر بھی نہیں اٹھاتا۔ واللہ اعلم۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے، باسط علوم، واضح رسوم حضرت ابومحمد بن احمد بن الحسین حریری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اسرار کے حامل تھے حضرت سہل بن عبداللہ کی صحبت بھی میسر آئی تھی تمام اقسام علوم کے عالم اور فقہ میں امام وقت تھے اور اصول بخوبی جانتے اور طریق تصوف میں درجۂ کمال حاصل تھا چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ان سے فرماتے میرے مریدوں کو ادب اور ریاضت سکھایئے۔ حضرت جنید کی عدم موجودگی میں ولیعہد ہوتے اور ان کی جگہ تشریف رکھتے تھے۔

ان کا ارشاد ہے کہ دوام الایمان وقوام الادیان وصلاح الابدان فی ثلثۃ خصال الاکتفاء والاتقاء والاحتماء من اکتفی باللہ صلحت سریرتہ ومن اتقی ما نھی اللہ عنہ استقامت سیرتہ ومن احتمی ما لم یوافقہ ارتاضت طبیعتہ فثمرۃ الاکتفاء صفو المعرفۃ وعاقبۃ الاتقاء حسن الخلیقۃ وغایۃ الاحتماء اعتدال الطبیعۃ۔ ایمان کا دوام دینوں کا قیام اور بدنوں کی صلاح تینوں خصلتوں پر ہے۔ پسند کرنا، پرہیز کرنا اور غذا کی حفاظت کرنا ہے۔ جس نے خدا کو پسند کیا اس کے اسرار و باطن درست ہو گیا اور جس نے اس کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز رکھا اس کی سیرت عمدہ ہو گئی اور جو ناموافق چیز کے کھانے سے محفوظ رہا اس کی طبیعت درست رہی۔ لہذا پسندیدگی کا پھل معرفت سے موصوف ہوتا ہے اور پرہیز کا نتیجہ عمدہ اخلاق سے مزین ہوتا ہے اور غذا میں احتیاط کا ثمرہ تندرستی کی حفاظت ہے۔

مطلب یہ کہ جو اللہ تعالیٰ پر کفایت رکھے اس کی معرفت مصفیٰ و پاکیزہ ہو جاتی ہے اور جو معاملت میں تقویٰ کا دامن تھامے اس

کی عادت وخصلت حمیدہ ہوجاتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من کثر صلوٰتہ باللیل حسن وجھہ بالنھار۔ جو رات میں نمازوں کی کثرت کرے دن میں اس کا چہرہ خوبصورت وجیہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن متقی لوگ اس شان سے لائے جائیں گے کہ وجوھھم نور علیٰ منابر من نور۔ ان کے چہرے منور، نوری تخت پر جلوہ فگن۔

اور جو غذا میں احتیاط کی روش چلے تو اس کا جسم بیماری سے اور اس کا نفس شہوت سے محفوظ ہوگا۔ اطاعت ومنع میں یہ کلام جامع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے، شیخ ظرفا، قدوۂ اہل صفا حضرت ابو العباس احمد بن محمد بن سہل آملی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اپنے زمانہ میں بزرگترین اکابر مشائخ میں سے محرم اسرار تھے۔ اور علم تفسیر وقرأت کے عالم اور لطائف قرآن کے بیان کرنے میں خاصکر ماہر تھے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بڑے مریدوں میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم مارستانی کی صحبت پائی اور حضرت ابو سعید خراز ان کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے سوا کسی کو تصوف میں مسلم ومعتبر نہ گردانتے تھے ان کا ارشاد ہے السکون الی مالوفات الطبائع یقطع صاحبھا عن درجات الحقائق۔ طبیعتوں کی مرغوب چیزوں سے راحت پانے سے درجات حقائق سے محروم رہ جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ جو مرغوبات طبع سے عیش لے گا وہ حقیقت سے محروم رہے گا۔ اس لئے کہ طبائع نفس کے آلات واوزار ہیں۔ اور نفس حجاب کی جگہ ہے اور حقیقت کشف کا مقام۔ اور مرید محجوب مکاشف کی برابر راحت وآرام نہیں پاتا۔ لہٰذا حقائق کا ادراک کشف کا محل ہے اور یہ حقیقت، مرغوبات طبع سے بچنے اور اعراض کرنے میں وابستہ ہے۔ یہ اس لئے کہ طبیعتوں کی رغبت دو چیزوں کے ساتھ ہے ایک دنیا اور اس کی چیزوں کے ساتھ، دوسرے آخرت اور اس کے احوال کے ساتھ۔ وہ جو دنیا سے الفت ورغبت رکھے تو وہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ہے اور آخرت سے الفت گمان کی بنا پر ہے۔ اور غیر جنس بے دیکھی چیز ہے۔ لہٰذا آخرت سے الفت گمان اور ناشناخت کی وجہ سے ہے نہ کہ عین سے۔ اگر حقیقت کی معرفت ہوجائے تو اس جہان میں پگھل جاتے اور جب اس جہان میں پگھل جاتے اور اس سے قطع تعلق کرے تو طبائع کی ولایت سے گزر جاتے۔ اس وقت کہیں کشف حقائق ہوتا ہے۔ کیونکہ عاقبت بالطبع فنائے طبع کے سوا خوشی نہیں دیتا۔ لان فیھا مالا خطر علیٰ قلب بشر۔ اس لئے کہ اس میں وہ ہے جو بندہ کے دل پر گذرتا ہے۔ آخرت کا نہ ارہ بھی یہی ہے کہ اس کا راستہ خطرناک ہے۔ اور اس کا کوئی خطرہ نہیں ہو دلوں میں آئے جبکہ آخرت کی حقیقت کی معرفت میں وہم عاجز ہے تو طبیعت کو اس کے عین سے کس طرح الفت ہو یہ بات صحیح ہے کہ طبیعت کو آخرت سے الفت گمان سے ہی ہے واللہ اعلم۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے مستغرق معنے مستہلک دعوے حضرت ابو المغیث الحسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو طریقت کے مشتاقوں اور اس کے مستوں میں سے تھے۔ ان کا حال قوی اور ہمت عالی تھی۔ ان کے قصہ کے بارے میں مشائخ کی آراء مختلف

ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک مردود ہیں، دوسرے گروہ کے نزدیک مقبول ہیں۔ جنھوں نے مردود قرار دیا ان میں عمرو بن عثمان مکی، ابو یعقوب نہرجوری، ابو یعقوب اقطع اور علی بن سہل اصفہانی وغیرہ ہیں جنھوں نے مقبول گردانا ان میں ابن عطا، محمد بن خفیف، ابوالقاسم نصرآبادی اور تمام متاخرین مشائخ ہیں۔ اور ایک تیسرا گروہ اور ہے جو ان کے بارے میں توقف رکھتا ہے ان میں حضرت جنید، شبلی، حریری، حصری وغیرہ ہیں اور چوتھے گروہ نے جادو وغیرہ کی ان کی طرف نسبت کی ہے لیکن ہمارے زمانہ میں شیخ المشائخ شیخ ابوسعید ابوالخیر، شیخ ابوالقاسم گرگانی اور شیخ ابوالعباس شقانی رحمہم اللہ نے ان کو باطنی اسرار پر محمول کیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ بزرگ تھے میرے استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ارباب معانی و حقیقت میں ہوتے تو لوگوں کی جدائی سے حق سے جدا نہ ہوتے۔ اور اگر مہجور شریعت اور مردود حق ہوتے تو خلق کی قبولیت سے مقبول نہ ہوتے۔ اب ہم ان کو بحکم حق خدا کے حوالہ کرتے ہیں۔ اور جس قدر ان میں حق تعالیٰ کی نشانیاں پاتے ہیں اتنا ہی ہم ان کو بزرگ جانتے ہیں۔ بہرحال یہ تمام مشائخ کرام بجز چند کے ان کے کمال فضل صفائی حال، کثرت اجتہاد و ریاضت کے منکر نہیں ہیں۔ اس کتاب میں ان کے تذکرے کو ثبت نہ کرنا بددیانتی ہوتی کیونکہ کچھ ظاہری لوگ ان کی تکفیر کرتے اور ان کے منکر ہیں۔ اور ان کے احوال کو عذر، حیلہ اور جادو سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ گمان رکھتے ہیں کہ حسین بن منصور حلاج وہ ملحد بغدادی ہے جو محمد بن زکریا کا استاد ہوا ہے اور ابو سعید قرمطی کا ساتھی ہے۔ یہ حسین جس کے بارے میں ہمارا اختلاف ہے بیضاء کے رہنے والے ملک فارس کے تھے۔ مشائخ کرام کا ان کے بارے میں جو رد و ہجر ہے وہ اس معنے میں نہیں ہے کہ وہ ان کے دین و مذہب پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے حال اور کیفیات پر ہے۔ کیونکہ وہ ابتداء میں سہل بن عبداللہ کے مرید ہوئے پھر وہ بلا اجازت ان کے پاس سے چلے گئے اور عمرو بن عثمان کی صحبت اختیار کر لی۔ پھر ان کے پاس سے بھی بغیر اجازت چلے گئے اور حضرت جنید رحمہ اللہ کی صحبت میں حاضر ہوئے مگر انہوں نے قبول نہ کیا اس بنا پر یہ سب ان کو مہجور گردانتے ہیں۔ لہٰذا یہ مہجوری معاملت میں ہے نہ کہ اصل میں۔ تم نے نہیں دیکھا حضرت شبلی فرماتے ہیں کہ: انا والحلاج فی شئی واحد فخلصنی جنونی واھلکہ عقلہ۔ میں اور حلاج ایک ہی راہ میں تھے مجھے میرے جنون نے چھوڑا اور اسے اس کی عقل نے ہلاک کیا۔

اگر وہ ایسے ہی مطعون ہوتے تو شبلی یہ نہ فرماتے کہ میں اور حلاج ایک ہی راہ کے راہی ہیں۔ اور محمد بن خفیف فرماتے ہیں کہ ھو عالم ربانی وہ ربانی عالم ہیں۔ اس طرح کے اور بھی اقوال ہیں۔ لہٰذا مشائخ کرام کی ناخوشنودی و عاق کر دینا طریقت میں ہجران و وحشت لاتا ہے۔ ان کی تصانیف بہت ہیں اور اصول و فروع میں ان کا رموز کلام مہذب ہے۔

اور میں یعنی علی بن عثمان جلابی (داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) نے بغداد اور اس کے نواح میں پچاس جزو ان کی تصنیف کے دیکھے ہیں اور کچھ خوزستان، فارس اور خراسان میں۔ سب میں ایسی ہی باتیں تھیں جس طرح ابتدائی مرید ظاہر کرتا ہے۔ کچھ بہت قوی کچھ بہت کمزور، کچھ بہت آسان اور کچھ بہت سخت۔ جب کسی پر حق کی تجلی ہوتی ہے تو اپنی قوت استعداد کے مطابق اپنے حال کی تعبیر کر دیتا ہے

اور فضل الٰہی مدد کر دیتی ہے۔ اور جب کوئی مشکل و دشوار ہوتا مگر جبکہ تعبیر کرنے والا بیان میں عجلت و حیرت کا اظہار کرے تو اُس وقت اوہام کو اس کے سُننے سے نفرت بڑھتی ہے۔ اور عقل اس کے سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے ایسے وقت کہتے ہیں کہ یہ بات اونچی ہے کچھ لوگ جہالت سے انکار کر جاتے اور کچھ جہالت سے اقرار کر جاتے ہیں ان کا انکار بھی اُن کے اقرار کی مانند ہے لیکن جب محقق اور اہل بصیرت دیکھتے ہیں تو وہ عبارت میں نہیں اٹکتے اور نہ حیرت و تعجب میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور وہ مدح و ذم سے بے نیاز ہوتے ہیں اور ان کے انکار و اقرار سے دامن کو بچاتے ہیں،

رہے وہ لوگ جو اس جواں مرد کے حال کو جادو و سحر سے منسوب کرتے ہیں وہ محال ہے اس لئے کہ اہلِ سُنت و جماعت کے اصول میں سحر و جادو حق ہے جس طرح کرامت حق ہے۔ لیکن کمال کی حالت میں سحر کا اظہار کفر ہے۔ اور کمال کی حالت میں کرامت کا اظہار معرفت ہے اس لئے کہ سحر اگر خدا کی ناراضگی کا موجب ہے تو کرامت خدا کی رضامندی کی علامت ہے یہ مسئلہ اثباتِ کرامت کے بیان میں تشریح کے ساتھ بیان ہوگا۔ اہلِ سُنت کے اہلِ بصیرت حضرات کا اتفاق ہے کہ مسلمان زیاں کار اور جادوگر نہیں ہوتے اور نہ کافر صاحب کرامت، کیوں کہ اضداد کا مجتمع ہونا محال ہے۔ اور حسین حلاج جب تک لباسِ حیات میں رہے درستکار رہے عمدہ طریق پہ نماز ادا کرتے، بکثرت ذکر و مناجات کرتے متواتر روزہ دار رہتے پاکیزہ حمدِ الٰہی بجا لاتے رہتے۔ اس کی توحید کے نکتے بیان کرتے رہتے۔ اگر ان کے اعمال اہلِ سحر ہوتا تو یہ سب کچھ ان سے صدور محال ہوتا۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ یہ کرامت تھی اور کرامت بجز ولی کے متحقق نہیں ہوتی ؛

کچھ اہلِ سُنت وہ ہیں جو ان کے وصول الٰہی کو مردود گردانتے اور ان کے کلمات پر اعتراض کرتے ہیں۔ جو امتزاج و اتحاد کی تعبیر میں ہیں۔ تو یہ الفاظ، تعبیر و عبارت سخت بُرے ہیں نہ کہ معنٰے و مفہوم ہیں۔ کیونکہ مغلوب الحال میں صحیح تعبیر کی قوت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے غلبۂ حال میں اس کی صحیح عبارت لے آئے۔ اور یہ بھی جائز ہو سکتا ہے کہ معنٰے میں عبارت مشکل ہو اور تعبیر کرنے والا اظہارِ مقصود میں آسان عبارت لانے سے قاصر رہا۔ اور منکرین جن کی سمجھ میں اس کے معنٰے نہیں آتے اس کی ایسی صورت بنا دیں جس سے انکار کا جواز نکل سکے۔ تو ان کا یہ انکار انہیں کی طرف لوٹے گا نہ کہ معنٰے میں ؛

لیکن میں نے بغداد اور اس کے نواحی میں ایسے ملحدوں کو دیکھا ہے جو ان کی پیروی کا دعوٰے کرتے ہیں۔ اور ان کے کلام کو اپنی زندیقی کی دلیل بناتے ہیں اور اپنے آپ کو حلاجی کہلاتے ہیں اور ان کے بارے میں غلو کرتے ہیں۔ جس طرح روافض سیدنا علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ کی محبت میں غلو کرتے ہیں۔ ان کے ان کلمات کا رد انشاء اللہ اس باب میں لاؤں گا جہاں جدا جدا فرقوں کا تذکرہ ہوگا ؛

حاصل کلام یہ ہے کہ ان کے کلام کو مقتدا نہ بنانا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ اپنے حال میں مغلوب تھے متمکن نہ تھے۔ متمکن کے کلام کی پیروی کرنی چاہئے۔ الحمد للہ حسین بن حلاج مجھے دل سے عزیز و محبوب ہیں لیکن کسی اصل پر ان کا طریق قائم نہیں اور نہ کسی حال پر انکی استقامت ہے۔ ان کے حالات میں فتنہ بہت ہے۔ اور مجھے اپنے ابتدائے ظہور کے وقت ان سے بہت تقویت ملی ہے۔ یعنے دلائل حاصل ہوئے ہیں

اس کتاب سے قبل میں نے ان کے کلام کی شرح لکھی ہے اس میں دلائل و براہین سے علو کلام اور ان کے حال کی صحت ثابت کی ہے۔ اور اپنی کتاب "منہاج الدین" میں ان کی ابتداء اور انتہاء کا تذکرہ کیا ہے اس جگہ بھی اتنا تذکرہ لے آیا۔ لہٰذا حس کے طریق کی اصل اتنے اعتراضوں اقراروں اور حیلوں سے ثابت کیا جائے اس سے تعلق اور اس کی پیروی کیوں نہ کی جائے لیکن جو نفسانی خواہشات کا پرستار ہے اسے اہ راست سے موافقت نہیں ہوتی کیونکہ وہ ایسا راستہ تلاش کرتا ہے جس میں کجی اور ٹیڑھ ہو تاکہ وہ اس میں پڑ جائے چنانچہ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ الاسنة مستنطقات تحت نطقها مستهلكات ، بولنے والی زبانیں اپنی گویائی کے نیچے ہلاک ہیں (ان کے دل خاموش ہیں) یعنے یہ عبارت سراسر آفت ہے اور حقیقت معنے میں یہ عبارت ایک بڑھ ہے جب معنے حاصل ہوں تو عبارت مفقود نہیں ہوتی اور جب معنے مفقود ہوں تو عبارت موجود نہیں ہوتی بجز اس کے کہ اس میں گمان ظاہر ہو جو طالب کو ہلاک کرتی ہے اس لئے کہ وہ عبارت کو گمان کرتا ہے کہ یہ معنے ہیں واللہ اعلم ۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے ، سرہنگ متوکلاں ، سردار مستسلمان حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو توکل میں بڑی شان ، اور اونچی منزلت رکھتے تھے ۔ بہت سے مشائخ کو پایا ، ان کی نشانیاں اور کرامتیں بکثرت ہیں ۔ طریقت کے معاملات میں ان کی تصانیف عمدہ ہیں ۔ ان کا ارشاد ہے العلم كله فی كلمتين لا تتكلف فی ما كفيت ولا تضيع ما استكفيت : سارا علم دو کلموں میں جمع ہے ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ نے جس چیز کا اندیشہ تیرے دل سے اٹھا دیا ہے اس میں تکلف نہ کرو۔ دوسرا یہ کہ جو کچھ تجھے کرنا چاہیئے وہ تجھ پر فرض ہے اسے ضائع نہ کرو ۔

یہاں تک کہ دنیا و آخرت میں اس کے موافق بن جاؤ ۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر میں تکلف نہ کرو ۔ کیونکہ ازلی قسمت تمہارے تکلف سے بدل نہیں سکتی ۔ اور اس کے حکم میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ نافرمانی سے تمہیں عذاب ہو گا ۔ ان سے لوگوں نے دریافت کیا عجائبات میں سے آپ نے کیا دیکھا ؟ فرمایا بہت سے عجائبات دیکھے لیکن اس سے زیادہ عجیب کچھ نہ تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے اجازت چاہی کہ میں تمہاری مجلس میں رہوں میں نے منظور نہ کیا ۔ لوگوں نے پوچھا کیوں ؟ فرمایا میرا نامنظور کرنا اس لئے نہ تھا کہ میں ان سے بہتر رفیق کو چاہتا تھا بلکہ میں ڈرتا تھا کہ کسی غیر حق کے ساتھ اعتماد نہ کر لوں ۔ ان کی صحبت سے میرا توکل ضائع نہ ہو جائے کہیں نفل کے بدلے فرض نہ جاتا رہے ۔ یہ ان کا درجہ کمال ہے ۔

ومنھم انہیں ائمہ طریقت میں سے ، محرم سراپردۂ تمکین ، اساس اہل یقین حضرت ابو حمزہ بغدادی بزاز رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر متکلمین مشائخ میں سے تھے یہ حضرت حارث محاسبی کے مرید اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہما کے صحبت یافتہ ، حضرت نوری و خیر النساج کے ہم زمانہ تھے ۔ بزرگترین مشائخ کرام کے ساتھ صحبت کی اور بغداد میں مسجد رصافہ میں وعظ فرماتے تھے ۔ تفسیر قرأت کے عالم ، ان کی روایات حدیث بلند مرتبہ تھیں ۔ یہ وہ تھے جس وقت حضرت نوری پر ابتلاء کا واقعہ ہوا تو یہ ان کے ساتھ تھے اللہ تعالےٰ نے سب کو رستگاری عنایت

فرمائی ان کی حکایت لوزی کے مذہب کی شرح میں انشاء اللہ آئے گی۔ ان کا ارشاد ہے کہ اذا سلمت منک نفسک فقد ادیت حقہا واذا سلم منک الخلق فقد قضیت حقوقہم۔ جب تیرا بدن تجھ سے سلامتی پائے تو تو نے اس کا حق ادا کر دیا اور جب لوگ تجھ سے سلامت رہیں تو تو نے ان کا حق ادا کر دیا۔

مطلب یہ کہ حق دو طرح پر ہیں ایک اپنا حق اپنے اوپر، دوسرا لوگوں کا حق تیرے اوپر۔ جب تو نے اپنے آپ کو معصیت سے محفوظ رکھا اور اس کے جہان میں سلامتی کی راہ اختیار کی تو تو نے اس کا حق ادا کر دیا اور جب لوگوں کو اپنی برائی سے محفوظ رکھا اور ان کی بدخواہی نہ کی تو تو نے ان کا حق پورا کر دیا۔ تو کوشش کر تاکہ خود اور خلق برائی میں نہ پڑے۔ پھر حق تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں مشغول ہو واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، اپنے حق کے امام، عالی حال، لطیف کلام حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو محققین مشائخ میں سے تھے۔ اور جو حقائق میں عظیم شان اور بلند درجہ رکھتے تھے۔ تمام مشائخ کے نزدیک لائق تعریف اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے صحبت یافتہ تھے ان کی عبارات گہری ہوتیں جن پر ظاہریوں کی نظر نہ پڑتی تھی۔ انھوں نے کسی شہر میں مستقل قیام نہ فرمایا جب شہر مرو میں تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ان کی لطافت طبع اور نیک سیرتی کے گرویدہ ہو گئے۔ ان کا وعظ غور سے سنتے۔ آخری عمر کے ایام وہیں گزارے۔ ان کا ارشاد ہے۔ الذاکر فی ذکرہ اکثر غفلۃ من الناس لذکرہ۔ یاد کرنے والے کو اس کی یاد میں فراموش کنندہ ذکر سے زیادہ غفلت ہوتی ہے۔

اس لئے کہ جب خدا کو یاد رکھے اور اس کے ذکر کو بھول جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے خرابی تو اس میں ہے کہ اس کے ذکر کو تو یاد رکھے اور اسے بھول جائے۔ کیونکہ ذکر اور چیز ہے اور مذکور لیتنے جس کا ذکر کیا جائے اور ہے۔ لہٰذا جب ذکر کے گمان پر عین مذکور سے منہ موڑے تو اس میں غفلت زیادہ پائی جاتی ہے بنسبت اس کے کہ مذکور کی یاد کو فراموش کرے اور گمان بھی نہ ہو۔ بھول جانے والے کو نسیان وغیبت میں حضور کا گمان نہیں۔ اور ذاکر کو حالتِ ذکر وغیبت میں مذکور کے حضور کا گمان ہے۔ لہٰذا عدم حضور کی حالت میں حضور کا گمان غفلت سے زیادہ نزدیک ہے بنسبت اس کے جو غیبت خالی از گمان ہو۔ اس لئے کہ طالبانِ حق کی ہلاکت ان کے گمان میں ہے جس جگہ گمان زیادہ ہے معنے کم ہوں گے اور جس جگہ معنے کم ہوں گے گمان زیادہ ہوگا۔ درحقیقت ان کا گمان عقل کی اتہام طرازی ہے اور عقل کی اتہام طرازی نفس کے ارادہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ہمت کو تہمت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور اصل ذکر یا غیبت میں ہوتا ہے یا حضور میں۔ جب غائب از خود غیبت میں ہو اور حق کے حضور میں تو وہاں ذکر نہیں ہوتا بلکہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور جب بندہ حق سے غائب ہو اور از خود حاضر وہاں بھی ذکر نہیں ہوتا کیونکہ غیبت غفلت سے ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے سکینۂ احوال، سفینۂ مقال حضرت ابوبکر بن دلف بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر مشائخ اور ان کے ممدوح و مذکور تھے۔ ان کے حالات و اوقات حق کے ساتھ مہذب پاکیزہ تھے۔ ان کے اشارے لطیف اور قابل ستائش ہیں۔ جیسا کہ

مشائخین فرماتے ہیں کہ ثلثۃ من عجائب الدنیا اشارات الشبلی ونکات المرتعش وحکایات الجعفر: دنیا میں تین کی نادر و عجیب باتیں ہیں ایک شبلی کے اشارات دوسرے مرتعش کے نکات تیسرے جعفر کی حکایات ،

یہ اکابر قوم اور سادات اہلِ طریقت میں سے ہیں. شروع میں خلیفہ وقت کے مقرب خاص تھے حضرت خیر النساج کی صحبت میں توبہ کی اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ارادت کیا. بکثرت مشائخ کرام کو انھوں نے پایا ہے ان سے منقول ہے کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے معنے میں فرمایا قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ای ابصار الرؤس عن المحارم وابصار القلوب عما سوی اللّٰہ ۔ اے نبی تم مسلمانوں سے فرماؤ اپنی نگاہوں کو شہوت کی نظر سے جھکاؤ یعنے اپنے سر کی آنکھوں کو محارم سے بچاؤ اور دل کی آنکھوں کو ماسوی اللّٰہ سے ،

یعنے چشم دل کو انواع فکر سے محفوظ رکھو بجز اندیشہ رویت کے کوئی سروکار نہ ہو. لہٰذا متابعت شہوت اور ملاحظۂ محارم غفلت سے ہے غافلوں کے لئے اہانت انگیز مصیبت ہے کہ وہ اپنے عیوب سے جاہل ہوتے ہیں جو شخص یہاں جاہل ہے وہ وہاں یعنے آخرت میں بھی جاہل ہوگا فرمان الٰہی ہے من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی جو اس جہان میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھا ہے ،

درحقیقت جب تک اللّٰہ تعالٰی کسی کے دل سے شہوانی ارادوں کو دور نہ فرمائے اس وقت تک سر کی آنکھیں اس کے غوامض سے محفوظ نہیں ہوتیں. اور جب تک اللّٰہ تعالٰی اپنا ارادہ و محبت کسی کے دل میں جاگزیں نہ کرے اس وقت تک دل کی آنکھیں غیر کے نظارہ سے محفوظ نہیں ہوتیں. انہیں کا ارشاد ہے کہ ایکدن میں بازار گیا تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ ھٰذا مجنون یعنے یہ پاگل ہے. فرمایا انا عندکم مجنون وانتم عندی اصحاء فزادنی اللّٰہ فی جنونی وزاد فی صحتکم: میں تمہارے نزدیک مجنون ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو لہٰذا اللّٰہ تعالٰی میرے جنون کو اور زیادہ کرے اور تمہاری صحت کو اور بڑھائے ،

کیونکہ میرا جنون شدت محبت میں ہے اور تمہاری صحت اور قوت غفلت میں ہے لہٰذا اللّٰہ تعالٰی میری دیوانگی کو بڑھائے تاکہ میری قربت میری قربت پر اور زیادہ ہو جائے اور تمہاری ہوشیاری اور زیادہ کرے تاکہ دوری میں اور دور ہو جاؤ. یہ فرمان غیرتمندی سے ہے تاکہ آدمی ایسا نہ بنے کہ وہ درستی اور دیوانگی میں فرق نہ کرسکے. اور دونوں جہان میں اس میں امتیاز نہ کرسکے واللّٰہ اعلم ،

ومنہم انہیں ائمۂ طریقت میں سے زمرۂ کفار سے حکایت کنندۂ احوالِ اولیاء حضرت ابو محمد ابن جعفر بن نصیر خالدی رحمۃ اللّٰہ علیہ ہیں جو حضرت جنید کے اصحاب کبار اور متقدمین مشائخ میں سے تھے. فنون طریقت کے متبحر عالم، لغایت مشائخ کے نگہبان تھے. ہر فن میں ان کا کلام بہت اونچا ہے. ترک رعونت کے سلسلہ میں ہر مسئلہ میں حکایتیں بیان کی ہیں. اور اس کے سوا کسی دوسرے کی طرف کہا ہے

• ان کا ارشاد ہے التوکل استواء القلب عن الوجود والعدم. توکل یہ ہے کہ رزق کا ہونا یا نہ ہونا اس کے دل پر یکساں ہو. رزق کے پانے سے دل خوش نہ ہو اور اس کے نہ ہونے سے دل غمگین نہ ہو. اس لئے کہ جسم مالک کا ملک ہے اس کی پرورش اور ہلاکت اللّٰہ تعالٰی ہی کو لائق ہے وہ تم سے زیادہ جانتا ہے. وہ جیسا چاہے رکھے تم اس میں دخل نہ دو. ملکیت کو مالک کے حوالہ کرو اور اپنا اختیار

اس سے ہٹالو۔ حضرت ابومحمد جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کو بخار میں پایا میں نے عرض کیا اے استاد حق تعالیٰ سے استدعا کرو وہ صحت بخشے۔ فرمایا کل میں نے دعا کی تھی میرے سر میں آواز آئی اے جنید تمہارا جسم ہماری ملکیت ہے ہم چاہے تندرست رکھیں چاہے بیمار۔ تم کون ہو کہ ہمارے درمیان اور ہماری ملکیت کے درمیان دخل دو؟ اپنا اختیار ختم کرو تاکہ تم بندے ہو جاؤ۔ واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، شیخ محمود معدن جود، حضرت ابوعلی محمد بن قاسم رودباری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اکابر جوانمردان صوفیا کے سرخیل تھے۔ خاندان سلاطین سے تھے فنون معاملات میں عظیم مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کے مناقب و نشانیاں بکثرت ہیں وقائق معرفت و طریقت میں ان کا کلام لطیف ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ المرید لا یرید لنفسہ الا ما اراد اللہ لہ والمراد لا یرید من الکونین شیئا غیرہ۔ مرید وہ جو اپنے لئے کچھ نہ چاہے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اور مراد یہ ہے کہ دونوں جہان میں اس کے سوا کسی چیز کو نہ چاہے۔

لہٰذا حق تعالیٰ کے ارادہ پر راضی ہو کر اپنا کوئی ارادہ نہ رکھے تاکہ وہ مرید بن جائے۔ محب کو خود چاہئے کہ کوئی ارادہ نہ ہو تاکہ خدا ہی اس کی مراد ہو۔ مطلب یہ کہ وہ حق تعالیٰ ہی کو چاہے اور کسی کو نہ چاہے۔ وہی چاہے جو خدا چاہے۔ کیونکہ اس کو حق چاہتا ہے وہ بجز حق کے نہ چاہے۔ لہٰذا مرید ابتدائی مقام ہے اور ربوبیت کے ساتھ محبت احوال کی انتہا ہے۔ مقامات کی نسبت عبودیت کے تحقق سے ہے اور تربیت احوال، ربوبیت کی تائید سے۔ جب ایسا ہی بن جائے گا تو مرید بخود قائم اور مراد بحق قائم ہو جائے گا واللہ اعلم۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے، خزینہ دار توحید، سمسار تفرید حضرت ابوالعباس قاسم بن مہدی سیاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اپنے زمانہ کے امام اور علوم ظاہر و حقائق کے عالم تھے حضرت ابوبکر واسطی کے صحبت یافتہ، بکثرت مشائخ سے ادب گرفتہ اور صوفیاء کی صحبت میں ازہر و اشرف اور راہ الفت میں زاہدتر تھے۔ ان کا کلام عالی اور تصانیف عمدہ ہیں۔ ان کا ارشاد ہے التوحید ان لا یخطر بقلبک ما دون توحید۔ توحید یہ ہے کہ تیرے دل میں حق تعالیٰ کے سوا کسی کا خطرہ نہ ہو۔

اور تیرے دل کے اسرار پر کسی مخلوق کا گزر نہ ہو۔ نہ تیرے معاملات کی صفائی میں کوئی کدورت ہو۔ اس لئے کہ غیر کا اندیشہ ان کے اثبات سے ہے جب غیر ثابت ہو گیا تو توحید کا حکم ساقط ہو گیا۔ وہ علم دریا سنت کے خاندان سے تھے مرو کے لوگ ان کے مرتبہ میں کسی دوسرے اہل خاندان کو ترجیح نہ دیتے تھے انھوں نے اپنے والد کی میراث سے بہت مال پایا سب دے دیا صرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دو موئے مبارک رکھ لئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے انہیں توبۃ النصوح کی توفیق مرحمت فرمائی۔ حضرت ابوبکر واسطی کی صحبت میں رہ کر اس قدر درجہ کمال پایا کہ صوفیاء کے امام حنیف ہو گئے۔ جب دنیا سے رحلت فرمانے لگے تو وصیت کی کہ ان موئے مبارک کو میرے منہ میں رکھ دیں یہاں تک کہ آج اسی کا اثر ہے کہ مرو میں ان کی قبر کا نشان ظاہر و برقرار ہے لوگ وہاں جا کر مرادیں مانگتے، حل

مشکلات کی دعائیں کرتے اور پلٹتے ھیں یہ آزمودہ ھے ۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے تصوف میں اپنے زمانہ کے مالک جن کی طبیعت تکلف و تصنع سے خالی ہے یعنی حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو انواع علوم میں اپنے وقت کے امام تھے ان کا پایہ عظیم الشان تھا حقائق میں بیان شافی اور ان کا حال عمدہ اور ظاہر ہے جو حضرت ابن عطا حضرت شبلی حضرت حسین بن منصور حریری کی تصانیف میں دیکھا ہے اور مکہ مکرمہ میں حضرت یعقوب نہر جوری کی صحبت پائی اور مجرد رہ کر خوب سیر کی تھی اور شاہی خاندان سے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق بخشی اور اس سے کنارہ کش ہو گئے ان کا باطن اہل معانی کے باطن پر غالب ہے ان کا ارشاد ہے کہ التوحید الاعراض عن الطبیعۃ. طبیعت سے منہ موڑنے ہی میں توحید کا قیام ہے ۔

اس لئے طبیعت سراسر پردہ ہے جو خدا کی نعمتوں سے محجوب نابینا بنا دیتا ہے لہٰذا جب تک طبیعت سے منہ نہ موڑا جائے حق سے وصال نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب طبع حقیقت توحید سے پردہ میں ہے جب طبیعت کی آفتوں کو دیکھ لیا حقیقت توحید کو پہنچ گیا۔ ان کے دلائل و براہین بکثرت ہیں واللہ اعلم بالصواب ۔

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے بیعت سیادت آفتاب نجابت حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بزرگان اہل استقامت سے تھے اور فنون علم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے اور صاحب ریاضت و سیاست تھے، روایات میں آفتاب کی مانند تھے ان کی نشانیاں بکثرت، براہین عمدہ ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ من آثر صحبۃ الاغنیاء علی مجالسۃ الفقراء ابتلاہ اللہ تعالیٰ بموت القلب: درویشوں کی صحبت کے برخلاف جو تونگروں کی صحبت رکھے اللہ تعالیٰ اسے دل کی موت میں مبتلا کرتا ہے ۔

کیونکہ مالداروں کی تو صحبت میں رہا اور درویشوں سے پرہیز رکھا تو بنا پر اس کے درویشوں کی صحبت سے منہ موڑا جب درویشوں کی مجلس کے مقابلہ میں تونگروں کی صحبت اختیار کرے گا تو اس کا دل حاجت کی موت سے مر جائے گا۔ اور اس کا جسم گمان میں گرفتار ہو جائے گا جب مجلس چھوڑنے کا نتیجہ دل کی موت ہے تو صحبت سے اعراض کیونکر ہو گی۔ ان کلموں میں صحبت و مجالست کا فرق ظاہر ہے واللہ اعلم

ومنہم انہیں ائمہ طریقت میں سے صوفیاء کی صفت کے بہادر عارفوں کے احوال کے معبر حضرت ابو القاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں نیشاپور میں جس طرح خوارزم شاہ اور شاہ پور میں شاہ حمویہ تھا اسی طرح یہ نیشاپور میں بلند مرتبہ و حال تھے۔ فرق یہ تھا۔ کہ وہ دنیا کی عزت رکھتے تھے اور یہ آخرت کی عزت رکھتے تھے۔ ان کا کلام نرالا اور نشانیاں بلند ہیں حضرت شبلی کے مرید اور متاخرین اہل خراسان کے استاد تھے۔ اپنے زمانہ میں ہر فن میں سب سے اعلم و اورع تھے۔ ان کا ارشاد ہے انت بین نسبتین نسبۃ الیٰ اٰدم و نسبۃ الی الحق فاذا انتسبت الیٰ اٰدم دخلت فی میادین الشہوٰت و مواضع الاٰفات والزلات وھی نسبۃ تحقق البشریۃ قال اللہ تعالیٰ انہ کان ظلوماً جھولاً۔ واذا انتسبت الی الحق دخلت فی مقامات الکشف والبراھین والعصمۃ

والولایة وھی نسبة تحقق العبودیة قال اللہ تعالیٰ وعباد الرحمٰن یمشون علی الارض ھوناً الآیہ اے بندے تم دو نسبتوں کے درمیان ہو، ایک نسبت آدم کی طرف، دوسری نسبت حق تعالیٰ کی طرف، جب تم آدم کی طرف منسوب ہوتے ہو تو شہوات کے میدانوں، آفتوں کی جگہوں، اور غلطیوں کے مقاموں میں داخل ہو جاتے ہو کیونکہ طبیعت کی نسبت بے قیمت ہے۔ یہ نسبت بشریت کے متحقق ہونے پر ہے اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے بے شک وہ ظالم و جاہل ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کی طرف نسبت ہو کو کشف و براہین اور عصمت و ولایت کے مقامات میں داخل ہو جاتے ہو۔ یہ نسبت عبودیت کے متحقق ہونے پر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کے بندے زمین پر آہستہ چلتے ہیں

کیونکہ پہلی نسبت بشریت سے باقی اور دوسری نسبت بندگی کے برقرار رکھنے سے۔ نسبت آدم تو قیامت میں منقطع ہو جائے گی اور نسبت عبودیت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں رکھا گیا۔ جب بندہ اپنے کو اپنے آپ سے نسبت کر لے یا آدم سے تو اس کا کمال یہ ہے کہ وہ کہے انی ظلمت نفسی (میں نے اپنی جان پر ظلم و زیادتی کی) اور جب حق کی طرف نسبت کرے تو آدمی اس کا محل ان جاتا ہے کہ حق تعالیٰ فرمائے یاعبادی لاخوف علیکم الیوم (اے میرے بندو آج تم پر کوئی خوف نہیں) واللہ اعلم ۔

ومنھم انہیں ائمۂ طریقت میں سے، سالکان طریق حق کے اسرار کے سردار، اہل تحقیق حق کے جانوں کے جمال حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بارگاہِ الٰہی کے بزرگترین احرار بندوں اور صوفیائے کبار کے اماموں میں سے اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے ان کا کلام عالی، عبارات عمدہ ہر معانی میں ہیں۔ ان کا ارشاد ہے۔ دعونی فی بلائی واسمعوا مالکم الستم من اولاد آدم الذی خلقہ اللہ تعالیٰ بیدہ و نفخ فیہ من روحہ واسجد لہ الملائکۃ ثم امرہ بامر فخالف فاذا کان اول الدن دردیا فکیف کان آخرہ ؛ مجھے میری بلاؤں میں چھوڑ دو اور سنو کیا تم اس اولادِ آدم سے نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اس میں جان کو بے واسطہ غیر عطا فرما کر زندہ کیا اور اس کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا پھر کسی حکم کا فرمان دیا تو مخالف ہوا جبکہ شروع ہی میں تلچھٹ ہو تو آخر میں کیا ہوگا ۔

مطلب یہ کہ اگر آدمی کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو سراسر مخالفِ حق بن جائے اور اگر اس پر عنایت حق ہو جائے تو سر تا پلو محبت ہو جائے۔ اب اللہ تعالیٰ کی حسن عنایت اور اس کی غایت کو سمجھنا چاہیئے اور اپنے معاملات کی برائی کو اس سے موازنہ کرنا چاہئے اور اسی حال میں عمر گزار دینی چاہیئے۔ وباللہ التوفیق ۔

یہ ہے بعض گزشتہ متقدمین صوفیائے کرام جو برگزیدہ تھے ان کا مختصر تذکرہ۔ اگر میں اس کتاب میں تمام کا تذکرہ کرتا یا تشریح و تفصیل کے ساتھ ان کے حالات و حکایتیں بیان کرتا تو اصل مقصود سے رہ جاتا کتاب طویل ہو جاتی۔ اب کچھ متاخرین صوفیاء کا تذکرہ شامل کرتا ہوں وباللہ العون والعصمۃ والتوفیق ۔

باب در ذکر ائمۂ متاخرین مشائخ

واضح رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی توفیق بخشے کہ ہمارے زمانہ میں ایک گروہ ایسا ہے جو ریاضت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور بے ریاضت مرتبہ کا خواہاں ہے اور تمام صوفیوں کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں جب وہ سلف کی باتیں سنتے اور ان کے عزت و مرتبہ کو دیکھتے اور ان کے معاملات کو پڑھتے ہیں پھر وہ اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہیں تو خود کو ان سے دور پاتے ہیں تو تصوف کو چھوڑ دیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ ہم وہ لوگ نہیں ہیں اور کہتے ہیں ہمارے زمانہ میں ایسے لوگ نہیں ہیں۔ ان کا یہ کہنا باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین کو ہرگز بے حجت نہیں چھوڑتا اور اس امت کو ہرگز بغیر ولی کے نہیں رکھتا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا تزال طائفۃ من امتی علی الخیر والحق حتی تقوم الساعۃ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خیر و حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لا یزال فی امتی اربعون علی خلق ابراہیم میری امت کے چالیس افراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلق پر ہمیشہ رہیں گے۔

ان میں سے کچھ کا ذکر اس باب میں کروں گا ان میں سے کچھ تو گزر چکے ہیں اور کچھ ابھی حیات ہیں اور کچھ غائب ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ عنہا وعن جمیع المسلمین ... برحمتہ۔

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد قصاب | (۱) متاخرین ائمہ طریقت میں سے طراز طریقت زینت جمال جمیع اہل ہدایت حضرت ابوالعباس احمد بن محمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے ماوراء النہر کے صوفیاء کو پایا اور ان کی صحبت میں رہے وہ علو حال، صدق فراست، کثرت برہان اور زہد و کرامت سے مشہور و معروف تھے حضرت ابو عبد اللہ خیاطی جو طبرستان کے امام تھے فرماتے ہیں کہ اللہ عز و جل کے فضلوں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی کسی کو بلا تعلیم ایسا بنا دے جب ہم کو دین کے اصول اور توحید کے دقائق میں کوئی مسئلہ دشوار و مشکل ہوتا تو ان سے پوچھتے ہیں وہ حضرت ابوالعباس قصاب ہیں کیونکہ وہ امی تھے لیکن ان کا کلام اور ان کی گویائی علم تصوف اور اصول دین میں بڑا اونچا تھا ان کی ابتدائی و انتہائی حالت بہت بلند اور عالی ہوتی تھی۔ مجھے ان کی بہت سی حکایتیں سنائی گئی ہیں لیکن میرا طریق اس کتاب میں اختصار ہے منجملہ یہ ہے

حکایت

ایک بچہ اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے جس پر بوجھ لدا ہوا تھا بازار میں جا رہا تھا اس جگہ ہمیشہ کیچڑ رہتی تھی اونٹ کا پاؤں پھسلا وہ گر پڑا اور پاؤں ٹوٹ گیا لوگوں نے چاہا کہ اونٹ کا بوجھ اس کی پشت سے اتار دیں بچہ ہاتھ اٹھائے دعا میں مانگ رہا تھا اور رو رہا تھا حضرت ابوالعباس کا وہاں گزر ہوا پوچھا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر اور آسمان کی طرف

مُونہہ اٹھا کر دعا مانگی اے خدا! اس اُونٹ کا پاؤں درست کر دے اگر تُو درست کرنا نہیں چاہتا تو اس قصابی کا دل بچے کے رونے سے کیوں جلاتا ہے؟ اُسی وقت اُونٹ اُٹھ کھڑا ہوا اور دوڑ کر چلنے لگا۔

اُن سے روایت ہے کہ فرمایا سارے عالم کو اگر وہ چاہیں یا نہ چاہیں بہرطور اس کی خو سے خوگیر ہونا چاہئے ورنہ رنج میں رہیں گے۔ اس لئے کہ جب تم حق تعالےٰ کی خصلت کے عادی ہو گئے تو بلاکی حالت میں میلان زیادہ دیکھو گے کیونکہ بلا پر بلا نہیں آتی۔ اگر حق سے خوگیر نہ ہو گے تو بلا میں تم آزردہ دل ہو گے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے خوشی و سختی کو مقدر کر دیا ہے وہ اپنی تقدیر کو بدلتا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے حکم پر ہمارا راضی ہونا ہماری راحت کا موجب ہے جو بھی اس کا خوگر ہو گا اس کا دل راحت میں ہو گا۔ اور اس سے اعراض کرے تو تقدیر کے نازل ہونے پر آزردہ ہو گا واللہ اعلم

حضرت ابوعلی بن حسین بن محمد دقاق (۲) متاخرین ائمہ طریقت میں سے، بیانِ مریداں، برہانِ محققاں حضرت ابوعلی بن حسین بن محمد دقاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے فن کے امام، زمانہ میں بے نظیر، اور کشف راہِ حق میں بیانِ صریح و زبان فصیح رکھتے تھے۔ بکثرت مشائخ کو دیکھا اور ان کی صحبت پائی تھی۔ نصرآبادی کے مرید تھے وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ ان کا ارشاد ہے من انس بغیرہ ضعف فی حالہ و من نطق من غیرہ کذب فی مقالہ۔ جو حق کے غیر سے انس رکھے وہ اپنے حال میں کمزور ہے اور جو اس کے غیر کی بات کرے وہ اپنے کلام میں جھوٹا ہے۔

اس لئے کہ غیر سے انس رکھنا معرفت کی کمی کی بنا پر ہے۔ اور اس سے انس کرنا غیر کی وحشت سے محفوظ رہنا ہے۔ اور غیر سے ڈرنے والا غیر سے بات نہیں کرتا۔

ایک بزرگ سے سُنا کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک دن ان کی مجلس میں اس غرض سے گیا کہ ان سے متوکلوں کا حال دریافت کروں وہ اس وقت طبری کی نفیس عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھے میرا دل دستار کی طرف مائل ہو گیا میں نے عرض کیا! ایہاالاستاذ ما التوکل اے شیخ توکل کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ تم لوگوں کی دستار کا لالچ نہ کرو، یہ فرمایا اور عمامہ میرے سامنے ڈال دیا۔

حضرت ابوالحسن علی بن احمد خرقانی (۳) متاخرین ائمہ طریقت میں سے، شرفِ اہلِ زمانہ، وُدرِ زمانہ خود یگانہ حضرت ابوالحسن علی بن احمد خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بزرگترین جلیل القدر متقدمین مشائخ میں سے تھے۔ اور تمام اولیاء کے ممدوح تھے۔ حضرت شیخ ابوسعید نے ان کی زیارت کا قصد کیا۔ ان کے ساتھ انھوں نے ہر فن کے لطیف محاورات استعمال فرمائے جب واپس ہونے لگے تو فرمایا میں تمہیں اپنے زمانہ کا صاحب ولایت، برگزیدہ مانتا ہوں۔ اور حسن ادب سے میں نے سُنا ہے حالانکہ وہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے۔ اور جب یہ شیخ اُن کے حضور میں آتے تب بھی ان سے کوئی اور بات نہ کرتا اور وہ ان کی باتیں سُنتے رہتے۔ بجز جواب سخن کچھ نہ فرماتے۔ میں نے ان سے کہا اے شیخ ایسی خاموشی کیوں اختیار فرمائی ہے؟ فرمایا ایک ہی شخص بات کو بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ حضرت استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سُنا کہ جب میں خرقان کی ولایت میں داخل ہوا تو اس بزرگ کے دبدبہ سے میری فصاحت جاتی رہی اور میری عبارت کرائی

مفقود ہوگئی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول ہوگیا ہوں۔

انہیں کا ارشاد ہے کہ فرمایا راستے دو ہیں ایک گمراہی کا دوسرا ہدایت کا جو رستہ گمراہی کا ہے وہ بندہ کا راستہ خدا کی طرف ہے اور جو راستہ ہدایت کا ہے وہ خدا کی راہ ہے بندہ کی طرف۔ لہٰذا جو یہ کہے کہ میں حق کو پہنچ گیا وہ نہیں پہنچا اور جو یہ کہے کہ اس تک پہنچا دیا گیا ہے وہ پہنچ گیا جاننا چاہئے کہ پہنچنا اس لئے ہے کہ وہ بغیر پہنچانے والے سے متعلق ہے اور نہ پہنچنا پہنچنے سے متعلق ہے واللہ اعلم۔

حضرت محمد بن علی المعروف بہ داستانی (۴) ان ائمہ طریقت میں سے، بادشاہ وقت، اپنے زمانہ میں عبارت و بیان میں منفرد حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف بہ داستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بسطام میں مقیم تھے۔ انواع علوم کے عالم اور برگزیدۂ بارگاہِ حق تھے ان کا کلام مہذب اور اشارات لطیف ہیں۔ ان شہروں کے امام شیخ سہلکی ان کے ساتھ خوش خلقی رکھتے تھے میں نے ان کے کچھ انفاس شیخ سہلکی سے سُنے۔ وہ بہت بلند رتبہ اور خوشتر تھے منجملہ یہ۔ ان کا یہ ارشاد ہے التوحید عنك موجود وانت فى التوحيد مفقود: تجھ سے توحید درست ہے لیکن تُو توحید میں نادرست ہے۔

کیونکہ اس کے حق کے اقتضاء کے مطابق قائم نہیں رہتے۔

توحید کا ادنیٰ درجہ ملکیت میں اپنے تصرف کو ختم کرنا ہے۔ اور اپنے تمام امور کو اللہ عزوجل کے حوالہ کرنے میں ثابت قدم رہنا ہے۔

حضرت سہلکی بیان کرتے ہیں کہ شہر بسطام میں ایک دفعہ ٹڈی دل کا حملہ ہوا اور تمام درخت و کھیتیاں ان کی کثرت کی بنا پر سیاہ ہوگئے لوگ ہاتھ ملتے ہوئے دلفگار نکلے مجھ سے حضرت شیخ نے فرمایا یہ کیسا شور و غل ہے؟ عرض کیا ٹڈیاں آگئیں لوگ اس وجہ میں دلفگار ہیں شیخ اُٹھے چھت پہ آئے اور آسمان کی طرف مونھ اٹھایا اسی وقت تمام ٹڈیاں اُٹھ گئیں اور ظہر کی نماز تک ایک باقی نہ رہی اور کسی کا پتا بھی ضائع نہ ہوا واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت فضل اللہ بن محمد مہینی (۵) ان ائمہ طریقت میں سے، شہنشاہِ محبان، مَلِک الملوک صوفیاں، حضرت ابو سعید فضل اللہ بن محمد مہینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو سلطانِ وقت اور جمالِ طریقت تھے۔ تمام لوگ ان سے مسخر ہوگئے تھے۔ کچھ ان کے دیدار سے اور کچھ عقیدتمندی سے اور کچھ قوت حال سے۔ وہ فنونِ علم کے عالم اور عجیب منزلت رکھتے تھے اور اسرار الٰہی سے مشرف حضرات میں عظیم الشان درجہ تھا۔ بجز اس کے دیگر آیات و آثار اور براہین بکثرت ہیں چنانچہ جہاں میں آج بھی ان کے آثار ظاہر ہیں۔ ان کا ابتدائی حال یہ ہے کہ وہ مہنہ سے تحصیل علم کے لئے سرخس آئے۔ اور حضرت ابو علی زاہد سے تعلق کر لیا وہ ان سے ایک دن میں تین دن کا سبق لیتے۔ اور تین دن عبادت میں صرف کرتے۔ یہاں تک کہ اس امام نے ان کے رشد کو دیکھا تو ان کی تعظیم زیادہ کر دی۔

اس زمانہ میں سرخس کا حاکم شیخ ابوالفضل حسن تھا۔ ایک روز سرخس کی نہر کے کنارے جا رہے تھے تو ابوالفضل حسن سامنے آگیا۔ کہنے لگا اے ابوسعید! تمہارا راستہ یہ نہیں ہے جس پر جا رہے ہو اپنی راہ چلو انھوں نے اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ پلٹ کر اپنی جگہ آگئے۔ اور ریاضت و

مجاہدہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ہدایت کا دروازہ ان پر کھول دیا اور انہیں اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔

حضرت شیخ ابو مسلم فارسی فرماتے ہیں میں نے سنا انہوں نے کہا مجھ کو ان سے ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رہتی تھی ایک دفعہ ان کی زیارت کے ارادہ سے گیا میں اس وقت میلی گدڑی پہنے ہوئے تھا جب میں مکان میں ان کے سامنے پہنچا تو انہیں دیبائے مصری پہنے تخت پر بیٹھے دیکھا میں نے دل میں کہا ان علائق کے ساتھ یہ درویشی کا دعوے کرتے ہیں اور میں ان سب علائق سے مجرد رہ کر درویشی کا دعوے کرتا ہوں میری ان کے ساتھ کیسے موافقت ہوگی؛ وہ مرد خدا میرے اس دلی خدشہ سے باخبر ہو گیا سر اٹھا کر فرمایا ای ابا مسلم فی ای دیوان وجدت من کان قلبہ قائماً فی مشاهدة الحق یقع علیه اسم الفقر؛ اے ابومسلم تم نے کس کتاب میں پایا ہے کہ جس کا دل مشاہدۂ حق میں قائم ہو اس پر نام فقر (مفلسی) لکھا ہو۔

مطلب یہ کہ اصحاب مشاہدہ حق تعالیٰ کے ساتھ غنی ہیں اور فقراء ارباب مجاہدہ ہیں۔ فرماتے ہیں میں اپنے گمان پر پشیمان ہوا اور برے اندیشہ سے استغفار کی حضرت ابو سعید کا ارشاد ہے التصوف قیام القلب مع اللہ بلا واسطة یعنے تصوف یہ ہے کہ بے واسطہ حق کے ساتھ دل کا قیام ہو یہ مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور مشاہدہ غلبۂ دوستی کا نشان ہے۔ اور صفت میں مستغرق ہونا دیدار کے شوق کا ثبوت ہے اور صفت کا فنا ہونا حق تعالیٰ کے ساتھ بقا کا ثبوت ہے۔ باب تحقیق میں مشاہدہ اور اس کے وجود کے سلسلہ میں انشاء اللہ ایک باب لاؤں گا۔

ایک مرتبہ انھوں نے نیشاپور سے مقام طوس جانے کا قصد کیا راہ میں ایک گھاٹی تھی سردی تھی کہ موزہ میں ان کے پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ ایک درویش کو خیال آیا کہ میں اپنی چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر کے ان کے پاؤں پر لپیٹ دوں مگر دل نے نہ چاہا کیونکہ یہ چادر بہت عمدہ تھی۔ جب ہم طوس میں آئے تو ان کی مجلس میں میں نے سوال کیا کہ اے شیخ! شیطانی وسوسے اور الہام حق کے مابین فرق بیان فرمائیے فرمایا الہام وہ تھا کہ تجھ سے کہا گیا کہ چادر کو دو ٹکڑے کر کے ابو سعید کے پاؤں پر لپیٹ دو تاکہ وہ سردی سے محفوظ رہیں۔ اور شیطانی وسوسہ وہ تھا کہ تجھے ایسا کرنے سے روک دیا اس قسم کی ان کی بکثرت اور متواتر باتیں ہیں مردان خدا کا یہی کام ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو الفضل محمد بن حسن ختلی

(۶) ان ائمہ طریقت میں سے زین اوتاد، شیخ عباد حضرت ابو الفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ طریقت میں میری پیروی انہیں سے ہے (مرشد و استاد سیدنا داتا گنج بخش) وہ علم تفسیر و روایات کے عالم اور تصوف میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے۔ حضرت حصری کے مرید اور حضرت سیروانی کے مصاحب تھے حضرت ابو عمرو قزوینی اور حضرت ابو الحسن بن سالبہ رحمۃ اللہ علیہم کے ہم زمانہ تھے ساٹھ سال صادق گوشہ نشینی اختیار کر کے پہاڑوں کے غاروں میں رہے اور اپنا نام لوگوں کے درمیان گم رکھا اکثر لگام کے پہاڑ پر رہتے۔ عمدہ زندگی گزاری ان کی نشانیاں اور براہین بکثرت ہیں لیکن وہ عام صوفیوں کے رسم و لباس کے پابند نہ تھے اور اہل رسوم سے سخت بیزار تھے۔ میں نے ان سے بڑھ کر رعب و دبدبہ والا کبھی کوئی مرد خدا نہ دیکھا۔ ان کا ارشاد ہے الدنیا یوم

دنیا فیہا صوم۔ دنیا ایک دن کی ہے اور ہم اس میں روزہ دار ہیں ۔

مطلب یہ کہ ہم نے دنیا سے کچھ حاصل نہیں کیا اور نہ اس کی بندش میں آتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے دنیا کی آفتوں کو دیکھ لیا ہے اور اس کے حجابات سے باخبر ہو گئے ہیں ہم اس سے بھاگتے ہیں ۔

ایک مرتبہ میں ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا کیونکہ وہ وضو فرما رہے تھے میرے دل میں خیال گزرا کہ جبکہ تمام کام تقدیر و قسمت سے ہیں تو آزاد لوگ کیوں کرامت کی خواہش میں پیروں کے غلام بنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے میرے فرزند! جو خیالات تمہارے دل میں گزر رہے ہیں میں نے اسے جان لیا ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر حکم کے لئے کوئی سبب ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی سپاہی بچہ کو تاج اور حکومت عطا فرماتا ہے تو وہ اسے توبہ کی توفیق دے کر کسی اپنے دوست محبوب کی خدمت میں مشغول فرماتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت کا موجب بن جائے اس قسم کے بکثرت لطیفے مجھ پر ہر روز ان سے ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ جس دن کہ ان کا انتقال ہوا بیت الجن میں تھے یہ بانیاس رود اور دمشق کے مابین گھاٹی کے کنارے ایک گاؤں ہے۔ ان کا سر مبارک میری گود میں تھا اس وقت میرے دل میں اپنے کسی دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا جیسا کہ آدمیوں کی عادت ہے انہوں نے مجھ سے فرمایا اے فرزند! دل کو مضبوط کرنے والا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر خود کو اس پر درست کر لو تو تمام رنج و فکر سے محفوظ ہو جاؤ گے فرمایا ہر محل اور ہر حالت کو خواہ نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے لہذا اس کے کسی فعل پر جھگڑنا نہ چاہئے اور دل کو رنجیدہ نہ کرنا چاہئے اس کے سوا کوئی وصیت نہ فرمائی اور جان دے دی۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

حضرت ابوالقاسم قشیری (۷) ان ائمہ طریقت میں سے استاد و امام و زین اسلام حضرت ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے زمانہ میں یگانہ اور قدر و منزلت میں رفیع و بزرگ تھے۔ ان کے حالات و ان کے گوناگوں فضائل اہل زمانہ میں مشہور ہیں۔ ہر فن میں ان کے لطیفے اور ان کی تصانیف بکثرت ہیں جو سب کے سب تحقیق کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال اور زبان کو لغویات سے محفوظ رکھا ہے۔ ان سے میں نے سنا کہ فرمایا مثل الصوفی کعلۃ البرسام اولہ ہذیان و آخرہ سکون فاذا تمکن خرس۔ صوفی کی شان برسام کی بیماری کی طرح ہے کہ ابتدا میں ہذیان ہوتا ہے اور آخر میں سکون ہوتا ہے اور جب ٹھہر جاتا ہے تو گونگا ہو جاتا ہے ۔

لہذا صفوت کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک وجد دوسرے نمود۔ نمود مبتدیوں کے لئے ہے اور نمود سے مراد ہذیان ہے اور وجد منتہیوں کے لئے ہے۔ اور وجد کی حالت میں بیان محال اور دشوار ہوتا ہے۔ جب تک طالب ہیں علو ہمت کا اظہار اور گویائی اہل طلب کے نزدیک ہذیان ہے۔ اور جب پہنچ گئے تو سمجھ گئے۔ ان کے لئے بیان اور اشارہ کی حاجت نہیں رہی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبتدی تھے تو ان کی تمام ہمتیں رویت کی تمنا میں تھیں۔ انہوں نے ہمت کا اظہار کیا اور ارشاد ہوا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ یعنی اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ یہ تعبیر مقصود کی نارسائی میں ہوئی تھی اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منتہی اور صاحب تمکین ہیں۔ جب آپ کا وجود مقام ہمت سے بلند ہوا اور ہمت فنا ہو گئی اس وقت ارشاد ہوا ۔ ۵

أُحصی ثناءً علیک یعنے مَیں تیری ثناء شمار نہیں کر سکتا۔ یہ منزلت رفیع اور مقام اعلےٰ ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

حضرت ابو العباس احمد بن محمد اشقانی (۸) ان ائمۂ طریقت میں سے ، شیخ و امام اوحد، درطریق خود مفرد حضرت ابو العباس احمد بن محمد اشقانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو فنون علم کے اصول و فروع میں امام ، ہر معانی میں کامل تھے ۔ بکثرت مشائخ کو دیکھا اور اہل تصوف کے اکابر و اجلہ میں ان کا شمار ہے ۔ یہ راہ کو فنا سے تعبیر کرتے اور مغلق و مشکل عبارت بولنے میں مخصوص تھے ۔ مَیں نے جہلا کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ ان عبارتوں کی تقلید کرتے اور ان کی شطحیات کی پیروی کرتے اور ناپسندیدہ معنے کا اتباع کرتے تھے ۔ غور کرو تاکہ عبارت کیسی ہے ۔ مجھے ان سے بڑی محبت تھی وہ مجھ پر سچے مہربان و شفیق تھے ۔ اور بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے ۔ اس زمرہ میں مَیں نے کسی کو بھی ان سے بڑھ کر نہ دیکھا جس کے نزدیک شریعت کی اتنی تعظیم کرتا ہو ۔ اور وہ ہر ایک شخص سے کنارہ کش ہو علم اصول میں ان کی دقیق عبارتوں سے امام و محقق کے سوا کوئی اور ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہمیشہ ان کی طبیعت دنیا و آخرت سے بیزار رہی اور ہمیشہ یہ پکارتے رہے اشتھی عدمًا مالا وجود له یعنے میں ایسی فنا چاہتا ہوں جس میں وجود کا شائبہ بھی نہ ہو" اور فارسی میں فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کو محال کی خواہش ہے اور مجھے بھی محال درکار ہے ؛ مگر مَیں یقین سے جانتا ہوں کہ ایسا نہ ہوگا ۔ حالانکہ وہ وہی ہے جس کی مجھے ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی نیستی یعنے فنا میں لے جائے گا جہاں ان نیستی یعنے فنا کا وجود نہیں ہوگا اس لئے کہ جو کچھ مقامات و کرامات میں سے ہے وہ سب محل حجاب و بلا ہیں اور آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہے ۔ دیدار کی آرزو میں بندہ کا فنا ہونا حجاب کے ساتھ آرام و سکون پانے سے بہتر ہے ۔ اور جبکہ اللہ تعالےٰ باقی ہے اور اس پر عدم و فنا جائز ہی نہیں تو کیا مضائقہ ہے اگر اس کے ملک میں مَیں فنا ہو جاؤں کیونکہ ہر گز ایسی نیستی (فنا) کے لئے ہستی (بقا) نہ ہوگی ۔ صحت فنا میں یہ قاعدہ بہت مضبوط ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

حضرت ابو القاسم بن علی گرگانی (۹) ان ائمۂ طریقت میں سے قطب زمانہ ، در وقت خود یگانہ ، حضرت ابو القاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رضی اللہ عنہ وارضاہ ومتعناہ والمسلمین ببقائہٖ) ہیں جو اپنے وقت و زمانہ کے بے نظیر و بے بدیل تھے ۔ ان کا ابتدائی حال بہت بہتر و قوی تھا ۔ ان کی مسافرت سخت و باشرط تھی ۔ اس زمانہ میں ان کی طرف سب کے دل متوجہ تھے اور تمام طلباء ان سے عقیدت رکھتے تھے ۔ اور مریدوں کے وقوع کشف میں ایک نشان تھے ۔ ظاہری حالت مزین اور تمام علوم میں ماہر تھے ان کا ہر ایک مرید جہان کی زینت تھا ۔ انھوں نے اپنی اولاد کو نیک چھوڑا انشاء اللہ وہ قوم کے پیشوا ہوں گے ۔ یہ لسان الوقت تھے ۔ ابو علی فضل بن محمد (ابقاہ اللہ) نے اس بزرگ کے حق میں اپنا نصیب نہ چھوڑا تھا اور وہ سب سے کنارہ کش رہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس روگردانی کی برکت سے اس سرّ ار کو زبان حال بنا دیا ۔ ایک دن میں شیخ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اپنے احوال و نمود کو شمار کر رہا تھا ۔ اس لحاظ سے کہ مَیں اپنا حال ظاہر کروں ، کیونکہ ناقدِ وقت تھے ۔ انھوں نے مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے اس کو سُنا ۔ اور اس سے میرے اپنے بچپن کا غرور اور جوانی کی آگ پر محمول قرار دیا ۔ اور اسی کی بدولت یہ صورت بتائی ۔ چونکہ یہ بزرگ ابتداء میں اس کوچہ سے نہیں گزرے تھے اس لئے میرے بارے میں اتنا عجز و انکسار برت

ہے تھے لیکن وہ میرے دلی کیفیت کو سمجھ گئے فرمانے لگے اے والد کے دوست! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میرا یہ انکسار تمہارے لئے نہیں تمہارے حال کے ساتھ ہے۔ کیونکہ حال کا بدلنے والا محال کے محل میں آتا ہے بلکہ میرا یہ عجز و انکسار محول احوال (اللہ تعالیٰ) کے لئے ہے اور یہ سب طلباء کے لئے عام ہے نہ کہ خاص تمہارے لئے۔ جب میں نے یہ سُنا تو از خود رفتہ ہو گیا انھوں نے میرا باطن دیکھ اور فرمایا اے فرزند! آدمی کو اس طریقت سے اس سے زیادہ نسبت نہیں ہوتی کہ جب اسے طریقت کی طرف لگائیں تو اس کے گمان کو پھیر دیا جب اسے اس گمان سے پھیر دیا تو اس پر خیالی تعبیر کی راہ بند کر دیں۔ لہٰذا نفس واثبات اور اس کا وجود و عدم دونوں خیالی ہیں۔ آدمی ہرگز خیال کی بندش سے باہر نہیں نکل سکتا اسے چاہئے کہ حق تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے۔ اور اپنے سے تمام نسبتوں کو نکال پھینکے صفت بندگی و فرماں برداری کی نسبت کو برقرار رکھے۔ اس کے بعد اور بھی بہت سی اسرار کی باتیں ہوئیں۔ اگر ان نشانیوں کے اظہار کے درپے ہو جاؤں تو اپنے مقصود سے رہ جاؤں واللہ اعلم

حضرت ابو احمد المظفر (۱۰) ان ائمہ طریقت میں سے، رئیس اولیاء، ناصح اصفیاء حضرت ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا باطن مسند جلوہ ہائے ربانی تھا، ان پر تصوف کے دروازے کشادہ اور سر پر تاج کرامت آراستہ تھا۔ فنا و بقا میں ان کا بیان عمدہ اور تعبیر بلند تھی۔ شیخ المشائخ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ ہمیں بارگاہ الٰہی کا قرب بندگی کی راہ سے ملا۔ اور خواجہ مظفر کو براہِ راست خدا کی طرف سے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے مجاہدے سے مشاہدہ کیا انھوں نے مشاہدے سے مجاہدہ کیا۔ میں نے ان سے یہ بھی سُنا کہ انھوں نے فرمایا بزرگوں کو جو کچھ جنگل و بیابان کے قطع کرنے کے بعد ظاہر ہوا وہ مجھے مسند و بالا نشینی سے حاصل ہوا۔ اصحاب رعونت و متکبرین شیخ کے اس قول کو دعوے پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ دعوے عیب ہے۔ اور کسی صورت میں بھی اپنے حال کی صداقت کے بیان کو دعوے نہیں کہا جا سکتا۔ خاص کر جبکہ اہلِ معنےٰ بیان کریں۔ اور آج ان کا فرزند رشید موجود ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایک دن میں ان کے پاس تھا کہ نیشاپور کا ایک مدعی ان کے پاس آیا اور ان کی عبارت کے سلسلہ میں کہنے لگا "فانی شود آنگاہ باقی شود" یعنے فانی ہو جانے کے بعد باقی ہوتا ہے۔ خواجہ مظفر نے فرمایا فنا پر بقا کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ فنا معدوم ہونے کو کہتے ہیں اور بقا موجود کو۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو نفی کرنے والا ہے لہٰذا فنا معلوم ہے کیونکہ شئے ناپید ہو جاتی ہے اگر وہ موجود ہو جائے تو وہ عین شئے نہیں ہو سکتی بلکہ وہ بجائے خود دوسری چیز ہو گی۔ اور یہ جائز نہیں کہ ذوات و ایمان فنا ہو جائیں لیکن فنائے صفت اور فنائے سبب جائز ہے معلوم ہوا کہ جب سبب اور صفت ناپید و فنا ہو گئیں تو موصوف و مسبب رہ گیا۔ اس کی ذات پر فنا درست نہیں ہوتا۔

اب میں یعنے علی بن عثمان جلابی (داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ خواجہ کی بعینہٖ عبارت یاد نہیں لیکن مفہوم و معنےٰ یہی تھے جسے بیان کیا اور اب ان کی عبارت کی مراد کھول کر واضح کرتا ہوں تاکہ عام تر ہو جائے ان کی مراد یہ ہے کہ بندہ کا اختیار اس کی صفت ہے اور بندہ اپنے اس اختیار کی وجہ سے اختیارِ حق میں محجوب ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ سے اس بندہ کی صفت حجاب بن گئی اور یہ یقینی امر ہے کہ اختیارِ حق ازلی ہے اور یہ بندہ حادث، اور ازل پر فنا جائز نہیں اور جب اختیارِ حق بندہ کے حق میں بقا ہوتی تو لامحالہ بندہ کا اختیار فانی ہوا اور اس کا

تصرف منقطع۔ واللہ اعلم۔

ایک دن میں زمانہ میں ان کے پاس پہنچا پراگندہ حال سفری کپڑے پہنے ہوئے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا اے ابوالحسن اپنے حال کی خواہش مجھ سے کہو کہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے سماع چاہتا ہوں اسی وقت کسی کو بھیجا کہ قوال لائے۔ اور ایک جماعت عشرت کی آئی جوش جوانی، قوت ارادی اور سوز محبت سے میں بیتاب ہوا۔ پھر فرمایا اب کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا شیخ بہت خوب۔ فرمایا اس وقت یہ سماع اور کدوں کی آواز دونوں برابر تھی کیونکہ سماع کی طاقت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہ ہو اور جب مشاہدہ حاصل ہو گیا تو قدرت سماع ناپید ہو جاتی ہے دیکھو ایسی عادت اختیار نہ کرنا کہ طبیعت بن جائے اور مشاہدہ ... ہو جاؤ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب در ذکر متاخرین مشائخ صوفیاء از اہل بلدان علی الاختصار

اب اگر ہر ایک کا ذکر اور تشریح حال بیان کروں تو کتاب بہت طویل ہو جائے اور اگر بعض کو چھوڑ دوں تو کتاب کا مقصود حاصل نہ ہو، اس لئے صرف ان کے نام شمار کرتا ہوں جو میرے زمانہ میں صوفیا رہے اور مشائخ طریقت تھے اور وہ ارباب معانی میں سے ہیں نہ کہ صاحب رسوم ہیں تاکہ اپنی مراد کے حصول میں قریب تر ہو جاؤں انشاء اللہ تعالے۔

عراق و شام کے مشائخ میں سے، شیخ زکی ابن العلاء ہیں جو بزرگان متاخرین اور سادات زمانہ میں سے تھے میں نے ان کو محبت کے شعلوں میں سے ایک شعلہ پایا ان کی نشانیاں اور براہین ظاہر ہیں۔ اور شیخ بزرگوار ابوجعفر محمد بن المصباح صیدلانی ہیں جو رؤسائے متصوفین میں سے تھے اور تحقیق میں عمدہ زبان رکھتے تھے۔ حسین ابن منصور سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ ان کی بعض تصانیف میں نے پڑھی ہیں۔ اور حضرت ابوالقاسم سدی ہیں جو شیخ با مجاہدہ اور پسندیدہ حال تھے۔ حسن عقیدت کے ساتھ درویشوں کے نیازمند اور پاسبان تھے

ملک فارس کے مشائخ میں سے، شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہ ہیں جو تصوف میں افصح اللسان اور توحید میں اوضح البیان تھے ان کے کلمات مشہور ہیں۔ اور شیخ مرشد ابو اسحٰق ابن شہریار ہیں جو برگزیدہ قوم میں سے تھے اور مکمل سیاست رکھتے تھے۔ اور شیخ طریقت ابوالحسن بن بکران ہیں جو اکابر صوفیاء میں سے تھے۔ اور شیخ ابو مسلم ہروی ہیں جو بزرگ وقت اور پسندیدہ حال تھے۔ اور شیخ ابوالفتح سالبہ اپنے والد کے فرزند رشید اور امید وار ہیں۔ اور شیخ ابو طالب ہیں جو ایک بزرگ اور پابند کلمات حق تھے۔ اور ان سب میں شیخ الشیوخ شیخ ابو اسحٰق راز ندیدہ ہیں۔

شہر قہستان، اور بائیجان، طبرستان اور قومس کے مشائخ میں سے، شیخ شفیق فرح معروف بہ اخی زنجانی ہیں، جو نیک سیرت ستودہ طریقت ہیں اور اس زمانہ کے شیخ صوفیوں کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کی بھلائیاں بہت ہیں بادشاہ جو عیار تھا

تھا ان کی وجہ سے راہِ حق میں تائب ہوا۔ اور شیخ ابو عبداللہ جنیدی ہیں جو ایک رفیق شیخ اور محترم ہیں۔ اور اس وقت کے اجلہ مشائخ میں سے شیخ ابو طاہر مکشوف اور خواجہ حسن سمنانی جو ایک مردِ گرفتار اور امیدوار ہیں۔ اور شیخ سہلکی ہیں جو جماعت صوفیاء میں دانشور ہیں۔ اور احمد بن شیخ خرقانی ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید ہیں۔ اور ادیب کمندی ہیں جو سادات زمانہ میں سے ہیں ؀

کرمان کے مشائخ میں سے، خواجہ علی بن حسین سیرکانی ہیں جو سیاحِ وقت اور مسافرت میں نیک خصلت تھے۔ ان کے فرزند حکیم ایک مردِ عزیز ہے۔ اور شیخ محمد بن سلمہ وقت کے بزرگوں میں سے ہوئے ہیں ان کے سامنے بہت سے ایسے پوشیدہ اولیاء اللہ جو جواں مرد، طالب و امیدوار تھے ہوئے ہیں ؀

خراسان کے مشائخ میں سے، جہاں آج سایۂ اقبال حق ہے شیخ مجتہد ابو العباس دامغانی ہیں جن کا حال اور وقت اچھا رہا۔ اور خواجہ ابو جعفر محمد بن علی الجوینی ہیں جو طریقت کے محققینِ مشائخ میں سے ایک بزرگ ہیں۔ اور خواجہ ابو جعفر ترشیزی ہیں جو عزیزانِ وقت میں سے تھے۔ اور خواجہ محمود نیشاپوری ہیں جو مقتدائے وقت اور نیک زبان تھے۔ اور شیخ محمد معشوق ہیں جن کا حال عمدہ اور نیک تھا۔ اور اپنے وقت کے خوش خلق تھے۔ اور حمزۃ الحب تھے جو نیک باطن اور خرم بزرگ تھے۔ اور خواجہ رشید مظفر فرزند شیخ ابو سعید امیدوار ہیں جو مقتدائے قوم اور دلوں کے قبلہ تھے۔ اور خواجہ شیخ احمد حماوی سرخسی ہیں جو وقت کے سپاہی اور میرے ساتھی تھے ان کے کاموں میں بڑی قدرت دیکھی ہے یہ جواں مردانِ تصوف میں سے تھے۔ اور شیخ احمد نجار سمرقندی مقیم مرو ہیں جو سلطانِ زمانہ تھے۔ اور شیخ ابو الحسن علی بن علی الاسود ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید اور اپنے زمانہ میں علوِ ہمت اور صدق فراست میں بے مثل تھے۔

خراسان کے تمام مشائخ کا شمار کرنا دشوار ہے۔ صرف میں نے ہی خراسان میں تین سو ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جن میں سے ہر ایک کا مشرب جدا جدا تھا ان میں سے کوئی ایک ہی سارے جہان کے لئے کافی ہے یہ سب اس لئے ہے کہ خراسان کے افق پر آفتابِ محبت اور اقبالِ طریقت ہمیشہ تاباں رہا ہے ؀

ماوراء النہر کے مشائخ میں سے، خواجۂ امام، مقبولِ خاص و عام، ابو جعفر محمد بن حسین حرمی ہیں جو صاحب سماع اور پابندِ طریقت ہیں ان کی ہمت بلند اور حال مصفیٰ ہے سالکانِ راہِ حق کے ساتھ شفقت فرماتے ہیں اور اپنے ساتھیوں میں آقا اور فقیہ ہیں۔ اور ابو محمد پانعری ہیں جو اچھا حال اور معاملات محکم رکھتے ہیں۔ اور شیخ وقت احمد ایلاقی ہیں جو بزرگِ زمانہ اور تارکِ رسوم و عادات ہیں۔ اور مریدِ وقت، یگانۂ زمانہ خواجہ عارف ہیں۔ اور خواجۂ زمن علی بن ابی اسحٰق ہیں جو مردِ محتشم اور نیک زبان ہیں۔ یہ وہ اسمائے گرامی ہیں جن کو میں نے دیکھا اور ہر ایک کا مقام معلوم کیا ہے۔ یہ تمام محقق تھے ؀

غزنی کے مشائخ میں سے، شیخ عارف، ممدوحِ زمانہ ابو الفضل بن اسدی، شیخ طریقت ہیں جن کی کرامتیں اور براہین ظاہر و روشن ہیں۔ جب سوزِ محبت کا غلبہ ہوا تو لوگوں نے ان کی ظاہری حالت سے دھوکہ کھایا۔ اور شیخ مجرد، علائق دنیوی کے تارک اسمٰعیل شاشی

شیخ محتشم ہیں جو ملامتی روش رکھتے ہیں۔ اور علمائے طریقت میں شیخ سالار ہیں جن کا حال عمدہ ہے۔ اور شیخ دانا معدنِ اسرار ابو عبداللہ محمد بن حکیم معروف بہ مرید از مستانِ حق ہیں جو اپنے زمانہ میں اپنے فن میں ثانی نہ رکھتے تھے ان کا حال لوگوں پر پوشیدہ ہے ان کے براہین و نشانات ظاہر و روشن ہیں صحبت میں ان کا حال بہتر ہے۔ اس لئے کہ وہ مشاہدے والے ہیں۔ اور شیخ محترم سب میں مقدم سعید بن ابی سعید عیار ہیں جو حدیث مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے حافظ ہیں زندگی عمدہ پائی اور بکثرت مشائخ کو دیکھا حال میں قوی اور باخبر تھے مگر پوشیدہ رہتے تھے کسی پر ظاہر نہ ہوتے تھے۔ اور خواجہ بزرگوار جانشینِ حرمت و وقار ابو العلےٰ عبدالرحیم بن احمد سعدی ہیں جو عزیز قوم سردارِ وقت تھے مجھے وہ دل سے پیارے لگتے ہیں ان کی زندگی مہذب، حال عمدہ اور فنون کے عالم ہیں۔ اور شیخ اوحد قسورہ (یا سورۃ) بن محمد بردیزی ہیں جو اچھا طریقہ رکھتے ہیں کمال محبت رکھتے اور ہر ایک کا احترام فرماتے ہیں۔ مشائخ کو دیکھا مجھے اس شہر کے عام لوگوں کے اعتقاد اور حال کے علماء سے اچھی امید وابستہ ہے۔ تعجب وہاں کا جو بھی ملتا ہے اس سے حسن عقیدت ہوتی ہے۔ یہ گروہ منتشر و مختلف شہروں میں اقامت پذیر ہے۔ یہ طریقہ (میرے نزدیک) اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں جو بزرگوں کی اقامت گاہ ہے۔

اب طریقت کے فرقوں اور ان کے مذاہب کا بیان کرتا ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

باب در ذکر فرقہائے اہلِ طریقت و مذہب آں

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اہل طریقت کے بارہ فرقے ہیں جن میں سے دو مردود ہیں اور دس مقبول ہیں۔ اور ان دسوں کے معاملات اور طریقت کی ہر روش درست عمدہ ہے۔ اور مشاہدات میں ان کے ادب لطیف و دقیق ہیں اگرچہ معاملات مجاہدات اور ان کی ریاضتوں میں اختلاف ہے مگر توحید شریعت کے اصول و فروع میں سب متفق ہیں حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف العلماء رحمۃ الا فی تجرید التوحید یعنے اخلاص توحید کے سوا علماء کا اختلاف رحمت ہے۔

اس قول کے موافق ایک حدیث بھی مشہور ہے حقیقت کے لحاظ سے اخیر مشائخ میں بھی تصوف کی حقیقت اور مجاز کے لحاظ سے رسوم میں پائی جاتی ہے اس لئے بطریق اختصار و ایجاز ان کے اقوال کو تحریر میں لاتا ہوں اور ہر ایک کے مذہب کی بنیاد و اساس کا تذکرہ کرتا ہوں تاکہ طالب کو ان کا علم ہو اور علماء کو میکر ین مل جائے جس میں مریدوں کی اصلاح محبوں کی فلاح، دانشوروں کو مروت اور ان کو تنبیہ اور مجھے دونوں جہان میں ثواب میسر آئے وباللہ التوفیق۔

فرقہ محاسبیہ

(۱) محاسبیوں کی عقیدت ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبی سے ہے۔ وہ بالاتفاق اپنے زمانہ میں مقبول النفس اور قاطع النفس تھے وہ خالص توحید میں حقائق و کلام اور اس کے اصول و فروع کے عالم تھے۔ ان کا ظاہر و باطن معاملات میں درست و صحیح تھا۔ ان کے مذہب کی نادر و نرالی بات یہ ہے کہ وہ رضائے الٰہی کو از قسم مقامات نہیں گنتے اور فرماتے کہ یہ از قسم احوال

ہے۔ یہ اختلاف ہے جو انہوں نے پہلے کیا۔ اس مسئلے میں خراسان کے لوگ اور عراقیوں نے بھی مواخذہ کیا وہ کہتے ہیں کہ رضا از قسم مقامات
ہے اور یہی توکل کی انتہا ہے یہاں تک کہ آج بھی ان لوگوں کے درمیان یہ اختلاف برقرار ہے۔ اب میں ان قول کی تشریح کرتا ہوں انشاء اللہ
تعالیٰ۔

بحث در حقیقت رضا

اس مذہب کے بیان کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے رضا کی حقیقت اور اس کے اقسام کا اثبات کروں پھر حال و مقام کی حقیقت
اور ان لوگوں کے اختلاف کو ظاہر کروں انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب جاننا چاہئے کہ رضا پر کتاب و سنت ناطق ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ
(وہ اللہ سے راضی ہو گئے) نیز فرماتا ہے لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (تحقیق اللہ مومنوں
سے راضی ہو گیا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور کی بیعت کی) اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ذاق طعم الایمان من
رضی باللہ ربا (ایمان کی حلاوت اس نے چکھی جو خدا سے اور اس کی ربوبیت پر راضی ہو گیا)۔

رضا کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے راضی ہو جائے دوسری یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائے لیکن خدا
کے راضی ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بندہ کو ثواب نعمت اور کرامت سے نوازے۔ بندہ کے راضی ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے فرمان
پر قائم رہے اور اس کے حکم کے سامنے جھکا رہے اور خدا کی رضا [illegible] بندہ کی رضا خدا کی رضا پر موقوف
ہے۔ اسی پر اس کا قیام ہوتا ہے۔ رضائے بندہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عطا و منع دونوں حالتوں میں بندہ کا دل یکساں اور برابر رہے
و جلال و جمال کے نظارہ پر اس کا باطن مضبوط و مستحکم رہے۔ خواہ وہ [illegible] اس کا قیام یکساں
ہونا چاہئے خواہ وہ آتش جلال میں جلے یا لطف و جمال کے نور سے منور رہے دونوں حالتیں [illegible] یکساں ہوں
اس لئے کہ اس کا ظہور حق تعالیٰ کی جانب سے ہے [illegible] جو کچھ بھی ادھر سے آتا ہے وہ سب کا سب اچھا ہوتا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا امام حسن ابن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا کہ
الفقر احب الی من الغناء والسقم احب الی من الصحۃ فقال رحم اللہ اباذر اما انا فاقول من اشرف علی حسن اختیار
اللہ لہ لم یتمن غیر ما اختار اللہ لہ (حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مجھے تونگری سے درویشی اور تندرستی سے بیماری زیادہ محبوب
ہے آپ نے فرمایا ابوذر پر خدا رحم فرمائے لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو حق تعالیٰ کے حسن اختیار پر واقف ہو اس نے اختیار حق کے سوا
کچھ تمنا ہی نہیں کرتا۔

یعنی خدا نے بندہ کے لئے جو پسند فرمایا وہی اچھا ہے جب بندہ [illegible] خدا کو دیکھ لیتا ہے [illegible] پھر تو اپنے اختیار سے منہ موڑ

کہ ہر ایک غم و فکر سے خلاصی پا جاتا ہے۔ یہ مفہوم حالتِ غیبوبیت میں درست نہ ہوں گے اس کے لئے مشاہدہ درکار ہے۔

لان الرضا للاحزان نافیۃ وللغفلۃ معالجۃ شافیۃ۔ اس لئے کہ رضا بندے کو غموں سے چھڑاتی، غفلت کے پنجوں سے بچاتی ہے اور غیر کے اندیشہ کو دل سے نکالتی اور تکلیفوں کی بندشوں سے نجات دیتی ہے۔

اس لئے کہ رضا کی صفت ہی آزاد کرنا ہے۔ لیکن معاملاتِ رضا کی حقیقت بندہ کی پسندیدگی ہے کہ وہ جانے کہ منع و عطا اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے۔ اور وہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات کا دیکھنے والا اور خبردار ہے۔ اس معنے کے حق میں علماء کے چار گروہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا کی عطا پر راضی ہو۔ یہ معرفت ہے۔ دوسرا یہ کہ نعمتوں میں راضی ہو، یہ دنیا کے اندر ہے۔ اور تیسرا یہ کہ بلاؤں پر راضی رہے۔ یہ مختلف الانواع مشقتیں ہیں۔ اور چوتھا یہ کہ برگزیدگی پر راضی ہو۔ یہ محبت ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو معطی یعنی خدا کے جلوے کو اس کی عطائیں دیکھتے ہیں اور اسے جان و دل سے قبول کرتے ہیں جبکہ وہ جان و دل سے قبول کر لیتے ہیں تو ان کے دل سے اس کی کلفت و مشقت جاتی رہتی ہے اور وہ لوگ جو عطاء کے ذریعہ معطی یعنی خدا کو دیکھتے ہیں وہ عطا میں ہی رہ جاتے ہیں۔ اور تکلف سے رضا کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور تکلیف میں سراسر رنج و مشقت ہے۔ اور معرفت اس وقت حقیقت ہوتی ہے جبکہ بندہ حق کی معرفت میں مکاشفہ و مشاہدے میں ہو۔ اور جب اس کے لئے معرفت قید و حجاب ہو تو وہ معرفت نکرہ، وہ نعمت عذاب اور وہ عطا پردہ ہوتی ہے۔ لیکن ۲ وہ لوگ جو دنیا کے ذریعہ اس سے راضی ہیں وہ ہلاکت و نقصان میں رہتے ہیں ایسی رضا سراسر دوزخ میں جھونک دیتی ہے۔ اس لئے کہ جس کے دل میں حق کی محبت و دوستی ہو اس کے لئے دنیا کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کے دل پر کوئی رنج و ملال گزرتا ہے۔ اور نعمت اس وقت نعمت ہے جبکہ وہ نعمت دینے والے کی طرف راہنمائی کرے اور جب وہ منعم سے محجوب کر دے تو ایسی نعمت بلا ہوتی ہے۔ اور ۳ وہ لوگ جو بلا کے ذریعہ اس سے راضی ہوں وہ وہ ہیں جو بلاؤں میں مبتلا کو دیکھتے اور مشقت کے ذریعہ مشاہدہ کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس وقت اس کا رنج، دوست کے مشاہدہ کی مسرت میں اثر نہیں کرتا۔ اور ۴ وہ لوگ جو برگزیدگی کے ذریعہ اس سے راضی ہوتے ہیں وہ اس کے محبوب ہوتے ہیں کیونکہ وہ رضا میں بلا و سختی سے خالی ہوتے ہیں ان کے دلوں کی منزلیں صرف حق تبارک و تعالیٰ کی ہی طرف ہوتی ہیں۔ ان کے سراپردۂ اسرار بجز محبت کے باعزاز کے کچھ نہیں ہوتا غائب ہوتے ہوئے حاضر ہوتے، فرشی ہوتے ہوئے عرشی ہوتے اور جسمانی ہوتے ہوئے روحانی ہوتے ہیں۔ یہ خالص موحد ربانی اور لوگوں سے دل برداشتہ ہوتے ہیں۔ ان کے مقامات و احوال محفوظ، ان کا باطن خلق سے جدا، حق تعالیٰ کی محبت میں وارفتہ اور اس کے لطف و کرم کے انتظار میں رہتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ لا یملکون لانفسہم ضراً ولا نفعاً ولا یملکون موتاً ولا حیوۃً ولا نشوراً ۰ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ اپنی جانوں کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہوتے اور نہ موت و حیات اور مرنے کے بعد اٹھنے کے مالک ہوتے ہیں۔

لہٰذا غیر حق پر راضی ہونا نقصان کا موجب اور حق تعالیٰ سے راضی ہونا رضوان کا سبب ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا صریحاً بادشاہت ہے اور اس میں عافیت ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں من لم یرض باللہ و بقضائہ شغل قلبہ

تعب بدنہ۔ جو اللہ تعالٰے کی رضا اور اس کی قضا پر راضی نہ ہوا، اس نے اپنے دل کو تقدیر و اسباب میں مشغول کرکے بدن کو سختی میں ڈال دیا۔ واللہ اعلم بالصواب ؂

فصل

احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالٰے سے دعا مانگی کہ اللّٰھم دلنی علی عمل اذا عملت ورضیت عنی فقال اللہ تعالیٰ انک لا تطیق ذالک یا موسیٰ فخر موسیٰ علیہ السلام ساجداً متضرعاً فاوحی اللہ الیہ یا ابن عمران ان رضائی فی رضاک بقضائی۔ اے میرے رب! مجھے ایسے عمل کی رہنائی فرمایئے میں کروں اور مجھے تیری رضا حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے سجدے میں جاکر گریہ زاری کی۔ اس وقت اللہ تعالٰے نے وحی فرمائی اے ابن عمران (موسیٰ) میری رضا تجھ میں ہی ہے کہ تو میری قضا پر راضی رہے۔

مطلب یہ کہ بندہ حق تعالیٰ کی قضاؤں پر راضی رہنے پر اس کی علامت ہے کہ حق تعالٰے اس سے راضی ہے ؂

حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ نے حضرت فضیل ابن عیاض رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ زہد افضل ہے یا رضا؟ حضرت فضیل نے فرمایا الرضا افضل من الزھد لان الرضا لا یتمنی فوق منزلہ۔ زہد سے رضا افضل ہے اس لئے کہ راضی کو اس سے اوپر کی منزل کی خواہش نہیں ہوتی ؂

مطلب یہ کہ زہد کی منزل کے اوپر بھی منزل ہے۔ جسے زاہد کے ذریعہ حاصل کرنے کی تمنا کرتا ہے لیکن رضا کے اوپر کوئی منزل نہیں جس کی راضی تمنا کرے۔ لہٰذا اوپر کا درجہ نیچے کے درجے سے افضل ہوتا ہے۔ یہ حکایت محاسبی کے اس قول کی صحت پر دلیل ہے کہ رضا احوال کے قبیل سے ہے۔ جو وہبی ہے نہ کہ از مکاسب منازل ؂

(یعنے اللہ تعالٰے کی عطا پر موقوف ہے کسی محنت و کسب سے حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ درجات سے ہے (مترجم)

نیز اس کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ راضی کو تمنا ہی نہ ہو۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے اپنی ایک دعا میں فرمایا اسالک الرضا بعد القضا۔ میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ نزول قضا کے بعد مجھے راضی رکھنا ؂

مطلب یہ کہ مجھے ایسی صفت عطا فرما کہ جب تیری جانب سے قضا آئے تو یہ نزول قضا مجھے راضی پائے۔ اس جگہ یہ ثابت ہوا کہ نزول قضا سے پہلے رضا درست نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہاں رضا پر عزم ہوگا۔ اور عزم رضا عین رضا نہیں ہوتی ؂

حضرت ابو العباس بن عطا فرماتے ہیں کہ الرضا نظر القلب الی قدیم اختیار اللہ للعبد: بندہ پر اللہ تعالٰے کے قدیم اختیار کی جانب سے دلی نگاہ کو رضا کہتے ہیں ؂

مطلب یہ کہ بندہ کو جو کچھ بھی پہنچے وہ اعتقاد رکھے کہ یہ اللہ کے ارادۂ قدیم اور حکم ازلی کی بنا پر ہے جو میرے لئے مقدر فرمایا ہے اس پر وہ

بے قرار نہ ہو بلکہ خوش دل ہو۔ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ صاحب مذہب فرماتے ہیں کہ الرضا سکون القلب تحت مجاری الاحکام۔ اجراء احکام الٰہی کے تحت سکون قلب کا نام رضا ہے خواہ وہ حکم کیسا ہی ہو۔

اس میں ان کا مذہب قوی ہے۔ اس لئے کہ سکون و طمانیت اور سکونِ دل بندے کے کسب سے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ عطیۂ خداوندی سے ہے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ رضا احوال کے قبیل سے ہے نہ کہ مقام سے۔

بیان کرتے ہیں کہ عتبۃ الغلام رات بھر سوتے اور دن چڑھے تک یہ کہتے رہتے: ان تعذبنی فانا لک محب وان ترحمنی فانا لک محب۔ یعنی اگر تو مجھے دوزخ میں عذاب دے تو بھی میں تیرا دوست ہوں۔ مطلب: نہ عذاب کی تکلیف اور نعمت کی لذت جسم پر ہے اور دوستی کا جوش دل میں ہے۔ یہ عذاب دوستی میں ہے لیئے کوئی نقصان رساں نہیں۔ یہ قول بھی رضا ہی کے قول کی تائید کرتا ہے کیونکہ رضا محبت کا نتیجہ ہے کہ محبوب کے ہر فعل پر محب راضی رہے۔ اگر عذاب میں رکھے تب بھی دوستی سے محجوب نہیں ہوتا اور خوش رہتا ہے اور اگر نعمت میں رکھے تب بھی دوستی سے محجوب نہیں ہوتا کہ اپنے اختیار کو حق تعالیٰ کے اختیار کے مقابلہ میں دخل انداز نہیں کرتا۔ حضرت ابوعثمان حیری فرماتے ہیں کہ منذ اربعین سنۃ ما اقامنی اللہ فی حال فکرھتہ وما نقلنی الی غیرہ فسخطتہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے چالیس سال میں جس حال میں بھی رکھا میں نے اسے ناپسند نہیں کیا اور جس نے مجھے جس حال کی طرف بھی پھیرا میں نے اس سے ناراضگی ظاہر نہ کی۔

حکایت

ایک حکایت مشہور ہے کہ دجلہ میں ایک درویش پھنس گیا وہ تیرنا نہیں جانتا تھا کسی شخص نے کنارہ پر کہا اے درویش! اگر تم چاہو تو میں کسی ایسے شخص کو بلاؤں جو تمہیں نکال دے؟ درویش نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا کیا غرق ہونا چاہتے ہو؟ کہا نہیں۔ اس نے کہا پھر کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا میرا رب جو چاہتا ہے وہی میں چاہتا ہوں۔

رضا

رضا کی تعریف و تعبیر میں مشائخ کا بہت اختلاف ہے لیکن وہ دو قاعدے ہیں جنہیں بیان کرتا ہوں اور اسی بحث کو اس پر مختصر کرتا ہوں۔ ضروری ہے کہ پہلے احوال و مقامات کا فرق اور ان کے حدود ظاہر کر دوں تاکہ تمہیں اور تمام پڑھنے والوں کو اس کا مفہوم سمجھنے آسان ہو جائے اور اس کی حدود کو جان جائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حال اور مقام کے درمیان فرق

واضح رہنا چاہیے کہ حال اور مقام یہ دونوں لفظ صوفیاء مشائخ کے درمیان مستعمل، ان کی بات چیت میں جاری اور محققین کے بیان و علوم میں متداول ہیں طالبان علم طریقت کے لئے ان سے واقفیت کے بغیر چارہ کار نہیں۔ اگرچہ یہ باب ان باتوں کے اظہار و بیان کا نہ تھا

لیکن بغیر اس کے بیان و اظہار کے کوئی راہ بھی نہ تھی وباللہ التوفیق والعصمۃ والعون ۔

واضح ہو کہ مُقام میم کے پیش کے ساتھ بندہ کا قیام اور میم کے زبر کے ساتھ بندہ کی جائے اقامت و قیام ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے یہ تفصیل و معنے اصل لفظ مقام میں سہو و غلط ہے۔ مُقام میم کے پیش کے ساتھ اقامت یعنی جائے اقامت کے ہیں اور بندہ کا راہِ حق میں اقامت کے معنے نہیں ہیں۔ اور مَقام میم کے زبر کے ساتھ قیام اور جائے قیام کے ہیں نہ کہ بندہ کا راہِ حق میں جائے اقامت کے۔ اور بندہ کا اس مقام کے حق کو ادا کرنا اور اس کی رعایت کرنا تاکہ اس کے کمال تک رسائی ہو سکے جس قدر بھی [illegible] ہو سکتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اس مقام کا حق ادا کئے بغیر اپنے اس مقام سے گزر جائے۔ مثلاً سب سے پہلا مقام توبہ ہے پھر انابت، پھر زہد، پھر توکل وغیرہ ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ جائز نہیں کہ بے توبہ کئے انابت کا دعوےٰ کرے۔ بغیر انابت کے زہد کا دعوےٰ کرے اور بغیر زہد کے توکل کا دعوےٰ کرے اللہ تعالےٰ نے ہمیں حضرت جبریل علیہ السلام کے کلام میں خبر دی کہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ یعنے ہم میں سے کوئی بھی نہیں مگر اس کے لئے کوئی مقام معلوم ہے ۔

اب حال کی کیفیت سُنو کہ حال ایسے معنے کو کہتے ہیں جو حق تعالےٰ کی طرف سے دل پر طاری ہو۔ جسے نہ اپنے اختیار و قدرت سے دور کر سکتا ہے اور نہ کسی محنت و مشقت سے حاصل کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب آئے تو دور نہیں کر سکتا اور نہ آئے تو لا نہیں سکتا۔ لہٰذا بارگاہِ الٰہی میں اپنی ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ محل اجتہاد اور اس کے درجہ میں طالب کی راہ اور اس کی جائے اقامت کا نام مقام ہے اور بغیر کسی ریاضت و مجاہدے کے بندے کے دل پر جو اللہ تعالےٰ کا لطف و فضل ہو اس کا نام حال ہے اسی وجہ سے مقام اعمال کے قبیل سے ہے اور حال افضال کے قبیل سے ہے۔ اور مقام سراسر کسبی ہے اور حال سراسر وہبی ہے لہٰذا مقام [illegible] اور حال والا اپنے وجود میں فانی اور اس حال کے ساتھ قائم ہے جسے حق تعالےٰ نے اس کے دل میں پیدا فرمایا ہے [illegible] ایک جماعت حال کے دوام کو جائز رکھتی اور ایک جماعت دوام کو جائز نہیں رکھتی۔ حضرت حارث محاسبی کا مذہب [illegible] وہ فرماتے [illegible] محبت و شوق اور قبض و بسط یعنے دل کی تنگی و کشادگی یہ سب احوال ہیں اگر اس میں دوام کو جائز نہ مانا جائے تو محب، محب نہیں رہ سکتا اور نہ مشتاق مشتاق رہ سکتا ہے۔ جب تک کہ حال بندہ کی صفت نہ ہو تو اس کا وقوع بندہ پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر یہ رضا کو احوال کی قبیل سے گردانتے ہیں۔ اور حضرت ابو عثمان کے قول کا اشارہ اسی طرف ہے کہ منذ اربعین سنۃ ما اقامنی اللہ علی حال فکرھتہ ، چالیس سال گزر چکے جس حال پر بھی اللہ تعالےٰ نے قائم رکھا میں نے اسے ناپسند نہ کیا ۔

اور وہ جماعت جو حال کے دوام و بقا کو جائز نہیں مانتی مثلاً حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ الاحوال بالبروق فان بقی فحدیث النفس یعنے احوال بجلی کوندنے کے مانند ہیں کہ ظاہر ہوتی اور چھپ جاتی ہے باقی نہیں رہتی اور وہ جو باقی رہے وہ حال نہیں ہے بلکہ وہ حدیثِ نفس اور طبیعت کی ہوس ہے۔ ایک جماعت نے اس کی نسبت یہ کہا کہ الاحوال کاسمہا یعنے انہا کما تحل فی

[illegible]

اور جو باقی و برقرار رہے وہ صفت ہے اور صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے تو لازم آتا ہے کہ موصوف اپنی صفت سے زیادہ کامل ہو حالانکہ یہ سب محال ہے ۔

میں نے یہ فرق اس لئے بتایا ہے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں بھی مشائخ کی عبارتوں میں حال و مقام کو دیکھو تو جان سکو کہ ان کی ان سے کیا مراد ہے۔ مختصراً اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ رضا مقامات کی انتہاء اور احوال کی ابتداء ہے یہ ایسا مقام ہے کہ جس کا ایک کنارہ کسب و اجتہاد کی طرف ہے اور دوسرا کنارہ محبت و اشتیاق کی طرف ملتا ہے اور پر کوئی مقام نہیں ہے (چونکہ اس کے بعد احوال کی منزلیں شروع ہوتی ہیں ۔ مترجم) اور تمام مجاہدے اسی پر ختم ہو جاتے ہیں ۔ لہٰذا اس کی ابتداء کسبی ہے اور اس کی انتہاء وہبی ہے ۔ اب احتمال ہوتا ہے کہ جس نے اپنی رضا کی ابتداء اپنے ساتھ دیکھی اس نے کہدیا کہ یہ مقام ہے ۔ اور جس نے اپنی رضا کی انتہاء کو حق کے ساتھ دیکھا اس نے کہدیا کہ یہ حال ہے ۔ یہ ہے تصوف میں حضرت محاسبی کے مذہب کا معاملہ لیکن معاملات میں انھوں نے کوئی خلاف نہیں کیا بجز اس کے کہ انھوں نے مریدوں کو ایسی عبارات اور معاملات میں زجر و تنبیہ فرمائی جس میں ایہام و خطا ہوتی اگرچہ وہ اصل میں درست ہی کیوں نہ ہوں ۔ مثلاً ایک دن ابو حمزہ بغدادی جو اُن کے مرید تھے اُن کے پاس آئے چونکہ وہ صاحبِ حال اور صاحبِ سماع تھے ۔ اور حضرت حارث شاہ کے پاس ایک مرغ تھا جو بانگ دیا کرتا تھا مرغ نے اس وقت بانگ دینی شروع کر دی جس پر ابو حمزہ نے ایک نعرہ مارا ۔ حضرت حارث اٹھ کھڑے ہوئے اور خنجر اٹھا لیا اور فرمایا کَفَرْتَ (تو نے کفر بکا) اور اسے مار ڈالنے کا قصد کیا دیگر مریدین شیخ کے قدموں میں گر پڑے اور اسے چھڑوا دیا ۔ پھر ابو حمزہ سے فرمایا اسلم یا مطرود (اے مردود مسلمان ہو) مریدوں نے عرض کیا اے شیخ ! جبکہ ہم آپ اسے مخصوص اولیائے کرام اور توحید پرستوں میں سے جانتے ہیں تو حضرت کو اس پر کیوں شک و تردد ہو گیا تھا حضرت حارث نے فرمایا مجھے اس پر کوئی شک و تردد نہیں تھا بلاشبہ اسے مشاہدۂ دیدارِ حق اور اس کا دل توحید میں مستغرق جانتا ہوں لیکن اسے ایسا کیوں کرنا چاہیئے جس طرح حلولی لوگ کرتے ہیں اور جو ان کے گفتار و کردار کا شعار ہے (غور کرو) مرغ ایک بے عقل جانور ہے وہ اپنی عادت و خواہش کے مطابق بانگ دیتا ہے ۔ اسے حق تعالیٰ کے ساتھ کیسے ہمکلامی ہو گئی حالانکہ یہ حق تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں وہ تجزی سے پاک ہے ۔ (اس میں شبہ نہیں کہ) اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا ہر وقت اور ہر حال حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے شایانِ شان سلام و کلام کے بغیر آرام و چین سے نہیں گزرتا اس کے باوجود کسی چیز میں اس کا حلول و نزول بھی جائز نہیں ہے اور نہ قدیم اتحاد و امتزاج اور ترکیب جائز ہے ۔ ابو حمزہ نے جس وقت شیخ کی بالغ نظری کو دیکھا تو عرض کرنے لگے اے شیخ ! اگرچہ میں اصل میں راستی پر تھا لیکن چونکہ میرا فعل ایسی قوم کے مشابہ تھا جو حلولی اور گمراہ ہیں ۔ میں توبہ و رجوع کرتا ہوں ۔

اس قسم کی ان کی بہت سی باتیں ہیں ۔ میرا مقصود بھی چونکہ اختصار ہے ۔ ان کا یہ طریقہ سلامتی اور حفاظت کی راہ میں باوجود صحت کمال کے بہت پسندیدہ اور لائقِ تعریف ہے ۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من کان منکم یومن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم ، تم میں سے جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ ہرگز تہمت کی جگہوں پر کھڑا نہ ہو ۔

اور مَیں علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش) ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتا رہتا ہوں کہ مجھے ایسا معاملہ نصیب فرمائے۔ اور آجکل کے رسمی پیروں کی صحبت سے بچائے یہ ایسے لوگ ہیں جن کی معصیت و ریا میں موافقت نہ کی جائے تو دشمن ہو جاتے ہیں۔ فنعوذ باللہ من الجھل۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

فرقہ قصاریہ

(۲) قصاری فرقہ کے پیشوا حضرت ابوصالح بن حمدون بن احمد بن عمارہ قصار رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اکابر علماء اور سادات طریقت میں سے ہیں ان کی روش ملامت کے نشر و اظہار پر ہے۔ معاملات کے فنون میں ان کا کلام اونچا ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو جتانے کے مقابلہ میں تیرا علم اللہ تعالیٰ کو بست بہتر ہونا چاہئیے، مطلب یہ کہ خلوت میں حق تعالیٰ کے ساتھ تیرا معاملہ اس سے بہتر ہونا چاہیئے جو تُو لوگوں کے ساتھ ظاہری طور پہ کرے۔ اس لئے کہ حق سے سب سے بڑا حجاب یہ ہے کہ تیرا دل لوگوں کے ساتھ مشغول ہو۔ چونکہ اس کتاب کے شروع میں ملامت کے سلسلہ میں ان کے احوال و حکایات بیان کر چکا ہوں اب طوالت کے خوف سے اختصار کرتا ہوں ان کی عجیب و غریب حکایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ

حکایت

وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نیشاپور میں نہر حیرہ نامی کے کنارے جارہا تھا وہاں نوح نام کا ایک شخص تھا جس کی جواں مردی نیشاپور کے جواں مردوں میں مشہور تھی میں نے اسے راستہ میں دیکھ کر کہا اے نوح! جواں مردی کیا ہے؟ اس نے کہا میری جواں مردی کے بارے میں پوچھتے ہو یا اپنی جواں مردی۔ میں نے کہا دونوں کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا میری جواں مردی یہ ہے کہ میں نے قبا کو اتار کر گدڑی پہن لی ہے اور ایسا معاملہ کرنے لگا ہوں جس سے صوفی بن جاؤں۔ خدا سے شرم کرتا ہوں اور اس لباس میں معصیت سے پرہیز کرتا ہوں۔ اور تمہاری جواں مردی یہ ہے کہ تم اس گدڑی کو اتار ڈالو تاکہ تم لوگوں کو اور تم سے لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ لہٰذا میری جواں مردی ظاہر میں شریعت کی محافظت میں ہے اور تمہاری جواں مردی باطن میں حقیقت کی محافظت میں ہے۔ یہ اصل بڑی قوی ہے۔ واللہ اعلم ۔

فرقہ طیفوریہ

(۳) طیفوری فرقہ کے پیشوا حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامی ہیں جو اکابر و سادات صوفیاء میں سے ہیں یہ صاحب غلبہ اور صاحب سکر تھے۔ شوق الٰہی کا غلبہ، سکر، اور محبت آدمی کے کسی محبت کی جنس سے نہیں ہے یہ اس کے کسب و اختیار کے احاطہ سے باہر ہے۔ جو ان کا دعوےٰ کرے باطل اور ان کی تقلید محال ہے۔ لہٰذا صحت مند کے لئے سکر یعنی بیہوشی صفت نہیں ہو سکتی لامحالہ آدمی سکر کو اپنی طرف لانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ وہ خود سکر کے ہاتھوں مغلوب ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ اس سے بتکلف کوئی صفت ظاہر ہو۔ اس بارے میں مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ صاحب استقامت کی ہی پیروی کی جائے گردش احوال کی اقتداء درست نہیں ہوتی۔ پھر ایک گروہ جائز رکھتا ہے کہ آدمی بتکلف غلبہ و سکر کی راہ اختیار کرے۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا: گریہ زاری کرو اگر نہ کر سکو تو رونے والوں کی صورت بنالو ۔

اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ریاکاروں کی طرح خود کو بھی ویسا ہی کر لو۔ یہ شرک صریح ہے۔ دوسرے یہ کہ خود کو ویسا بنالو تاکہ حق تعالیٰ اس بناوٹ کو حقیقت کے اس درجہ کے مطابق بنا دے جو اہل حقیقت کا ہے۔ تاکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے موافق ہو جائے من تشبہ بقوم فھو منہم۔ جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔

لہٰذا اقسام مجاہدے میں سے جتنا ہو سکے اسے تو کرتے اس کے بعد وہ خدا سے امیدوار ہو کہ اس پر اس کے معنے کی حقیقت کو کھول دے کیونکہ ایک شیخ کا قول ہے المشاھدات مواریث المجاھدات: مجاہدوں کے نتیجہ میں مشاہدے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ہر لحاظ سے مجاہدے عمدہ ہیں۔ لیکن سکر و غلبہ انسان کے کسب کے تحت نہیں ہیں کہ وہ مجاہدوں سے اسے حاصل کر سکے اور حصول سکر کے لئے عین مجاہدات علت و سبب نہیں ہیں۔ اور مجاہدے صحت مندی کی حالت میں ہی کر سکتا ہے اور کسی صحت مند کا قیام سکر کی قبولیت میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ محال ہے۔ اب میں سکر و صحو کو اختلاف مشائخ کے ساتھ بیان کرتا ہوں تاکہ مشکلات دور ہو جائیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

سکر و صحو کی بحث

جاننا چاہئے (اللہ تعالےٰ تمھیں عزت بخشے) کہ ارباب معانی نے سکر و غلبہ سے غلبۂ محبت الٰہی، اور صحو سے حصول مقصد مراد لئے ہیں اس سلسلہ میں اہل معانی کا بہت اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک جماعت تو سکر کو صحو پر فضیلت دیتی ہے اور ایک جماعت صحو کو سکر پر برتری دیتی ہے اول گروہ جو سکر کو صحو پر فضیلت دیتا ہے ان میں حضرت ابو یزید بسطامی اور ان کے متبعین ہیں وہ کہتے ہیں کہ صحو آدمیت کی صفت پر اعتدال اور استقامت کی شکل بناتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں بہت بڑا حجاب ہے، اور سکر آفت کے زائل ہونے، صفات بشریت کے کم ہونے، بندے کے تدبیر و اختیار کے چلے جانے، معنوی بقا کے ساتھ حق تعالیٰ میں بندے کے تصرفات کے فنا ہونے اور اس قوت کے فنا ہونے سے جو بندے میں اس کی جنس کے خلاف ہے حاصل ہوتا ہے اور یہ حالت صحو کے مقابلہ میں ابلغ و اتم اور زیادہ مکمل ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے حالت صحو میں جب ایک فعل صادر ہوا جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے فرمایا تو ان کے اس فعل کی نسبت انہیں کی طرف فرمائی جیسا کہ فرمایا وقتل داؤد جالوت یعنے داؤد نے جالوت کو قتل کیا۔ اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حالت سکر پر فائز تھے حضور سے جب ایک فعل وجود میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی چنانچہ فرمایا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ: جب آپ نے پھینکا تھا تو وہ آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔

فبحداء بین عبدٍ وعبدٍ لہٰذا بندے اور بندگی میں بڑا فرق ہے۔ جو از خود قائم اور اپنی صفات پر ثابت و برقرار ہے اللہ تعالےٰ نے اسے تو فرمایا کہ تو نے کیا یہ ان کی بزرگی و کرامت کا اظہار ہے۔ اور وہ ذات جو حق کے قائم اور اپنی صفات کا فانی ہے اسے فرمایا جو کچھ تم نے کیا۔ لہٰذا بندہ کے فعل کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہونا اس سے افضل و بہتر ہے جس میں حق تعالیٰ کے فعل کی نسبت بندے کی طرف کی جائے

جب حق تعالیٰ کے فعل کی نسبت بندے کے ساتھ ہو تو بندہ اپنے وجود میں قائم ہوتا ہے اور جب بندے کے فعل کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہو تو وہ حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے جس وقت بندہ اپنے وجود میں برقرار ہوتا ہے تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مانند ہوتا ہے اور اس کی نظر بے محابا جگہ پر پڑ جاتی ہے چنانچہ ان کی نظر بے محابا عورت پر پڑی اور جو دیکھنا تھا سو دیکھا، اور جب بندہ حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جیسے کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تھے تو ان کی نظر کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ جب عورتوں کی جنس پر نظر پڑتی ہے تو حضرت زید کی بیوی خود زید پر حرام ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محل صحو میں تھے اور یہ محل سکر میں تھا علیٰ نبینا وعلیہ السلام۔

اور وہ جماعت جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتی ہے، میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سکر محل آفت ہے اس لئے کہ اس میں احوال پریشان اور صحت غائب ہو جاتی ہے، اور بندہ اپنے آپ میں قائم ہوتا ہے، اور جب تم ہر حال میں کسی فائدہ کے طالب ہو خواہ ان کی فنا کی صورت میں، یا ان کی بقا کی صورت میں، یا ان کے اثبات کی شکل میں، اگر وہ صحیح الحال نہیں ہوگا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اس لئے اہل حق کا دل موجودات سے خالی ہونا چاہئے اور بینائی کی قید میں کبھی راحت نہیں پاتی، اور اس کی آفت سے ہرگز نہیں بچ سکتا، اور لوگ جو حق تعالیٰ کے سوا چیزوں میں مبتلا ہیں اسی لئے ہے کہ وہ چیزوں کو جیسی کہ وہ ہیں یعنی ناپید و فنا ہونے والی ہیں، انہیں نہیں دیکھتے۔

اور صحیح طور پر چیزوں کا دیکھنا دو طرح پر ہے ایک یہ کہ دیکھنے والا چیزوں کو بقا کی نظر سے دیکھے اور دوسرا یہ کہ فنا کی نظر سے دیکھے۔ اگر بقا کی نظر سے دیکھے تو وہ تمام چیزوں کو اپنے وجود میں ناقص پائے گا۔ کیونکہ وہ چیزوں کو ان کی موجودگی کی حالت میں اپنے وجود کے ساتھ باقی دیکھے گا۔ اور اگر فنا کی نظر سے دیکھے تو وہ تمام چیزوں کو حق تعالیٰ کی بقا کے پہلو میں فانی و ناپید دیکھے گا۔ اور یہ دونوں صفتیں، موجودات سے دیکھنے والے کا منہ پھیر دیتی ہیں۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا کی حالت میں "اللّٰھم ارنا الاشیاء کما ھی" یعنے اے خدا ہمیں چیزوں کی ماہیت ایسی ہی دکھا کہ وہ ہیں، دکھا۔ اس لئے جس نے انہیں ان کی ماہیت کے ساتھ دیکھا وہ آسودہ رہا۔ اسی معنے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ فاعتبروا یا اولی الابصار: اے دیکھنے والو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔

جب تک دیکھنا نہیں ہے عبرت کیسے پکڑ سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ساری باتیں حالت صحو کے سوا ایسے درست نہیں ہیں۔ اہل سکر کو ان معنے کی خبر نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سکر کی حالت میں تھے وہ ایک تجلی ربانی کے ظہور کو برداشت نہ کر سکے اور بیہوش ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا: موسیٰ چیخ مار کر زمین پر گرے۔

اور ہمارے رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم حالت صحو میں تھے چنانچہ مکہ مکرمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی ربانی میں تمام وقت ہوشیار اور بیدار تر رہے۔ شعر

شَرِبْتُ الرَّاحَ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ ؞ فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِيْتُ

یعنے میں نے پیالے بھر بھر کے شراب راحت پی مگر شراب نے مجھ پر کچھ اثر نہ کیا اور نہ میں سیراب ہوا۔
میرے شیخ نے فرمایا وہ جنیدی مذہب کے تھے کہ سکر بچوں کے کھیل کا میدان ہے اور صحو مردوں کے فنا کا میدان۔
اور میں علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) اپنے شیخ کی موافقت میں کہتا ہوں کہ صاحب سکر کے حال کا کمال صحو ہے اور صحو میں کم سے کم درجہ بشری حالت میں دیدار سے رہ جانا ہے۔ لہٰذا وہ صحو جو آفت دکھائے اس سکر سے بہتر ہے جو سراسر آفت ہے۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ کی حکایتوں میں ہے کہ انھوں نے اپنے ابتدائی احوال میں بیس سال تک جنگلوں میں ایسی گوشہ نشینی کی کہ کسی آدمی کی بو تک نہ سونگھی۔ یہاں تک کہ ریاضت و مشقت سے جھریاں پڑ گئیں اور آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ اور کسی آدمی کی صورت نہ دیکھی بیس سال کے بعد صحبت و جلوت کا فرمان ہوا اور حق تعالےٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ بیٹھو اٹھو۔ انھوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ سب سے پہلے اہل اللہ اور خانۂ کعبہ کے مجاوروں کی ہم نشینی کرنا مبارک رہے گا۔ مکہ مکرمہ کا قصد کر لیا۔ مشائخ کرام کو دل میں پہلے الہام ہو چکا تھا کہ ابو عثمان آ رہے ہیں ان کے استقبال کے لئے باہر نکلے ان کو اس حال میں پایا کہ بصارت متغیر ہو چکی تھی اور سوائے زندگی کے رمق کے ان کے جسم پر کچھ نہ تھا۔ کہنے لگے، اے ابو عثمان! آپ نے زندگی کے بیس سال اس شان سے گزارے کہ تمام آپ کے زندہ ہونے ہی سے مایوس ہو گئے تھے ہمیں بتایئے ایسا کیوں کیا؟ کیا آپ نے دیکھا اور کیا آپ نے پایا اور کیوں واپس آئے؟ فرمایا سکر میں گیا سکر کی آفت کو دیکھا، مایوسی کو پایا اور عاجزی سے واپس آیا۔ تمام مشائخ کرام نے کہا اب آپ کے بعد صحو و سکر کی تعبیر کسی تعریف کرنے والے پر حرام ہے کیونکہ آپ نے پوری پوری تعریف و تعبیر کر دی اور سکر کی آفت کو ظاہر فرما دیا۔ بغرضیکہ سکر بقائے صفت کا عین اور فنائے صفت کا گمان ہے یہ حجاب ہوتا ہے۔ اور صحو فنائے صفت میں مکمل دیدار کی بقا ہے اور یہ عین کشف و مشاہدہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی کی یہ صورت ہو کہ صحو کے مقابلہ میں سکر فنا سے زیادہ نزدیک ہو تو یہ محال ہے اس لئے کہ سکر ایسی صفت ہے جو صحو پر زیادہ ہے۔ اور جب تک بندے میں ایسی صفتیں برھیں اس وقت تک وہ بے خبر ہوتا ہے۔ اور جب وہ صفتیں بندے میں کم ہونے لگیں اس وقت طالب کو امید ہوتی ہے۔ یہ صحو و سکر کی تعریف میں انتہائی حالت کا بیان ہے۔

حکایت

حضرت بایزید کی ایک حکایت ہے کہ وہ مغلوب الحال تھے واقعہ یہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ نے ان کے نام ایک خط بھیجا، جس میں دریافت کیا کہ اس شخص کے لئے کیا فرمائیں گے جس نے دریائے محبت سے ایک قطرہ پیا اور مست ہو گیا؟ حضرت بایزید نے جواب میں لکھا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے؟ اگر سارے جہان کے دریا محبت کی شراب بن جائیں اور وہ ان سب کو پی جائے پھر بھی پیاس کا اظہار کرے۔ لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ حضرت یحییٰ نے سکر کی تعبیر کی تھی اور حضرت بایزید نے صحو کی۔ حالانکہ اس کے برخلاف صاحب صحو وہ ہوتا ہے جو ایک قطرہ کی بھی طاقت نہ رکھے۔ اور صاحب سکر وہ ہوتا ہے جو مستی میں سب کچھ پی کر پھر بھی پیاسا رہے۔ اس لئے کہ شراب مستی کا آلہ اور

ذریعہ ہے جنس کے لئے ہم جنس ہی بہتر ہوتی ہے۔ اور صحو اس کی ضد ہے وہ شراب سے راحت نہیں پاتا بلکہ اس کے لئے مشاہدہ و دیدار موجب راحت ہے۔ مترجم)۔

اقسامِ سکر

لیکن سکر کی دو قسمیں ہیں ایک دوستی کی شراب سے دوسرے محبت کے پیالہ سے سکر ہوتا ہے۔ (یعنی دوستی کی شراب سے) معلول ہے یعنے علت و سبب کے ساتھ ہے کیونکہ یہ مستی نعمت کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے اور سکر محبت بے علت واعیر سبب کے ہے کیونکہ یہ مستی منعم یعنے حق تعالے کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا جس نے نعمت کو دیکھا وہ اپنے پر دیکھتا ہے اور خود کو دیکھتا ہے۔ اور جس نے منعم کو دیکھا اس نے اس کے ساتھ دیکھا اور اپنے آپ کو نہ دیکھا اگرچہ وہ حالت سکر میں ہے مگر اس کا سکر صحو ہے۔

اقسامِ صحو

صحو کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صحو بر غفلت دوسری صحو بر محبت۔ غفلت پر صحو بہت بڑا حجاب ہے۔ اور محبت پر صحو، روشن و واضح کشف و مشاہدہ ہے۔ لہذا جو غفلت پر ہوتا ہے اگرچہ صحو ہو مگر سکر پر ہے۔ اور جو محبت میں واصل ہو جائے اگرچہ سکر میں ہو مگر صحو ہے۔ جب اصل بنیاد مضبوط و مستحکم ہوتی ہے تو صحو سکر کی مانند اور سکر صحو کی مانند ہوتی ہے۔ اور جب بے اصل و بنیاد ہو تو دونوں بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صحو اور سکر مردانِ خدا کی جائے اقامت میں اختلاف سبب کی وجہ سے معلول ہوتا ہے لیکن جب سلطانِ حقیقت یعنے اللہ رب العزة جل و علے اپنا جمال دکھائے تو صحو و سکر دونوں طفیلی اور وسیلہ رہ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کے کنارے اور سرحدیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوتی ہیں اور ایک کی انتہا میں دوسرے کی ابتدا شامل ہے۔ اور ابتداء و انتہاء سوائے تفرقہ کے کچھ نہیں ہے۔ چونکہ ان کی نسبت تفرقہ کے ساتھ ہے تو حکم میں دونوں برابر ہوں گے۔ اور نفیوں کا جمع کرنا سراسر تفرقہ ہی ہوگا۔ اسی معنے میں یہ شعر کہا گیا ہے کہ ؎

اذا طلع الصباح بنجم راحٍ ٭ تساوی فیہ سکرانٌ وصاحٍ

جب دیدارِ حق کی صبح دل کو خوش کرنے والے تاروں کے ساتھ طلوع ہوتی ہے تو اس میں مست و ہشیار دونوں برابر ہوتے ہیں

حکایت

مقام سرخس میں دو بزرگ تھے ایک کا نام لقمان اور دوسرے کا نام ابوالفضل حسن تھا۔ ایک دن لقمان ابوالفضل کے پاس آئے تو ان کو ہاتھ میں کتاب کے اوراق دیکھے کہا اے ابوالفضل کتاب میں کیا تلاش کر رہے ہو؟ فرمایا اسے جسے تم اس کو چھوڑ کر تلاش کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا یہ خلاف کیوں ہے؟ فرمایا خلاف تو تم دیکھ رہے ہو اور مجھ سے دریافت کر رہے ہو کہ کیا تلاش کر رہے ہو۔ لہذا مستی سے ہشیار ہو اور ہشیاری سے بیدار ہو تاکہ تم

سے خلاف اٹھ جائے اور جان سکو کہ ہم اور تم کسے تلاش کر رہے ہیں۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ طیفوریوں کو جنیدیوں سے کتنا اختلاف ہے۔ جیسے ہم نے بیان کر دیا ہے۔ معاملات میں ان کا مذہب مطلقاً ترکِ صحبت اور گوشہ نشینی کو اختیار کرنا ہے۔ وہ اپنے مریدوں کو ایسی ہی تلقین فرماتے ہیں۔ یہ طریقہ محمود اور سیرت قابلِ ستائش ہے اگر میسر آ جائے۔

فرقہ جنیدیہ

(۴) فرقہ جنیدیہ کے پیشوا حضرت ابو القاسم جنید بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے وقت میں انہیں طاؤس العلماء کہا جاتا تھا۔ مشائخ کے سردار اور امام الائمہ تھے۔ ان کا طریقہ طیفوری مذہب کے برعکس صحو پر مبنی ہے۔ ان کا اختلاف بیان کیا جا چکا ہے۔ تمام مذہبوں میں سے زیادہ مشہور و معروف مذہب جنیدیہ ہے۔ اور تمام مشائخ جنید کے مذہب پر ہوئے ہیں۔ اس کے سوا طریقت کے معاملات پر ان کا اتفاق ہے اور بعض نے صرف صحو کے مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے اس مسئلہ کی تحقیق جو دوسری جگہ پڑھے تو کہ یہاں سے بہتر معلوم ہو جائے۔ اس کتاب میں بڑی روشنی ڈالی گئی ہے وباللہ التوفیق۔

حکایت

حکایتوں میں آیا ہے کہ جب حسین بن منصور حلاج اپنے غلبہ حال میں عمرو بن عثمان سے جدا ہو کر حضرت جنید کے پاس آئے تو انہوں نے ان سے فرمایا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لئے کہ شیخ کی صحبت میں رہوں، فرمایا مجھے مجنونوں کی صحبت درکار نہیں ہے کیونکہ صحبت کے لئے صحت چاہیے۔ جب تم آشفتہ صحبت کرو گے تو ایسا ہو گا جیسے تم نے سہل بن عبداللہ تستری اور عمرو کے ساتھ صحبت کی۔ حسین بن منصور نے عرض کیا: یا الشیخ الصحو والسکر صفتان للعبد ما دام العبد محجوباً عن ربہ حتی فنی اوصافہ۔ اے شیخ! صحو اور سکر بندے کی صفتیں ہیں۔ اور بندے کے ساتھ اس وقت تک پیوستہ رہتی ہیں جب تک کہ وہ اپنے رب سے محجوب ہے یہاں تک کہ اس کی صفتیں فنا ہو جائیں۔

حضرت جنید نے فرمایا: یا ابن المنصور اخطأت فی الصحو والسکر لان الصحو بلا خلاف عبارۃ عن صحۃ حال العبد مع الحق وذالک لا یدخل تحت صفۃ العبد واکتساب الخلق وانا اری یا ابن منصور فی کلامک فضولاً کثیراً وعبارات لا طائل تحتہا۔ اے منصور! صحو و سکر میں تو نے غلطی کی ہے اس لئے کہ بلا اختلاف صحو کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ کا حال حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح ہو۔ اور یہ مفہوم بندے کی صفت اور اس کے اکتساب حق کے تحت داخل نہیں ہے۔ اور اے منصور! میں نے تیرے کلام میں بہت لغویت اور بے معنی باتیں دیکھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

فرقہ نوریہ

(۵) نوریہ فرقہ کے پیشوا حضرت ابو الحسن احمد بن نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو مشائخ کے اعلیٰ مقام کے علماء میں سے ہیں اور نور کے لقب سے مشہور ہیں۔ مشائخ کے درمیان ان کی روشن صفتیں اور قوی دلیلیں معروف ہیں۔ تصوف میں ان کا مذہب پسندیدہ ہے ان کے مذہب کی بنیاد فقر پر تصوف کی فضیلت ہے اور ان کا معاملہ حضرت جنید کے مذہب کے موافق ہے۔ اور ان کے طریقہ کے نوادرات میں سے یہ ہے کہ ان کے نزدیک صاحبِ حق کے لئے صحبت میں اپنے حق کو ایثار کرنا ہے کیونکہ وہ بغیر ایثار کے صحبت حرام جانتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

درویشوں کے صحبت فرض ہے اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ۔ اور مصاحب دوسرے مصاحب کے لئے ایثار یہ بھی فرض ہے چنانچہ ان کا قول ہے کہ ایاکم والعزلۃ فان العزلۃ مقاربۃ الشیطان وعلیکم بالصحبۃ فان فی الصحبۃ رضاء الرحمان۔ گوشہ نشینی سے بچو کیونکہ گوشہ نشینی شیطان سے ہم نشینی ہے صحبت کو لازم پکڑو کیونکہ صحبت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اب میں ایثار کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں اور جب میں صحبت اور گوشہ نشینی کے باب میں پہنچوں گا تو اس جگہ اس کی تشریح کروں گا تاکہ مکمل فائدہ حاصل ہو انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایثار کی بحث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ انہیں تنگی ہو۔ ایثار کرنے والے اگرچہ اس کے حاجتمند ہوتے ہیں یہ آیت کریمہ خاص طور پر فقراء صحابہ کی شان میں نازل ہوئی۔ ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ صحبت میں اپنے ساتھی کے حق کی حفاظت رکھے اور اپنے حق کو اس کے حق میں دستبردار ہو جائے۔ اپنے دوسرے ساتھی کو راحت پہنچانے کی خاطر خود تکلیف برداشت کرے اور اپنے آرام و راحت کو قربان کرے۔

لان الایثار القیام بمعاونۃ الاغیار مع الاشتغال بما مرہ لحبیبہ ورسولہ المختار صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاھلین الآیہ۔ اس لئے کہ ایثار دوسروں کی مدد کرنے پر قائم ہونے کے باوجود ان امور کے اس حکم کے تحت جسے قدرت والے رب نے اپنے رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا چنانچہ فرمان الٰہی ہے کہ درگزر کو اختیار فرماؤ، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

یہ مسئلہ اپنی پوری تشریح کے ساتھ آداب صحبت کے باب میں آئے گا۔

اقسام ایثار

لیکن یہاں ایثار سے کیا مراد ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک صحبت میں ایثار کرنا جیسا کہ مذکور ہوا، دوسری محبت میں ایثار کرنا۔ لیکن صاحب کے حق میں ایثار کرنا ایک قسم کا رنج و کلفت ہے لیکن دوست کے حق میں ایثار کرنا سراسر راحت ہی راحت ہے۔

حکایت

یہ مشہور حکایت ہے کہ جس وقت غلام الخلیل نے اس جماعت صوفیاء کے ساتھ اظہار عداوت کیا اور ہر ایک سے طرح طرح کی دشمنی پیدا کی اور حضرت نوری، رقام اور ابو حمزہ کو گرفتار کر کے دار الخلافہ میں لے گئے اس وقت غلام الخلیل نے کہا کہ یہ زندیقوں کی جماعت ہے (معاذ اللہ) اگر امیر المومنین

ان زندیقوں کے قتل کرنے کا حکم دے دیں تو ان زندیقوں کا تخم جاتا رہے کیونکہ یہ ان کے سرغنہ ہیں۔ اور جس کے ہاتھ سے ایسی نیکی رونما ہو میں اس کے بڑے اجر و ثواب کا ضامن ہوں۔ خلیفہ نے اسی وقت ان سب کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا سیاف یعنی جلاد آیا اور تینوں کے ہاتھ باندھے اور رقام کے قتل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی حضرت نوری جلدی سے اٹھے اور رقام کی جگہ تلوار کی زد میں جا بیٹھے۔ سب لوگوں نے اس پر تعجب کیا سیاف (جلاد) نے کہا اے جوان مرد! یہ تلوار ایسی نہیں ہے کہ اسے کھیل سمجھا جائے اور تم اس کے سامنے آؤ ابھی تمھاری باری نہیں آئی ہے فرمایا ٹھیک کہتے ہو لیکن میرا طریقہ ایثار پر مبنی ہے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز چیز زندگانی ہے میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے جو بقایا چند سانس ہیں وہ اپنے بھائیوں پر قربان کر دوں۔ کیونکہ میرے نزدیک دنیا میں ایک سانس لینا آخرت کے ہزار سال سے بہتر ہے کیونکہ دنیا خدمت کی جگہ ہے اور آخرت قربت کی اور قربت خدمت کر کے ہی حاصل ہوتی ہے۔ خلیفہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو خلیفہ ان کی طبیعت کی نرمی اور کلام کی باریکی پر ایسا متعجب ہوا کہ اسی وقت قاصد کو بھیجا کہ ابھی ان کے معاملہ میں توقف کرو۔ اس وقت قاضی القضاۃ ابو العباس بن علی تھے خلیفہ نے ان کے احوال کی تفتیش کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ قاضی ابو العباس ان تینوں کو اپنے گھر لے گیا اس نے شریعت اور حقیقت کے احکام کے بارے میں سوالات کئے اس نے ان کو ہر سوال کے جواب میں مکمل پایا اور ان کے احوال سے اپنی غفلت و نادانی پر شرمسار و پریشان ہوا۔ اس وقت حضرت نوری نے فرمایا اے قاضی! جو کچھ تو نے پوچھا ہے ابھی کچھ نہیں پوچھا ہے کیونکہ فان للہ عباداً یاکلون باللہ ویشربون باللہ ویجلسون باللہ ویقولون باللہ؛ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ کھاتے، پیتے، بیٹھتے اور اسی کے ساتھ کلام کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ ان مردانِ خدا کا قیام و قعود، نطق و حرکت و سکون اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہے اسی کے ساتھ زندہ اور اسی کے مشاہدہ میں پایندہ رہتے ہیں اگر ایک لحظہ کے لئے بھی مشاہدۂ حق نہ ہو تو ان کی زندگی مضمحل اور پراگندہ ہو جاتی ہے قاضی بہت حیرت زدہ ہوا اسی وقت ان کی گفتگو اور ان کے حال کی درستگی لکھ خلیفہ کے پاس بھیجی اور لکھا اگر یہ جماعت ملحدوں کی ہے فمن الموحد فی العالم تو جہان میں پھر کون موحد اور توحید پرست ہوگا؟ میں گواہی دیتا ہوں اور فیصلہ کرتا ہوں کہ روئے زمین میں کوئی موحد نہیں ہے۔ خلیفہ نے ان سب کو بلایا اور کہا اگر کچھ ضرورت ہو تو بتاؤ انھوں نے کہا اے خلیفہ ہمیں تم سے یہی حاجت ہے کہ تم ہم سب کو فراموش کر دو نہ اپنی قبولیت سے ہمیں اپنا مقرب بناؤ اور نہ اپنی دوری سے ہمیں مردود کرو۔ کیونکہ ہمارے لئے تمہاری دوری تمہاری قبولیت کے مشابہ ہے اور تمھاری قبولیت تمھاری دوری کی مانند خلیفہ رونے لگا اور عزت و احترام کے ساتھ انھیں روانہ کر دیا۔

حکایت

نافع سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو مچھلی کی خواہش ہوئی۔ شہر بھر میں تلاش کرائی مگر دستیاب نہ ہوئی مجھے چند روز کے بعد ملی میں نے باورچی کو حکم دیا کہ اسے تلیں۔ پھر اسے ان کے سامنے لایا مچھلی کو دیکھتے ہی ان کی پیشانی پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اسی وقت ایک سائل ان کے دروازہ پر آگیا انہوں نے حکم دیا کہ یہ مچھلی سائل کو دے دو۔ غلام نے کہا اے میرے آقا! آپ اتنے دن سے اسے تلاش کرا رہے تھے

آپ کو اس کی خواہش تھی آپ اسے کیوں دے رہے ہیں میں سائل کو کچھ اور چیز دے دیتا ہوں! انھوں نے کہا اے غلام! اس کا کھانا مجھ پر حرام ہے کیونکہ میرے دل میں اس کی خواہش نہیں رہی۔ میں نے یہ بات حضور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو سنائی اس وقت حضور نے فرمایا ایما امرئ یشتھی شھوۃ فرد شھوتہ واثر الاخرۃ علی نفسہ غفرلہ یعنے جسے کسی چیز کی خواہش ہوئی اور اسے مل جائے۔ پھر وہ اس سے ہاتھ کھینچ لے اور اپنی جان پر دوسرے کو سمجھے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے اس ایثار پر بخش دیتا ہے۔

حکایت

میں نے ایک حکایت میں پایا کہ دس درویش جنگل میں جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں انہیں پیاس لگی ان کے پاس صرف ایک پیالہ شربت کا تھا ہر ایک ایک دوسرے کو دیتا تھا مگر کوئی اسے نہ پیتا تھا یہاں تک کہ پیاس کی شدت میں نو دنیا سے رخصت ہو گئے صرف ایک شخص رہ گیا۔ اس نے کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ سب مر چکے ہیں تو میں نے اسے پی لیا اور مجھے ہوش آیا اور طاقت محسوس ہوئی کسی نے اس سے کہا اگر تم بھی نہ پیتے تو اچھا ہوتا اس نے کہا اے شخص! شریعت کو کیا سمجھا ہے اگر اس وقت میں اسے نہ پیتا تو میں اپنی جان کا قاتل ہوتا۔ اور اس پر میں پکڑا جاتا۔ اس نے کہا پھر تو وہ نو درویش اپنی جانوں کے قاتل ٹھہرے اس نے کہا نہیں! اس لئے کہ انھوں نے ایک دوسرے کی خاطر نہ پیا کہ وہ پی کر بچ جائے۔ جبکہ سب اسی خاطر داری میں فوت ہو چکے اور صرف میں اکیلا رہ گیا تو اب یقیناً شرعاً پانی کا پینا مجھ پر واجب ہو گیا کہ میں اسے پی لوں۔

ایثارِ علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ

جبکہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے اور حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے غار ثور میں تشریف فرما ہوئے اس رات کفار نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل و میکائیل (علیہما السلام) سے فرمایا کہ میں نے تم دونوں کے درمیان برادری اور محبت پیدا کرکے ایک کو دوسرے پر زندگی دراز کر دی ہے اب بتاؤ تم میں سے کون بھائی ہے جو اپنی زندگی کو دوسرے پر قربان و ایثار کرکے اپنی موت کو چاہے۔ ان دونوں نے اپنی زندگی کو ہی اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل و میکائیل سے فرمایا تم اپنے پر حضرت علی کی بزرگی و فضیلت کو دیکھو کہ میں نے علی اور اپنے رسول کے درمیان برادری قائم فرمائی مگر علی نے ان کے مقابلہ میں اپنے قتل اور اپنی موت کو پسند کیا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ سو گئے اور اپنی جان کو ان پر فدا کر دیا اور اپنی زندگی کو ان پر ایثار کر دیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور علی کو دشمنوں سے محفوظ رکھو۔ اس وقت حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام آئے ایک حضرت علی کے سرہانے دوسرے ان کی پائنتی پر بیٹھ گئے جبریل علیہ السلام نے کہا بخ بخ من مثلک ابن ابی طالب ان اللہ تعالیٰ یباھی بک علی ملئکتہ یعنے اے ابو طالب کے فرزند کون ہے جو تمہاری ہم مثل ہو بلا شبہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں پر تمہارے ساتھ مباہات فرما رہا ہے۔ اور تم اپنی نیند میں خوش ہو اسی ایثار پر ان کی شان میں یہ آیت کریمہ اتری وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ الآیہ۔ اور

لوگوں میں سے کون ہے جو اپنی جان کو خدا کی رضا کی خواہش میں فروخت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ مہربان ہے ۔

غزوۂ اُحد میں ایثار کی مثال

جس وقت اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں سختی و مشقت کے ذریعہ مسلمانوں کا امتحان لیا تو ایک انصاری پارسا عورت شربت کا پیالہ لے کر آئی تاکہ زخمیوں اپنے واقف شخص کو پلائے ۔ وہ بیان کرتی ہے کہ میدان جنگ میں ایک بزرگ صحابی کو زخمی پڑا دیکھا جو کہ نزع سانس پورے کر رہا تھا اُس نے اشارہ کیا کہ مجھے پانی دو ۔ جب میں پانی لے کر پہنچی تو دوسرے زخمی نے پکار مجھے پانی چاہئے ۔ پہلے زخمی نے پانی نہ پیا اور مجھ سے کہا کہ اُس کے پاس لے جا ۔ جب میں اس کے پاس پہنچی تو تیسرے زخمی نے پکارا کہ پانی پلاؤ تو اس نے بھی نہ پیا اور کہا کہ اُس کے پاس لے جاؤ یہاں تک کہ اسی طرح سات زخمیوں پر اس کا گزر ہوا جب وہ ساتویں کے پاس پہنچی اور اُس نے چاہا کہ پانی پیئے تو اس نے جان دے دی پھر وہ واپس پہلے کے پاس آئی تو اس نے بھی جان دے دی تھی ۔ اسی طرح ہر ایک زخمی اپنی جان کو حق تعالیٰ کے سپرد کر چکا تھا ۔ اس وقت یہ آیت اتری کہ وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یہ مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرنے میں اگرچہ وہ تنگی میں ہوں ۔

حکایت

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے چار سو سال تک عبادت کی ۔ ایک دن اس نے کہا اے خدا اگر تو پہاڑ کو پیدا نہ فرمایا ہوتا تو لوگوں کے جانے سفر و سیاحت کرنے میں بہت آسانی ہوتی ۔ اس زمانہ کے نبی صلوات اللہ علیہ سے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس عابد کو بتا دو کہ ہماری ملکیت میں تصرف کرنے کا تجھے کیا حق ہے ۔ اب جبکہ تو نے تصرف کرنے کی گستاخی کی ہے تو تیرا نام نیک بختوں کی فہرست سے مٹا کر بدبختوں کی فہرست میں لکھ دیتا ہوں ۔ عابد کے دل میں بڑی خوشی پیدا ہوئی اور سجدہ شکر کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کے ذریعہ کہلوایا اے نادان شقاوت و بدبختی پر سجدۂ شکر واجب نہیں ہوتا اس نے کہا میرا شکر شقاوت پر نہیں ہے بلکہ اس پر ہے کہ میرا نام اللہ تعالیٰ کے کسی دیوان میں تو ہے لیکن اے نبی ! میری ایک حاجت ہے اسے تم خدا سے کہو انھوں نے فرمایا کہو تاکہ میں خدا سے عرض کروں کہا اب جو تو مجھے دوزخ میں بھیجتا ہے تو مجھے ایسا کر کہ تمام موحد گنہگاروں کے بدلہ میں ، ایک میں ہی گنہگار ٹھہروں تاکہ وہ سب جنت میں چلے جائیں ۔ فرمان الٰہی ہوا کہ اس بندے سے یہ کہو کہ تیرا یہ امتحان تیری ذلت کے لئے نہیں تھا بلکہ لوگوں کے سامنے تیرے اظہار کے لئے تھا اب قیامت کے دن تو جس کی شفاعت کرے گا سب کو جنت میں بھیج دوں گا ۔

حکایت

میں نے حضرت احمد حماد سرخسی سے پوچھا کہ تمہاری توبہ کی ابتدائی کیفیت کیا ہے ؟ کہا میں ایک دن سرخس سے جنگل کی طرف جا رہا تھا میں اس جگہ عرصہ تک اونٹوں کے پاس رہا اور میں ہمیشہ خواہشمند رہا کہ میں بھوکا رہوں اور اپنا کھانا کسی دوسرے کو دے دوں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد میرے

دل میں جاگزیں تھا کہ وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ انہیں تنگی ہو۔ میں بھی اس گروہ سے اعتقاد رکھتا تھا۔ ایک دن ایک بھوکا شیر جنگل سے آیا اور میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کو مار ڈالا۔ وہ بلند جگہ پر جا کر آواز نکالی اس گرد و نواح میں جتنے درندے تھے سب نے آواز سنی اور اس کے گرد جمع ہو گئے اور ان سب کے سامنے اونٹ کو پھاڑ کر ڈال دیا اور خود کچھ نہ کھایا اور بلند جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ درندے جن میں بھیڑیا، چیتا، لومڑی اور گیدڑ وغیرہ تھے سب اسے کھانے لگے۔ وہ اس وقت تک موجود رہا جب تک وہ درندے کھا کر واپس نہ چلے گئے اس وقت اس نے ارادہ کیا کہ تھوڑا سا اس میں سے کھا لے۔ اتنے میں ایک لنگڑی لومڑی ظاہر ہوئی شیر پھر واپس اونچی جگہ جا کر بیٹھ گیا۔ لومڑی سے جتنا کھایا جا سکتا تھا اس نے کھایا اور چلی گئی اس وقت شیر آیا اور اس نے تھوڑا سا کھایا۔ میں دور بیٹھا اس نظارہ کو دیکھ رہا تھا جب لوٹنے لگا تو شیر نے فصیح زبان میں مجھ سے کہا اے احمد! لقمہ کا ایثار کتوں کا کام ہے، مرد تو اپنی جان و زندگی قربان و ایثار کرتے ہیں۔ جب میں نے اس دلیل کو دیکھا تو میں نے ہر مشغولیت سے ہاتھ کھینچ لئے۔ یہ تھی میری توبہ کی ابتداء

حکایت

جعفر خلدی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ خلوت میں مناجات کر رہے تھے میں نزدیک ہو گیا تاکہ ان کی مناجات اپنے کانوں سے سنوں اور انہیں خبر نہ ہو۔ چونکہ وہ بہت فصیح و بلیغ تھے۔ وہ مناجات کر رہے تھے۔ اے خدا! تو دوزخیوں کو عذاب دے گا حالانکہ وہ سب تیرے پیدا کردہ اور تیرے ازلی علم و ارادہ اور قدرت میں ہے۔ اگر تو یقیناً دوزخ کو لوگوں سے بھرنا چاہتا ہی ہے تو اس پر قادر ہے کہ مجھ سے دوزخ اور اس کے طبقات کو بھر دے۔ اور ان دوزخیوں کو جنت میں بھیج دے۔ جعفر کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر متحیر ہو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آنے والے نے آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم حضرت ابوالحسن سے کہو ہم نے تمہاری اس شفقت و تعظیم کی وجہ سے جو تمہیں ہمارے بندوں پر ہے تمہیں بخش دیا۔ اور انہیں نوری اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اندھیرے گھر میں بیٹھ کر باتیں کرتے تھے تو ان کے باطن کے نور سے وہ گھر روشن ہو جاتا تھا اور وہ مریدوں کے دلی اسرار کو نور حق سے جانتے تھے یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے تھے ابوالحسن دلوں کے جاسوس ہیں۔ یہ ہے ان کے مذہب کی خصوصیت۔ اہل اصحاب کے نزدیک یہ ایثار بزرگی اور معاملہ عظیم ہے۔

انسان کیلئے راہ حق پر خرچ کرنے اور اپنا محبوب سے بالاتر اٹھا لینے سے زیادہ سخت کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیوں کی کنجی انسان کی سب سے زیادہ محبوب چیز خرچ کرنے میں رکھی ہے چنانچہ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچو گے جب تک کہ اپنی سب سے زیادہ محبوب چیز خرچ نہ کرو۔

اس طریقت کی اصل یہی ہے چنانچہ حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا مجھے کوئی نصیحت فرمایئے! فرمایا یا بنی ليس الامر غير بذل الروح ان قدرت على ذالك والا فلا تشتغل بترهات الصوفية: اے فرزند کوئی امر جان کے خرچ کرنے

سے بڑھ کر نہیں ہے اگر تم اس پر قادر ہے اگر ایسا نہیں کر سکتے تو صوفیوں کے گہری باتوں کے درپے نہ ہو ۔

جس کے سوا جو کچھ ہے سب باطل ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ الآیہ ؛ یعنے جو خدا کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کو مُردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں انھیں رزق دیا جاتا ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ یعنے جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انھیں مُردہ نہ کہو بلکہ زندہ ہیں۔ لہٰذا حیاتِ ابدی، قربِ سرمدی میں جان کے خرچ کرنے اور اپنے نصیب کے ترک کرنے اور اس کے دوستوں کی فرماں برداری سے حاصل ہوتی ہے ۔

لیکن ایثار و اختیارِ معرفت کی رویت میں تو جدا ہیں مگر عین میں جمع ہیں۔ عین ایثار یہ ہے کہ اپنے حصہ کو جو قربان کیا ہے درحقیقت وہی ترک اپنا حصہ ہے (کیونکہ اگر حقیقۃً وہ اس کا حصہ مقدر ہوتا تو مقدر میں تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقدر وہی ہے کہ وہ اسے نہ ملے فافہم مترجم) جب تک طالب کی روش اس کے حصول سے متعلق رہے گی وہ ہلاکت میں رہے گا جب اللہ تعالیٰ کا جذبہ اور اس کی مدد ظاہر ہو جائے تو طالب کے تمام احوال و افعال پراگندہ اور ناپید ہو جاتے ہیں۔ اس کیفیت کی کوئی لفظی تعبیر نہیں ہو سکتی اور نہ اس کیفیت کا کوئی نام ہو سکتا ہے کہ اس نام سے اسے پکارا جائے یا اس کی کوئی تعبیر بیان کی جائے یا کسی چیز سے اس کا حوالہ دیا جائے۔ اسی معنے میں حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ؎

غبت عنی فما احسن بنفسی ۔ وتلاشت بصفاتی الموصوفۃ

فانا الیوم غائب عن جسیم ۔ لیس الا العبارۃ الملھوفۃ

یعنے جب تو مجھ سے غائب تھا تو میں اپنے آپ کو بھی نہ پہچان سکا۔ اور ذاتِ موصوفہ میری صفتوں کو تلاش ہی کرتی رہی ۔ لہٰذا آج میں سب سے غائب ہوں۔ اب افسوس کی عبارتوں کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

فرقہ سہیلیہ

(۶) فرقہ سہیلیہ کے پیشوا حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ اکابر و برگزیدہ مشائخ میں سے ہیں جیسا کہ ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ اپنے زمانہ کے سلطانِ وقت، در طریقت میں اہلِ حل وعقد یعنے صاحب الرائے تھے۔ ان کی دلیلیں بہت زیادہ ظاہر تھیں۔ ان کی حکایتوں کے سمجھنے میں عقل عاجز رہ جاتی ہے۔ ان کا طریقہ اجتہاد، مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے۔ مریدوں کو مجاہدے سے درجۂ کمال تک پہنچا دیتے تھے۔ حکایتوں میں مشہور ہے کہ ایک مرید سے فرمایا جہد و کوشش کرو کہ ایک دن میں تمام دن یا اللہ یا اللہ ہی کہتے رہو اور دوسرے دن پھر تیسرے دن ایسا ہی کہتے رہو۔ اس کے بعد فرمایا اب دن کے ساتھ رات بھی ملا لو۔ اور یہی کہتے رہو چنانچہ مرید نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اگر مرید اپنے آپ کو کسی جگہ خواب میں دیکھتا تو وہ خواب میں بھی یہی کہتا تھا۔ حتےٰ کہ یہ اس کی طبعی عادت بن گئی اس کے بعد فرمایا اب اس سے لوٹ آؤ اور اس کی یاد داشت میں مشغول ہو جاؤ۔ پھر یہ حالت ہو گئی وہ ہمہ وقت اسی میں مستغرق ہو گیا۔ ایک دن وہ مرید اپنے گھر میں تھا۔ ہوا سے ایک لکڑی گری اس نے اس کا سر پھاڑ دیا۔ سر سے خون کے جو قطرات ٹپک کر زمین پر گر رہے تھے وہ بھی اللہ اللہ لکھتے جاتے تھے ۔ ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ مریدوں کی تربیت سہیلیوں کا طریقہ ہے۔ اور درویشوں کی خدمت اور ان کی تعظیم و توقیر جنیدیوں کا طریقہ ہے

اور باطن کا مراقبہ جنیدیوں کا طریقہ ہے اس میں ریاضت و مجاہدہ فائدہ نہیں دیتا۔

اب میں معرفتِ نفس اور اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں تاکہ اس کا علم ہو جائے اس کے بعد مجاہدوں میں مذہبوں اور ان کے حکموں کو بیان کروں گا تاکہ طالبِ معرفت کو ان دونوں کی حقیقت ظاہر ہو جائے واللہ اعلم بالصواب۔

نفس کی حقیقت اور ہوا کے معنٰے کی بحث

واضح رہنا چاہئے کہ نفس کے لغوی معنٰے وجودِ شے اور حقیقت و ذات کے ہیں۔ اور لوگوں کی عادت و استعمال میں اس کے معنٰے بہت ہیں۔ جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف ہیں۔ اور باہم متضاد معنے مستعمل ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک نفس کے معنٰے روح ہیں اور ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنٰے مروت ہیں، اور کسی گروہ کے نزدیک اس کے معنٰے جسم کے ہیں اور کسی گروہ کے نزدیک اس کے معنٰے خون کے ہیں۔ لیکن طریقت کے محققین کے نزدیک اس لفظ کے ان میں سے کوئی معنٰے مراد نہیں ہے۔ یہ حضرات اس پر متفق ہیں کہ درحقیقت نفس شر اور برائی کا منبع ہے جو برا امام و قائد ہے۔ لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ وہ شئے ہے جو قالب میں بطور امانت رکھا گیا ہے جس طرح روح ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ قالب کی ہی ایک صفت ہے جس طرح کہ حیات یعنے زندگانی ہے۔ مگر اس میں سب متفق ہیں کہ کمینہ خصلتیں اسی سے ظاہر ہوتی ہیں اور برے افعال اسی کے سبب سے ہیں۔

افعالِ نفس کے اقسام

افعالِ نفس کی دو قسمیں ہیں ایک معصیت و نافرمانی، دوسرے کمینہ خصلت جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ۔ اور اس کے سوا وہ باتیں جو شریعت اور عقل میں مذموم و بری ہیں۔ لہٰذا ریاضتوں کے ذریعہ ان بری خصلتوں کو اپنے سے دور کر سکتے ہیں۔ جس طرح توبہ سے معصیت کو، اور یہ کہ معاصی ظاہری اوصاف میں سے ہے اور یہ کمینہ خصائل باطنی اوصاف میں سے۔ اور یہ کہ ریاضت ظاہری افعال سے ہے اور توبہ باطنی فعال سے، اور یہ کہ کمینہ خصائل سے جو کچھ باطن میں کدورت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہری اوصاف کے ذریعہ پاک و صاف ہو جاتی ہے۔ اور جو کدورت ظاہری افعالِ بد سے پیدا ہوتی ہیں وہ باطن کی صفائی سے جاتی رہتی ہیں۔ اور یہ کہ نفس و روح دونوں قالب میں اتنی ہی لطیف ہیں جتنی عالم میں شیاطین و فرشتے اور جنت و دوزخ لیکن ایک محلِ خیر ہے اور ایک محلِ شر۔ جس طرح آنکھ محلِ بصر ہے اور کان محلِ سماعت اور زبان محلِ ذائقہ۔ اسی طرح کچھ اعیان و اوصاف انسان کے قالب میں بطور امانت رکھے گئے ہیں۔ لہٰذا نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کی بنیاد اور تمام مجاہدوں کا کمال ہے۔ بندہ اس کے بغیر راہِ حق کو نہیں پا سکتا۔ اس لئے کہ نفس کی موافقت میں بندے کی ہلاکت ہے اور اس کی مخالفت میں بندے کی نجات ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے نفس کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے اور جن حضرات نے نفس کی مخالفت کی کوشش کی ہے حق تعالیٰ نے اس کی مدح فرمائی ہے اور جو لوگ نفس کی پیروی میں رہے ہیں حق تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ونھی النفس عن الھوٰی

فان الجنۃ ھی الماوی، جنھوں نے نفس کو خواہش سے روکا بے شک جنت انہیں کا ٹھکانہ ہے۔ اور ارشاد ہے افکلما جاءکم رسول بمالا تھوی انفسکم استکبرتم، جب بھی تمھارے پاس وہ چیز رسول لے کر آئے جو تمھارے جی کو پسند نہ تھی تم نے اس سے تکبر کیا۔

سیدنا حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے قول کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی فرمایا وَمَآ اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ، میں اپنے نفس کی پاکی نہیں بیان کرتا یقیناً نفس تو بہت زیادہ برائی کا حکم کرنے والا ہے مگر وہ جو مجھ پر خدا نے رحم فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اراد اللہ بعبدٍ خیراً بصّرہ بعیوب نفسہٖ، اللہ تعالیٰ جب بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ اور احادیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ یا داؤدُ عادِ نفسکَ فانّ وُدّی فی عداوتہا: اے داؤد تم اپنے نفس کو دشمن سمجھو کیونکہ میری محبت اس کی دشمنی میں ہے۔

یہ جو کچھ بھی بیان کیا ہے، سب صفتیں ہیں۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ صفت کے لئے موصوف درکار ہوتا ہے تاکہ وہ اسکے ساتھ قائم ہو اس لئے کہ صفت اپنے آپ قائم نہیں ہوتی اور صفت کی معرفت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ قالب کی پہچان پوری پوری معلوم نہ ہو۔ اور اس کے پہچان کا طریقہ انسانیت کے اوصاف کا بیان ہے۔ اور اس سلسلہ میں لوگوں کی انسانیت کی حقیقت میں عرفاء کے بہت قول ہیں۔ یہاں تک کہ یہ نام کس چیز کا ہے اور کس چیز کے لئے سزاوار ہے۔ اس کا علم ہر طالب حق پر فرض ہے اس لئے کہ جو طالب اپنے سے جاہل ہے وہ اپنے غیر سے زیادہ جاہل ہوگا۔ جبکہ بندے کو معرفت الٰہی کا مکلف بنایا گیا ہے تو لامحالہ پہلے اپنی معرفت اسے ہونی چاہیئے تاکہ اپنے حادث و نو پیدا ہونے کے صحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قدیم و ازلی ہونے کو پہچانے۔ اور اپنی فنا سے حق تعالیٰ کی بقا کو وہ معلوم کرے۔ نص قرآنی اس پر ناطق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو صفت جہالت سے ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرٰہٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ، جس نے ملت ابراہیم سے منہ موڑا وہ اپنے آپ سے جاہل ہے یعنی اس نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا۔

ایک شیخ طریقت نے فرمایا ہے من جھل نفسہ فھو بالغیر اجھل یعنے جو اپنے نفس سے جاہل ہے وہ دوسرے سے زیادہ جاہل ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ای من عرف نفسہ بالفناء فقد عرف ربہ بالبقاء ویقال من عرف نفسہ بالذل فقد عرف ربہ بالعز ویقال من عرف نفسہ بالعبودیۃ فقد عرف ربہ بالربوبیۃ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا یعنے جس نے اپنے نفس کو فنا کے ساتھ پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو بقا کے ساتھ پہچان لیا یہ بھی کہا گیا کہ جس نے اپنے نفس کو ذلیل کرکے پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو عزت کے ساتھ پہچان لیا یہ بھی کہا گیا کہ جس نے اپنے نفس کو بندگی سے پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو ربوبیت سے پہچان لیا۔

لہذا جس نے اپنے کو نہ پہچانا وہ ہر ایک کے جاننے سے محجوب رہا۔ اس جگہ ان سے مراد معرفت انسانیت ہے۔ اس میں لوگوں کا اختلاف باہمی معارضہ کی وجہ سے ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان صرف روح کا نام ہے یہ جسم اس کی زرہ اور لباس ہے۔ اور اس کے رہنے اور پناہ کی جگہ ہے

تاکہ طبائع کے خلل سے محفوظ رہے۔ اور حسن و عقل اس کی صفت ہے یہ قول باطل ہے اس لیے کہ جب روح اس مجسمہ سے جدا ہو جاتی ہے پھر بھی اسے انسان کہا جاتا ہے یہ نام مردہ شخص سے جدا نہیں ہوتا جب اس میں روح تھی وہ زندہ انسان تھا اور جب روح نکل گئی تو وہ مردہ انسان ہو گیا دوسرے یہ کہ اور حیوانات کے قالب میں بھی روح رکھی گئی ہے مگر ان کو انسان نہیں کہا جاتا۔ اگر انسانیت کی علت روح ہوتی تو چاہیے تھا کہ جہاں بھی روح ہو اس میں انسانیت کا حکم اطلاق کیا جاتا۔ لہذا اس قول کا بطلان بر دلیل قائم ہو گیا۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ نام انسان روح و جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اور جب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو یہ نام ساقط ہو جاتا ہے جس طرح گھوڑے میں جب دو رنگ مل جاتے ہیں ایک سیاہ دوسرا سفید تو اسے ابلق کہتے ہیں اور جب کوئی رنگ اس میں سے جاتا رہے تو یا سیاہ ہو گا یا سفید۔ تو یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کیا انسان پر زمانہ میں ایسا وقت نہ آیا جبکہ وہ کچھ قابل ذکر نہ تھا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پتلے کو انسان کہا گیا حالانکہ اس قالب میں ابھی جان (روح) ڈالی بھی نہیں گئی تھی۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان ایسے حصہ کا نام ہے جس کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کا مقام دل ہے کیونکہ آدمی کے تمام عضووں کی بنیاد یہی دل ہے۔ یہ قول بھی محال ہے۔ اگر کسی کو مار ڈالا جائے اور اس کا دل نکال کر پھینک دیا جائے اس وقت بھی انسانیت کا نام اس سے جدا نہیں ہوتا اور جان سے پہلے بالاتفاق حضرت آدم علیہ السلام کے قالب میں دل نہ تھا۔ اور مدعیان تصوف کا ایک گروہ اس کے معنی میں غلطی پر گامزن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان میں کھانے پینے اور تغیر کی جگہ نہیں ہے۔ وجود انسان خدا کا بھید ہے۔ یہ جسم اس کا لباس ہے۔ وہ خدا کا بھید امتزاج طبع اور جسم و روح کے اتحاد میں رکھا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمام غافل، دیوانے اور کفار، فساق و جہال کے ساتھ بھی انسانیت کا نام ہے۔ اور اسرار الٰہی کا ان میں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اور وہ متغیر اپنے وجود میں کھانے پینے والے ہیں اور شخصی وجود کے بھی کوئی معنے نہیں کہ انہیں انسان کہا جائے۔ نہ ان کے ناپید ہونے کے بعد حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ان تمام عناصر کو جن سے ہم مرکب ہیں انسان فرمایا ہے باوجود ان معانی کے جو بعض آدمیوں نے بیان کیے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان من سلالة من طين. ثم جعلناه نطفة في قرار مكين، ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشأناه خلقا آخر فتبارك الله احسن الخالقين، بے شک ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند (نطفہ) کیا ایک مضبوط جگہ (رحم) میں۔ پھر ہم نے اس پانی کی بوند (نطفہ) کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا۔

لہٰذا بفرمانِ الٰہی جو تمام سچوں سے بڑھ کر سچا ہے یہ مخصوص صورت جو اعضاء و طبائع اور مزاجوں سے مرکب ہے اس کا ہی نام انسان رکھا گیا ہے جیسے کہ اہل سنت و جماعت کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ انسان اس صورت کا نام ہے جو ان صفتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو کہ اس کے نام کو

اس کی صحت جدا نہیں کرتی یہاں تک کہ جو ظاہر و باطن کی کیفیت اس صورت مخصوصہ پر مرتب ہے۔ اسی طرف ذاکہ کا بھی نام انسان ہے اور صورت معہودہ و مخصوصہ سے مراد تندرست و بیمار ہونا اور آلۂ موصوفہ سے مراد مجنون و پاگل اور عاقل ہونا ہے۔ بالفاق جو خلقت میں صحیح تر ہوگا اتنا ہی کامل تر ہوگا۔ لہٰذا

کامل تر انسان

واضح رہنا چاہئے کہ محققین کے نزدیک باعتبار ترکیب کامل تر انسان تین معنے سے ہے ایک روح دوسرے نفس تیسرے جسم۔ اور اس کے ہر ذات و وجود کے لئے ایک صفت ہوتی ہے جو اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ روح کے لئے عقل نفس کے لئے خواہش اور جسم کے لئے احساس۔ انسان سارے عالم کا نمونہ ہے۔ اور عالم نام دونوں جہان کا ہے۔ انسان میں دونوں جہان کی علامت و نشانی ہے۔ اس جہان کی نشانی پانی مٹی ہوا اور آگ ہے اسی سے بلغم، خون، صفرا اور سودا کی ترکیب ہے۔ اور اُس جہان کی نشانی جنت، دوزخ اور میدانِ قیامت ہے۔ انسان میں بہشت کی لطافت کے قائمقام روح ہے، دوزخ کی آفت و وحشت کے قائمقام نفس ہے اور عرصات یعنے میدانِ قیامت کے قائمقام جسم ہے۔ ان دونوں معنے کا جمال قہر و محبت ہے۔ لہٰذا جنت خدا کے رضا کی تاثیر اور دوزخ اس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مومن کی روح، معرفت کی راحت اور اس کا نفس حجابِ ضلالت سے ہے۔ جب تک مومن قیامت میں دوزخ سے نجات حاصل کر کے جنت میں نہ پہنچے وہ دیدار الٰہی کی حقیقت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور مراد کے تحقق میں نہیں پہنچ سکتا۔ اور حقیقتِ قربت و معرفت ہو کہ روح کی اصل ہے حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جو شخص دنیا میں خدا کو پہچانتا ہے اور دوسروں سے مونھ موڑ کر راہِ شریعت پر قائم رہتا ہے وہ قیامت میں دوزخ اور پلصراط کو نہ دیکھے گا۔

خلاصہ یہ کہ مومن کی روح اسے جنت کی طرف بلانے والی ہوتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں جنت کا نمونہ ہے۔ اور نفس دوزخ کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں وہ دوزخ کا نمونہ ہے۔ اس مومن و عارف ربانی کے لئے عقل مدبر کامل ہے اور جاہل و نادان کے لئے نفس کی خواہش ناقص قائم ہے۔ عارف کے عقل کی تدبیر درست و صواب اور دوسرے کی خطا۔ لہٰذا طالبانِ راہِ حق پر واجب ہے کہ ہمیشہ نفس کی مخالفت کی راہ پر چار ہے تاکہ اس کی مخالفت پر عقل و روح مدد کرتی رہے کیونکہ وہ اسرار الٰہی کا مقام ہے واللہ اعلم بالصواب۔

حقیقتِ نفس میں مشائخ کے اقوال

فصل

لیکن نفس کے بارے میں مشائخ کے اقوال یہ ہیں کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشد الحجاب رؤیۃ النفس و تدبیرھا یعنے بندے کے لئے سخت ترین حجاب نفس کو دیکھنا اور اس کی تدبیر کی پیروی کرنا ہے اس لئے کہ نفس کی پیروی میں حق تعالےٰ کی

مخالفت ہے اور حق تعالیٰ کی مخالفت حجابات کی جڑ ہے ۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ النفس صفۃ لا تسکن الا بالباطل یعنے نفس کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ باطل سے سکون پاتا ہے اور راہِ حق سے وہ ہرگز سیری نہیں پاتا ۔

حضرت محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں کہ تریدان تعرف الحق مع بقاء نفسک فیک و نفسک تعرف نفسہا فکیف تعرف غیرھا یعنے تُو یہ چاہتا ہے کہ اپنے نفس کی بقا کے باوجود تجھ میں ہے حق تعالیٰ کی معرفت ہو جائے حالانکہ تیرا نفس اپنے بقا کی آپ خود پہچان نہیں رکھتا ۔ وہ کیسے اپنے غیر کو پہچان سکے گا ؛ مطلب یہ کہ نفس خود اپنے بقائی حالت سے نابلد و محجوب ہے ۔ اور جو خود اپنے آپ سے محجوب ہو وہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کس طرح کر سکے گا ۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اساس الکفر قیام ک علی مراد نفسک یعنے کفر کی بنیاد ، تیرا اپنے نفس کی خواہش پر قائم رہنا ہے گویا بندے کے کفر کی بنیاد نفس کی مراد پر قائم رہنے میں ہے کیونکہ نفس کو اسلام کی لطافت کے ساتھ لگاؤ نہیں ہے لامحالہ اعراض میں کوشش کرنی چاہئے اور اس سے روگردانی کرنیوالا منکر ہے اور منکر بیگانہ ۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ النفس خائنۃ بالامانۃ ومانعۃ من الرضاء وافضل الاعمال خلافہا یعنے نفس ، امانت میں خیانت کرنے والا ۔ اور طلب رضائے الٰہی سے روکنے والا اور سب سے بہتر عمل نفس کی خلاف ورزی ہے ۔ اس لئے کہ امانت میں خیانت بیگانگی اور رضا کے ترک کرنے میں گمشدگی ہے ۔ اس سلسلہ میں مشائخ کرام کے ارشادات اس سے بہت زیادہ ہیں ان سب کا حصر دشوار ہے ۔ اب میں اپنے مقصود کی طرف آتا ہوں اور حضرت سہیل رحمۃ اللہ کے مذہب کا اثبات اور ان کے مجاہدۂ نفس و ریاضت اور حقیقت میں ان کے طریقہ کو بیان کرتا ہوں و باللہ التوفیق ۔

مجاہدۂ نفس کی بحث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا جنھوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا یقیناً ہم نے انہیں اپنا راستہ دکھایا ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المجاھد من جاھد نفسہ فی اللہ یعنے مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا ۔ اور ارشاد ہے رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر قیل یا رسول اللہ ما الجھاد الاکبر قال الا وھی مجاھدۃ النفس ؛ اب ہم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! جہادِ اکبر کیا ہے ؛ فرمایا سُن لو ! وہ نفس سے مجاہدہ ہے ۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجاہدۂ نفس کو جہاد یعنے غزوہ پر فضیلت دی ہے اس لئے کہ اس کا رنج زیادہ ہے کیونکہ اس میں پامال

کرنا واجب ہے اور مجاہدۂ نفس ایسا ہی ہے تو مشغول ہو اور تم کو کتاب لہذا اسے عزیز اللہ تعالیٰ تمہیں عزت بخشے! جان لو کہ مجاہدۂ نفس کا طریقہ واضح اور ظاہر ہے اور تمام ادیان اور سب ملتوں میں اس کی تعریف کی گئی ہے اور اہلِ طریقت میں اس کی رعایت مخصوص ہے اور اس کی تعبیرات مشائخ کے خواص و عام میں جاری اور مستعمل ہے۔ مشائخِ طریقت کے اس سلسلہ میں بکثرت رموز و کلمات ہیں۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری اس خصوص میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں۔ مجاہدات میں ان کے براہین و دلائل بکثرت ہیں۔ عرفاء فرماتے ہیں کہ حضرت سہل کی عادت تھی ہر پندرھویں دن ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔ اتنی قلیل غذا پر انہوں نے طویل عمر پائی۔ تمام محققین نے مجاہدہ کو ثابت کیا ہے اور اسے مشاہدہ کا ذریعہ بتایا ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل نے بھی مجاہدہ کو مشاہدے کی علت بیان کی ہے اور فرمایا طالب کے لئے عرفانِ حق میں مجاہدہ نہایت مؤثر عمل ہے۔ حضرت سہل دنیاوی زندگانی کو بوجہ طلب عرفانِ حق ہیں جو آخرت کی اس زندگانی کے مقابلہ میں جو حصولِ مراد میں ہو افضل بتاتے ہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں اخروی حصولِ مراد اسی دنیاوی مجاہدہ کا ثمرہ ہے۔ جب تم دنیا میں خدمت کرو گے تو آخرت میں قربت پاؤ گے۔ بے خدمت وہ قربت حاصل نہیں ہوتی۔ اس حد تک ضروری ہے کہ وصولِ حق کی علت بندہ کا مجاہدہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کے کرنے کی توفیق دے۔ المشاھدات مواریث المجاھدات یعنی مجاہدوں کی میراث مشاہدہ ہے۔ دیگر مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وصولِ حق کے لئے کوئی علت و سبب نہیں ہے جو بھی واصل ہوتا ہے وہ فضلِ الٰہی سے ہوتا ہے فضل کے لئے افعال کی کیا حقیقت۔ لہٰذا مجاہدہ نفس کو مہذب بنانے کے لئے ہے نہ کہ حقیقتِ قرب کے لئے۔ اس لئے کہ مجاہدہ کی طرف رجوع ہونا بندہ کی جانب سے ہے اور مشاہدہ کے احوال حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس صورت میں محال ہے کہ یہ اس کا سبب ہو یا وہ اس کا آلہ۔ اس بارے میں حضرت سہیل رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل میں پیش کرتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا: جو ہماری طرف جہاد کرے یقیناً ہم انہیں اپنی راہ دکھاتے ہیں۔

جو مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ پاتا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام کا آنا، شریعت کا قیام، کتابوں کا نزول اور تمام احکام تکلیفیہ مجاہدہ ہی تو ہیں۔ اگر مجاہدہ، مشاہدہ کی علت نہ ہو تو ان سب کا حکم باطل قرار پاتا ہے۔ نیز تمام دنیاوی اور اخروی احکام حکم و علل کے ساتھ ہی متعلق ہیں جو حکم سے علتوں کی نفی کرتا ہے وہ شریعت اور اس کے تمام احکام کو اٹھاتا ہے۔ اس وقت نہ اصل میں احکام مکلفہ کا ثبوت درست ہوتا ہے نہ فرع میں۔ کھانا بھوک کو ختم کرنے اور لباس سردی کو دور کرنے کی علت و سبب ہوتے ہیں۔ لہٰذا علتوں کی نفی سے ہر مقصود معانی میں تعطل پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا افعال میں اسباب پر نظر توحید ہے اور اس کی نفی تعطیل۔ اس بارے میں ان کے مذہب کی مشاہدہ کے اثبات میں دلائل ہیں اور مشاہدہ کا انکار واضح ہٹ دھرمی اور مکابرہ ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سرکش گھوڑے کو چابک کے ذریعہ سدھار کر بہادری کی شان پیدا کر دی جاتی ہے اور اس کی سرکشی کو ختم کر دیا جاتا ہے اور وہی چابک گھوڑا زمین سے اٹھا کر مالک کے ہاتھ میں دیتا ہے اور گیند منہ میں لے لیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس نادان عجمی بچے پر محنت کر کے عربی زبان سکھا دی جاتی ہے اور اس کی طبعی بولی کو بدل دیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ وحشی جانوروں کو ریاضت کے ذریعہ ایسا سدھا دیتے ہیں کہ جب چھوڑ دیتے ہیں تو چلا جاتا ہے اور جب بلاتے ہیں تو آ جاتا ہے اور اسے پنجرے میں رہنا آزادی اور چھوٹنے سے زیادہ پسند آنے لگتا ہے۔

ناپاک کتے کو سدھا کر اس منزل تک پہنچا دیا جاتا ہے کہ اس کا شکار حلال ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نجس ہے ... اسی طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔ لہٰذا تمام شریعت اور اس کے احکام کا مدار مجاہدہ پر ہے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود حصول قرب، وصول مقصود، عافیت عقبیٰ اور عصمت پر برقراری کے بکثرت مجاہدے فرمائے بھوکے رہے، طویل مدت تک صوم وصال رکھتے اور راتوں کو شب بیداری فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا طٰہٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی۔ اے محبوب ہم نے قرآن آپ پر اس لئے نازل نہ فرمایا کہ آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اینٹیں اٹھا رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ حضور کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اینٹوں کا کام مجھے سپرد فرما دیں تاکہ آپ کی جگہ کام کروں۔ حضور نے فرمایا یا اباھریرۃ خذ غیرھا فانہ لا عیش الا عیش الاخرۃ۔ اے ابوہریرہ تم اور کام کر لو کیونکہ حقیقی عیش آخرت کا ہی عیش ہے دنیا تو رنج و محنت کی جگہ ہے۔

حضرت حیان بن خارجہ مکی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا غزوہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا ابدا بنفسك فجاهدها وابدا بنفسك فاغزها فانك ان قتلت فارا بعثك الله فارا وان قتلت مرائيا بعثك الله مرائيا وان قتلت صابرا محتسبا بعثك الله صابرا محتسبا۔ تم اپنے نفس سے شروع کرو اور اس کا مجاہدہ کرو پھر اپنے نفس سے شروع کرو اور اس سے جنگ کرو اب اگر تم بھاگتے ہوئے مارے گئے تو اللہ تعالیٰ بھاگنے والوں میں اٹھائے گا اور اگر تم نے ریاکاری کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ریاکاروں میں اٹھائے گا اور اگر تم صبر و تحمل سے مارے گئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صابرین کے گروہ میں اٹھائے گا۔

لہٰذا حق تعالیٰ کے معانی کے بیان میں جتنی عبارتیں تالیف و ترکیب میں مروی و ماثور ہیں اتنی ہی مجاہدے کے اصول معانی اور اس کی ترکیب و تالیف میں مروی ہیں۔ جس طرح بغیر عبارت و ترکیب کے بیان درست نہیں ہوتا اسی طرح وصول حق بغیر مجاہدہ کے اس کی ترکیب کے درست نہیں ہوتا جو ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ خطاوار ہے۔ اس لئے کہ جہان اور اس کے حدوث کا ثبوت اس کے پیدا کرنے والے کی معرفت کی دلیل ہے۔ اور معرفت نفس اور اس کا مجاہدہ اس کے وصل و مشاہدے کی دلیل ہے۔

ایک اور گروہ کی دلیل یہ ہے کہ تفسیر کے لحاظ سے یہ آیت مقدم و مؤخر ہے چنانچہ کہتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اصل میں والذین ھدینٰھم سبلنا جاھدوا فینا۔ جو ہماری طرف جہاد کرتے ہیں یقیناً ہم انہیں اپنا راستہ دکھاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے اپنی راہ دکھا دی وہ ہماری طرف جہاد کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لن ینجو احدکم بعملہ قیل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ۔ تم میں کوئی اپنے عمل کے ذریعہ نجات نہیں پائے گا کسی نے کہا یا رسول اللہ آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں مجھے ڈھانپ

لیا ہے۔ لہٰذا مجاہدہ فعلِ بندہ ہے یہ محال ہے کہ اس کا فعل اس کی نجات کا موجب بنے۔ لہٰذا بندہ کی رستگاری اور نجات مشیت الٰہی سے متعلق ہے نہ کہ مجاہدے سے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہٗ للاسلام ومن یرد اللہ ان یضلہ یجعل صدرہٗ ضیقا حرجاً لہٰذا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہدایت کی طرف ہوتی وہ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت گمراہی کی طرف ہوتی وہ اس کے سینہ کو بہت زیادہ تنگ کر دیتا ہے۔ نیز فرمایا تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء: جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے اثبات میں سارے جہان کے افعال کی نفی فرمادی۔ اگر مجاہدہ وصولِ حق کا وسیلہ ہوتا تو شیطان مردود نہ ہوتا۔ اگر مجاہدے کا ترک مردود ہونے کی علت ہوتی تو حضرت آدم صلوات اللہ علیہ ہرگز مقبول و مصطفیٰ نہ ہوتے۔ لہٰذا حصولِ مقصد فضل و عنایت الٰہی کی سبقت ہے نہ کہ کثرتِ مجاہدہ۔ نہ یہی بات ہے کہ جو سب سے زیادہ مجاہدہ کرنے والا ہو وہ سب سے بڑھ کر محفوظ ہو بلکہ جس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت زیادہ ہے وہی حق کے ساتھ زیادہ نزدیک ہے۔ ایک کلیسا میں رہ کر ہمیشہ طاعت میں مشغول رہتے ہوئے حق تعالیٰ سے دور ہے دوسرا شراب خانہ میں رہ کر معصیت میں مبتلا ہو کر حق سے زیادہ نزدیک ہے۔ اور ہر لحاظ سے بچے کا ایمان سب سے زیادہ بزرگ ہے کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے اس کا حکم حکمی ایمان ہے۔ یہی دیوانوں کا حال ہے۔ لہٰذا جبکہ عنایت الٰہی میں زیادہ مسرت ہونے کے لئے مجاہدہ وسیلہ نہیں تو جو اس سے کم ہو اس کے لئے بھی وسیلہ کی محتاجی نہیں۔

میں علی بن عثمان جلابی یعنے (داتا گنج بخش رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ دو طرح پر یہ جھگڑا ہے کیونکہ ایک کا قول ہے من طلب وجد یعنے جس نے چاہا پالیا اور دوسرے کا قول ہے کہ من وجد طلب یعنے جس نے پایا وہ طالب ہوا مطلب یہ کہ پانے کا سبب طلب ہوتی ہے اور طلب کا سبب پانا ہے ایک مجاہدہ کرتا ہے تاکہ مشاہدہ کرے دوسرا مشاہدہ کرتا ہے تاکہ مجاہدہ کرے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مشاہدہ میں مجاہدہ، طاعت میں توفیق الٰہی میسر آنے کی وجہ سے ہے۔ جو اللہ عز وجل کی عطا ہے۔ لہٰذا جب بے توفیق کے طاعت کے حصول کی طلب محال ہے تو حصولِ توفیق بھی بے طاعت کے محال ہے۔ جب بے مشاہدہ کے مجاہدہ کا وجود نہیں تو بے مجاہدہ کے مشاہدہ بھی محال ہے۔ لہٰذا جمالِ الٰہی کا نور درکار ہے تاکہ مجاہدہ میں بندے کی رہنمائی کرے۔ اور جب وجود مجاہدہ کی علت وہ نور جمال الٰہی ہے تو مجاہدہ پر ہدایت سابق ہوئی لیکن یہ جماعت یعنے حضرت سہل اور ان کے متبعین جو دلیل لاتے ہیں کہ جو مجاہدہ کا اثبات نہیں کرتے ہیں وہ تمام انبیائے کرام، کتب سماوی اور شریعتوں کے منکر ہیں کیونکہ تکلیف کا مدار مجاہدہ پر ہے۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ یہ کہیں کہ تکلیف کا مدار حق تعالیٰ کی ہدایت پر ہے مجاہدہ تو حجت کے اثبات کے لئے ہے نہ کہ وصل الٰہی کی حقیقت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولو اننا نزلنا الیھم الملئکۃ وکلمھم الموتیٰ وحشرنا علیھم کل شئ قبلاً ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ و لکن اکثرھم یجھلون ۞ اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو نازل کریں اور مُردوں کو ان سے کلام کرائیں اور تمام چیزوں کو ان پر اٹھائیں تو وہ ہرگز ایمان نہ لائیں مگر یہ کہ اللہ چاہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔

کیونکہ ایمان کی علت ہماری مشیت ہے نہ کہ دلائل کے دیکھنے اور ان کے مجاہدے پر موقوف ہے۔ نیز ارشاد باری ہے ان الذین کفروا

سواء علیھم ءَاَنذَرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ۔ بے شک جنھوں نے کفر کیا ان کو برابر ہے کہ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ایمان لانے والے نہیں ۔

کیونکہ کافروں کے لئے اظہار حجت اور ورود دلائل اور قیامت کے دن سے ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں وہ اس وقت ایمان لانے والے ہی نہیں جب تک ہم انہیں اہل ایمان بننے کی توفیق نہ بخشیں۔ کیونکہ ان کے دلوں پر شقاوت و بدبختی کی مہر لگ چکی ہے۔ لہٰذا انبیائے کرام علیہم السلام کی تشریف آوری، کتابوں کا نزول اور احکام شریعت کا ثبوت حق تعالیٰ سے ملنے کے اسباب ہیں نہ کہ علت۔ اس لئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق، اسلام کے قبول کرنے میں اسی طرح مکلف تھے جس طرح ابوجہل تھا لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو عدل و فضل الٰہی کو پہنچ گئے۔ اور ابوجہل بے عدل اور بے فضل میں ہی پڑا رہا۔ لہٰذا ابوجہل کے بے عدل و بے فضل میں رہ جانے کی علت عین وصول و توفیق ہی سے محرومی ہے نہ کہ طلب حصول یعنی جہد و کوشش وغیرہ کیونکہ اگر طلب و مطلوب دونوں برابر ہوتے تو طالب واجد ہوتا۔ اور جب واجد ہوتا تو طالب ہوتا اس لئے کہ واجد یعنی پہنچا ہوا مہیر ہوچکا ہوتا ہے اور طالب بے آرام درست نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من استوی یوماہ فھو مغبون جس کے دو دن یکساں رہے وہ آفت زدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طالبان حق کا ہر روز پہلے روز سے بہتر و بہتر ہونا چاہئے کیونکہ اس کا ہر دن ترقی پر ہے یہ طالبوں کا درجہ ہے۔ پھر حضور نے فرمایا استقیموا ولن تحصوا : استقامت پکڑو اور اس کا حال یہ نہ رکھو۔ گویا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجاہدے کو سبب قرار دیا۔ اور حجت کے اثبات کے لئے سبب اثبات فرمایا اور تحقیق الٰہیت کے لئے سبب وصول کی نفی کردی اور وہ جو یہ کہتے ہیں کہ گھوڑے کو سدھا کر محنت و مشقت کے ذریعہ دوسری صفت میں بدلتے ہیں تو اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ گھوڑے میں ایک خاص صفت پوشیدہ تھی جس کے اظہار کا سبب محنت و مشقت ہے۔ جب تک اس پر محنت و مشقت نہ کی جائے گی اس صفت کا اظہار نہ ہوگا۔ اور گدھے میں چونکہ وہ صفت سرے سے نہیں ہے اس لئے وہ گھوڑے کی مانند ہوشیار نہیں ہوسکتا۔ اور نہ گھوڑے کو محنت و مشقت سے گدھے کی مانند کرسکتے ہیں اور نہ گدھے کو گھوڑے کی طرح۔ اس لئے کہ یہ قلب عین یعنی ذات کی تبدیلی ہے لہٰذا جب کسی چیز کی عین و ذات نہیں بدل سکتی تو حق تعالیٰ سبحانہ کے لئے اس کا اثبات کرنا محال ہے۔ اور حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ پر مجاہدہ کا ورود تھا کیونکہ وہ اس سے آزاد تھے اور ان کی ذات میں اس کا بیان منقطع تھا وہ ان لوگوں کی طرح نہیں تھے جنھوں نے بغیر معاملہ کے صرف بیان بازی کو اپنا مذہب بنا لیا ہے۔ اور یہ محال ہے کہ تمام معاملات و اعمال کی تشریح و توضیح صرف لفظ و بیان سے ادا ہوجائے

خلاصہ یہ کہ باتفاق اہل طریقت میں مجاہدہ و ریاضت موجود ہے لیکن مجاہدے کی حالت میں مجاہدے کی دید آفت ہے۔ لہٰذا جو حضرات مجاہدے کی نفی کرتے ہیں ان کی مراد عین مجاہدہ کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ ان کی مراد عدم رویت مجاہدہ اور اپنے ان افعال میں جو بارگاہ قدس میں ظہور پذیر ہوئے ہوں ان پر عجب و غرور نہ کرنا ہے۔ اس لئے کہ مجاہدہ بندہ کا فعل ہے اور مشاہدہ من جانب اللہ۔ اور جب تک عطائے حق نہ ہو بندے کے افعال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ایک زمانہ کے بعد وہ اپنے دل میں خود پالے گا کہ اتنی دل کی آراستگی کی کوشش کی مگر فضل الٰہی کو نہ دیکھا کیوں اپنے افعال پر باتیں بنائیں۔ اب معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے دوستوں کا مجاہدہ، ان کے اپنے اختیار کے بغیر حق تعالیٰ کا فعل اس کا غلبہ اور اس

کا سوز و گداز ہے۔ اور سوز و گداز کا ہونا سراسر حق تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ اور جاہلوں کے مجاہدے ان کے اپنے اختیار سے ان کا اپنا فعل ہے۔ جو پریشان کن ہے۔ اور پریشان و دل پراگندہ ہونا آفت کی پراگندگی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے اپنے فعل کا اظہار و بیان نہ کرو اور کسی حال میں بھی نفس کی پیروی نہ کرو کیونکہ تمہاری ہستی کا وجود تمہارا حجاب ہے۔ اگر تم کسی ایک فعل سے محجوب ہوئے تو دوسرا فعل اٹھ کھڑا ہوگا جبکہ تم سراپا حجاب ہو تو جب تک تم بالکل فانی نہ ہوئے اس وقت تک تم بقا کے لائق نہ ہو گے" لان النفس کلب باغ و جلد الکلب لا یطھر الا بالدباغ کیونکہ نفس باغی کتا ہے اور کتے کی کھال پکانے سے ہی پاک ہوتی ہے۔

حکایت

ایک حکایت مشہور ہے کہ حسین بن منصور رحمہ اللہ کوفہ میں محمد بن حسین علوی کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ابراہیم خواص کوفہ میں جب آئے تو انھوں نے ان کی آمد کی خبر سنی ملاقات کے لئے ان کے پاس گئے۔ حسین نے فرمایا اے ابراہیم! طریقت میں تمہیں چالیس برس گزر چکے ہیں تمہیں اس کے معانی میں سے کیا حاصل ہوا ہے؟ جواب دیا کہ مجھے توکل کا طریقہ بھرپور حاصل ہوا ہے حسین نے فرمایا ضیعت عمرک فی عمران باطنک فاین الفنا فی التوحید: اپنے باطن کی بستی میں تو نے اتنی عمر ضائع کر دی پھر بھی تجھے توحید میں فنا حاصل نہ ہوا۔

مطلب یہ کہ توکل کے معنی تو یہ ہیں کہ اپنے معاملات کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اپنے باطن کو اعتماد و بھروسہ کے ساتھ درست رکھے۔ اور جب کوئی اپنی ساری عمر باطنی معاملات کی درستگی میں صرف کر دے تو اسے ایک اور عمر درکار ہوگی تاکہ ظاہری معاملات کی درستگی کر سکے۔ یہ دونوں عمریں ضائع ہوں گی اب بھی وہ حق کا کوئی اثر نہ پائے گا۔

حکایت

شیخ ابو علی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے نفس کو اپنی شکل میں دیکھا جو میری ہم صورت تھا کسی نے اس کے بال پکڑ رکھے تھے اس نے مجھے دے دیا اور میں نے اسے ایک درخت سے باندھ دیا اور میں نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا اس نے مجھ سے کہا اے ابو علی رنج نہ کرو۔ میں خدا کا لشکری ہوں تم مجھے فنا نہیں کر سکتے۔

حضرت محمد بن علیان نوری جو حضرت جنید بغدادی رحمہما اللہ کے اکابر اصحاب میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابتدائے حال میں جب نفس کی آفتوں پر بینا ہوا اور اس کی خفیہ پناہ گاہوں سے باخبر ہوا تب سے ہی میرے دل میں نفس کی طرف سے کینہ ہو گیا تھا ایک دن لومڑی کے بچہ کی مانند کوئی چیز میرے گلے سے باہر نکلی حق تعالیٰ نے مجھے اس سے واقف کر دیا اور جان گیا کہ وہ نفس ہے میں اسے پاؤں سے روندنے اور اس پر لاتیں مارنے لگا مگر وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس وقت میں نے کہا اے نفس ہر چیز مارنے اور مجروح ہونے سے ہلاک ہو جاتی ہے تو کیوں بڑھتا جاتا ہے؟ نفس نے کہا اس لئے کہ میری پیدائش الٹی ہے اوروں کو جو چیزیں تکلیف پہنچاتی ہیں وہ مجھے راحت و آرام پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں کہ دوسروں کو راحت و آرام پہنچاتی ہیں وہ مجھے تکلیف دیتی ہیں۔

حضرت شیخ ابو العباس شقانی رحمۃ اللہ جو کہ امام وقت تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں گھر میں آیا تو زرد رنگ کے کتے کو اپنی جگہ سوتا ہوا دیکھا
۔ نے خیال کیا کہ غالباً محلہ سے گھس آیا ہے اسے باہر نکالنے کا ارادہ کیا مگر وہ میرے دامن میں گھس کر گم ہو گیا ۔

حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی جو آج قطب زمانہ اور طریقت کے دار المہام ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں باقی رکھے) وہ اپنے ابتدائی حال کی ایک
انی بتاتے ہیں کہ میں نے نفس کو سانپ کی صورت میں دیکھا ہے۔ اور ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نفس کو چوہے کی شکل میں دیکھا تو میں
اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں غافلوں کو ہلاکت میں ڈالنے والا اور ان کو شرارت و برائی کی طرف بلانے والا اور دوستوں کی نجات ہو
لئے کہ اگر میں ان کے ساتھ نہ ہوں کیونکہ میرا وجود آفت سے ہے تو وہ اپنی پاکی و طہارت پر مغرور ہو کر اپنے افعال پر تکبر کرنے لگتے۔ وجہ یہ کہ جب وہ
کی پاکیزگی، سیرت کی صفائی، نور ولایت اور اپنی طاعت پر استقامت دیکھتے ہیں تو ہوا و تکبر ان میں پیدا ہو جاتا ہے پھر جب وہ اپنے دونوں پہلو
مجھے دیکھتے ہیں تو وہ ان تمام عیبوں سے پاک ہو جاتے ہیں ۔

یہ تمام حکایات اس بات کی دلیل ہیں کہ نفس مستقل ذات ہے نہ کہ صفت۔ البتہ نفس کی کچھ صفتیں ہیں جن کو ہم ظاہر طور پر دیکھتے ہیں۔ رسول
یم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعدیٰ عدوک نفسک التی بین جنبیک : تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا وہ نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں
درمیان ہے ۔ لہٰذا جب نفس کی معرفت حاصل ہو جائے تو وہ جان لیتا ہے کہ اسے ریاضت و مجاہدے سے قبضہ میں لایا جا سکتا ہے لیکن نفس کی اصل
اہیت اچھی نہیں ہے۔ طالب کو اگر اس کی صحیح طور پر پہچان ہو جاتی تو اس کی موجودگی میں بھی اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا ۔

فان النفس کلب بناء و امساك الكلب بعد الرياضة مباح : اس لئے کہ نفس کتا ہے اور کتے کو سدھانے کے بعد گھر میں باندھ
لینا مباح ہے ۔ لہٰذا نفس کا مجاہدہ اس کی صفتوں کو تو فنا کر دیتا ہے۔ اس کی ذات کو نابود نہیں کرتا۔ مشائخ کے اقوال اس بارے میں بکثرت
یں طوالت کتاب کے خوف سے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اب حقیقت ہوا اور ترک شہوت کی بحث کو شروع کرتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ وباللہ التوفیق

ہوا کی حقیقت اور ترک شہوات کی بحث

اے عزیز! اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے جاننا چاہئے کہ ایک گروہ کے نزدیک نفس کے اوصاف میں سے ایک وصف ہوا یعنی خواہش ہے.
ور دوسرے گروہ کے نزدیک طبعی ارادہ جو نفس کا متصرف و مدبر ہے اس کا نام ہوا ہے۔ جس طرح روح کے لئے عقل ہے۔ اور وہ روح جس کی اپنی
پیدائش میں عقلی قوت نہ ہو ناقص ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر وہ نفس جس کے لئے ہوا یعنی خواہش کی قوت نہ ہو ناقص ہوتی ہے۔ لہٰذا روح کا ناقص ہونا قربت
قص ہے اور نفس کا ناقص ہونا عین قربت ہے۔ اور بندہ کے لئے ہمیشہ دو دعوتیں ہوتی ہیں ایک عقل کی طرف سے دوسرے ہوا کی طرف سے۔ لیکن جو عقل
کی دعوت کو قبول کر کے اس کا پیرو ہو گیا وہ ایماندار ہو گیا۔ اور جو ہوا کی دعوت کو قبول کر کے اس کا فرمانبردار بن گیا وہ ضلالت و کفر میں پڑ گیا۔ لہٰذا
ہوا کے واصلوں کے لئے حجاب اور گمراہ کرنے والی، غافلوں کے لئے جائے قیام اور طالبوں کے لئے محل اعراض ہے۔ بندہ کو اس کے خلاف کرنے کا حکم

دیا گیا ہے اور اسے اس کے ارتکاب سے روکا گیا ہے لان من رکبھا ھلك ومن خالفھا ملك : کیونکہ جس نے اس کی سواری کی یعنے پیروی کی وہ ہلاک ہوا اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ مالک ہوا ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ لیکن جو اپنے رب کے مقام سے ڈرتے ہیں اور نفسانی خواہشوں سے بچتے ہیں بلاشبہ انہیں کے لئے جنت ٹھکانا ہے ۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اخوف ما اخاف علےٰ امتی اتباع الھویٰ وطول الامل : میری امت پر سب سے زیادہ خوفناک چیز ہوا کی پیروی اور امیدوں کی درازی ہے ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ ای الھویٰ الٰھاً معبوداً : کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنی ہوا کو اپنا معبود بنا لیا یعنے خواہش کو اپنا معبود خدا بنا لیا ہے ۔ افسوس ہے اس شخص پر جس نے حق تعالیٰ کے سوا اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا کر رات دن اپنی تمام طاقتیں اسی کی چاپلوسی میں خرچ کرتا ہے ۔

نفسانی خواہش کے اقسام

تمام نفسانی خواہشیں دو قسم کی ہیں ایک لذت و شہوت کی خواہش ۔ دوسرے لوگوں میں عزت و منزلت کی خواہش ۔ جو شخص کسی لذت کی خواہش کا پیروکار ہے وہ شراب خانہ میں ہے لوگ اس کے فتنہ سے محفوظ ہیں لیکن جو شہوت اور لوگوں میں عزت و منزلت اور حکومت کی خواہش کا پیروکار ہے وہ لالچ اور خواہشات کے چکروں میں پھنسا ہوا ہے وہ لوگوں کے لئے فتنہ ہے خود تو راہ حق سے برگشتہ ہے ہی اور لوگوں کو بھی اسی گمراہی میں پھنساتا ہے نعوذ باللہ من متابعۃ الھویٰ ۔ لہٰذا جس کے حرکات خواہش کی پیروی میں ہوں اور وہ اس سے راضی ہو وہ حق تعالیٰ سے دور ہے اگرچہ تمہارے ساتھ وہ مسجد میں ہو ۔ اور جس کے حرکات خواہش سے پاک ہوں اور وہ اس کی پیروی سے نفرت کرے وہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اگرچہ کلیسا میں ہو ۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سنا کہ روم میں ایک راہب ہے جو ستر سال سے کلیسا میں زہد و رہبانیت میں مشغول ہے ۔ میں نے کہا تعجب ہے کہ رہبانیت کی شرط تو چالیس سال ہوتی ہے یہ آدم زاد کس مذہب پر ستر سال سے اس گرجا میں بیٹھا ہوا ہے چنانچہ جب میں اس کے گرجا کے قریب پہنچا تو اس نے کھڑکی کھول کر مجھ سے کہا اے ابراہیم میں جانتا ہوں کہ تم کس لئے آئے ہو میں اس جگہ رہبانیت کی غرض سے ستر سال سے نہیں بیٹھا ہوا ہوں بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے جو خواہش میں سرکش ہے میں اس کتے کی رکھوالی کر رہا ہوں تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں ۔ ورنہ ایسا نہ ہوتا جب میں نے اس کی یہ بات سنی تو خدا سے عرض کیا اے خدا تو قادر ہے کہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے شخص کو بھی صحیح طریقہ اور راہ راست سے نوازتا ہے ۔ اس نے مجھ سے کہا اے ابراہیم آخر کب تک تم لوگوں کی طلب میں رہو گے جاؤ اپنے کو طلب کرو جب تم اپنے کو پا جاؤ تو اس کی نگہبانی کرو کیونکہ ہر روز یہ ہوا تین سو ساٹھ قسم کی الوہیت کا لباس پہن کر بندہ کو گمراہی کی طرف بلاتی ہے ۔ غرضکہ شیطان کا بندہ کے دل اور باطن

میں اس وقت تک قبضہ نہیں ہوتا جب تک نافرمانی اور معصیت کی خواہش دل میں نہ ظاہر ہو۔ جس وقت خواہش کا مادہ دل سے ظاہر ہوا اسی وقت شیطان کا اس پر قبضہ ہو جاتا ہے وہاں آرام کرتا اور اس کے دل میں قائم ہو جاتا ہے۔ اس حالت کا نام وسوسہ ہے۔ لہذا اس کی ابتداء ہوا اور خواہش سے ہوتی ہے۔ والبادی اظلم (ابتدا کرنے والا زیادہ ظالم ہوتا ہے) ہمراد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے کہ جس وقت اللہ عزوجل نے ابلیس سے فرمایا اور اس نے کہا تھا میں تمام آدمیوں کو راہ حق و عدل سے ضرور بہکاؤں گا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی قبضہ نہیں۔ لہذا درحقیقت شیطان ہی بندہ کا نفس و ہوا ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ما من احد الا وقد غلبہ شیطانہ الا عمر فانہ غلب شیطانہ۔ کوئی شخص نہیں ہے مگر یہ کہ اس پر اس کا شیطان غالب آیا ہو بجز عمر کے کہ بلاشبہ وہ اپنے شیطان پر غالب آ گئے۔ یہاں شیطان سے مراد بندہ کی نفسانی خواہشیں ہیں۔ لہذا ہوا آدمی کی سرشت کی ترکیب اور اس کی اولاد و جانوں کی خوشبو اور راحت ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الھویٰ والشھوۃ معجونۃ بطینۃ ابن آدم۔ ابن آدم کا خمیر ہوا و شہوت سے مرکب ہے۔ ترک ہوا بندہ کو امیر کرتا ہے اور اس کا ارتکاب اسے اسیر بنا دیتا ہے۔ چنانچہ زلیخا نے ہوا یعنی خواہش کا ارتکاب کیا امیر تھی اسیر ہو گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ترک ہوا کیا اور فرمایا اسیر تھا اب امیر ہو گیا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا ما الوصل قال ترک ارتکاب الھویٰ یعنی وصل کیا ہے فرمایا خواہش کے ارتکاب کو ترک کرنا جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے وصال سے مشرف ہو اس سے کہو کہ ہمیشہ ہوا کے خلاف رہے اس لئے کہ بندہ کو کوئی عبادت اتنا حق سے قریب نہیں کرتی جتنی ہوا کی مخالفت سے قریب ہوتا ہے۔ ہوا کی مخالفت کرنا والاسی زیادہ بڑا ہے۔ کیونکہ ناخن سے پہاڑ کو کھودنا آدمی پر اس سے آسان ہے کہ وہ اپنی خواہش کی مخالفت کرے۔

حکایت

ایک حکایت میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو فضا میں اڑ رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تمہیں یہ درجہ کیسے حاصل ہوا؟ انہوں نے کہا میں ہوائے نفس پر پاؤں مار کر ہوا میں اڑ رہا ہوں۔

حضرت محمد بن فضل بلخی سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو نفسانی خواہشوں کو لے کر خانہ کعبہ جاتا اور اس کی زیارت کرتا ہے۔ وہ کیوں ہوائے نفسانی پر پاؤں نہیں رکھتا تاکہ وہ حق تعالیٰ تک پہنچے اور اس کا دیدار پائے۔ لیکن نفس کی سب سے بڑھ کر ظاہر صفت شہوت ہے اور شہوت کے معنے آدمی کے تمام اعضاء میں پراگندہ اور پھیلے ہوئے کے ہیں اور تمام حواس اس کے کاموں میں مصروف ہیں اور بندے کو ان تمام کی حفاظت کی تکلیف دی گئی ہے۔ اور ہر ایک کے افعال کی بابت بندے سے سوال ہو گا۔ آنکھ کی شہوت دیکھنا۔ کان کی سننا۔ ناک کی سونگھنا۔ زبان کی بولنا۔ منہ کی چکھنا۔ جسم کی چھونا اور سینہ کی سوچنا ہے۔ لہذا لازم ہے کہ طالب اپنے وجود کا حاکم و نگہبان بنے اور دن رات اس کی حفاظت کرے یہاں تک کہ ہوا کے پر اس داعیہ کو جو حواس میں ظاہر ہو اپنے سے جدا کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ وہ اسے اس صفت پر

بنا دے کر اس کے باطن سے ہر خراش دور ہو جائے۔ اس لئے کہ جو شہوت کے بھنور میں پھنسا رہتا ہے وہ ہر لحاظ سے محجوب رہتا ہے۔ لہٰذا اگر بندہ اپنی طاقت سے سے اسے دُور کرے تو یہ بندے پر سخت دشوار ہوتا ہے اور اس کے ہم جنس پے درپے آنے لگتے ہیں لامحالہ اس کا چارہ کار طریق تسلیم ہے تاکہ مراد حاصل ہو۔

حکایت

حضرت ابوعلی سیاہ مروزی رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حمام میں گیا ہوا تھا اور سُنت کے موافق استرہ کی مدد کر رہا تھا میں نے اپنے دل میں کہا اے علی اس عضو کو جو شہوتوں کی بنیاد ہے اور اس سے تجھے کتنی آفت میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اپنے سے جُدا کر کے پھینک دو تاکہ شہوت سے محفوظ رہو۔ اسی وقت ایک آواز محسوس ہوئی کہ اے علی تم ہمارے ملک میں تصرف کرتے ہو۔ ہمارے بنائے ہوئے کسی عضو کے مقابلہ میں کوئی دوسرا عضو زیادہ بہتر نہیں ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر تم نے اسے جدا کر دیا تو میں تمہارے ہر بال کو سو گنا شہوت و خواہش دے کر اس کا قائم مقام بنا دوں گا۔ اسی معنے میں یہ شعر ہے ؎

تبتغی الاحسان دع احسانک ⁂ اترک بخشی اللہ ریحانک

تو احسان کا متلاشی ہے اپنے احسان کو چھوڑ ⁂ خوف الٰہی میں سب کو چھوڑ دے اس میں تیری راحت ہے

بندے کے لئے اس کے اپنے جسم کے کسی حصہ کی بنا پر خرابی نہیں ہے بلکہ صفت کی تبدیلی میں خرابی ہے یعنے توفیق الٰہی اور تسلیم امر و نواہی میں اپنے تصرف، اختیار اور قوت سے بدلنے پر خرابی ہے۔ درحقیقت جب تسلیم کا مرتبہ حاصل ہو گیا تو اس میں عصمت الٰہی اور بندہ عصمت الٰہی میں ہو کر مجاہدہ کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ اور فنائے آفت میں نزدیک تر ہے۔

لان نفی الذباب بالمکنۃ الیسر من نفیہ بالمدیۃ۔ اس لئے کہ مکھی کو جھاڑو سے دُور کرنا آسان ہے بمقابلہ لاٹھی سے دُور کرنے کے لہٰذا محافظت الٰہی تمام آفتوں سے بچانے والی اور تمام علتوں کو دور کرنے والی ہے اور کسی صفت میں بھی بندے کو اس کے ساتھ شرکت نہیں ہے چنانچہ اس کا فرمان ہے کہ اس کے ملک میں کوئی تصرف کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ عصمت الٰہی مقدر نہ ہو جائے۔ بندہ اپنی قوت سے محفوظ رہ سکتا ہی نہیں۔ خدا کی توفیق اگر نہ ہو تو بندہ کی تمام کوششیں رائیگاں اور بے فائدہ ہوتی ہیں۔ اور طاعت کی قوت کوشش سے ساقط ہو جاتی ہے۔ بندے کی تمام کوششیں دو ہی صورتوں کے لئے ہیں یا تو اس لئے کہ کوشش کے ذریعہ تقدیر الٰہی کو اپنی طرف سے بدل دے، یا تقدیر کے خلاف اپنے لئے کوئی اور چیز بنائے حالانکہ یہ دونوں صورتیں جائز نہیں ہیں۔ اس لئے کہ کوشش سے تقدیر بدلا نہیں کرتی اور کوئی کام بغیر تقدیر کے ہوتا ہی نہیں۔

حکایت

مروی ہے کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار ہو گئے تو ایک طبیب ان کے پاس آیا اس نے کہا پرہیز کیجئے آپ نے فرمایا کس چیز سے پرہیز کروں کیا

اس سے جو میری روزی کا ہے یا اس چیز سے جو میری روزی نہیں ہے اگر یہ میز روزی سے متعلق ہے تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ اللہ تعالیٰ مجھے دیتا ہی نہیں۔ ان المشاهد تولا تجاهد : بلاشبہ جسے مشاہدہ حاصل ہو گیا وہ مجاہدہ نہیں کرتا۔

اس مسئلہ کو انشاء اللہ دوسری جگہ احتیاط سے بیان کروں گا۔

فرقہ حکیمیہ

فرقہ حکیمیہ کے پیشوا، ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے زمانہ کے امام وقت تھے۔ تمام علوم ظاہری اور باطنی کے ماہر تھے ان کی تصانیف بکثرت ہیں۔ ان کا قاعدہ اور طریقہ کلام ولایت پر ہے۔ اور حقیقت کے معانی اس انداز سے بیان کرتے اور اولیائے کرام کے درجات کی رعایت اس ترتیب سے واضح کرتے گویا وہ مستقل ایک بے پایاں سمندر ہے جس میں بہت سی عجیب و غریب چیزیں ہیں۔ ان کے مذہب کی ابتدائی وضاحت یہ ہے کہ یہ سکھانا مقصود ہے کہ ہر ایک جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں جن کو لوگوں میں برگزیدہ فرما کر ان کی ہمتوں کو متعلقات سے جدا کر کے اور نفس و ہوا کے ہر داعیہ سے انہیں منزہ کر کے ہر ایک کو کسی نہ کسی درجہ پر فائز کر دیا ہے اور جو معانی کا دروازہ ان لوگوں پر کھولا گیا ہے وہ طویل کلام ہے۔ چند اصولی و قواعد کے لئے بھی شرح درکار ہے تاکہ معلوم ہو جائے اب میں بر سبیل اختصار اس تحقیق کا اظہار کرتا ہوں اور اسباب و اوصاف اور لوگوں کے کلام کو یہاں انشاء اللہ بیان کرتا ہوں۔

اثبات ولایت کی بحث

واضح رہنا چاہئے کہ تصوف و معرفت کے طریقہ کی بنیاد و قاعدہ اور تمام ولایتوں کی پہچان اور اثبات یہ ہے کہ تمام مشائخ کا اثبات ولایت کے سلسلہ میں اتفاق ہے۔ لیکن ہر ایک نے جداگانہ انداز میں اسے بیان کیا ہے۔ چنانچہ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ حقیقت و طریقت کے معانی کے بیان و اطلاق میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے ہیں۔

لیکن وَلایت واؤ کے زبر کے ساتھ اس کے لغوی معنٰے "تصرف کرنا" ہے اور وِلایت واؤ کے زیر کے ساتھ اس کے معنٰے امارت کے ہیں دونوں کا مصدر فعلی وَلِیۃٌ ہے جب اس لفظ کے لغوی معنٰے دو ہوئے تو دو لغتیں ہونی چاہئے جیسے دلالت اور دَلالت۔ نیز ولایت کے معنٰے ربوبیت کے بھی آتے ہیں اسی معنٰے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے آیۂ کریمہ هنالك الولاية لله الحق یعنے اس جگہ ولایت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حق ہے "کیونکہ کفار اس سے التجا کرتے ہیں۔ اور اپنے معبودوں سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ نیز ولایت کے معنٰے محبت کے بھی ہیں لیکن اسم ولی جائز ہے کہ فعیل کے وزن پر مفعول کے معنٰے میں ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وهو يتولى الصالحين یعنے اللہ تعالیٰ نیک بندوں کا محبوب ہے" کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے افعال و اوصاف کے ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اور اپنی حفاظت اور پناہ کی چادر میں چھپاتا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ولی فعیل کے وزن پر فاعل کے معنٰے میں مبالغہ کے لئے ہو۔ کیونکہ بندہ اس کی طاعت میں خوب محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس کے حقوق کی ہمیشہ نگہبانی کرتا اور اس کے غیر سے منہ موڑتا ہے۔ یہ شخص مرید کہلائے گا اور اللہ تعالیٰ مراد۔ یہ تمام معانی حق کا بندہ کے ساتھ ہونا اور بندہ کا حق کے ساتھ ہونا دونوں

صورت میں جائز ہے۔ اس لئے کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا مددگار ہو اس لئے ان کے ساتھ مدد کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ...
ان دوستوں ... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں مدد کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا الا ان نصر اللہ قریب یعنے خبردار بیشک ...
قریب ہے اور یہ ارشاد ہے وان الکافرین لا مولیٰ لہم ای لا ناصر لہم یعنے بے شک کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں یعنے کوئی ان کا مددگار نہیں ...
کفار کا جبکہ کوئی مددگار نہیں ہے تو لامحالہ مسلمانوں کا کوئی مددگار ہونا چاہیئے جو ان کی مدد فرمائے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو ان کی عقلوں کو آیات کے
دلائل لانے اور ان کے دلوں میں ان کے معانی کے بیان کرنے اور ان کے اسرار کو کھولنے میں مدد فرماتا ہے۔ اور مسلمانوں کو نفس و شیطان کی مخالفت
اور احکام الٰہیہ کی موافقت پر مدد دیتا ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ اللہ دوستی و محبت میں مخصوص فرما کر اور دشمنی کے مقامات سے محفوظ رکھے چنانچہ ارشاد باری ہے یحبہم و یحبونہ یعنے وہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور خدا انہیں محبوب رکھتا ہے۔ تاکہ ان کی دوستی خدا کے لئے ہی ہو اور خدا ان کو ہی دوست رکھے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک کو ولایت عطا فرما کر طاعت پر قائم رکھے اور اس پر انہیں اپنی حفاظت و نگہبانی میں رکھے تاکہ وہ خدا کی طاعت پر مداومت رکھیں اور اس کی مخالفت سے بچیں اور ان کی حسن طاعت الٰہی سے شیطان بھاگے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو ولایت عطا فرمائے تاکہ اس کی عقدہ کشائی سے ملک میں عقدہ کشائی ہو اور تمام بند و بست ان کے قبضہ میں کر دے اور ان کی دعائیں مستجاب اور ان کے انفاس مقبول ہوں جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رُبَّ اشعثَ اَغبَرَ ذی طمرین لا یعبأ بہ لو اقسم علی اللہ لابرہ: بہت سے بندگان خدا پریشان حال، غبار آلود بال، پھٹے ہوئے کپڑے والے ایسے ہیں جن کی لوگ پرواہ نہیں کرتے اگر وہ اللہ کی قسم کسی معاملہ میں کھالیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسموں کو ضرور پورا فرماتا ہے۔

حکایت

مشہور ہے کہ سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حسب عادت دریائے نیل کا پانی خشک ہو گیا کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ ہر سال ایک خوبصورت جوان لڑکی کو زیورات سے آراستہ کر کے بھینٹ چڑھایا جاتا تھا اس وقت وہ جاری ہوتا تھا۔ مصر کے گورنر نے یہ حال لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجا آپ نے گورنر کے حکم کی توثیق فرماتے ہوئے ایک کاغذ کے پرچہ پر یہ تحریر لکھ کر ارسال فرمائی (اور انہیں حکم فرمایا کہ اسے دریائے نیل پر پڑھ کر ڈال دیں اس رقعہ پر تحریر یہ تھا کہ) اے پانی اگر تو خدا کے حکم سے رکا ہے تو جاری نہ ہو اگر اپنی مرضی سے رکا ہے تو عمر کہتا ہے کہ جاری ہو جا۔ جب یہ رقعہ پانی میں ڈالا تو پانی جوش مارنے لگا پھر آج تک وہ خشک نہ ہوا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ امارت حقیقی تھی۔

لہٰذا یہی مراد ولایت اور اس کے اثبات سے یہی ہے کہ تم جان لو کہ ولی کا نام اسی کے لئے جائز ہے جس میں مذکورہ معانی موجود ہوں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے صاحب حال ہو صاحب قال نہ ہو۔ اسی لئے گزشتہ مشائخ کرام نے اس سلسلہ میں کتابیں تحریر فرمائی تھیں جو ایک عزیزے جلد

جب تم پوچھتے ہو تو اب میں ان بزرگ کی جو اس صاحب مذہب ہے یعنے حکیم ترمذی رحمہ اللہ کی مراد کی خوبی بیان کرتا ہوں چونکہ مجھے ان سے بہت ہی اچھی عقیدت ہے تاکہ تمہیں بھی بہت زیادہ فائدہ حاصل ہو اور تمہارے سوا ان طالب راہ حق کو بھی جو اس کتاب کے پڑھنے کی سعادت پائے انشاء اللہ تعالےٰ ۔

اطلاقاتِ نامِ ولی

فصل

واضح رہنا چاہئے کہ لفظ ولی لوگوں میں بہت مستعمل ہے اور کتاب و سنت اس پر ناطق و شاہد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔ خبردار بلاشبہ اللہ کے اولیاء وہ ہیں جن پر نہ خوف ہے اور نہ غم و حزن ۔ اور ارشاد باری ہے کہ نحن اولیاء کم فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ ؛ ہم تمہاری دنیاوی اور اخروی زندگی میں مددگار ہیں ۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا اللہ ولی الذین اٰمنوا ؛ ایمانداروں کا مددگار اللہ ہی ہے ۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ان من عباد اللہ لعبادا یغبطہم الانبیاء والشھداء قیل من ھم یارسول اللہ صفہم لنا لعلنا نحبہم قال قوم تحابوا بروح اللہ من غیر اموال و اکتساب وجوھھم نور علےٰ منابر من نور لا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس ثم تلا الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون ؛ بلاشبہ بندگان خدا میں سے کچھ بندے ایسے ہیں جن پر انبیاء و شہداء غبطہ (رشک) کرتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ ؛ وہ کون ہیں ، ہمیں ان کی پہچان کرائیے تاکہ ہم ان سے محبت رکھیں ؛ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر اموال و محنت صرف ذات الٰہی سے محبت رکھتے ہیں نور کے میناروں پر ان کے چہرے منور و تاباں ہیں لوگوں کے خوف کے وقت یہ بےخوف اور ان کے غموں کے وقت یہ بےغم ہیں پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون ۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من اذی ولیاً فقد استحل محاربتی : یعنے جس نے ولی کو ایذا دی اس سے میرا لڑنا حلال ہو گیا ۔

کتاب و سنت کے ان دلائل کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی دوستی و ولایت سے مخصوص کرکے اپنے ملک کا والی بنایا ان کی شانوں کو برگزیدہ کرکے اپنے فعل و اظہار کا مرکز بنایا اور متعدد کرامتوں سے مخصوص کرکے ان کو ان کی طبیعتوں کی آفت اور نفس و ہوا کی پیروی سے پاک و منزہ فرمایا تاکہ ان کے تمام ارادے خدا کے لئے ہی ہوں اور ان کی محبت اسی سے ہو۔ زمانہ ماضی میں ہم سے پہلے بھی اولیاء اللہ گزرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گذشتہ تمام امتوں پر شرافت و بزرگی عطاء فرمائی ہے اور ضمانت دی ہے کہ میں شریعت محمدیہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی ہمیشہ حفاظت فرماؤں گا ۔ چنانچہ جبکہ اخباری دلائل اور عقلی

حجتیں علماء کے درمیان آج بھی موجود ہیں تو غیبی دلائل بھی اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا کے درمیان موجود ہونی چاہئیں۔ ہمارا یہ اختلاف دو گروہ سے ہے ایک معتزلہ سے دوسرا عام حشویوں سے۔ معتزلہ ایمانداروں میں ایک کی دوسرے پر تخصیص کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ولی کے خاص ہونے سے انکار کرنا نبی سے انکار ہے اور یہ کفر ہے۔ اور عام حشوی تخصیص کو تو جائز رکھتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ "ولی ہوئے تو ہیں لیکن آج نہیں ہیں" حالانکہ ماضی و مستقبل کا انکار دونوں برابر ہیں اس لئے کہ انکار کی ایک طرف، دوسری طرف سے زیادہ بہتر ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے براہینِ نبوت کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اس کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ ہمیشہ آیاتِ حق اور حضور سیدِ عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل ظاہر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو جہان کا والی بنایا یہاں تک کہ وہ خالص سُنّتِ نبوی کے پیروکار ہو کر رہے۔ اور نفس کی پیروی کی راہوں کو چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ آسمان سے رحمت کی بارش انہیں کے قدموں کی برکت سے ہوتی ہے اور زمین سے جو کچھ اُگتا ہے وہ انہیں کے قدموں کی برکت اور ان کے احوال کی صفائی کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ کافروں پر مسلمانوں کی فتحیابی اور کامیابی انہیں کے ارادہ سے ہوتی ہے۔ ان اولیاء اللہ میں سے چار ہزار وہ ہیں جو چھپے رہتے ہیں جو نہ تو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور نہ اپنے حال کی خوبی و جمال کو جانتے ہیں۔ ان کی اپنی ہر حالت خود اپنے سے اور تمام لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔ اس بارے میں احادیث وارد ہیں۔ اور اولیائے کرام کے اقوال اس پر ناطق و گواہ ہیں۔ اور مجھے خود بحمداللہ اس کے معانی ظاہر ہو چکے ہیں۔

اقسامِ اولیاء اللہ

لیکن جو اولیاء مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے بارگاہِ حق تعالیٰ کے لشکری ہیں وہ تین سو افراد ہیں ان کو اخیار کہتے ہیں چالیس اور ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں اور سات اور ہیں ان کو ابرار کہتے ہیں۔ اور چار اور ہیں ان کو اوتاد کہتے ہیں اور تین اور ہیں ان کو نقباء کہتے ہیں اور ایک وہ ہوتا ہے جسے قطب اور غوث بھی کہتے ہیں یہ سب وہ ہیں جنہیں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور معاملات امور میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہیں۔ اس پر مروی صحیح حدیثیں ناطق ہیں۔ اور اہلِ سُنّت و جماعت کا ان کی صحت پر اجماع ہے میرا مقصود اس جگہ شرح و بسط نہیں ہے۔

اعتراض اور اُس کا جواب

عام لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جو میں نے کہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں کہ ہر ایک ان میں سے ولی ہے لہٰذا لازم آتا ہے کہ وہ اپنی عاقبت سے بے خوف ہوں اور یہ محال ہے کہ معرفتِ ولایت بے خوفی کا اقتضاء کرے۔ (جواب) جبکہ یہ جائز ہے کہ مومن اپنے ایمان کا عارف ہوتے ہوئے بے خوف نہیں ہوتا تو یہ بھی جائز ہے کہ ولی اپنی ولایت کا عارف ہوتے ہوئے بے خوف نہ ہو۔ لیکن یہ بھی تو جائز ہے کہ حق تعالیٰ کرامت کے طور پر ولی کو اس کے حال کی صحت اور مخالفت پر خدا کی حفاظت کی بنا پر اس کی عاقبت مامون ہونے پر مشرف عارف فرما دے۔

اس جگہ مشائخ کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ میں نے ظاہر کر دی ہے کہ کچھ اولیاء وہ ہیں جو چار ہزار کی تعداد میں چھپے رہتے ہیں ان

کو اپنی ولایت کی آگاہی جائز نہیں اور مشائخ کی ایک جماعت ایسی ہے جو اس آگاہی کو جائز رکھتے ہیں اور بکثرت فقہاء و متکلمین پہلے گروہ کی بھی موافقت کرتے ہیں اور دوسری جماعت کے نظریہ کی بھی چنانچہ استاد ابو اسحٰق اسفرائنی اور متقدمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ولی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے۔ اور استاد ابوبکر ابن فورک اور متقدمین کی ایک اور جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ولی اپنی ولایت کو پہچانتا ہے۔ جب ہم پہلے گروہ سے پوچھتے ہیں کہ ولی کو اپنی آگاہی میں کیا نقصان و آفت ہے تو جواب دیتے ہیں کہ وہ اپنے سے عُجب و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے جب وہ جانتا ہے کہ میں ولی ہوں، اس پر ہم کہتے ہیں کہ ولایت کی شرط تو یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی حفاظت میں ہے جو آفت سے محفوظ ہو یہ اس پر جائز نہیں ہے حالانکہ یہ بات بہت ہی عامیانہ اور بودی ہے کہ جو ولی ہو اور اس سے عادتوں کو توڑنے (خرق عادات) کرامتوں کا بھی صدور ہو پھر وہ یہ نہ جانے کہ میں ولی ہوں یا یہ کرامتیں ہیں یا
اور عوام الناس کے کچھ لوگوں نے پہلے گروہ کی تقلید کی اور کچھ لوگوں نے دوسرے گروہ کی۔ اور ان کی باتوں کو معتبر نہ جانا۔

لیکن معتزلہ تو بالکل ہی تخصیص اور کرامتوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ولایت کی حقیقت کرامت اور تخصیص ہی ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہر وہ مسلمان جس نے ایمان کے حکموں کو قائم رکھا اور فرمان بردار رہا وہ سب اولیاء اللہ ہیں۔ اور جس نے ایمانی احکام کو برقرار نہ رکھا، صفات الٰہی اور دیدار الٰہی کا انکار کیا، مومن کے لئے دائمی جہنم کے دخول کو جائز رکھا اور انبیاء و مرسلین کی آمد اور نزولِ کتب الٰہیہ کے بغیر محض عقل کے ذریعہ احکام کے جواز کا قائل ہوا وہ ولی ہے اور سب مسلمانوں کے نزدیک وہ ولی ہے مگر وہ شیطان کا ولی ہے (خدا کا ولی نہیں)۔

معتزلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ولایت کے لئے اگر کرامت واجب ہوتی تو لازم تھا کہ ہر مسلمان کے لئے کرامت ہوتی کیونکہ تمام مسلمان ایمان میں مشترک ہیں جبکہ وہ اصل میں مشترک ہیں تو لازم آتا ہے کہ فرع میں بھی مشترک ہوں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ مسلمان و کافر کے لئے کرامت ہو وہ ایسا ہے جیسا کہ سفر میں کوئی بھوکا ہو اور اسے کوئی میزبان مل جائے یا تھکا ہوا ہو کوئی اسے سواری پر چڑھا دے وغیرہ۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر جائز ہوتا کہ کوئی شخص طویل مسافت ایک رات میں طے کر سکے تو چاہیئے تھا کہ یہ بات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھی جائز ہوتی کیونکہ جب آپ نے مکہ کا عزم فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وتحمل اثقالکم الیٰ بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس، اٹھالے جاتے ہیں اس شہر تک تمہارا بوجھ جہاں تک نہیں پہنچ سکتے مگر اپنی جانوں کو سختی میں ڈال کر۔

جواب میں ہم کہتے ہیں تمہارا یہ قول ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ الآیہ : پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندۂ خاص کو رات کے مختصر حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک لے گیا۔

لیکن بوجھ اٹھانے کے معنے ہیں صحابہ کرام کو جمع کر کے ان کو مکہ کی طرف لے جانا کیونکہ کرامت خاص ہے عام نہیں ہے۔ اگر ان سب کو کرامات سے مکہ لے جاتے تو کرامات عام ہو جاتی اور غیبی ایمان ضروری نہ رہتا اور غیبی ایمان کے تمام احکام اور خبر کا ہونا جاتا رہتا اس لئے کہ ایمان مطیع و عاصی میں محل عموم ہے اور ولایت محل میں خاص ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو محل عام میں رکھا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کی موافقت پر بوجھ اٹھانا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ حکم کو محل خاص میں رکھا اور اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو رات کے مختصر حصہ میں مکہ سے بیت المقدس

تک لے گیا پھر وہاں سے قاب قوسین اور عالم کے دونوں کناروں پر لے جا کر سب کچھ دکھایا اور جب واپس تشریف لائے تو رات کا بیشتر حصہ باقی تھا خلاصہ یہ کہ ایمان کا حکم عام ہے عام لوگوں کے ساتھ، اور کرامت کا حکم خاص ہے خاص لوگوں کے ساتھ۔ اور تخصیص کا انکار کرنا کھلا مکابرہ ہے جس طرح کہ بادشاہ کے دربار میں حاجب، دربان، امیر، وزیر ہوتے ہیں اگرچہ نوکری و خدمت کے حکم میں سب یکساں ہوتے ہیں لیکن ایک کو دوسرے پر خصوصیت ہے لہٰذا ہر چند کہ ایمان کی حقیقت میں تمام مسلمان برابر ہیں لیکن اس کے باوجود کوئی عاصی ہے، کوئی مطیع ہے، کوئی عالم ہے، اور کوئی جاہل ہے اسی وجہ سے یہ قاعدہ درست ہے کہ خصوصیت کے انکار سے ہر معانی کا انکار ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

رموز ولایت

فصل

ہر ایک بزرگ کی ولایت کے معانی کی تحقیق میں کچھ رموز ہیں۔ جہاں تک ممکن ہے ان کی پسندیدہ رموز کو بیان کرتا ہوں تاکہ مکمل فائدہ انشاءاللہ حاصل ہو۔ حضرت ابوعلی جرجانی فرماتے ہیں کہ الولی ھو الفانی فی حالہ والباقی فی مشاھدۃ الحق لم یکن لہ عن نفسہ اخبار ولا مع غیر اللہ قرار ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ الٰہی پر باقی ہو، اسے ممکن نہ ہو کہ اپنے حال کی خبر دے۔ اور نہ اسے غیر اللہ سے قرار و سکون آتے، اس لئے کہ بندہ کا خبر دینا اس کے احوال کے قبیل سے ہے جبکہ اس کے احوال ہی فنا ہو گئے تو اس کا اپنی خبر دینا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا وہ خدا کے سوا کسی سے آرام پا سکتا ہی نہیں تو اپنے احوال کی خبر کسی دوسرے کو کیسے دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ اپنے حال کی کسی دوسرے کو خبر دینا گویا حبیب کے اسرار کو منکشف کرنا ہے جو غیبی حال ہے اور حبیب کے اسرار کا انکشاف غیر حبیب پر محال ہے (کیونکہ وہ غیر خدا کو اپنا محبوب جانتا ہی نہیں پھر کس لئے وہ انکشاف احوال غیبی کرے) نیز جب ولی مشاہدہ میں ہوتا ہے تو مشاہدہ میں غیر کی رؤیت محال ہوتی ہے۔ جب غیر کی رؤیت تک نہ ہو تو لوگوں کے ساتھ سکون و قرار کیسے ممکن ہوگا؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الولی ان لا یکون لہ خوف، لان الخوف ترقب مکروہ یحل فی المستقبل او انتظار المحبوب یفوت فی المستانف والولی ابن وقتہ لیس لہ وقت مستقبل فیخاف شیئاً وکما لا خوف لہ ولا رجاء لہ لان الرجاء انتظار محبوب یحصل او مکروہ یکشف وذالک فی الثانی من الوقت وکذالک لا یحزن من حزونۃ الوقت من کان فی ضیاء الرضاء ونور الشکر وروضۃ الموافقۃ فانی یکون لہ حزن قال اللہ تعالیٰ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ولی کو خوف نہیں ہوتا کیونکہ خوف اس مکروہ چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے آنے سے دل میں ناپسندی یا جسم پر کوئی سختی آئے یا حاصل شدہ محبوب چیز کا اپنے سے گم ہونے کا خوف ہوتا ہے اور ولی کو اتنا وقت کہاں ہے کہ وہ آئندہ کے وقت کا خوف کرے جس طرح ولی کو خوف نہیں ہوتا اسی طرح اسے رجاء یعنے امید بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ امید یہ ہے کہ کسی محبوب چیز کے حاصل ہونے کا انتظار کرے یا کسی ناپسندیدہ چیز

کے دور ہو جانے کا انتظار کرے یہ دوسری بات بھی وقت کے قبیل سے ہے اسی طرح ولی کو کوئی غم بھی نہیں ہوتا کیونکہ غم وقت کی تلچھٹ ہے جو شخص رضا کی روشنی شکر کی چاندنی اور موافقت کے باغ میں ہو اسے غم کہاں ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خبردار ہمارے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

عوام کو اس قول میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب خوف ہوتا ہے نہ رجاء اور نہ انہیں غم تو ان کی جگہ امن ہوگا حالانکہ امن بھی نہیں ہوتا کیونکہ امن غیب کے نہ دیکھنے اور وقت سے مونھ موڑنے سے متعلق ہے۔ یہ تمام اوصاف ان کے ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی بشریت کو نہ دیکھا ہو وہ بہ صفت سے بے فکر و مامون ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ خوف، رجا اور غم یہ سب کے سب نفس و جان کے نصیبہ میں رکھا گیا ہے چنانچہ وہ نفس جب فانی ہو جائے تب بندہ کی صفت رضا بنتی ہے۔ اور جب رضا آتی تو مشاہدہ حاصل ہوتی ہیں استقامت پیدا ہو کر تمام احوال سے کنارہ کشی ظاہر ہو گئی پھر کہیں جا کر ولایت دل پر منکشف ہوتی اور اس کے معنے باطن پر ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ الولی قد یکون مشھوراً ولا یکون مفتوناً۔ ولی لوگوں میں مشہور ہو سکتا ہے مگر فتنہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ الولی قد یکون مستوراً ولا یکون مشھوراً۔ ولی مستور و پوشیدہ ہوگا وہ مشہور نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک ولی شہرت سے بچتا ہے کیونکہ شہرت میں فتنہ ہے۔ لہٰذا اس پر حضرت ابو عثمان نے فرمایا جاتا ہے کہ ولی مشہور ہو لیکن اس کی شہرت بغیر فتنہ کے ہوگی اس لئے کہ فتنہ جھوٹی شہرت اور بے بات میں ہوتا ہے چونکہ ولی اپنی ولایت میں صادق و سچا ہوتا ہے اور جھوٹے پر اسم ولایت واقع نہیں ہوتا اور اظہار کرامت جھوٹے کے ہاتھ پر ناممکن و محال ہے۔ لازم آتا ہے کہ ولی صادق کے زمانہ سے فتنہ دور ہو جائے۔ یہ دونوں مختلف قول اس طرف جانے میں کہ ولی خود کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے کیونکہ اگر آگاہی ہو تو مشہور ہو جائے اور اگر آگاہی نہ ہو تو مفتون ہو جائے والشرح لذالک یطول یعنے اس کی تشریح طوالت کو چاہتی ہے۔

حکایت

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ نے ایک شخص سے کہا تم چاہتے ہو کہ اولیاء اللہ میں سے ایک ولی ہو جاؤ اس نے کہا خواہش تو ہے تو آپ نے فرمایا لا ترغب فی شئ من الدنیا والاخرۃ وفرغ نفسک للہ واقبل بوجھک علیہ یعنے دنیا و آخرت کی کسی چیز سے رغبت نہ رکھو کیونکہ دنیا کی طرف راغب ہونا حق تعالیٰ کی جانب سے مونھ موڑ کر فانی چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے اور آخرت کی چیز کی رغبت رکھنا گویا حق تعالیٰ کی جانب سے مونھ موڑنا ہے۔ اور جب فانی چیز سے کنارہ کشی ہو تو فانی فنا ہو جاتا ہے اور کنارہ کشی نابود ہو جاتی ہے۔ اور جب کنارہ کشی کسی چیز سے باقی ہو تو بقا پر فنا جائز نہیں ہے لہٰذا اس کنارہ کشی دا عراض پر بھی فنا جائز نہ ہوگی۔ اس قول کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دنیا و آخرت کی خاطر نہ چھوڑو۔ اور حضرت ابراہیم نے نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو خدا کی دوستی کے لئے فارغ کر لو اور دنیا و آخرت کو اپنے دل میں راہ نہ دو۔ اور دل کا لگاؤ صرف حق کے ساتھ ہو جس وقت یہ اوصاف تمھارے اندر پیدا ہو جائیں گے تم ولی ہو جاؤ گے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی دانے پوچھا ولی کون ہے؟ فرمایا الولی ھو الصابر تحت الامر والنھی یعنے ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ

کے امر و نہی کی تعظیم کرے اس لئے کہ جس کے دل میں حق تعالیٰ کی دوستی جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ اس کے حکم کی دل سے تعظیم کرے گا اور اس کی مخالفت سے دور رہے گا۔

نیز یہ بھی حضرت بایزید سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ایک مرتبہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ فلاں شہر میں اولیاء اللہ میں سے ایک ولی رہتا ہے میں اٹھا اور ان کی زیارت کے ارادہ سے سفر شروع کر دیا جب میں ان کی مسجد کے پاس پہنچا تو وہ مسجد سے باہر آ رہے تھے اور اپنے منہ سے تھوک مسجد میں ڈال دیا میں وہیں سے واپس لوٹ پڑا اسے سلام تک نہ کیا میں نے کہا کہ ولی کو لازم ہے شریعت کی پاسداری کرے تاکہ حق تعالیٰ اس کی ولایت کو محفوظ رکھے۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو اپنے منہ سے مسجد کی زمین پر اس کے احترام میں تھوکتا نہیں۔ اور اس کے حق کی حفاظت کرتا اور اس کی کرامت کو درست رکھتا۔ اسی رات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرمایا اے بایزید جو کام تم نے کیا ہے اس کی برکتیں تم کو ضرور حاصل ہوں گی۔ دوسرے دن میں اس درجہ کو پہنچا جہاں آج تم سب دیکھ رہے ہو۔

میں نے ایک حکایت سنی ہے کہ کوئی شخص حضرت ابوسعید کی خدمت میں آیا اس نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں داخل کیا انھوں نے فرمایا کہ اسے نکال دو جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونے کا سلیقہ نہیں رکھتا اور بایاں پاؤں پہلے داخل کرتا ہے وہ ہماری مجلس کے لائق نہیں۔

اس بزرگ سے ملحدوں کی ایک جماعت خدا ان پر لعنت کرے تعلق کا اظہار کرتے ہیں وہ ملحدین کہتے ہیں کہ خدمت اتنی کرنی چاہیئے کہ بندہ ولی ہو جائے جب ولی ہو جائے تو خدمت ختم۔ یہ کھلی گمراہی ہے کیونکہ راہ حق میں کوئی مقام بھی ایسا نہیں ہے جس کے ارکان میں سے کوئی رکن اٹھ جائے۔ اس کی شرح اپنی جگہ مکمل بیان کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اثبات کرامت کی بحث

واضح رہنا چاہیئے کہ صحیح طور پر مکلف ہونے کی حالت میں ولی پر کرامت کا ظہور جائز ہے۔ اہل سنت و جماعت کے دونوں فریق یعنے علماء و مشائخ کا اس پر اتفاق ہے۔ اور عقل کے نزدیک بھی یہ محال و ناممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ از قسم قدرت الٰہی ہے اور اصول شریعت میں اس کے اظہار کے منافی ہونے پر کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ارادہ حس اور وہم عقل سے بعید بھی نہیں ہے۔ کرامت ولی کی صداقت پر علامت ہے اور جھوٹے پر کرامت کا ظہور جائز نہیں ہے۔ اور ولایت کا جھوٹا دعوے کرامت نہ ہونے سے ثابت ہے بلکہ اس کے جھوٹے دعوے کا نشان ہے۔

کرامت وہ ایک فعل ہے جو انسانی عادتوں کو اس طرح عاجز کر دے کہ اس کی تکلیف کی حالت باقی رہے۔ معرفت الٰہی کے لئے بطریق استدلال کذب سے صدق کو سمجھنے والا بھی ولی ہوتا ہے۔ اہل سنت و جماعت کی ایک جماعت کہتی ہے کہ کرامت حق ہے لیکن معجزے کی حد تک نہیں مثلاً قبولیت دعا اور اس سے حصول مراد۔ اور اس قسم کی وہ باتیں عادت انسانی کو توڑنے والی ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ جب ولی صادق سے تکلیف کی حالت میں ایسا فعل صادر ہو جس سے عادت انسانی ٹوٹتی ہو تو اس میں فساد کی بابت تمھارا کیا خیال ہے؟ اگر تم یہ کہو کہ یہ از قسم قدرت الٰہی نہیں ہے تو یہ خود گمراہی ہے اگر یہ کہو کہ یہ از قسم قدرت الٰہی ہے لیکن ولی صادق سے اس کا

ظلموا بطالِ نبوت اور انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کی نفی ہے تو ہم جواب دیں گے کہ یہ بھی محال ہے اس لئے کہ ولی کرامات کے ساتھ مخصوص ہے اور نبی معجزات کی ساتھ۔ والمعجزة لم تكن معجزة لعينها انما كانت معجزة لحصولها ومن شرطها اقتران دعوى النبوة فالمعجزة تختص للانبياء والكرامات يكون للاولياء: معجزہ فی نفسہ عاجز کرنے والا نہیں ہوتا البتہ اس کا حاصل کرنا عاجز کرنے والا ہوتا ہے اور معجزہ کی شرط یہ ہے کہ دعوئے نبوت بھی شامل ہو۔ لہٰذا معجزہ انبیاء کے لئے مخصوص ہے اور کرامات اولیاء کے لئے ہیں۔

جبکہ ولی ولی ہے اور نبی نبی، اور ان کے درمیان کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہے تاکہ اس سے احتراز کیا جائے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے مرتبوں کی شرافت، مرتبہ کی برتری اور عصمت کی صفائی کی وجہ سے ہے نہ کہ صرف معجزہ یا کرامت یا ایسے افعال کا صدور جو عادت انسانی کو توڑنے والی ہو ان کی وجہ سے۔ باتفاق تمام انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات، عادت انسانی کو توڑنے والے ہوتے ہیں۔ اور اصل اعجاز میں سب کے سب برابر ہیں لیکن درجات اور فضیلت میں ایک دوسرے کو فضیلت ہے۔ جب یہ جائز ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خرق عادات میں برابر ہونے کے باوجود ایک دوسرے پر فضیلت ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ یہ کرامت بھی ہو اور وہ کرامت خرق عادت بھی ہو۔ اور جبکہ انبیاء اولیاء سے افضل ہیں جب وہاں خرق عادت فعل فضیلت کی علت اور ان کے ساتھ ایک دوسرے کی خصوصیت نہیں رکھتی تو اس جگہ خرق عادت فعل ولی کی خصوصیت کی علت نہیں ہو سکتی۔ اور نبی کے ساتھ ان کی برابری نہیں ہو سکتی ہر عقلمند جب اس بات کو دلیل سمجھے گا تو اس کے دل سے یہ شبہ جاتا رہے گا۔ اگر کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ ولی کی کرامت اگر خرق عادت ہوتی تو وہ نبوت کا دعوے کرتا تو یہ محال ہے اس لئے کہ ولایت کی شرط سچ ہونا ہے اور خلاف معنے دعوے کرنا جھوٹ ہے اور جھوٹا ولی نہیں ہو سکتا اگر ولی دعوئ نبوت کرے تو یہ معجزہ میں دست درازی ہے اور یہ کفر ہے۔ اور کرامت فرمانبردار مومن کے سوا نہیں ہوتی اور جھوٹ معصیت ہے نہ کہ طاعت۔ جب بات ایسی ہے تو ولی کی کرامت نبی کی حجت کے اثبات کے موافق ہوگی لہٰذا کرامت اور معجزہ کے درمیان کسی قسم کا شبہ اور طعنہ واقع نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اثبات معجزہ کے اثبات سے کیا ہے اور ولی بھی کرامت کے ذریعہ اپنی ولایت کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات کرتے ہیں لہٰذا سچا ولی اپنی ولایت میں وہی کہتا ہے جو سچا نبی اپنی نبوت میں فرماتا ہے۔ اور ولی کی کرامت نبی کے اعجاز کا عین ہوتی ہے۔ اور مومن کے لئے ولی کی کرامت دیکھنا نبی کی صداقت پر زیادہ یقین دلاتی ہے نہ کہ اس میں شبہ ڈالتی ہے اس لئے کہ ان کے دعوئ میں خلاف واقع نہیں ہوتا جس سے ایک دوسرے کی نفی ہو کیونکہ ایک کا دعوئ بعینہ دوسرے کے دعوئ کی دلیل ہے۔ چنانچہ شریعت میں جب ایک گروہ وراثت کے دعوے میں متفق ہو تو جس وقت ایک کی حجت ثابت ہو جائے تو ان کے دعوے میں متفق ہونے کی وجہ سے دوسرے کی حجت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اور جب دعوے میں تضاد و خلاف ہو اس وقت ایک کی حجت دوسرے کی حجت نہیں ہوتی ہے۔ جب نبی معجزہ کی دلالت سے نبوت کی صحت کا مدعی ہوتا ہے، تو ولی نبی کے دعوئ میں اس کا تصدیق کرنے والا ہوتا ہے اس میں شبہ کا ثابت کرنا محال ہے۔ واللہ اعلم۔

معجزات اور کرامات کے درمیان فرق کی بحث

جبکہ یہ بات صحیح ہے کہ جھوٹے سے معجزہ اور کرامت محال ہے تو لامحالہ کوئی فرق بہت زیادہ ظاہر ہونا چاہئے تاکہ اچھی طرح معلوم وظاہر ہو جائے تو جاننا چاہئے کہ معجزات کی شرط اظہار ہے اور اولیاء کی کرامات کی شرط اخفا اور چھپانا ہے۔ اس لئے کہ معجزہ کا نتیجہ اور فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے (کہ لوگ نبی کی صداقت پر یقین کر کے ایمان لائیں) اور کرامت کا فائدہ خاص ولی یعنے صاحب کرامت کو پہنچتا ہے (کیونکہ اس میں ولی کی عزت افزائی اور اس کی بزرگی کی نشانی ہے) اور ایک فرق یہ بھی ہے کہ صاحب معجزہ یعنے نبی اسے دو تحدی کر سکتا ہے کیونکہ یہ عین اعجاز ہے اور ولی دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ کرامت یعنے عزت افزائی ہے یا استدراج ہے (اصل کتاب کی عبارت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ صاحب معجزہ یقین رکھتا ہے کہ یہ خالص اعجاز ہے اور ولی یقین نہیں کر سکتا کہ یہ کرامت ہے یا استدراج ہے فافہم۔ مترجم غفرلہ) اور معجزہ وکرامت کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ صاحب معجزہ یعنے نبی شریعت میں تصرف کر سکتا ہے اور اس کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کے فرمان سے نفی و اثبات کر سکتا ہے۔ اور صاحب کرامات یعنے ولی کو اس میں بجز تسلیم کرنے اور احکام کے قبول کرنے کے کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ ولی کرامت کے طور پر بھی کسی شرعی حکم میں کسی قسم کی منافات اور رد و بدل نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جب تم نے یہ کہا کہ معجزہ خرق عادت ہے اور ولایت نبی کی صداقت ہے اور تم اسے نبی کے ہم جنس بنانے کے لئے روا رکھتے ہو کہ وہ حسب عادت یعنے اس کے مطابق ہو تو اثبات معجزہ پر کرامت کے اثبات کی تمہاری عین حجت باطل ہو جاتی ہے اس کے جواب میں ہم کہیں گے یہ بات تمہاری اس صورت کے برخلاف ہے جس پر تمہارا اعتقاد ہے۔ اس لئے کہ معجزہ وہ ہے جو لوگوں کی عادات کو توڑنے والی ہو۔ جب ولی کی کرامت نبی کا ہی عین معجزہ ہے تو وہی دلیل دکھائی گئی جو نبی کے معجزہ کی ہے۔ لہٰذا معجزہ، معجزہ کو توڑتا نہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب صحابی رسول سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو کافروں نے مکہ مکرمہ میں سُولی پر چڑھایا تو مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف میں تشریف رکھتے ہوئے وہ سب کچھ دیکھا اور صحابہ کرام کو بتایا کہ کفار مکہ ان کے ساتھ یہ کچھ ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بھی درمیان کے تمام حجابات اور پردے اٹھا دیئے یہاں تک کہ انھوں نے بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ پر سلام عرض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کا سلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک کانوں کو سنایا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب سلام حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے کانوں کو سُنایا اور دعا کی یہاں تک کہ وہ رو بقبلہ ہو گئے۔ لہٰذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ میں ان کو دیکھنا ایسا فعل تھا جو خرق عادت (یعنے معجزہ) تھی۔ اسی طرح حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا مکہ سے مدینہ منورہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا خرق عادت یعنے ان کی کرامت تھی۔ اس لئے کہ بالاتفاق غائب کو دیکھنا خرق عادت ہے۔ لہٰذا غیبت زمان اور غیبت مکان میں کچھ فرق نہ رہا۔ اس لئے کہ حضرت خبیب کی یہ کرامت اس حالت میں ہے جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے غیبت مکانی تھی۔ یہی حال متاخرین کے لئے ہے کیونکہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے غیبت زمانی کی حالت میں

میں۔ اور یہ فرق ظاہر اور دلیل واضح اس بات پر ہے کہ کرامت معجزہ کے برخلاف نہیں ہوتی۔ اگر چہ صورۃً یکساں ہوتی ہے مگر معنےً اور اعتقاداً فرق ہوتا ہے۔ مترجم: کیونکہ کرامت صاحب معجزہ کی تصدیق کئے بغیر کسی اور حالت میں ثابت نہیں ہوتی۔ اور تصدیق کرنے والے اطاعت گزار مومن کے سوا کسی غیر سے کبھی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ امت کی کرامت درحقیقت نبی کا ہی معجزہ ہے۔ کیونکہ آپ کی شریعت باقی ہے اس لئے لازمی ہے کہ اس کی حجت بھی باقی رہے۔ لہٰذا اولیائے کرام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کے گواہ ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے کہ غیروں سے کرامتوں کا ظہور ہو اس معنے میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں جو نہایت موزوں ہے چنانچہ

حکایت

حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنی تنہا پسندی کی عادت کے مطابق جنگل میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک گرجے سے کوئی اٹھا اس نے مجھ سے ساتھ رہنے کی اجازت مانگی۔ جب میں نے دیکھنے کے لئے اس پر نظر ڈالی تو میرے دل میں نفرت ظاہر ہوئی۔ اور میں نے خیال کیا یہ کس لائق ہے۔ اس نے مجھ سے کہا اے ابراہیم! آزردہ خاطر نہ ہوں میں نصارٰی کا راہب ہوں۔ اور ان کا راہب ہوں۔ اور آپ کی صحبت کی تمنا میں ملک روم کے اطراف سے آیا ہوں جس وقت میں نے جانا یہ غیر ہے تو میرے دل کو آسودگی ہوئی اور صحبت کا طریقہ اور اس کا حق ادا کرنا مجھ پر بہت آسان ہو گیا۔ میں نے کہا اے نصرانیوں کے راہب! میرے ساتھ طعام و شراب نہیں ہے مجھے خوف ہے کہ اس جنگل میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچے اس نے کہا اے ابراہیم! جہان میں تو آپ کا اتنا شہرہ ہے اور آپ ابھی تک طعام و شراب ہی کے غم میں مبتلا ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے راہب کی اس خوشی پر تعجب ہوا اور تجربہ کے طور پر اس کی صحبت کو قبول کر لیا۔ کہ اپنے دعوے میں وہ کتنا سچا ہے۔ جب ہمیں سات دن اور سات راتیں سفر کرتے ہوئے گزر گئے تو ہمیں پیاس معلوم ہوئی راہب کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابراہیم! جہان میں آپ کا نقارہ بج رہا ہے اب کچھ لائیے آپ کیا رکھتے ہیں؟ پیاس کی اتنی شدت ہے کہ آپ کی جناب میں اس گستاخی کے سواء کوئی چارہ کار نہیں رہا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سر زمین پر رکھا اور دعا مانگی کہ اے خدا مجھے اس بیگانہ کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی بیگانگی میں مجھ سے نیک گمان رکھتا ہے کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک کافر کا گمان مجھ پر پورا ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ طشت میں دو روٹی اور دو گلاس پانی کے رکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے اسے کھایا اور وہاں سے چل دیئے جب سات روز اسی طرح گزر گئے تو میں نے دل میں خیال کیا اس کافر کا تجربہ کروں اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کسی اور چیز کا سوال کرے اور میرا امتحان لے اور اس کی طلبی میں مجھ سے اصرار کرے اور میں اپنی ذلت دیکھوں۔ میں نے کہا اے نصرانیوں کے راہب! لاؤ آج تمہاری باری ہے تاکہ دیکھوں اتنے عرصہ مجاہدہ کر کے کیا نتیجہ پایا ہے! اس نے بھی زمین پر سر رکھا اور کچھ دعا مانگی اسی وقت ایک طشت نمودار ہوا جس میں چار روٹی اور چار گلاس پانی کے رکھے ہوئے تھے۔ میں اس سے سخت متعجب اور آزردہ خاطر ہوا اور اپنے احوال سے میں نا امید ہو گیا میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا کیونکہ یہ ایک کافر کے لئے نمودار ہوا ہے اس میں اس کی معونت لینے مدد ہے میں اسے کیسے کھا سکتا ہوں! اس نے مجھ سے کہا اے ابراہیم! کھائیے! میں نے کہا میں نہیں کھاؤں گا اس نے کہا کیا وجہ؟ میں نے کہا اس لئے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو یہ تمہارے قبیل سے نہیں ہے میں اس معاملہ سے سخت حیران

ہوں اگر اسے کرامت پر محمول کریں تو کافر پر کرامت کا اطلاق جائز نہیں اور اگر معونت کہوں تو مدعی کو شبہ پڑتا ہے اُس نے مجھ سے کہا کہ اب اور دو چیزوں کی بشارت سُنئے ایک تو میرے اسلام کی کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ۔ دوسرے یہ کہ آپ خدا کے نزدیک بہت بڑے بزرگ ہیں میں نے کہا کیسے ؟ اُس نے کہا اس لئے کہ اس جنس میں سے میرے پاس کچھ نہ تھا میں نے صرف تمھاری شرم سے زمین پر سر رکھا تھا اور دعا مانگی تھی کہ اے خدا اگر دینِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم حق ہے اور تیرا پسندیدہ ہے تو تُو مجھے دو روٹی اور دو گلاس پانی کے دے اور اگر ابراہیم خواص تیرا ولی ہے تو دو روٹی اور دو گلاس پانی اور دے جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو اس طشت کو موجود پایا ابراہیم نے اس سے کھایا اور وہ جوان مرد جو راہب تھا وہ بزرگانِ دین سے ہوا یہ معنے بعینہٖ اعجازِ نبی کے جو ولی کی کرامت سے ملحق ہے ۔ یہ عجیب حکایت ہے کہ نبی کی غیبت میں غیر کے لئے دلیل رونما ہو اور ولی کے حضور میں اس کے غیر کے لئے اس کی کرامت میں سے حصّہ ملے درحقیقت ولایت کی منتہی کو اس کے مبتدی کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ اس لئے کہ وہ راہب فرعون کے جادوگروں کی طرح اس کا ایمان پوشیدہ تھا لہٰذا حضرت ابراہیم نے نبی کے معجزہ کی صداقت ثابت کی اور راہب نے نبی کی نبوت کی صداقت کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی ولایت کی عزت کا مطالبہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے بحُسنِ عنایتِ ازلی اس کے مقصد کو پورا فرمادیا ۔ کرامت و اعجاز کے درمیان یہ ایک ظاہر فرق ہے ۔ اس سلسلہ میں بحث طویل ہے یہ کتاب اس کی گنجائش نہیں رکھتی ۔ اولیائے کرام کا کرامت ظاہر فرمانا یہ ان کی مزید کرامت ہے ۔ کیونکہ ولایت کی شرط ہی پوشیدہ رکھنا اور چھپانا ہے نہ کہ بالقصد اظہار کرنا ۔

میرے مرشد فرماتے ہیں کہ اگر ولی ولایت ظاہر کرے اور اس سے اپنے حال کی درستگی ثابت کرے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اسے تکلف سے ظاہر کرے تو یہ رعونت ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

مدعی الٰہ کے ہاتھ سے از قسم معجزہ ظاہر ہونے کی بحث

مشائخ طریقت اور تمام اہلِ سُنّت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ سے معجزہ و کرامت کے مشابہ کوئی خرقِ عادت فعل ظاہر ہونا جائز ہے کیونکہ شبہات کے موقعوں کو اس کا ظہور دور کر دیتا ہے ۔ اور کسی کو اس کے جھوٹے ہونے میں شک نہیں رہتا اور اس فعل ظہور اس کے جھوٹے ہونے پر گواہ بن جاتا ہے ۔ جس طرح کہ فرعون تھا کہ اس نے عمر چار سو سال پائی مگر اس دوران میں کبھی بیمار تک نہ ہوا ۔ اس کا حال یہ تھا کہ دریا کا پانی اس کی پشت کے پیچھے اونچا تھا اور جب وہ کھڑا ہو جاتا تو پانی بھی ٹھہر جاتا ۔ اور جب چلنے لگتا تو پانی بھی چلنے لگتا ۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کسی عقلمند کو اس کے دعویٰ خدائی کے جھوٹے ہونے میں شبہ نہ ہوا کیونکہ ہر عقلمند کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ مجسّم و مرکب نہیں ہے ۔ اگر ایسے افعال یا اس قسم کے اور بھی بہت سے افعال اس سے ظاہر ہوں تو عاقل کے لئے اس کے دعوے کے جھوٹ ہونے میں کوئی شک تردد نہ ہوگا اور وہ جو باغِ ارم کا شداد اور نمرود سے اس قسم کی باتیں منسوب کی جاتی ہیں ان کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے ۔ اسی کے ہم معنے حضور اکرم سید عالم

صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجّال نکلے گا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا اور دو پہاڑ ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب اس کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ اور جو اس کی داہنی جانب ہوگا وہ اسے جنت کہے گا اور جو اس کی بائیں جانب ہوگا وہ اسے دوزخ کہے گا۔ وہ لوگوں کو اپنی طرف بلائے گا اور جو اس کی دعوت کو قبول نہ کرے گا وہ اسے سزا دے گا اور وہ لوگوں کو اپنی گمراہی کے سبب ہلاک کرے گا پھر انہیں زندہ کریگا سارے جہان میں اسی کا حکم چلے گا۔ اگر وہ اس کی بجائے سو گنا زیادہ خرق عادت افعال ظاہر کرے لیکن کسی عقلمند کو اس کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اس لئے کہ ہر سمجھدار، عقلمند واضح طور پر جانتا ہے کہ خدا گدھے پر نہیں بیٹھتا اور متغیر و متلون اور کانا نہیں ہوتا۔ ایسی باتوں کی نمائش کو استدراج کہتے ہیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی جھوٹے مدعی نبوت سے خرق عادت فعل صادر ہو جو اس کے جھوٹ پر دلیل ہو۔ جس طرح صادق نبی سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ معجزہ اس کے صدق و سچائی کی دلیل ہوتا ہے۔ لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے ایسا فعل سرزد ہو سکے جس میں عقلمندوں کو شبہ پڑ جائے اگر ہم شبہ کو بھی جائز مانیں تو پھر کاذب سے صادق کو اور صادق سے کاذب کو نہیں پہچان سکیں گے۔ اس وقت طالب کو دشوار ہوگا کہ کس کی تصدیق کرے اور کس کی تکذیب کرے اور ثبوت کا حکم بالکل باطل ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ مدعی ولایت سے کرامت کی جنس سے کوئی فعل ظاہر ہو۔ کیونکہ وہ دین میں تو درست ہے اگرچہ طریقت کے معاملات میں اچھا نہیں ہے وہ ظہور کرامت سے، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اثبات اور خود پر فضل حق کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ یہ فعل اس کی اپنی قوت و طاقت سے نہیں ہے۔

اور جو اصل ایمان میں بلا دلیل راست گو ہو۔ وہ اعتقاد کے تمام احوال اور ولایت میں دلیل کے ساتھ راست گو ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا اعتقاد ہر حال میں ولی کے اعتقاد کی صفت ہی ہوگا۔ اگرچہ اس کے اعمال اس کے اپنے اعتقاد کے موافق نہ ہوں اس کا دعویٰ ولایت کرنا ولایت کے معاملات نہ کرنے سے اس کے برخلاف نہیں پڑتا جس طرح کہ ایمان کا دعوے کرنے کا حال ہے۔ درحقیقت کرامت و ولایت حق تعالیٰ کی عطا و بخشش سے متعلق ہے نہ کہ بندے کے کسب و اختیار سے۔ لہٰذا بندہ کا کسب درحقیقت ہدایت کے لئے علت نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ اولیاء معصوم نہیں ہیں کیونکہ عصمت نبوت کی شرط ہے لیکن وہ آفتوں سے محفوظ ہیں کیونکہ ان کے وجود سے ولایت کی نفی مقتضی ہو سکتی ہے۔ اور آفت کے وجود سے ولایت کی نفی، ایمان کی نفی کا حکم رکھتی ہے اور ردّت یعنے مرتد ہونا ہے معصیت نہیں ہے۔ یہ مذہب محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ کا ہے۔ اور حضرت جنید، حضرت ابوالحسن نوری، حارث محاسبی رحمہم اللہ اور ان کے بکثرت محققین کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن اہل معاملات جیسے حضرت سہل بن عبداللہ تستری، ابو سلیمان دارانی، ابو حمدون قصار وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کی شرط یہ ہے کہ ہمیشہ طاعت پر قائم رہے جب کبیرہ کا ولی کے دل پر گزر ہو جائے تو وہ ولایت سے معزول ہو جاتا ہے۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ باجماع اُمت بندہ کو کبیرہ کا ارتکاب ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ لہٰذا کوئی ولایت، دوسری ولایت سے بہتر نہیں ہے۔ اور جب معرفت کی ولایت جو تمام کرامتوں کی بنیاد اور سرچشمہ ہے معصیت سے ساقط نہیں ہوتی تو یہ ناممکن ہے کہ جو چیز شرف و کرامت

میں اس سے کم درجہ پر ہو وہ معصیت سے زائل ہو جائے مشائخ کے درمیان یہ اختلاف بہت طویل ہو چکا ہے۔ اس جگہ میری مراد ان سب کا اثبات نہیں ہے۔ لیکن سب سے اہم بات اس سلسلہ میں اس کا جاننا ہے کہ تم یقینی علم سے یہ جان سکو کہ ولی پر کرامت کا ظہور کس حالت میں ہوا ہے آیا صحو کی حالت میں یا سکر کی حالت میں۔ غلبہ حال میں ہوا ہے یا استقامت میں۔ صحو و سکر کی تفصیل تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کے مذہب کے بیان میں مکمل کر چکا ہوں۔

حضرت بایزید، حضرت ذوالنون مصری، حضرت محمد بن خفیف، حضرت حسین بن منصور، حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہم ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ولی سے اظہار کرامت بجز حالت سکر کے نہیں ہوگا اور وہ جو صحو کی حالت میں ہوتا ہے وہ نبی کا معجزہ ہے۔ ان کے مذہب میں کرامت و معجزہ کے درمیان یہ فرق واضح ہے۔ کیونکہ ولی پر اظہار کرامت اس کے سکر کی حالت میں ہوگا یعنے مغلوب الحال اور دعوت سے بے پرواہ ہوتا ہے اور نبی پر معجزہ کا اظہار اس کے صحو کی حالت میں ہوگا کیونکہ وہ تحدی کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے مقابلہ میں بلاتا ہے اور صاحب معجزہ حکم کے دونوں طرف مختار کیا گیا ہے۔ ایک اس کے اظہار میں جس وقت کہ وہ اعجاز کے لئے معارضہ میں لائے۔ دوسرے اس کے پوشیدہ رکھنے میں۔ پھر یہ کہ اولیاء کے لئے یہ صورت نہیں ہے کہ انھیں کرامت میں اختیار دیا گیا ہو کیونکہ کبھی وہ کرامت چاہتے ہیں اور نہیں ہوتی اور کبھی چاہتے نہیں مگر ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی داعی نہیں ہے کہ اس کا حال قیام اوصاف سے منسوب ہو کیونکہ وہ پوشیدہ ہے اور اس کا حال صفت فنا سے موصوف ہے لہٰذا ایک صاحب شرع ہے اور دوسرا صاحب اسرار، اس لئے مناسب ہے کہ کرامت خوف اور غیبت حال کے سوا ظاہر نہ ہو: خلاصہ یہ کہ اس کا تصرف حق تعالیٰ کے تصرف سے ہے جس وقت اس کا ایسا حال ہو جائے اس وقت اس کی ہر بات حق تعالیٰ کی مدد و تالیف سے ہوگی۔ اس لئے کہ صفت بشریت کی برقراری یا تو لاہی یعنے لغویت کو ہوگی یا ساہی یعنے غافل کو۔ یا مطلق الٰہی کو یعنے اللہ تعالیٰ کے اطلاق کی بنا پر۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی بشریت لاہی اور ساہی کی بنا پر نہیں ہوں گی اور بجز انبیاء علیہم السلام کے کوئی مطلق الٰہی نہیں ہوگا۔ (جن پر اطلاق بشریت خدا کی طرف سے ہو اور خدا انہیں بشر کہکر یاد فرمائے اور اصل حقیقت عوام سے مخفی ہو۔ فافہم از مترجم) اس جگہ تحقیق و تمکین (استقامت) کے سوا ایک تردد اور تلون رہ جاتا ہے (یعنے انبیاء کی ظاہری شکل و صورت بشریت کی مانند ہے اور ان کی واقعی حقیقت علم الٰہی میں ہے جس سے عام ناواقف ہیں از مترجم) اور اولیاء جب تک ان کی اپنی بشریت قائم و باقی رہتی ہے وہ محجوب رہتے ہیں۔ اور جب (اپنی صفات بشریت کو فنا کر کے) مکاشف اور مشاہد میں ہوتے ہیں تو وہ الطاف حق کی حقیقت میں مدہوش و متحیر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حالت کشف کے بغیر اظہار کرامت درست و صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ان کے قرب کا نتیجہ ہے اس وقت ان کے دل میں پتھر اور سونا دونوں برابر ہوتے ہیں۔ یہ حالت انبیاء کے سوا کسی اور شخص کا کسی حال میں نہیں ہو سکتا اور اگر کسی کا ہو بھی جائے تو وہ عارضی ہوگا۔ یہ حالت بجز سکر و مدہوشی کے نہ ہوگا جس طرح حارث رحمۃ اللہ ایک دن دنیا سے ایسے گم ہوئے کہ دنیا میں رہتے ہوئے عقبیٰ سے مل گئے اس وقت انھوں نے فرمایا عزفت نفسی عن الدنیا فاستوت عندی حجرھا و ذھبھا و فضتھا و مدارھا یعنے میں نے اپنے آپ کو دنیا سے جدا کر لیا اب میرے لئے دنیا کا پتھر اور سونا اور چاندی اور اینٹ برابر ہے۔ دوسرے دن کچھ لوگ

باغ میں لوگوں نے انھیں کام کرتے دیکھا لوگوں نے پوچھا اے حارث کیا کر رہے ہو، انھوں نے فرمایا اپنی روزی حاصل کر رہا ہوں کیونکہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں. لہٰذا ایک ان کا وہ وقت تھا اور ایک ان کی یہ گھڑی ہے لہٰذا اولیاء کے صحو کا مقام عوام کا درجہ ہے اور ان کے سکر و مدہوشی کا مقام انبیاء کا درجہ ہے. جس وقت اپنے آپ میں واپس ہوتے ہیں تو وہ خود کو اور لوگوں میں سے ایک جانتے ہیں اور جب وہ اپنے آپ سے غائب ہوتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کا سکر انہیں شائستہ بنانے والا ہوتا ہے اور وہ حق تعالیٰ کے ساتھ شائستہ ہو جاتے ہیں اور سارا جہان ان کے لئے مثل سونے کے ہو جاتا ہے. حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ذهب اينما ذهبنا ودرٌّ حيثما درنا وفضة في الفضاء. جہاں ہم گئے سونا تھا اور جس جگہ پہنچے موتی تھے اور فضاء میں چاندی تھی۔

میں نے استاد امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے طبرانی سے ان کا ابتدائی حال دریافت کیا انھوں نے کہا کہ ایک روز مجھے ایک پتھر کی ضرورت پڑی سرخس کی شاہراہ سے جو پتھر بھی اٹھاتا تھا وہ جوہر بننے پارس ہوتا تھا (یا وہ لعل ہوتا تھا) یہ اس وجہ میں تھا کہ ان کے نزدیک دونوں برابر و یکساں تھے بلکہ اس لئے تھا جو جوہر ان کے ہاتھ میں آتا تھا وہ ان کی مراد کے مقابلہ میں پتھر سے زیادہ ذلیل و حقیر تھا۔

میں نے خواجہ امام خزامی سے سرخس میں سنا انھوں نے فرمایا کہ میں بچہ تھا اور رمائیہ قرور کے لئے شہتوت کے پتوں کی تلاش میں وہاں کے ایک محلہ میں گیا اور ایک درخت پر چڑھ کر ایک ٹہنی کو جھاڑنے لگا. شیخ ابو الفضل بن حسن اس کوچہ سے گزرے میں درخت پر چڑھا ہوا تھا انھوں نے مجھے نہ دیکھا میں نے کوئی شک نہ کیا کہ وہ اپنے آپ سے غائب ہیں اور ان کا دل خدا کے ساتھ خوش و خرم ہے. پھر انھوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا اے خدا! ایک سال سے زیادہ گزر گیا تو نے مجھے ایک دمڑی تک نہ دی کہ میں سر کے بال ہی بنوا لیتا. دوستوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں؟ وہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وقت درخت کے تمام پتے، ٹہنیاں اور جڑیں سونے کی ہو گئیں. اس وقت کہا عجیب بات ہے کہ میری کنارہ کشی پر میرے دل کی کشادگی کے لئے یہ سب پھبتی و استہزاء ہے میں تجھ سے ایک بات بھی نہیں کہہ سکتا۔

حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے چار ہزار اشرفیاں دریائے دجلہ میں پھینک دیں. لوگوں نے کہا کیا کرتے ہو؟ فرمایا پتھر پانی کے ساتھ زیادہ بہتر ہے لوگوں نے کہا اسے مخلوقِ خدا میں کیوں تقسیم نہ کر دیا فرمایا سبحان اللہ، اپنے دل سے حجاب اٹھا کر مسلمان بھائیوں کے دلوں پر ڈال دوں میں خدا کو کیا جواب دوں گا کیونکہ دین کی یہ شرط نہیں ہے کہ مسلمان بھائیوں کو اپنے سے بدتر سمجھوں! یہ سب سکر و مدہوشی کی حالت ہے. اس کی تفصیل میں بیان کر چکا ہوں اس جگہ مقصود اثبات کرامت ہے۔

پھر یہ کہ حضرت جنید بغدادی، ابو العباس سیاری، ابو بکر واسطی اور صاحبِ مذہب محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ کرامت، صحو و تمکین کی حالت میں بغیر سکر و مدہوشی کے ظاہر ہوتی ہے. اس لئے اولیاء اللہ، حق تعالیٰ کی طرف سے مدبرانِ ملک اور جہان برگزیدہ حضرات ہیں. اللہ تعالیٰ نے انھیں حاکمانِ عالم بنا کر اس کا حل و عقد، بسط و کشاد ان کے ساتھ وابستہ کیا ہے جہان کے لئے احکام انہیں

کے ارادوں پر موقوف فرمایا ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان کی تمام باتیں سب سے زیادہ صحیح اور مخلوقِ خدا پر ان کا دل تمام دلوں سے بڑھ کر شفیق و مہربان ہو۔ کیونکہ وہ مقامِ تمکین میں پہنچے ہوئے ہیں اور تلوین و سکران کا ابتدائی حال ہے جب انہیں بلوغ حاصل ہو جاتا ہے تو تلوین تمکین استقامت سے بدل جاتا ہے اس وقت وہ حقیقی ولی ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔ ان حضرات کے درمیان مشہور ہے کہ اوتاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ رات بھر میں سارے جہان کی گشت مکمل کرے۔ اور اگر کوئی جگہ ایسی رہ جائے جہاں ان کی نظر نہ پہنچے تو دوسرے دن اس مقام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے غوث و قطب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنی قوت اس طرف مبذول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس غوث و قطب کی برکت سے جہان سے اس خلل کو دور فرما دیتا ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سونا اور پتھر ان کے نزدیک برابر ہوتے ہیں یہ سب سکر اور دیدارِ الٰہی میں نادرستی کی علامت ہے۔ یہ حالت اگرچہ اپنے زیادہ بزرگی کی نہیں ہوتی۔ مردانِ خدا کی بزرگی تو صحیح دیدار اور راست پنداری میں ہے یعنی اس کے نزدیک سونا، سونا ہی ہو اور پتھر پتھر۔ لیکن اس کی آفت سے وہ بینا ہو (اور اس کی آفات سے دھوکہ نہ کھائے) تاکہ وہ کہے یا صفراء یا بیضاء غری غیری (لالچ) یعنی اے زرد سونے اے سفید چاندی مجھے کیوں فریب و دھوکہ دیتے ہو میں تمہارے دھوکہ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ میں نے تمہاری آفتوں کو دیکھ لیا ہے۔ لہٰذا جس نے اس کی آفتوں کو دیکھ لیا وہ اس کے لئے محلِ حجاب نہیں ہے جب وہ ان کے چھوڑنے کو کہتا ہے تو وہ اس کا ثواب پاتا ہے۔ پھر یہ کہ جب وہ سونے کو پتھر کہتا ہے تو پتھر کو چھوڑنے کی تلقین کسی طرح درست نہیں ہو سکتی۔ تم نے نہیں دیکھا جس وقت حارث حالتِ سکر میں تھے تو انھوں نے فرمایا "اینٹ، پتھر، سونا، چاندی میرے نزدیک سب برابر ہیں"۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صاحبِ صحو تھے۔ دنیا کے قبضہ کی آفت کو دیکھا اور اس کی جدائی کی روش میں ثواب معلوم ہوا تو انہوں نے مال و زر سے ہاتھ اٹھا لیا یہاں تک کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے صدیق گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کیا اللہ و رسول۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا اے ابوبکر آج میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ میں نے عرض کیا شیخ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں ان کے ساتھ چل دیا زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے ایک نہایت سخت جنگل دیکھا اور اس جنگل کے درمیان ایک سبز درخت کے نیچے زرنگار ایک تخت رکھا ہوا دیکھا۔ اور ایک پانی کا چشمہ جاری ہے۔ اور ایک شخص عمدہ لباس پہنے اس تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ جب محمد بن علی اس کے نزدیک پہنچے تو وہ شخص کھڑا ہو گیا اور انہیں اس تخت پر بٹھا دیا تھوڑی دیر کے بعد ہر طرف سے گروہ در گروہ آنے لگے یہاں تک کہ چالیس آدمی جمع ہو گئے انھوں نے کوئی اشارہ کیا اسی وقت آسمان سے کچھ کھانے کی چیزیں ظاہر ہوئیں۔ ہم سب نے کھایا۔ محمد بن علی نے کوئی سوال کیا۔ اس مرد نے اس کا بہت طویل جواب دیا جس کا میں ایک کلمہ بھی نہ سمجھ سکا۔ کچھ عرصہ بعد اجازت مانگی اور واپس آ گئے۔ مجھ سے فرمایا جاؤ تم نیک بخت ہو۔ جب کچھ مدت کے بعد ترمذ پھر واپس آئے تو میں نے ان سے کہا اے شیخ وہ کونسی جگہ

تھی اور وہ کون شخص تھا؟ فرمایا وہ بنی اسرائیل کا قبل تھا اور وہ مردِ قطب مدار علیہ تھا۔ میں نے عرض کیا۔ شیخ ابھی تو گھڑی بھی نہ ہوئی آپ بنی اسرائیل کے جنگل میں کیسے پہنچ گئے؟ فرمایا اے ابوبکر انہیں پہنچنے سے کام ہے نہ کہ پوچھنے اور سبب دریافت کرنے سے۔ یہ حالت صحو کی علامت ہے۔ نہ کہ سکر و مدہوشی کی۔

اب میں اس کو مختصر کرتا ہوں کیونکہ اس کی تفصیل اور اس کے ابواب کی تشریح کی غرض سے طول ہوں تو کتاب طویل ہو جاتی ہے اور مقصود سے رہ جاتا ہوں لہٰذا کرامات اور اس کی حکایتوں کے ذکر پر اس کے متعلق بعض دوسرے مسائل کتاب میں بیان کر دیتا ہوں تاکہ اس کے پڑھنے سے مریدوں کو آگاہی، علماء کو راحت، محققین کے لئے مذاکرہ اور عوام کے یقین میں زیادتی اور شبہات کی دوری ہو ان شاء اللہ تعالیٰ وباللہ التوفیق۔

اولیاء کے کرامتوں کی بحث

واضح رہنا چاہیئے کہ جب کرامت کی صحت دلائل عقلیہ سے ثابت ہو اور اس کے ثبوت پر براہین قائم ہو چکے تو مناسب ہے کہ دلائل نقلیہ بھی بتا دی جائیں چنانچہ کرامات اور خرق عادت افعال اہل اللہ سے صادر ہونے کی صحت پر کتاب و سنت اور احادیث صحیحہ مروی ہیں اس کا انکار تمام نصوص احکام کا انکار ہوگا۔ اس لئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہماری کتاب قرآن میں خبر دی ہے کہ فرمایا وظللنا علیکم الغمام وانزلنا علیکم المن والسلوی۔ اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر من وسلوی ہم نے اتارا جو ہر رات تازہ اترتا تھا۔

اگر کوئی منکر یہ کہے کہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ٹھیک ہے اولیاء کی کرامتیں بھی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزے ہیں۔ اگر یہ کہو کہ اولیاء کی کرامت نبی کی غیبت میں واجب نہیں ہوتا کیونکہ وہ نبی کا معجزہ ہے اور جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے تو ہم جواب دیں گے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل سے غائب ہو کر طور پر گئے تھے اس وقت بھی تو معجزہ برقرار تھا لہٰذا غیبت مکان اور غیبت زمان برابر ہے جبکہ وہ معجزہ غیبت مکانی میں درست تھا تو اس وقت غیبت زمانی میں بھی درست ہے۔

دوسری دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آصف بن برخیا کی کرامت کی بھی خبر دی جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا تھا کہ بلقیس کا تخت ان کے سامنے پیش کیا جائے اور انھوں نے اس جگہ حاضر کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آصف کی شرافت و بزرگی لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی کرامات لوگوں کے سامنے ظاہر کریں کیونکہ اولیاء کی کرامات برحق ہیں چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کون ہے جو بلقیس کے آنے سے پہلے اس کا تخت ہمارے سامنے لے آئے۔ اور اسے لوگوں کو دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ قال عفریت من الجن انا اٰتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک جنات میں سے ایک دیو عفریت نامی نے کہا میں آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے جلدی درکار ہے حضرت آصف بن برخیا نے عرض کیا انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقراً۔ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لے آؤں گا پھر جب انھوں نے نظر اٹھائی تو تخت موجود تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کے اس عرض پر حیرت کا اظہار نہ فرمایا نہ انکار فرمایا اور نہ محال جانا۔ حالانکہ یہ کسی حال میں بھی معجزہ نہ تھا کیونکہ حضرت آصف نبی نہ تھے لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ یہ کرامت تھی۔ اگر معجزہ ہوتا تو اس کا اظہار حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے ہونا چاہیئے

تیسری دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سیدتنا مریم علیہا السلام کے قصہ میں خبر دی کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس گرمی کے موسم میں سردی کے میوے اور سردی کے موسم میں گرمی کے میوے موجود پاتے۔ چنانچہ آپ نے دریافت فرمایا انّٰی لکِ هٰذا قالت هو من عند الله ۔ تمہارے پاس یہ میوے کہاں سے آئے ۔ حضرت مریم نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا نبی نہ تھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی صریح طور پر خبر دی اور فرمایا وهُزّی الیكِ بجذع النخلة تساقط علیكِ رطبًا جنیًا ۔ اے مریم کھجور کے درخت کی ٹہنی اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تر و تازہ کھجوریں گرائے گا ۔

چوتھی دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے حالات، ان سے کتے کا کلام کرنا اور انہیں غار میں دائیں بائیں پہلو بدلتے رہنے کی خبر دی چنانچہ فرمایا ونقلبهم ذات الیمین وذات الشمال وکلبهم باسطٌ ذراعیه ۔ ہم انہیں داہنے اور بائیں پہلو بدلتے رہتے ہیں اور ان کا کتا بازو پھیلائے بیٹھا ہے ۔

یہ تمام افعال خرق عادات ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ معجزہ نہیں ہے تو اسے کرامت ہی کہنا چاہیئے۔ جائز ہے کہ یہ کرامتیں قبولیت دعا کے معنے میں ہوں جو زمانہ تکلیف میں امور موہوم کے حاصل ہونے کے لئے ہوں اور جائز ہے کہ طویل مسافت مختصر وقت میں طے ہو جائے اور جائز ہے کہ طعام کا ظاہر ہونا غیر متوقعہ جگہ سے ظاہر ہوا ہو۔ اور جائز ہے کہ لوگوں کے ذہنوں پر بزرگی و شرافت جتانی مقصود ہو وعلیٰ ہذا القیاس ۔

احادیث صحیحہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث غار مروی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز صحابۂ کرام نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ گزشتہ امتوں کے احوال میں سے کوئی عجیب چیز بیان فرمایئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے یعنے گزشتہ زمانہ میں تین شخص کہیں جا رہے تھے جب رات کا وقت آیا تو ایک غار میں چلے گئے اور وہاں سو گئے جب رات کا ایک پہر گزر گیا تو پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور غار کے منہ کو بند کر دیا۔ سب پریشان ہو کر کہنے لگے یہاں سے ہماری خلاصی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہر ایک اپنے ان افعال کی جو بے دکھاوے کے کئے ہوں ان کو یاد کر کے خدا سے ان کو شفیع نہ کرے چنانچہ ایک نے کہا میرے ماں باپ تھے اور میرے پاس دنیا کی مال میں سے سوائے ایک بکری کے کچھ نہ تھا اس کا دودھ ان کو پلا دیتا تھا اور میں روزانہ لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انہیں فروخت کر کے اپنا اپنا اور ان کا کھانا تیار کرتا تھا ایک رات میں کچھ دیر سے آیا اور وہ میرے دودھ اور ان کا کھانا لے کر حاضر ہونے سے پہلے سو گئے تھے۔ میں بغیر کچھ کھائے پیئے، دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لئے ان کی بیداری کے انتظار میں کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اس وقت وہ بیدار ہوئے اور کھانا کھایا پھر میں بیٹھا اور دعا مانگی اے خدا اگر میں یہ صحیح کہہ رہا ہوں تو ہمارے لئے راستہ کھول دے اور ہماری فریاد کو قبول فرما۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ پتھر ہلا اور تھوڑا سا شگاف ظاہر ہو گیا۔ دوسرے نے کہا میرے چچا کی ایک خوبصورت لڑکی تھی میں اس پر فریفتہ تھا میں اسے بلاتا تھا مگر

طور نہ کرتی تھی یہاں تک کہ ایک دن میں نے بہانہ سے دو ہزار اشرفیاں بھیجیں تاکہ ایک رات کے لئے میرے پاس آجائے جب وہ میرے پاس تو میرا دل خوفِ خدا سے کانپ گیا میں نے اسے چھوڑ دیا اور اشرفیاں بھی اسی کے پاس رہنے دیں پھر دعا مانگی اے خدا اگر میں سچ کہہ رہا ہوں تو ے لئے کشادگی فرما۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت پتھر نے حرکت کی اور وہ کشادگی کچھ زیادہ ہوگیا لیکن ابھی وہ سب نہیں سکتے تھے تو تیسرے نے کہنا شروع کیا میرے پاس کچھ مزدور میرا کام کرتے تھے جب کام ختم ہوگیا تو تمام مزدوروں کو اجرت دے دی لیکن مزدوران میں غائب ہوگیا تھا میں نے اس کی مزدوری سے ایک بھیڑ خرید لی دوسرے سال وہ دو ہوگئیں اور تیسرے سال چار ہوگئیں اور ہر سی طرح بڑھتی رہیں۔ چند سالوں کے بعد وہ عظیم مال ہوگیا اس وقت وہ مزدور آیا اس نے کہا کہ تم کو یاد ہو کا فلاں وقت میں نے تمہاری وری کی تھی اب مجھے وہ مزدوری چاہیئے۔ میں نے کہا وہ تمام بھیڑ لے جاؤ وہ سب تمہارا مال ہے تم اس کے مالک ہو۔ اس نے کہا تم مجھ سے ی کرتے ہو۔ میں نے کہا نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں نے وہ تمام مال تمہارے لئے ہی جمع کرکے رکھا ہے تم اسے لے جاؤ۔ پھر دعا مانگی اے اگر میں یہ سچ کہہ رہا ہوں تو ہمارے لئے کشادگی فرما! رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ پتھر غار کے دہانے سے ہٹ گیا اور تینوں س باہر نکل آئے۔ یہ فعل بھی خرقِ عادت تھا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے جریج راہب کی حدیث مشہور ہے۔ درحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ م نے فرمایا کہ بچپنے میں جھولے میں کسی نے کلام نہ کیا مگر تین شخصوں نے۔ ایک حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہیں جن کا حال تم سب کو معلوم ہے دوسرے بنی رائیل میں جریج نامی راہب کے لئے۔ وہ ایک مجتہد شخص تھا اس کی ماں پردہ نشین عورت تھی ایک دن وہ اپنے بیٹے (جریج) کو دیکھنے آئی وہ نماز میں خدا کے حجرہ میں مشغول تھا دروازہ نہ کھلا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا اس کی ماں نے دل برداشتہ ہوکر کہا اے خدا میرے بیٹے سوا کرکے میرے حق میں پکڑ لے۔ اسی دوران ایک عورت نے ایک گروہ کی خوشامد میں کہا کہ میں جریج کو بے راہ کردوں گی چنانچہ وہ اس کے حجرے آئی جریج نے اس کی طرف التفات تک نہ کیا۔ راستہ میں ایک چرواہے کے پاس اس نے رات گزاری اور وہ اس سے حاملہ ہوگئی جب وہ آبادی آئی تو کہنے لگی کہ یہ حمل جریج کا ہے۔ جب وہ بچہ جنی تو لوگوں نے جریج کے حجرہ میں گھس کر بادشاہ کے سامنے اسے لے آئے اس وقت جریج نے کی طرف متوجہ ہوکر کہا اے بچہ! بتا تیرا باپ کون ہے؟ بچہ نے کہا اے جریج! میری ماں نے تم پر الزام و افتراء رکھا ہے میرا باپ فلاں چرواہا تیسرا ایک اور عورت کا بچہ تھا جو اپنے گھر کے دروازہ پر خوبصورت لباس پہنے بیٹھی ہوئی تھی ایک سوار حسین شکل و صورت کا گزرا۔ اس عورت دعا مانگی کہ اے خدا میرے اس بچہ کو اس سوار کی مانند بنادے۔ اس بچہ نے فوراً کہا اے خدا مجھے ایسا نہ کر! کچھ عرصہ بعد ایک بدنام عورت گزری کی ماں نے کہا اے خدا میرے بچے کو اس عورت جیسا نہ بنا۔ اسی وقت اس بچہ نے کہا اے خدا مجھے اس عورت جیسا کردے۔ بچہ کی ماں نے عجب ہوکر پوچھا اے بچہ! ایسا کیوں کہتا ہے؟ بچہ نے کہا وہ سوار متکبر و ظالم ہے اور یہ عورت اصلاح پسند ہے لیکن لوگ اسے برا کہتے ہیں مگر اسے نہیں پہچانتے۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ظالموں اور متکبروں میں سے ہوں میں چاہتا ہوں کہ اصلاح کنندہ بنوں۔

ایک اور حدیث امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی باندی زائدہ کی مشہور ہے۔ ایک دن زائدہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر آئی اور اس نے سلام عرض کیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زائدہ میرے پاس دیر سے کیوں آئی ہے؟ حالانکہ تو ذمال بردار ہے اور میں تجھے پسند کرتا ہوں۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک عجیب بات لے کر آئی ہوں فرمایا وہ کیا بات ہے؟ عرض کیا صبح کے وقت میں لکڑیاں تلاش کرنے نکلی اور ایک گٹھڑ باندھ کر پتھر پر رکھا تاکہ اُسے اٹھاؤں تو میں نے ایک سوار کو آسمان سے زمین پر اترتے دیکھا اس نے مجھے سلام کیا پھر کہا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ رضوان نامی خازن جنت نے پیش کیا ہے۔ اور آپ کو بشارت دی ہے کہ جنت کو آپ کی اُمت کے لئے تین حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے کچھ وہ لوگ ہوں گے جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے اور کچھ وہ لوگ ہوں گے جن پر حساب آسان ہوگا اور کچھ وہ لوگ ہوں گے جو آپ کی سفارش اور آپ کے وسیلہ سے بخشے جائیں گے۔ پھر کہہ کر وہ آسمان پر چڑھنے لگے پھر زمین و آسمان کے درمیان سے میری طرف متوجہ ہوئے میں لکڑیوں کا گٹھڑ اٹھا رہی تھی مگر وہ مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا تھا انھوں نے کہا اے زائدہ! اسے پتھر پر ہی رہنے دو، اور پتھر سے کہا اے پتھر اس گٹھڑ کو زائدہ کے ساتھ حضرت عمر کے مکان تک لے جاؤ! اس پتھر نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر تک پہنچا دیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اپنے صحابہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے، اور پتھر کے آنے جانے کا نشان ملاحظہ فرمایا۔ اور حضور نے فرمایا الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دنیا سے اس حال میں رخصت فرمایا ہے کہ رضوان کے ذریعہ میری امت کی بشارت مرحمت فرمائی۔ اور میری اُمت میں سے ایک عورت جس کا نام زائدہ ہے اسے مریم علیہا السلام کے درجہ پر فائز فرمایا۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا، راہ میں دریا کی ایک نہر پڑی تمام لشکریوں نے اس میں پاؤں ڈال دیئے سب گزر گئے اور کسی کا پاؤں تک نہ بھیگا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ کسی سفر میں جا رہے تھے دیکھا کہ ایک جماعت راہ کے کنارے خوف زدہ کھڑے تھے اور شیر ان کا راستہ روکے کھڑا تھا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے کتے اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے راستہ روکے کھڑا ہے تو راستہ نہ دے اگر نہیں تو ہمارا راستہ چھوڑ دے تاکہ ہم گزر جائیں۔ شیر اٹھا اور ان کے آگے سر جھکا دیا اور راستہ سے ہٹ گیا۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ مشہور ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو ہوا میں بیٹھا ہوا دیکھا انھوں نے پوچھا اے خدا کے بندے! تجھے یہ کمال کس چیز سے حاصل ہوا؟ بولا تھوڑی سی چیز سے۔ پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ کہا میں نے دنیا سے مونھ موڑ لیا ہے اور خدا کے فرمان سے دل لگا لیا ہے مجھ سے کہا اب تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہ کہ ایک مکان ہوا میں میرے لئے ہو تاکہ میرا دل لوگوں سے جدا ہو جائے۔

(اسی طرح) جب ایک بہادر عجمی شخص مدینہ میں آیا اس نے حضرت عمر فاروق کی بابت دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا وہ کسی جھونپڑے میں سوئے ہوں گے۔ اس نے ان کو سوتا ہوا اس حال میں پایا کہ کوڑہ ان کے سر کے نیچے رکھا ہوا ہے اس نے اپنے دل میں کہا جہان میں سارا فتنہ انھیں کا ہے اس وقت ان کا مار ڈالنا مجھے بہت آسان ہے۔ اس نے ان کو قتل کرنے کے لئے تلوار سونت لی۔ اتنے میں دو شیر نمودار ہوئے دونوں نے اس پر حملہ کر دیا

اُس نے مدد کے لئے پکارا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ اُنہوں نے اُن سے سارا قصہ کہا کر اسلام قبول کر لیا۔

(اسی طرح) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (امیر لشکر اسلام) کے پاس سوادِ عراق سے تحفوں میں ایک ڈبہ لائے جس میں زہر قاتل تھا اور اس سے زیادہ سخت زہر کوئی اور نہ تھا۔ انھوں نے اس ڈبہ کو کھولا اور زہر ہتھیلی میں رکھ کر بسم اللہ پڑھی اور موتھ میں ڈال لیا اس نے کوئی نقصان نہ پہنچایا لوگ حیران رہ گئے ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عابدوں میں ایک حبشی عابد تھا جو ویرانوں میں رہتا تھا ایک دن میں بازار سے کچھ خرید کر اس کے پاس لے گیا اس نے پوچھا کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کھانا لے کر آیا ہوں اس خیال سے کہ تمھیں ضرورت ہو گی۔ وہ میری طرف دیکھ کر ہنسا اور ہاتھ کا اشارہ کیا میں نے دیکھا کہ اس ویران مکان کے تمام اینٹ پتھر سونے کے بن گئے ہیں میں اپنے کئے پر پشیمان ہوا اور جو لے گیا تھا اسے چھوڑ کر عابد کے دبدبے سے بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس گزرا اور اس سے پانی مانگا اس نے کہا میرے پاس تو دودھ ہے پانی کیوں مانگتے ہو؟ میں نے کہا مجھے پانی ہی چاہئے وہ اٹھا اور لکڑی کو پتھر پر مارا اس پتھر سے صاف و شیریں پانی جاری ہو گیا۔ میں اس سے حیران ہو گیا اس نے مجھ سے کہا تعجب نہ کرو جب بندہ حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جاتا ہے تو سارا جہان اس کے حکم کے ماتحت ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو درداء اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں سے تسبیح کے کلمات سُن رہے تھے۔

حضرت ابو سعید خراز سے منقول ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگل میں جا رہا تھا اور میرا معمول تھا کہ ہر تیسرے روز کھانا کھاتا تھا جب تیسرے دن کے بعد پھر تیسرا دن گزر گیا تو کھانا نہ ملنے سے مجھے کمزوری معلوم ہوئی طبیعت غذا کو مانگ رہی تھی میں ایک جگہ بیٹھ گیا، غیب سے ایک آواز آئی اے ابو سعید نفس کے آرام کے لئے کھانا چاہتے ہو یا وہ سبب چاہتے ہو جو بغیر غذا کے کمزوری دور ہو جائے میں نے عرض کیا اے خدا مجھے قوت چاہیئے۔ اسی وقت توانائی آ گئی، اٹھ کر بغیر کھائے پیئے بارہ[۱۲] منزلیں اور طے کر لیں۔

مشہور ہے کہ شہر تستر میں حضرت سہل بن عبد اللہ تستری کے گھر کو لوگ بیت السباع کہتے ہیں اور تستر کے رہنے والے اس پر متفق ہیں کہ ان کے پاس بکثرت درندے اور شیر آتے وہ ان کو کھانا کھلاتے اور خاطر داری کرتے تھے۔ تستر کے رہنے والے بہت لوگ ہیں۔

حضرت ابو القاسم مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ابو سعید خراز رحمہ اللہ کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا میں نے ایک جوان کو گدڑی پہنے دیکھا اور توشہ دان پہاڑی کی کھوہ میں لٹکا ہوا تھا حضرت ابو سعید نے فرمایا اس جوان کی پیشانی سے ظاہر ہے کہ یہ طریقت میں کچھ منزلیں رکھتا ہے جب اس طرف دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ پہنچا ہوا ہے۔ اور جب توشہ دان کی طرف نظر ڈالتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ یہ ابھی طالب ہی ہے۔ آؤ اس سے پوچھیں کہ کیا ہے؟ چنانچہ خراز نے پوچھا اے جوان خدا کی راہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا خدا کے راستے دو ہیں ایک عوام کی راہ ہے دوسرے خواص کی راہ۔ مگر تمہیں خواص کی راہ کا پتہ ہی نہیں ہے لیکن عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم گامزن ہو اور اپنی ریاضت مجاہدہ کو وصول حق کا ذریعہ بنائے ہوئے

ہو. اور توشہ دان کو حجاب کا سبب سمجھے ہوئے ہو۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہوا تھا تاکہ مصر سے جدہ پہنچوں. ایک جوان گدڑی پہنے ہوئے ہمارے ساتھ کشتی میں تھا. میری خواہش تھی کہ میں اس کی صحبت میں بیٹھوں مگر اس کی ہیبت سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ بہت ہی معزز تھا اس کا کوئی وقت عبادت سے خالی نہ تھا یہاں تک کہ ایک روز ایک شخص کی جواہرات کی تھیلی گم ہو گئی اس تھیلی کے مالک نے اس جوان پر الزام لگایا اور چاہتا تھا کہ وہ اس پر سختی کرے. میں نے اس سے کہا تم اس سے بات نہ کرو میں اس سے خوب اچھی طرح معلوم کر لوں گا. میں اس کے پاس گیا اور اس جوان سے نرمی سے بات کی اور بتایا کہ یہ لوگ تم پر ایسا شک کرتے ہیں. میں نے ان کو ظلم و سختی سے روکا ہوا ہے اب کیا کرنا چاہئے؟ اس نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کچھ پڑھا میں نے دیکھا کہ مچھلیاں پانی سے منہ نکالے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے مونہہ میں ایک ایک موتی ہے. اس جوان نے ان میں سے ایک موتی لیا اور اس شخص کو دے دیا کشتی میں تمام لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے وہ جوان اٹھا اور پانی پر پاؤں رکھ کر چلا گیا. جس شخص نے وہ تھیلی چرائی تھی وہ کشتی میں ہی تھا اس نے اسے نکال کر ڈال دیا تمام کشتی والے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

حضرت ابراہیم رقی رحمۃ اللہ سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابتدائے احوال میں حضرت مسلم مغربی کی زیارت کرنے گیا جب میں مسجد میں داخل ہوا تو وہ امامت کر رہے تھے اور الحمد غلط پڑھ رہے تھے میں نے دل میں کہا کہ میری محنت ضائع گئی. اس رات میں وہیں رہا دوسرے دن طہارت کے وقت اٹھا تاکہ نہر فرات کے کنارے جا کر وضو کروں راستہ میں دیکھا کہ ایک شیر راہ میں سو رہا ہے میں لوٹ آیا دیکھا کہ ایک اور شیر میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے میں مجبور ہو کر رہ گیا اس وقت حضرت مسلم مغربی اپنے حجرے سے باہر نکل آئے جب شیروں نے انہیں دیکھا تو سر جھکا کر کھڑے ہو گئے انھوں نے ہر ایک کا کان پکڑ کر سرزنش کی اور فرمایا اے خدا کے کتو! میں نے تم سے نہیں کہہ رکھا ہے کہ میرے مہمانوں کو پریشان نہ کیا کرو اور مجھ سے فرمایا اے ابو اسحٰق! تم لوگوں کے لئے ظاہری درستگی کے درپے ہو اور تم خلق سے ڈرتے ہو اور میں حق تعالیٰ کے لئے باطن کی درستگی میں مشغول اور مخلوقِ خدا ہم سے ڈرتی ہے۔

ایک دن میرے مرشد برحق رضی اللہ عنہ نے بیت الجن سے دمشق جانے کا ارادہ فرمایا. بارش ہو رہی تھی میں کیچڑ میں مشکل سے چل رہا تھا، میں نے جب اپنے مرشد کی طرف دیکھا تو ان کے کپڑے اور جوتیاں خشک تھیں. میں نے ان سے یہ عرض کیا تو فرمایا ہاں! جب سے میں نے توکل کی راہ میں اپنے قصد و ارادہ کو ختم کر کے باطن کو لالچ کی وحشت سے محفوظ کر لیا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے کیچڑ سے بچا لیا ہے۔

میں علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) اپنا واقعہ بتاتا ہوں کہ مجھے ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس کا حل کرنا مجھے سخت دشوار ہو گیا. میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمہ اللہ کی زیارت کرنے کے لئے طوس جانے کا قصد کیا. میں نے ان کو وہاں اپنے مکان کی مسجد میں تنہا پایا اور وہ میرے اس واقعہ کو بعینہٖ مسجد کے ایک ستون سے بیان کر رہے تھے میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ بات آپ کس سے فرما رہے تھے فرمایا اے فرزند! حق تعالیٰ نے اسی وقت اس ستون کو مجھ سے بات کرنے کا حکم فرمایا تھا تاکہ وہ مجھ سے سوال کرے۔

فرغانہ میں ایک گاؤں سلاسنگ نامی ہے وہاں ایک بزرگ زمین کے اوتاد میں سے تھے جنھیں لوگ باب عمر کہتے تھے اس شہر کے تمام درویش سب سے بڑے بزرگ کو باب کہا کرتے ہیں اس کے ہاں فاطمہ نام کی ایک بڑھی عورت تھی میں نے ان کی زیارت کا ارادہ کیا جب میں ان کے سامنے پہنچا تو انھوں نے پوچھا کس لئے آئے ہو؟ میں نے کہا تاکہ آپ کی زیارت کروں، شیخ نے شفقت بھری نگاہ سے میری طرف دیکھا اور فرمایا اے فرزند! میں خود فلاں روز سے برابر تمھیں دیکھ رہا ہوں اور جب تک تم مجھ سے غائب نہ ہو گئے برابر دیکھتا رہوں گا جب میں نے ان کے بتائے ہوئے دیکھنے کے دن پوچھ کر حساب کیا تو وہی روز و سال تھا جو میری توبہ و بیعت کا ابتدائی دن تھا۔ پھر فرمایا اے فرزند! مسافت طے کرنا بچوں کا کام ہے لہٰذا اس زیارت کے بعد ہمت کرو کہ حضور قلب حاصل ہو۔ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر کہا فاطمہ! فرمایا اے فاطمہ! جو موجود ہے لاؤ تاکہ یہ درویش کھائے وہ ایک طباق تازہ انگوروں کا لائی۔ حالانکہ وہ موسم انگوروں کا نہ تھا، اور طباق میں کچھ تازہ کھجوریں بھی تھیں۔ حالانکہ فرغانہ میں کھجوریں ہوتی ہی نہ تھیں۔

مہنہ میں ایک دن حضرت شیخ ابو سعید کے مزار پر عادت کے مطابق تنہا بیٹھا ہوا تھا میں نے ایک سفید کبوتر دیکھا وہ آیا اور قبر کے اوپر کی چادر کے نیچے چلا گیا میں نے خیال کیا شاید یہ کسی کا چھوڑا ہوا ہے پس میں اٹھا اور چادر کے نیچے نگاہ ڈالی تو وہاں کچھ نہ تھا دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی دیکھا میں حیرت و تعجب میں پڑ کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے انھیں خواب میں دیکھا اور اس واقعہ کی بابت ان سے دریافت کیا فرمایا وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو ہر روز قبر میں میری ہم نشینی کے لئے آتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن محمد بن علی حکیم ترمذی رحمہما اللہ نے اپنی تصنیف کے کچھ اوراق مجھے دیئے کہ میں اسے دریائے جیحون میں ڈال دوں جب باہر آ کر دیکھا تو وہ لطائف و نکتوں سے پُر تھے میرے دل نے نہ چاہا اسے اپنے گھر رکھ کر واپس آ گیا۔ اور کہہ دیا کہ میں نے ڈال دیئے انھوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا میں نے تو کچھ نہ دیکھا، فرمایا تم نے دریا میں نہیں ڈالے جاؤ ڈالو۔ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت میرے لئے دو مشکلیں تھیں ایک یہ کہ کیوں پانی میں ڈالنے کا حکم دیتے ہیں، دوسری یہ کہ وہ کیا دلیل ہے جو ظاہر ہوگی۔ میں پھر واپس ہوا اور ان اوراق کو اٹھا کر جیحون کے کنارے لایا اور ورقوں کو جونہی دریا میں ڈال دیا پانی کو دیکھا کہ وہ پھٹا اور ایک صندوق برآمد ہوا جس کا ڈھکن کھلا ہوا تھا یہ اوراق اس میں جا پڑے۔ اور صندوق کا ڈھکنا بند ہو گیا۔ اور پانی اپنے حال پر جاری ہو گیا۔ واپس آ کر ان سے تمام سرگزشت بیان کر دی فرمایا اب تم نے ڈالا ہے۔ میں نے کہا اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اس بھید کو مجھ پر روشن فرمایئے؟ فرمایا معلوم ہو جائے کہ میں نے مشائخ کے علم کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی کیونکہ ان کی تحقیق تمام عقلوں پر مشکل تھی۔ میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے اسے مانگا تھا وہ صندوق ان کے حکم سے دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو حکم دیا کہ وہ ان تک پہنچا دے۔

اگر اس قسم کی حکایتیں اور بھی لکھوں تب بھی ختم نہ ہوں گی، اس کتاب سے میری مراد اصول طریقت کا اثبات ہے۔ خاندانی معاملات نے فروع میں اپنی بہت سی کتابیں لکھیں اور ان میں بہت کچھ جمع کیا ہے۔ اور منبروں پر واعظ لوگ انھیں پھیلاتے بھی ہیں۔ اب میں مذاہب کے بارے میں چند فصلیں مزید شامل کرتا ہوں تاکہ اس مقصد کے حاصل کرنے میں کسی دوسری جگہ نہ جانا پڑے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اولیاء پر انبیاء کی فضیلت کی بحث

آگاہ رہنا چاہئے کہ تمام اوقات و احوال میں باتفاق تمام مشائخ طریقت اولیائے کرام، نبیوں کے پیروکار اور ان کے دعووں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اولیاء سے افضل ہیں اس لئے کہ جو ولایت کی انتہاء ہے وہ نبوت کی ابتداء ہے۔ تمام انبیاء، اولیاء ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام صفات بشریت کی نفی میں برقرار و متمکن ہیں اور اس میں اولیاء عارضی ہیں۔ اس لئے کہ اولیاء کے لئے جو خاص حالت طاری ہوتی ہے وہ انبیاء کا مقام ہے۔ اور جو اولیاء کا مقام ہوتا ہے وہ انبیاء کے لئے حجاب ہوتا ہے۔ اس معنے میں علماء اہلِ سنت اور محققین اہلِ طریقت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ خراسان کے حشو یوں نے اختلاف کیا جو سراپا عیب مجسم ہیں انھوں نے اصل توحید میں متناقض و متخالف باتیں کہی ہیں، حالانکہ وہ اس طریقت کی اصل کو بھی نہیں جانتے۔ اور دعوے ولی ہونے کا کرتے ہیں ٹھیک ہے وہ ولی ضرور ہیں شیطان کے ولی ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء انبیاء سے (معاذ اللہ) افضل ہیں ان کی گمراہی کے لئے یہی قول کافی ہے کہ وہ ایک جاہل کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل کہتے ہیں۔ ایک اور گروہ ہے جنہیں مشبہ کہتے ہیں جو طریقت سے محبت کا دعوے کرتے ہوتے اللہ تعالیٰ کے لئے نزول و حلول یعنے انتقال کو جائز جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر تجزی یعنے اعضاء و جوارح کو جائز مانتے ہیں طریقت میں یہی دو مذہب مذموم و برے ہیں میں وعدہ کے مطابق آخر کتاب میں انشاء اللہ ان کا مکمل بیان کروں گا۔ خلاصہ یہ کہ یہی دو گروہ مدعی اسلام ایسے ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کی تخصیص کی نفی میں برہمنوں کے ساتھ متفق ہیں۔ اور جو بھی انبیاء کی تخصیص کے انکار پر اعتقاد رکھے گا وہ کافر ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کی طرف بلانے والے اور امام مطلق ہیں۔ اور اولیاء کرام حسن اعتقاد کے ساتھ انبیاء کے پیروکار ہیں یہ محال ہے کہ مقتدی و ماموم اپنے امام و رہنما سے افضل ہو۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہئے کہ تمام اولیاء کے احوال و انفاس اور ان کے معاملات کو نبی کے صدق کے ایک قدم کے پہلو میں رکھا جائے تو وہ تمام احوال و انفاس پریشان و معدوم نظر آئیں گے اس لئے کہ اولیاء راہِ حق کے طالب و سالک ہیں اور انبیاء خدا کے حضور پہنچے ہوئے اور مقصود کو پائے ہوئے ہیں پھر وہ دعوت و تبلیغ کے حکم کے تحت واپس ہو کر قوم کو دعوت و تبلیغ فرماتے ہیں،

اگر کوئی مذکورہ ملحدوں میں سے (اللہ ان پر لعنت کرے) یہ کہے کہ یہ قاعدہ و دستور ہے کہ جب کسی ملک سے کسی ملک کی طرف رسول و قاصد آتا ہے تو وہ مبعوث الیہ یعنے جس کی طرف بھیجا گیا ہو وہ اس قاصد و رسول سے افضل ہوتا ہے جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ پیدا کردہ صورت غلط ہے۔ میں کہتا ہوں اگر کسی ملک سے ایک شخص کی طرف قاصد آئے تو مرسل الیہ جس کی طرف قاصد بھیجا گیا ہے وہ قاصد سے افضل ہوگا جس طرح کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک ایک رسول و نبی کی طرف آتے رہے تو وہ سب نبی و رسول حضرت جبریل سے افضل ہیں لیکن جب قاصد و رسول کو ایک جماعت اور کسی قوم کی طرف بھیجا جائے تو وہ قاصد و رسول یقیناً اس قوم و جماعت سے افضل ہوگا جس طرح کہ ہر نبی اپنی اپنی امت کی طرف مبعوث ہوا۔ اور اس میں کسی عقلمند کو حکم احادیث کے مطابق کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا انبیاء

ہم السلام کا ایک سانس اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے اس لئے کہ اولیاء جس وقت عادت وعرف کے مطابق انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں تب مشاہدہ کی خبر دیتے اور حجاب بشریت سے خلاصی پاتے ہیں خواہ کتنے ہی عین بشر ہوں لیکن نبی ورسول کا پہلا قدم ہی مشاہدہ میں ہوتا ہے جبکہ نبی ورسول کا ابتداء ولی کی انتہاء ہوتی ہے تو ان کو ان کے ساتھ قیاس نہیں کر سکتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اولیاء کے تمام طالبان حق متفق ہیں کہ تفرقوں سے نکل کر مقام جمع میں ہونا ولایت کا کمال ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب غلبۂ محبت ودوستی میں کسی درجہ میں پہنچتا ہے تو اس کی عقل فعل میں فکر کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے اور شوقِ محبت میں سارے جہان میں فاعل حقیقی کا ہی فعل سمجھتا ہے چنانچہ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ذالت عنا دیتہ ماعبدناہ یعنے اگر اس کا دیدار ہم سے جدا ہو جائے تو ہم سے بندگی کا نام جاتا رہے۔ اس لئے کہ عبادت کی شرافت اس کے دیدار کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور نبیوں کے لئے یہ معنے ان کے حال کی ابتداء ہے۔ کہ ان کی تمام زندگی میں تفرقہ کی صورت پیدا ہی نہیں ہوتی اور ان کی نفی واثبات، مسلک و مقطع، اقبال و اعراض اور ہدایت و نہایت سب کے سب عین جمع ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ابتدائی حال یہ ہے کہ جب آفتاب کو دیکھا تو فرمایا ھٰذا ربی، چاند ستاروں کو دیکھا تو فرمایا ھٰذا ربی۔ کیونکہ ان کے دل پر حق کا غلبہ تھا اور عین جمع میں اپنے اجتماع میں غیر کو نہ دیکھا اگر دیکھا بھی تو دیدۂ جمع سے دیکھا اور عین دیدار کو اپنے دیدار سے بیزاری کا اظہار کر کے کہا لا احب الآفلین یعنے میں چھپنے والے کو محبوب نہیں رکھتا۔ ابتداء میں بھی جمع اور انتہاء میں بھی جمع ہے۔ یہاں تک کہ بلاشبہ ولایت کے لئے ابتدائی کی حد ہے اور نبوت کے لئے نہیں ہے یہاں تک کہ ابتداء ہوتی بھی ہے تو نبوت سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی نبوت پر ہوتی ہے اور اس سے قبل کہ مخلوق بھی موجود نہ تھے اس وقت بھی حق کی مراد وہی تھے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا انبیاء علیہم السلام کے حال میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا افسوس ہمیں ان کے بارے میں کوئی اختیار نہیں جو کچھ بھی ان کے بارے میں ہم کہیں گے وہ سب ہم ہی ہوں گے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے نفی واثبات کو اس درجہ میں رکھا ہے کہ مخلوق کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ سکتی چنانچہ جس طرح اولیاء کے مرتبہ کے ادراک سے لوگ عاجز ہیں کیونکہ ان کا ادراک نہاں ہے اسی طرح اولیاء بھی انبیاء کے مرتبہ کے ادراک سے عاجز ہیں کیونکہ ان کے لئے ان کا ادراک نہاں ہے۔

حضرت ابو یزید رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے مانے ہوئے صاحب حجت تھے وہ فرماتے ہیں کہ اول ماسرت الی الوحدانیۃ فصرت طیرا جسمہ من الاحدیۃ وجناحہ من الدیمومیۃ فلم ازل اطیر فی ھواء الھویۃ حتی الی ھواء التنزیہ ثم اشرفت علیٰ میدان الازلیۃ ورایۃ شجر الاحدیۃ فنظرت فعلمتہ ان ھذا کلا غیرہ۔ مطلب یہ کہ میں نے دیکھا میرا بھید آسمانوں پر لے جایا گیا کسی چیز پر نگاہ نہ ڈالی۔ جنت و دوزخ دکھائے گئے ان کی طرف بھی نگاہ نہ ڈالی اور موجودات اور حجابات سے گذارا گیا ان کی طرف بھی التفات نہ کیا نصرت طیرا اس وقت میں پرندہ بن گیا اس کا جسم احدیت سے تھا اور اس کے بال و پر دیمومیت سے تھے ذاتِ حق کی محبت میں برابر اڑتا رہا یہاں تک کہ میں مقام تنزیہ سے گزرا اور ازلیت کے میدان سے مشرف ہوا وہاں احدیت کے درخت کو میں نے دیکھا جب میں نے نگاہ ڈالی تو وہ سب کچھ

میں ہی تھا۔ مناجات کی اے خدا میری خودی کو تیری طرف راستہ نہیں ملتا۔ اور مجھے اپنی خودی سے کوئی راہ نکلنے کی نظر نہیں آتی رہنمائی فرما مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ فرمانِ الٰہی ہوا۔ اے بایزید۔ تمہاری اپنی خودی سے نجات ہمارے دوست کی متابعت سے وابستہ ہے اپنی آنکھوں کے لئے اس کے قدموں کی خاک سُرمہ بنا۔ اور اس کی پیروی میں ہمیشہ مصروف رہو۔

یہ حکایت بہت طویل ہے اہلِ طریقت اس کو بایزید کی معراج کہتے ہیں۔ معراج سے ان کی مراد قربِ حق تعالیٰ ہے۔ لہٰذا انبیاء کی معراج ازروئے اظہار ان کی ذات و جسم کے ساتھ ہے اور اولیاء کی معراج ازروئے ہمت و اسرار ہے۔ اور انبیاء کے اجسام صفا و پاکیزگی اور قرب میں متصف ہیں جس طرح اولیاء کے دل ان کے اسرار کا مسکن ہے۔ یہ فضیلت ظاہر ہے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ولی کو اپنے حال میں مغلوب کر کے مدہوش کر دیا جاتا ہے اس وقت اس کے باطنی درجات کو اس سے غائب کر کے قربِ حق سے سرفراز کر دیا جاتا ہے اور جس وقت حالِ صحو میں واپسی ہوتی ہے تو وہ تمام دلائل اس کے دل میں منقش ہوتے ہیں اور اس کا علم اسے حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ شخص جس کے جسم کو قرب میں لے جایا جائے یعنی نبی کو، اور وہ شخص جس کے فکر کو قرب میں لے جایا جائے دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فرشتوں پر انبیاءؑ و اولیاءؒ کی فضیلت کی بحث

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اہلِ سنت و جماعت اور جمہور مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور وہ اولیاء جو محفوظ ہیں فرشتوں سے فضل ہیں معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرشتوں کو انبیاء سے افضل کہتے ہیں۔ ان کا مذہب ہے کہ فرشتوں کا مرتبہ بہت بلند ان کی خلقت لطیف تر اور حق تعالیٰ کے سب سے بڑھ کر فرماں بردار ہیں۔ اس لئے یہی لائق ہے کہ انہیں افضل کہا جائے ہم جواب کہتے ہیں کہ حقیقت تمہارے اس تصور و گمان کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ بدنی اطاعت، بلند مرتبت اور لطیف خلقت فضلِ الٰہی کے لئے علت نہیں ہے فضیلت وہاں ہوتی ہے جہاں حق تعالیٰ رکھے۔ جو کچھ تم فرشتوں کے لئے کہتے ہو وہ سب ابلیس کو بھی حاصل تھا لیکن بالاتفاق وہ ملعون و رسوا ہوا۔ لہٰذا فضیلت اسی کو ہے جسے حق تعالیٰ فضیلت دے کر خلق پر بزرگ بنائے۔

انبیاء علیہم السلام کی فضیلت پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ جسے سجدہ کیا جائے اس کا حال سجدہ کرنے والے کے حال سے بلند ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خانہ کعبہ جو پتھر اور بے حس و حرکت جماد ہے مسلمان اس سے افضل ہو کر اس کی طرف سجدہ کرتا ہے لہٰذا جائز ہے کہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوں اگرچہ وہ انہیں سجدہ کریں۔ ہم جواب دیں گے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ مسلمان خانہ کعبہ یا محراب و دیوار کو سجدہ کرتا ہے مگر سب یہی کہتے ہیں کہ خدا کے لئے سجدہ کرتے ہیں۔ اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا تھا یہ فرمانِ الٰہی کی موافقت میں ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے جب سجدہ کا ذکر فرمایا تو کہا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ یعنے ہم فرشتوں سے کہتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اور جب مسلمانوں کے سجدہ کا ذکر فرمایا تو ارشاد ہوا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ الآیہ۔ خدا کے لئے سجدہ

کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور نیکی بجالاؤ۔"

لہٰذا خانۂ کعبہ آدم علیہ السلام کے مانند نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسافر جب خدا کی عبادت کرنا چاہتا ہے تو سواری کی پشت پر خدا کی عبادت کرتا ہے اگر سواری کا رخ خانہ کعبہ کی طرف نہ ہو تو معذور ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس پر سمت قبلہ ظاہر نہ ہو اور جنگل میں کوئی بتانے والا نہ ہو وہ جدھر چاہے رخ کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں کوئی عذر نہ ہوا اور وہ جس نے اپنے آپ عذر بنا لیا وہ ملعون و رسوا ہوا بصیرت والے کے لئے یہ دلائل واضح ہیں۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیئے کہ فرشتہ اگرچہ معرفت الٰہی میں برابر ہیں تو اس سے درجہ میں برابری کس طرح لازم آسکتی ہے کیونکہ فرشتوں کی خلقت میں نہ تو شہوت ہے، نہ دل میں حرص و آفت ہے اور نہ طبیعت میں ذوق و حیلہ۔ ان کی غذا طاعت، ان کا پینا فرمان الٰہی پر اقامت ہے۔ پھر یہ کہ آدمی کی سرشت میں شہوت مرکب ہے۔ ارتکاب معاصی اس سے ممکن، اور دنیا کی زیب و زینت اس کے دل میں اثر انداز اور اس کی طبیعت میں حرص و حیلہ موجزن ہے اور شیطان کو اس کی ذات میں اتنا غلبہ کہ اس کی رگوں میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے اور وہ اس نفس کے ساتھ پیوست ہے جو کہ تمام برائیوں اور آفتوں کا سرچشمہ ہے لہٰذا جس کے وجود میں یہ تمام باتیں شامل ہوں پھر وہ غلبۂ شہوت کے امکان کے ساتھ فسق و فجور سے پرہیز کرے اور سراپا حریص ہو کر دنیا سے مونھ موڑے اور اس کے دل میں شیطانی وسوسے باقی رہتے ہوئے معاصی سے رجوع و تائب ہو اور وہ نفسانی آفتوں سے روگردانی کر کے بندگی پر قائم، طاعت پر مستحکم ہو کر مجاہدۂ نفس اور مجادلۂ شیطان میں مشغول ہو درحقیقت وہی فرشتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ فرشتوں کی خصلت میں نہ تو شہوت سے معرکہ آرائی ہے اور نہ ان کی طبیعت میں غذا و لذت کی خواہش ہے نہ بیوی بچوں کا غم ہے نہ خویش و اقربا کی مشغولیت ہے نہ کہ سبب و وسیلہ کے محتاج ہیں نہ امید و آفت کا استغراق ہے۔ مجھے اس شخص پر تعجب و افسوس ہے جو افعال و کردار میں فضل کو دیکھتا ہے یا خوبی و جمال میں عزت کو دیکھتا ہے یا حصول مال میں بزرگی کو دیکھتا ہے وہ جلدی ہی اس نعمت و بزرگی کو اپنے سے زائل دیکھے گا۔ وہ کیوں مالک الاعیان یعنی حق تعالیٰ کے افعال میں فضل کو نہیں دیکھتا، کیوں رضائے الٰہی میں عزت کو نہیں دیکھتا اور کیوں معرفت و ایمان میں بزرگی کو نہیں دیکھتا تاکہ اس نعمت کو خود میں ہمیشہ ہمیشہ دیکھے اور دونوں جہان میں اپنے دل کو خوشی و شادمانی میں دیکھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام جنھوں نے ہزارہا سال خلعت کے انتظار میں خدا کی بندگی کی مگر ان کی خلعت حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلوات اللہ علیہ کی خدمت گزاری میں تھی۔ یہاں تک کہ شب معراج انھوں نے حضور کی سواری کی خدمت کی وہ کس طرح ان سے افضل ہو سکتے ہیں جنھوں نے دنیا میں نفس کی ریاضت کی۔ دن رات مجاہدہ کیا اور حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ مہربانی فرمائی اور اپنی ذات کے دیدار سے سرفراز فرمایا اور انھیں تمام خطرات سے صحیح رکھا۔ اور جب فرشتوں کی نخوت حد سے گزر گئی اور ہر ایک نے اپنے معاملہ کی صفائی کو اپنا ذریعہ بنا لیا اور آدمی کے حق میں زبان ملامت دراز کی تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا حال ان پر ظاہر فرما دے تو اے فرشتو اپنے میں سے تین ایسے بزرگ فرشتے منتخب کر لو جن پر تمہیں اعتماد ہو وہ زمین میں جا کر زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور مخلوق الٰہی کو صلاح و راہ راست پر لائیں اور آدمیوں میں عدل و انصاف کریں۔ فرشتوں نے تین فرشتے چن لئے ان میں سے ایک تو زمین پر آنے سے پہلے ہی زمین کی آفتوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنے لگا کہ مجھے زمین پر نہ بھیجا جائے چنانچہ حق تعالیٰ

نے اسے روک دیا اور بقیہ دو فرشتے زمین پر آتے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی خلقت و سرشت کو بدل دیا تاکہ کھانے پینے کے خواہشمند ہوں اور شہوت کی طرف مائل ہوں۔ یہاں تک کہ اس پر انہیں مستوجب سزا بنایا۔ اور فرشتوں نے آدمیوں کی فضیلت کو خود پر ظاہری طور پر جان لیا۔

خلاصہ یہ کہ خواص مومن، خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام مومن عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ لہٰذا وہ جو معصوم و محفوظ نہیں ہیں وہ حفظہ اور کراماً کاتبین سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب :

اس معنے میں بکثرت اقوال ہیں۔ اور ہر ایک شیخ طریقت نے کچھ نہ کچھ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بزرگی سے سرفراز فرماتا ہے و باللہ التوفیق

تصوف میں حکیموں کے مذہب کے متعلقات اور صوفیاء کے باہمی اختلافات یہ ہیں جسے ہم نے اختصار کے طور پر بیان کر دیئے ہیں۔

واضح رہنا چاہئے کہ درحقیقت ولایت، اسرار الٰہی میں سے ایک سر ہے جو ریاضت و مجاہدہ اور تربیت کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا اور ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے اگر اس حقیقت کا اظہار ہر صاحب عقل پر جائز ہوتا تو دوست، دشمن سے ظاہر نہ ہوتا۔ اور واصل بحق غافل سے ممتاز نہ ہوتا۔ لہٰذا مشیت الٰہی یہی ہے کہ دوستی و محبت کے جوہر کو ذلت و خواری کی سیپ یعنے صدف میں لوگوں سے محفوظ رکھا اور اسے بلاؤں کے دریا میں چھپایا۔ تاکہ اس کا طالب اپنی جان عزیز کو اس کے فرمان کے تحت خطرے میں ڈالے اور اس جان لیوا دریا میں گذارہ کرے اور دریا کی گہرائی میں غوطہ زن ہو کر اپنی مراد کو حاصل کرے یا اسی طلب میں دنیا سے کوچ کر جائے۔ میں چاہتا تھا کہ اس اصل کو طول دوں لیکن تمہارے ملال کا خوف اور میری طبیعت کی ناگواری مانع ہو گئی۔ مرید کے لئے اس طریقت میں اتنا ہی کافی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

فرقہ خرازیہ

خرازی فرقہ کے پیشوا حضرت ابوسعید خرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ طریقت میں ان کی تصانیف بہت واضح ہیں۔ اور تجرید و انقطاع میں ان کی شان بہت عظیم ہے۔ اور فنا و بقا کے حال کا بیان سب سے پہلے انھوں نے کیا ہے۔ اور طریقت کے تمام رموز کو آپ نے انہی دو کلموں میں پوشیدہ کر دیا ہے۔ اب ان کے معنے بیان کرتا ہوں اور اس باب میں جنھوں نے غلطیاں کی ہیں ان کو لاتا ہوں تاکہ تم جانو کہ ان کا مذہب کیا ہے اور اس جماعت کا مقصود ان مستعمل دو لفظوں سے کیا ہے۔

بقا اور فنا کی بحث

اللہ عزوجل فرماتا ہے ماعندکم ینفد وماعند اللہ باق: جو تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے کل من علیہا فان ویبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام: زمین پر جو کچھ ہے وہ فنا ہونے والی ہے اور تمہارے رب کی عزت و جلال والی ذات باقی رہنے والی ہے۔

واضح رہنا چاہئے کہ علم کی زبان میں فنا و بقا کے معنے اور ہیں اور زبان حال میں اس کے معنے اور ہیں۔ اور علماء ظواہر جتنے اس کے معنے میں حیران ہوا ہے اتنے اور کسی معنے میں نہیں ہیں۔ لہٰذا بقا کے معنے زبان علم اور مقتضائے لغت میں تین قسم کے ہیں ایک یہ کہ بقا وہ ہے جس کا ابتدائی کنارہ بھی فنا میں ہے

اور اس کا آخری کنارہ بھی فنا میں مثلاً دنیا کہ یہ ابتدا میں بھی نہ تھا اور انتہا میں بھی نہیں ہوگا۔ اور موجودہ وقت میں باقی ہے۔ اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ بقا سرے سے موجود ہی نہ ہو اور جب موجود ہو جائے تو پھر وہ فنا ہی نہ ہو۔ وہ بہشت و دوزخ اور آخرت کا جہان اور اس کے رہنے والے ہیں۔ اور بقا کے تیسرے معنے یہ ہیں کہ نہ وہ آگے معدوم ہوا اور نہ پہلے۔ مگر یہ حق تعالیٰ کی ذات قدس اور اس کے صفات ہیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک اپنی قدیم صفات کے ساتھ رہے گا۔ اور دائمی بقا سے مراد اس کا دائمی وجود ہے۔ اور کوئی بھی اس کی ذات و صفات میں کسی نوعیت سے بھی اس کا شریک سہیم نہیں ہے۔ اور فنا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا ہے کہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا ہے کہ آخرت باقی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والآخرۃ خیر وابقٰی (آخرت بہتر اور مدت تک باقی رہنے والی ہے) اس آیت میں ابقٰی کا لفظ مبالغہ کے لئے استعمال ہوا۔ کیونکہ آخرت کی عمر کے لئے اس جہان میں فنا نہیں ہے۔

لیکن بقائے حال اور فنائے حال سے مراد یہ ہے کہ جہالت کے لئے یقیناً فنا ہے اور علم باقی رہنے والا ہے۔ چنانچہ معصیت فانی ہے اور طاعت باقی۔ بندہ جب اپنی طاعت کا علم حاصل کر لیتا ہے تو غفلت جہالت معدوم ہو کر بقا کے ذکر میں باقی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ بندہ جب حق تعالیٰ کے ساتھ عالم و دانا بن جاتا ہے تو وہ اس کے علم کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اس سے جہل فنا ہو جاتا ہے اور جب غفلت سے فانی ہوتا ہے تو وہ غفلت کے ذکر میں باقی ہوتا ہے۔ یہ بیان مذموم اوصاف کو دور کرنے اور پسندیدہ اوصاف کے قائم کرنے میں ہے لیکن خواص اہل طریقت کے نزدیک اس کی یہ مراد نہیں ہے جیسے ہم نے بیان کیا ان کے اشارات اصل طریقت میں علم و حال کے ماتحت نہیں ہیں وہ فنا و بقا کا استعمال بجز اہل ولایت کے درجۂ کمال کے نہیں کرتے ہیں۔ (خواص اہل طریقت کے نزدیک فنا و بقا سے متصف) وہ حضرات ہیں جو مجاہدے کی مشقت سے آزاد ہو چکے ہیں اور مقامات کی قید اور احوال کے تغیر سے رستگاری کر کے طلب مقصود میں فائز المرام ہو چکے ہیں۔ ان کے دیکھنے کی تمام صلاحیتیں حق تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے سننے کی تمام صلاحیتیں کلام الٰہی کے سننے میں پیوست ہیں۔ اور دل سے جاننے کی تمام استعدادیں اسرار الٰہی کے حصول میں منہمک ہو چکے ہیں۔ یہ حضرات اہل ولایت اپنے اسرار کے حصول میں خود بینی کی آفت کو دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ وہ سب سے کنارہ کش ہو کر مرادیں ان کے ارادے فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ واصل بحق ہو کر ہر دعویٰ سے بیزار اور ہر لحاظ سے منقطع کرامتوں سے محجوب اور مقامات کو دیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ عین مرادیں آفتوں کا لباس پہنے ہوئے مراد سے بے مراد ہوتے ہیں۔ وہ ہر مشرب سے جدا ہو کر ہر شئے مانوس کی انسیت سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ۔ تاکہ ہلاک ہوں تو مشاہدہ سے ہلاک ہوں اور زندہ ہو تو مشاہدے سے زندہ ہو۔

اسی معنے میں میں کہتا ہوں ؎

فنیت فنای بفقد ھوای ۔ فصار ھوائی فی الامور ھواک

فاذا فنی العبد عن اوصافہٖ ۔ ادرک البقاء بتمامہٖ

یعنے میں نے فنا کو اپنی خواہش کو ناپید کر کے فنا کیا ۔ ہر امر میں میری خواہش صرف تیری ہی محبت ہے

لہٰذا جب بندہ اپنے بشری اوصاف کو فنا کر دیتا ہے تو اس وقت بقا کے معنے پورے طور پر جان لیتا ہے۔

مطلب یہ کہ بندہ جب وجود اوصاف کی حالت میں، وصفوں کی آفتوں سے فانی ہو جاتا ہے تو اس وقت مراد کی فنا میں، مراد کی بقا کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا قرب و بعد بھی نہیں رہتا۔ نہ وحشت و انس رہتا ہے نہ صحو و سکر۔ نہ فراق و وصال رہتا ہے نہ مایوسی و طمع، نہ اسماء و اعلام رہتے ہیں نہ نقوش و رسوم۔ اس سلسلہ میں ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ذہب مقامی والرسوم کلاہما ۔ فلست اری فی الوقت قرباً ولا بعداً

فنیت بمعنی بان لی الہدی ۔ فہذا ظہور الحق عند الفناء قصداً

یعنی میرا مقام اور رسوم دونوں ناپید ہو گئے ۔ جس وقت میں نزدیکی و دوری کچھ نہیں دیکھتا

لہٰذا اسے اپنے سے فنا کر یا تب میرے لئے ہدایت کی راہ کھلی ۔ اب راہ حق کا ظہور، بالقصد فنا کے بعد ہے

درحقیقت اشیاء کی فنا، اس کی آفتوں کو دیکھے بغیر اور ان کی خواہش کی نفی کئے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ اور جسے یہ خیال ہے کہ اشیاء کی فنا، اس چیز کے حجاب میں ہونے کے سوا درست نہیں۔ وہ خطا و غلطی پر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ آدمی کسی چیز کو دوست رکھے اور کہے کہ میں اس کے ساتھ باقی ہوں۔ یا یہ کہ وہ کسی چیز سے دشمنی رکھے اور کہے کہ میں اس کے ساتھ فانی ہوں۔ کیونکہ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں۔ فنا میں محبت و عداوت نہیں ہے اور نہ بقا میں جمع و تفرقہ کی رویت ہے۔ ایک گروہ کو اس سلسلہ میں غلطی لاحق ہوئی ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ ذات کے گم ہونے اور وجود کو ناپید کرنے کا نام فنا ہے۔ اور بقا یہ ہے کہ بندہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی بقا مل جائے یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔

میں نے ہندوستان (غیر منقسم ملک) میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا اس نے اس کے معنے میں مجھ سے مناظرہ کیا جب میں نے اسے دیکھا تو وہ نہ فنا کو جانتا تھا اور نہ بقا کو۔ نہ قدیم و حادث کے فرق کو پہچانتا تھا ایسے جاہل قسم کے لوگ بہت ہیں جو فنائے کلیت کو جائز جانتے ہیں حالانکہ یہ کھلی ہٹ دھرمی اور مکابرہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کسی چیز کے اجزائے ترکیبی کی فنا اور اس سے ان اجزاء کی جدائیگی جائز ہی نہیں ہے میں ان جاہل خطاکاروں سے پوچھتا ہوں کہ ایسی فنا سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ اگر کہو کہ ذات کی فنا ہے تو یہ محال ہے اور اگر کہو کہ وصف کی فنا ہے تو اسے ہم جائز رکھتے ہیں کیونکہ فنا ایک علیحدہ صفت ہے اور بقا کے ساتھ ایک اور علیحدہ صفت ہے اور ان دونوں صفتوں سے متصف بندہ ہوگا اور یہ محال ہے کہ کوئی شخص کسی جداگانہ ہستی اپنے سوا کسی دوسرے کی صفت سے قائم ہو۔

اور نسطوریوں کا مذہب جو رومی نصرانیوں کا ہے یہ ہے کہ سیدنا مریم رضی اللہ عنہا مجاہدہ کے ذریعہ تمام ناسوتی صفات کو فنا کر کے لاہوتی بقا کے ساتھ قائم ہو گئی ہیں اور انہوں نے ایسی بقا پائی ہے کہ معبود کی بقا کے ساتھ باقی ہو گئیں۔ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عناصر ترکیبی کی بنیاد، انسانی عناصر سے نہیں ہے کہ انسان کے ساتھ بقا ہو۔ ان کا تحقق بقائے الوہیت کے ساتھ ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اور ان کی والدہ مریم اور اللہ تعالیٰ ایک ہی بقا کے ساتھ باقی ہیں جو کہ قدیم ہے اور حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ (معاذ اللہ) یہ سب باتیں ان

حشویوں کے قول کے موافق ہیں جو مجسمہ و مشبہ کے قایل ہیں اور حق تعالیٰ کو محل حوادث کہتے ہیں اور قدیم کے لئے حدث کی صفت جائز مانتے ہیں (معاذ اللہ) میں ان سب کے جواب میں کہتا ہوں کہ کیا محدث، قدیم کا محل ہوتا ہے کیا قدیم کے لئے حدث کی صفت ہو سکتی ہے۔ اور کیا حادث کے لئے قدیم صفت ہو سکتی ہے۔ اس کا جائز رکھنا دہریوں کا مذہب ہے وہ حدوث عالم کی دلیل کو باطل کرتے ہیں اور اس سے مصنوع اور صانع دونوں کو قدیم کہنا چاہتے ہیں یا دونوں کو محدث۔ یعنے مخلوق کا ترکیب امتزاج نامخلوق یعنے خدا کے ساتھ اور نامخلوق یعنے خدا کا حلول مخلوق کے ساتھ بتانا چاہتے ہیں ایسی خرابی و بدمذہبی ایک نصیبی بخیل کو سزاوار ہے اس لئے کہ جبکہ وہ قدیم کو محل حوادث کہتے ہیں یا حوادث کو محل قدیم کہتے ہیں تو مصنوع اور صانع دونوں کو قدیم ہی کہنا چاہئے اور جب دلیل سے ثابت ہے کہ مصنوع حادث ہے تو لامحالہ صانع کو بھی محدث ہی کہنا چاہئے کیونکہ کسی چیز کا محل اس چیز کے عین کی مانند ہوتا ہے جب محل حادث ہے تو چاہئے کہ حال بھی محدث ہو۔ لہٰذا ان سب باتوں سے لازم آتا ہے کہ محدث کو قدیم کہیں یا قدیم کو محدث۔ حالانکہ یہ دونوں ضلالت و گمراہی ہے۔ بخلاصہ یہ کہ جو چیز کسی دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی متصل، متحد اور ممتزج ہو ان دونوں کا حکم یکساں ہوتا ہے لہٰذا ہماری بقا، ہماری صفت ہے اور ہماری فنا، ہماری صفت ہے اور ہمارے اوصاف کی خصوصیت میں ہماری فنا، ہماری بقا کی مانند اور ہماری بقا، ہماری فنا کی مانند ہوتی۔ لہٰذا ہماری فنا ایسی صفت ہوئی جو ہماری بقا کے ساتھ ایک اور صفت ہے

پھر اگر کوئی فنا سے یہ مراد لے کہ بقا کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ جائز ہے اور اگر بقا سے یہ مراد لے کہ فنا کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ اس کی مراد اس فنا سے غیر کے ذکر کی فنا ہے اور بقا سے حق تعالیٰ کے ذکر کی بقا ہے۔ من فنیٰ من المراد بقیٰ بالمراد یعنے جو اپنی مراد سے فانی ہو گیا وہ مراد حق سے باقی ہو گیا، اس لئے کہ تیری مراد فانی ہے اور حق تعالیٰ کی مراد باقی ہے۔ جب تم اپنی مراد کے ساتھ ہو گے تو تمہاری مراد فانی ہوگی اور فنا کے ساتھ قیام ہوگا۔ پھر جب تم حق کی مراد کے ساتھ متصرف ہو گے تو حق کی مراد کے ساتھ باقی ہو گے اور بقا کے ساتھ قائم ہو گے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جو چیز آگ کے غلبہ میں ہوگی اس کے غلبہ کی وجہ سے اس میں بھی وہی صفت ہو جائے گی۔ جبکہ آگ کا غلبہ اس چیز کی صفت کو دوسری صفت کے ساتھ بدل دیتا ہے تو حق تعالیٰ کے ارادہ کا غلبہ آگ کے غلبہ سے بدرجۂ اولیٰ بہتر ہے۔ لیکن آگ کا یہ تصرف لوہے کے وصف میں ہے نہ کہ لوہے کی ذات میں کیونکہ لوہا ہرگز آگ نہیں بن جاتا ہے واللہ اعلم۔

مشائخ کے رموز و لطائف

فصل

فنا و بقا کی تعریف میں ہر شیخ طریقت نے رموز و نکات بیان کئے ہیں چنانچہ صاحب مذہب حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ الفناء فناء العبد عن رؤیۃ العبودیۃ والبقاء بقاء العبد بمشاھدۃ الالٰھیۃ، فنا یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی کی دید سے فانی ہو کر

بقا: یہ کہ بندہ مشاہدۂ الٰہی سے باقی ہو ۔

مطلب [illegible] یہ کہ بندگی کے افعال کے دیکھنے میں آفت ہے اور بندہ بندگی کی حقیقت سے اس وقت روشناس ہوتا ہے جبکہ اپنے افعال کو نہ دیکھے اور اپنے افعال دیکھنے سے فانی ہو اور فضل الٰہی کی دید سے باقی ہو تاکہ اس کے معاملہ کی نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہو نہ اس کے ساتھ۔ اس لئے کہ بندہ کے ساتھ جب تک اس کے افعال سے تعلق رہے اس وقت تک وہ ناقص رہتا ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی نسبت ہو جاتی ہے تو وہ پورے طور پر کامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب بندہ اپنے متعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تب کمال الٰہیت سے باقی ہو جاتا ہے ۔

حضرت یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ صحۃ العبودیۃ فی الفناء والبقاء : بندگی کی صحت درستگی فناء اور بقاء میں ہے ۔ اس لئے کہ جب تک بندہ اپنے ہر تعلق و نسبت سے بیزاری نہ کرے خلوص کے ساتھ خدمت الٰہی کے لائق نہیں بنتا لہٰذا انسان کا اپنے تعلق سے بیزاری کرنا فنا ہے اور بندگی میں خلوص کا ہونا بقا ہے ۔

حضرت ابراہیم شیبانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ علم الفناء والبقاء یدور علی الاخلاص والوحدانیۃ وصحۃ العبودیۃ وما کان غیر ھذا فھو المغالیط والزندقۃ ، فنا و بقا کا علم اخلاص ، وحدانیت اور بندگی کی درستی پر لوٹتا ہے ، اور جو کچھ اس کے سوا ہے وہ غلط اور بے دینی ہے ۔

مطلب یہ کہ فنا و بقا کے علم کا قاعدہ اخلاص اور وحدانیت پر ہے۔ یعنی جب بندہ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو حکم الٰہی میں مغلوب اور مجبور دیکھتا ہے۔ اور جو مغلوب ہوتا ہے وہ غالب کے غلبہ میں فانی ہوتا ہے۔ جس وقت اس پر اس کی فنا درست ہو جاتی ہے اور اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے تب وہ عجز بندگی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ اپنی تمام صلاحیتیں بارگاہ الٰہی کی رضا میں گم کر دیتا ہے اور جو شخص فنا و بقا کی [illegible] کے سوا تعریف کرتا ہے یعنی وہ فنا کو ذات کی فنا اور بقاء کو بقائے حق سے تعبیر کرتا ہے وہ زندیق ہے۔ یہ مذہب نصاریٰ کا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔

میں یعنی علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ یہ تمام اقوال معنیٰ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اگرچہ بقا کی عبارتیں مختلف ہیں۔ ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ فنا کے لئے جلال حق کی دید اور دل پر اس کی عظمت کا کشف مشاہدہ کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کے غلبہ میں اس کے دل سے دنیا و آخرت فراموش ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ہمت کی نظر میں احوال و مقام حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں اور اس کی [illegible] ظہور کرامت پراگندہ اور عقل و نفس سے فانی ہو جاتے ہیں اور فنا سے بھی فانی ہو جاتا ہے اور عین فنا میں گم ہو کر اس کی زبان حق کے ساتھ گویا ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں خشیت اور جسم میں عاجزی اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے جس طرح کہ ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام [illegible] ذریت کے اخراج کے وقت بندگی کے اقرار میں آفت شامل نہ تھی۔ ایک بزرگ اس معنیٰ میں فرماتے ہیں کہ ؎

فکنت ان کنت ادری کیف السبیل الیکا ۔ فنیتنی عن جمیعی فصرت ابکی علیکا

یعنے اگر میں جانتا کہ تجھ تک پہنچنے کی راہ کو دوئی ہے تو میں سب سے پہلے اپنے آپ کو فنا کر دیتا اور تیری یاد میں مدام رہتا ۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

فنائی فنائی فنائی ، وفی فنائی وجدت انت ، محوت اسمی و رسم جسمی ، سألت عنی فقلت انت

یا فنا تیں اپنی فنا کی فنا ہے اور اپنی فنا میں تجھے پایا ۔ میں نے اپنے نام اور اپنے جسم کی رسم کو مٹا دیا۔ تو نے جو مجھ سے کچھ پوچھا تو میں نے کہدیا تو ہی جانتا ہے ۔

غرض تصوف کے باب میں فناء و بقاء کے احکام ہر جگہ یہی ہیں جو مختصر بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں کہیں فناء و بقاء کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی ہے۔ یہ ہے قاعدہ خرازیوں کے مذہب کا اور تمام زمانہ کے بعض ... اصل پر کلام ... داخل ہو وہ ماہوئی۔ اس جماعت میں یہ قول عام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

خفیفیہ

فرقہ خفیفیہ کے پیشوا ابو عبداللہ محمد ابن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یہ کبار و سادات مشائخ اور ان کے محبوب تھے اور اپنے زمانہ میں ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے۔ طریقت کے علم و فنون میں ان کی تصانیف معروف اور ان سے زیادہ مشہور ہیں۔ جو ... سے باہر ہیں۔ غرضکہ وہ عزیز زمانہ، عزیز النفس اور پاکیزہ صفات تھے۔ وہ نفسانی خواہشوں کی پیروی سے کنارہ کش تھے۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے چار سو نکاح کئے تھے۔ اس کی وجہ یہ کہ وہ بادشاہوں کے خاندان سے تھے۔ جب ان کا وقت اچھا ہوا تو شیراز کی تمام لڑکیاں ... گئے جب ان کا حال بزرگ ہو گیا تو شاہی خاندان اور ... تبرک کی خاطر ... نکاح کی ... اور وہ ان سے ... اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیا کرتے تھے۔ لیکن چالیس بیویاں ایسی تھیں جنھوں نے یکے بعد دیگرے ... ان کے ساتھ گزاری ہیں۔ ان میں سے صرف ایک بیوی چالیس سال تک ان کی صحبت میں رہی ہے۔ وہ ایک وزیر کی لڑکی تھی ۔

حضرت ابوالحسن علی بن بکران شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا ہے کہ ان کے دور حکومت میں عورتوں کی ایک جماعت اکٹھی بیٹھی ... باتیں کرنے لگیں ان سب کا اس پر اتفاق تھا کہ اس بزرگ نے خلوت میں کوئی شہوت انی نہیں دیکھی ہے۔ ہر ایک کے دل میں قسم قسم کے ... پیدا ہوتے تھے اور متعجب ہوتے تھے اس سے پہلے ہر ایک جانتا تھا کہ وہ شہوت میں ... مزاج رکھتے ہیں۔ سب ... کہ ان کی صحبت وزیر زادی کے سوا کوئی اور نہیں جانتا کیونکہ وہ ان کی صحبت میں سالہا سال رہی ہے۔ وہ سب عورتوں میں ان کی محبوبہ تھی ۔

حضرت ابوالحسن فرماتے ہیں کہ ہم نے دو آدمیوں کو چن کر وزیر زادی کے پاس بھیجا انھوں نے اس سے پوچھا چونکہ شیخ کو تم سے بڑی محبت ہے اس لئے ہمیں ان کی صحبت کی کوئی خاص بات بتاؤ۔ وزیر زادی نے کہا کہ جس دن میں ان کے نکاح میں آئی تو کسی نے مجھ سے کہا کہ آج شیخ ... پاس رہیں گے میں نے عمدہ قسم کا کھانا تیار کیا اور خود کو آراستہ و پیراستہ بنایا جب وہ آئے تو کھانا لا کر رکھا گیا انھوں نے مجھے بلایا۔ تو مجھے غور سے دیکھا پھر کچھ دیر کھانے کو غور سے دیکھا اس کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی آستین میں لے گئے میں نے سینہ سے

ناف تک پیٹ کے اندرونی حصہ میں پندرہ گرہ پڑی ہوئی پائیں. انھوں نے فرمایا اے وزیر کی لڑکی! پوچھو کہ یہ کیسی گرہ ہیں؟ میرے دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ سب سوزش اور صبر کی شدت کی بنا پر ہے جو گرہ پڑ گئی ہیں. کیونکہ میں نے ایسے خوبصورت چہروں اور ایسے کھانوں پر صبر کیا ہے یہ لیکر وہ اٹھ کھڑے ہوئے لہٰذا سب سے بڑا معاملہ ان کے ساتھ جو پیش آیا ہے یہی ہے ۔

تصوف میں ان کے مذہب کی آرائش اور خصوصیت غیبت اور حضور ہے جسے عبارت میں بیان نہیں کیا جا سکتا تاہم اپنی طاقت کے موافق اب اسے بیان کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ۔

غیبت و حضور کی بحث

غیبت و حضور، ایسی دو عبارتیں ہیں جو مقصود کے عین مفہوم کے بیان کرنے میں عکس و سایہ کی مانند ہیں. (اور الفاظ ان کا حقیقی مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہیں) یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں. جو ارباب زبان اور اہل معانی میں مسلسل مستعمل و جاری ہیں. لہٰذا حضور سے مراد، وہ حضور قلب ہے جو یقینی دلایت کے ساتھ ہو. تاکہ اس کے لئے غیبی حکم، عینی حکم کی مانند ہو جائے. اور غیبت سے مراد، ماسوا اللہ سے دل کا غائب ہونا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو اور اپنی غیبت سے بھی غائب ہو تاکہ اپنی غیبت کو وہ خود بھی نہ دیکھ سکے. اس کی علامت یہ ہے کہ وہ رسمی حکموں سے بھی کنارہ کش ہو جس طرح کہ نبی حرام سے معصوم ہوتا ہے. لہٰذا اپنے سے غیبت، حق سے حضور ہے. اور حق سے حضور، اپنے سے غیبت ہے. چنانچہ جو اپنے سے غائب ہو گیا وہ حق تعالیٰ سے حاضر ہو گیا. اور جو حق تعالیٰ سے حاضر ہو گیا وہ اپنے سے غائب ہو گیا. لہٰذا دل کا مالک حق تعالیٰ ہے. جب جذبات حق کے کسی جذبہ سے طالب کا دل مغلوب و مقہور ہو گیا تو اس کے نزدیک دل کی غیبت، حضور کے مثل ہو جاتی ہے. اس وقت شرکت و قسمت اٹھ جاتی ہے اور اپنے سے نسبت منقطع ہو جاتی ہے. چنانچہ مشائخ طریقت میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ کہ ؎

ولی فواد و انت مالکہٗ ؎ بلا شریک فکیف ینقسم

یعنے میرے دل کا تو ہی بلا شریک مالک ہے اب وہ کیسے تقسیم ہو ؎

جبکہ دل کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مالک ہی نہیں تو اب اگر وہ غائب رہے یا حاضر، اسی کے قبضہ و تصرف میں ہے اور نظری حکم میں عین کے ساتھ ہے. تمام ارباب طریقت کی دلیل یہی روش ہے. لیکن مشائخ طریقت کا جو اختلاف واقع ہے وہ اس بات میں ہے کہ ایک گروہ حضور کو غیبت پر مقدم رکھتا ہے اور ایک گروہ غیبت کو حضور پر مقدم رکھتا ہے. جیسا کہ سکر و صحو میں ہم نے بیان کر دیا ہے. لیکن صحو و سکر اوصاف کے باقی رہنے کا پتہ دیتا ہے اور غیبت و حضور اوصاف کے فنا ہونے کا پتہ دیتا ہے. لہٰذا تحقیق کے میدان میں یہ اس کا اعزاز ہے. اور جو مشائخ کی جماعت غیبت کو حضور پر مقدم رکھتی ہے وہ یہ ہیں. حضرت ابن عطا، حسین ابن منصور، ابوبکر شبلی، بندار ابن حسین، ابو حمزہ بغدادی اور سمنون محب وغیرہ علیہم الرحمۃ والرضوان ۔

اہل عراق کی ایک جماعت کہتی ہے کہ راہِ حق میں سب سے بڑا حجاب تو خود ہے۔ جب تو نے اپنے آپ کو غائب کر لیا تو تجھ سے تیری ہستی کی برقرار و ثابت رکھنے والی آفتیں فانی ہو جاتی ہیں اور زمانے کے قاعدے بدل جاتے ہیں۔ مریدوں کے تمام مقامات تیرے لئے حجاب اور طالبوں کے لئے تمام احوال تیری آفت گاہ بن جاتے ہیں۔ سر از زمانہ نابود ہو کر ہمت ہیں برقرار و ثابت رکھنے والی چیزیں ذلیل ہو جاتی ہیں۔ اپنے کو اور غیروں کو دیکھنے سے آنکھیں جل جاتی ہیں۔ بشری اوصاف اپنی جگہ، قربت کی آگ سے خود بخود جل جاتے ہیں اور ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری اس غیبت کی حالت میں تجھے آدم کی پیٹھ سے نکالا اور اپنا کلام عزیز تجھے سنایا اور خلعت توحید اور لباس مشاہدہ سے تجھے سرفراز فرمایا۔

جب تک تو اپنے سے غائب رہے گا بارگاہِ حق میں بے حجاب حاضر ہو گے۔ اور جب اپنی صفات کے ساتھ حاضر ہو گے قربت حق سے غائب رہو گے۔ لہٰذا تیری ہلاکت تیرے صفات کی حاضری و برقراری میں ہے۔ یہی معنے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ہے۔ ولقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقناکم اول مرۃ۔ الآیہ: بلاشبہ یقیناً تم ہمارے حضور اکیلے آئے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔

پھر حضرت حارث محاسبی، جنید بغدادی، سہل بن عبد اللہ، ابوحفص حداد، ابو حمدون قصار، ابو محمد جریری، صاحب مذہب حصری، اور محمد بن خفیف رضی اللہ عنہم کے علاوہ ایک اور جماعت کا مذہب یہ ہے۔ کہ حضور، غیبت سے مقدم ہے۔ اس لئے تمام جمال و خوبیاں حضور میں حاصل ہوتی ہیں اور اپنے سے غیبت تو حضور حق کا راستہ ہے۔ جب حضور حق حاصل ہو گیا تو پہنچنے کا راستہ آفت ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے سے غائب ہو گیا یقیناً وہ بارگاہِ حق میں حاضر ہو گیا۔ غیبت کا فائدہ حضور سے ہے، بے حضور، غیبت دیوانگی اور مغلوبیت ہے۔ مناسب یہی ہے کہ تارک غفلت ہو جاؤ تاکہ غیبت کا جو مقصود یعنی حضور ہے حاصل ہو جائے جس وقت مقصود وجود ہو جاتا ہے اس وقت علت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس معنے میں ایک شعر ہے ؎

لیس الغائب من غاب من البلاد ۔ انما الغائب من غاب من المراد ۔ ولیس الحاضر من لیس له مراد ۔ انما الحاضر من لیس له الفواد ۔ حتیٰ استقر فیه المراد ۔

غائب وہ نہیں ہے جو شہروں سے غائب ہے۔ بلکہ غائب وہ ہے جو مراد و مقصود سے غائب ہے۔ وہ حاضر نہیں ہے جس کی مراد موجود نہ ہو بلکہ حاضر وہ ہے جسے قلبی خواہش نہ ہو۔ یہاں تک وہ مراد سے مضبوط ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جو آبادی اور شہروں سے غائب ہو اُسے غائب نہیں کہتے بلکہ غائب تو اُسے کہتے ہیں جو اپنے ہر ارادہ سے غائب ہو یہاں تک کہ حق تعالیٰ کا ارادہ ہی اس کا ارادہ ہو جائے۔ اور جسے چیزوں کا ارادہ نہ ہو اسے حاضر نہیں کہتے۔ بلکہ حاضر وہ ہے جس کے دل میں رعنائی اور پسندی نہ ہو تاکہ اس میں دنیا و عقبیٰ کی فکر نہ رہے۔ اور خواہش سے اسے راحت نہ ہو۔ اسی معنے میں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

من لم یکن بک فانیاً عن نفسه ۔ وعن الهوی بالانس بالاحباب ۔ فکانما بین المراتب واقف ۔ لمنال حظ او لحسن مآب ۔

جس کا حال یہ نہ ہو کہ وہ اپنے سے اور نفسانی خواہشوں سے، انسانوں اور عزیزوں سے فانی ہو۔ وہ گویا انسانی خواہشوں کے حصول اور نیک انجام

کی تمنا میں مراتب کے درمیان ٹھہرا ہوا ہے ۔

یہ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا ایک مرید حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی زیارت کے ارادہ سے گیا جب وہ اُن کے دروازہ پر پہنچا تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا حضرت بایزید نے پوچھا کون ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا بایزید کی زیارت کو آیا ہوں۔ پوچھا بایزید کون ہے اور کہاں ہے اور وہ کیا ہے؟ میں مدت سے بایزید کو تلاش کر رہا ہوں، مگر مجھے نہیں ملتا جب وہ مرید واپس ہوا اور حضرت ذوالنون سے یہ حال بیان کیا تو انھوں نے فرمایا اخی ابو یزید ذھب فی الذاھبین الی اللہ یعنے اے عزیز بایزید تو خدا کی طرف جانے والوں میں جا ملا،

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پاس آکر ایک شخص نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر میرے پاس رہ کر کچھ باتیں کیجئے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ فرمایا اے جواں مرد! تم مجھ سے وہ چاہتے ہو جسے عرصہ سے میں خود چاہتا ہوں برسوں سے اسی تمنا میں ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے تو میں اپنے آپ میں موجود ہوں لیکن اب تک ایسا وقت نہیں آیا۔ تو اب تمہارے ساتھ میں کیسے رہ سکتا ہوں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ غیبت میں حجاب کی وحشت ہے اور حضور میں مشاہدہ کی راحت۔ اور تمام احوال میں مشاہدہ، حجاب کی مانند نہیں ہوتا۔ اسی معنے میں حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تقشع غیم الھجر عن قمر الحب ۔ واسفر نور الصبح عن ظلمۃ الغیب

محبت کے چاند سے ہجرت کے بادل ناپید ہو گئے ۔ اور غیبت کی تاریکی سے صبح کا نور کا چمک گیا

غیبت و حضور کے فرق میں مشائخ عظام کے بہت سے لطائف و حالات اور ظاہری اقوال ہیں جن کا مفہوم باہم قریب قریب ہے۔ یعنے بارگاہِ حق کا حضور اور اپنے سے غیبت برابر ہے۔ کیونکہ اپنے سے غیبت کا مقصود و مراد حضور ہے۔ اور جو اپنے سے غائب نہیں ہے وہ بارگاہِ حق میں حاضر نہیں ہے۔ اور جو حاضر ہے، وہ غائب ہے۔ جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے نزول بلا کے وقت فریاد میں اپنے آپ کو نہ دیکھا۔ بلکہ وہ اس حال میں اپنے آپ سے غائب تھے۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے ان کی عین فریاد کو صبر سے جدا نہ فرمایا چنانچہ انھوں نے فریاد کی انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین یعنے اے اللہ مجھے ایذا پہنچی تو سب سے بہت مہربان ہے۔ اور حق تعالیٰ نے فرمایا انہ کان صابراً فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر اللہ یعنے ایوب صابر تھا للہٰذا ہم نے اسکی فریاد قبول فرما کر اس کی ہر تکلیف و بلا کو دور فرما دیا ۔ بعینہٖ یہی حکم اس قصہ سے ظاہر ہے خوب اچھی طرح غور کرو تا کہ تم حقیقت کو جان سکو ۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ تمام زمین و آسمان والے میری پریشانی پر روتے تھے۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا اب ایسا زمانہ آگیا ہے کہ مجھے نہ اپنی خبر ہے نہ زمین و آسمان کی۔ یہ حضور بارگاہِ حق کی طرف بہترین اشارہ ہے ۔

یہ ہے غیبت و حضور کے معنے، جسے میں نے مختصراً بیان کر دیا ہے تاکہ حنفیوں کا مسلک تمہیں معلوم ہو جائے۔ اور تم جان لو کہ غیبت و حضور سے ان کی مراد کیا ہے۔ اس سے زیادہ تشریح و تفصیل کتاب کو طویل کرنا ہے اور میرا طریقہ اس کتاب میں اختصار ہے وباللہ العون والتوفیق ۔

فرقہ سیاریہ

سیاری فرقہ کے رہنما و پیشوا حضرت ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ مرو کے امام تمام علوم کے عالم اور حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ کے مصاحب تھے۔ آج شہر نسا اور مرو میں ان کے مریدین و تلامذہ بہت ہیں۔ تصوف کا کوئی مذہب اپنے حال پر باقی نہیں ہے مگر ان کا مذہب اپنے حال پر باقی ہے۔ کیونکہ شہر نسا اور مرو کا مذہب ان کے پیشواؤں سے کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ اور آج تک ان کے مریدین و تلامذہ نے ان کے مذہب کی ہمیشہ حفاظت کی ہے۔ اور ان کے اصحاب نے نسا اور مرو کے رہنے والوں کے لئے بہت سے پاکیزہ خطوط و رسائل لکھے ہیں جن میں ایک دوسرے کو ان کی باتیں اور اشارات تحریر کئے ہیں۔ میں نے بھی مرو میں ان کے کچھ خطوط دیکھے ہیں جو بہت عمدہ تھے۔ ان کے مذہب کی خصوصیت جمع و تفرقہ ہے۔ جو تمام اہل علم میں مستعمل و مشترک ہے۔ اور ہر گروہ نے اپنی صنعت اور اپنی عبارتوں کے سمجھانے میں ان دونوں لفظوں کا استعمال کیا ہے لیکن ان سے ہر ایک کی مراد ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ چنانچہ فرقہ محاسبی کے حضرات جمع و تفرقہ سے مراد کسی چیز کی گنتی میں اجتماع و افتراق لیتے ہیں۔ اور نحوی اور اصحاب لغت ناموں کا جمع اور ان کا افتراق مراد لیتے ہیں۔ اور حضرات فقہا نص کا جمع کرنا اور ان کی صفات کا جدا کرنا یا نص کا جمع کرنا اور قیاس کا جدا کرنا مراد لیتے ہیں۔ اور اصول کلام والے صفات ذات کا جمع اور صفات فعل کا تفرقہ مراد لیتے ہیں۔ لیکن مشائخ طریقت کے نزدیک ان میں سے کچھ مراد نہیں ہے بلکہ ان کی مراد وہ ہے جسے ہم بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا اب میں اس گروہ کے مقصود کو اور ان کے اختلاف کو جو ان دونوں لفظوں میں ہے لکھتا ہوں تاکہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ مشائخ طریقت کے گروہ کے نزدیک جمع و تفرقہ سے کیا مراد ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے واللہ اعلم بالصواب۔

جمع و تفرقہ کی بحث

اللہ تعالیٰ نے ایک اپنی دعوت میں تمام مخلوق کو جمع کرکے فرمایا و اللہ یدعوا الی دار السلام۔ اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ پھر دوسری جگہ انہیں ہدایت حق میں فرق کرکے بیان فرمایا و یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

دعوت میں تو اللہ تعالیٰ نے سب کو پکارا۔ اور ایک گروہ کو اظہار مشیت کے حکم سے نکال دیا۔ اور سب کو جمع کرکے حکم فرمایا۔ اور ایک گروہ کو مردود و رسوا کرکے فرق کر دیا یعنی جدا کر دیا۔ اور کچھ کو توفیق دے کر مقبول بنایا اور کچھ کو طاعت و نہی کے ذریعہ جمع کیا اور نکال دیا۔ ایک گروہ کو عصمت دی اور ایک گروہ کو آفت کی طرف مبتلا کر دیا۔ لہٰذا اس معنے میں حقیقت اسرار اور حق تعالیٰ کی معلوم و مراد میں لفظ جمع ہے اور امر و نہی کے اظہار میں لفظ تفرقہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے فرزند اسمٰعیل کو قربان کریں اور مشیت الٰہی یہ تھی کہ ایسا واقع نہ ہو اور ابلیس کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے اور مشیت یہ تھی کہ سجدہ نہ کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ گندم نہ کھانا اور مشیت یہ تھی کہ وہ کھائیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ لہٰذا الجمع ما جمع باوصافہ والتفرقۃ ما فرق بافعالہ۔ جمع وہ ہے جو اس نے اوصاف

سے جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اس کے افعال سے جدا ہو ۔

یہ مکمل ارادہ کا انقطاع مراد ہے اور ارادۂ الٰہی کے اثبات میں خلق کے تصرف کا مکمل ترک مراد ہے۔ جمع و تفرقہ کی تعریف میں یہ جو کچھ بیان کیا ہے اس پر تمام اہل سنت و جماعت معتزلہ کے سوا اور تمام مشائخ طریقت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد ان لفظوں کے استعمال میں مشائخ کا اختلاف ہے چنانچہ ایک گروہ توحید پر محمول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جمع کے دو درجے ہیں ایک حق تعالیٰ کے اوصاف میں دوسرا بندہ کے اوصاف میں۔ اور وہ جو حق تعالیٰ کے اوصاف میں ہے وہ توحید کا بھید ہے جب بندہ کا اختیار منقطع ہے۔ اور وہ جو بندہ کے اوصاف میں ہے اس سے مراد توحید باری تعالیٰ میں صدق عقیدت اور صحت عزیمت ہے۔ یہ قول ابو علی رودباری رحمۃ اللہ کا ہے۔ اور دوسرا گروہ حق تعالیٰ کے اوصاف پر محمول کرتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ جمع حق کی صفت ہے اور تفرقہ اس کا فعل۔ ان سے بندہ کا اختیار منقطع ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کی الوہیت میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ لہٰذا جمع ذات و صفات اسی کے لئے ہے۔ اس لئے کہ الجمع التسویۃ فی الاصل یعنے جمع اصل میں برابری کرنا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں کوئی اس کا مساوی نہیں۔ اور اس کی جدائی میں خلق کی تفصیل و عبارت محتاج نہیں ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صفات قدیم ہیں اور وہ اسی کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کا قیام اسی کے ساتھ ہے۔ اور اس کی خصوصیت اسی کے ساتھ ہے۔ اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات دو نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کی وحدانیت میں فرق و عدد جائز نہیں ہے اس لحاظ سے اس معنے میں جمع کا استعمال حق تعالیٰ کے سوا کسی اور پر جائز نہیں ہوگا ۔

حکم میں تفرقہ

لیکن حکم میں تفرقہ، یہ اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہے کیونکہ تمام متفرق ہیں۔ کسی کو وجود کا حکم ہے اور کسی کو عدم کا حکم ہے لیکن وہ عدم جو ممکن الوجود ہو اس میں ایک کو فنا کا حکم ہے اور دوسرے کو بقا کا حکم ۔

پھر ایک اور گروہ تفرقہ کو علم الٰہی پر محمول کرتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے الجمع علم التوحید والتفرقۃ علم الاحکام۔ توحید کا علم جمع اور احکام کا علم تفرقہ ہے۔ لہٰذا علم اصول جمع ہوں گے اور علم فروع تفرقہ۔ اسی طرح ایک بزرگ کا یہ بھی قول ہے کہ الجمع ما اجتمع علیہ اھل العلم و التفرقۃ ما اختلفوا فیہ۔ جمع وہ ہے جس پر اہل علم کا اجماع ہو، اور تفرقہ وہ ہے جس میں ان کا اختلاف ہے ۔

اور جمہور محققین تصوف (اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو تاباں فرمائے) اپنی عبارتوں اور ان کے رموز میں لفظ تفرقہ سے مراد، مکاسب یعنے بندہ کا اختیاری عمل اور لفظ جمع سے مراد مواہب یعنے مجاہدہ و مشاہدہ لیتے ہیں۔ لہٰذا وہ بندہ جو مجاہدے کے ذریعہ حق تعالیٰ تک رسائی پائے وہ سب تفرقہ ہے اور جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر خاص عنایت و ہدایت ہو وہ جمع ہے۔ اور بندہ کی عزت و تکریم اس میں ہے کہ وہ اپنے وجود کی افعال اور جمال حق کے لئے مجاہدے کی قدرت میں اپنے فعل کی آفت سے محفوظ ہو۔ اور اپنے افعال کو افعال الٰہی میں مستغرق پائے اور مشاہدہ کو ہدایت الٰہی کے دامن میں منفی دیکھے۔ لہٰذا وہ اپنی ہر اقامت میں حق کے ساتھ قائم ہو وہ حق تعالیٰ کا نائب اور اوصاف میں اس کا وکیل ہوگا۔

اور اس کے تمام افعال کی نسبت اسی کی طرف ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنے کسب کی نسبت سے محفوظ ہو جائے گا چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بواسطہ جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتّٰی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعاً و بصراً و یداً و لساناً فبی یسمع و بی یبصر و بی ینطق و بی یبطش : میرا بندہ نوافل کے ساتھ میری طرف ہمیشہ قربت چاہے گا یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لوں گا پھر جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان آنکھ ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں پھر وہ مجھ سے ہی سنتا مجھ سے ہی دیکھتا اور مجھ سے ہی بولتا اور مجھ سے ہی پکڑتا ہے ۔

مطلب یہ کہ ہمارا بندہ جب مجاہدے کے ذریعہ ہمارا مقرب بن جاتا ہے تو ہم اسے اپنا دوست و محبوب بنا لیتے ہیں اور اس کے وجود کو اس سے فنا کر دیتے ہیں اور اس کے افعال کی نسبت اس سے اٹھا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہمارے ذریعہ ہی سنتا ہے جو وہ سنے اور ہمارے ہی واسطے بولتا ہے جو وہ بولے اور ہمارے ذریعہ ہی دیکھتا ہے جو وہ دیکھے اور ہمارے ذریعہ ہی پکڑتا ہے جو وہ پکڑتا ہے یعنی وہ ہمارے ذکر میں ہمارے ہی ذکر کا مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کا کسب اس کے ذکر سے فنا ہو جاتا ہے ۔ ہمارا ذکر اس کے ذکر کا سلطان بن جاتا ہے اور آدمیت کی نسبت اس کے ذکر سے جدا ہو جاتی ہے ۔ لہٰذا اس کا ذکر ہمارا ہی ذکر ہوگا حتیٰ کہ غلبہ کی حالت میں اسی کے ساتھ موصوف ہوگا چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سبحانی ما اعظم شانی (پاکی ہے مجھے کتنی بڑی میری شان ہے) یہ جو کچھ فرمایا حق تعالیٰ کے گفتار و قول سے کہا اور جو کچھ کہا حق کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحق ینطق علیٰ لسان عمر : حق تعالیٰ عمر کی زبان پر بولتا ہے ۔

اس کی حقیقت یوں ہے کہ آدمیت پر جب حق تعالیٰ کی قہریت اور اس کا غلبہ ظاہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہستی سے اسے نکال دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی تمام باتیں حق تعالیٰ کی طرف سے فرمودہ ہوتی ہیں ۔ اس استحالہ کے باوجود کہ حق تعالیٰ کسی میں حلول نہیں کر سکتا اور نہ کسی مخلوق یا شے میں ممتزج و متحد ہو سکتا ہے اور نہ کسی چیز میں وہ پیوست ہو سکتا ہے تعالی اللّٰہ عن ذالک وعما یصفہ الملاحدۃ علواً کبیراً ایسے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جس سے ملحدین متصف گردانتے ہیں اس کی شان بہت بلند و بالا ہے ۔ لہٰذا یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت بندہ کے دل پر غالب ہو جائے اور اس کے غلبہ کی زیادتی میں اس کی عقل و طبیعت اس کی برداشت سے عاجز ہو جائے ۔ اور اس کا امر اس کے کسب سے ساقط ہو جائے ۔ اس وقت اس درجہ کو جمع کہتے ہیں جیسے کہ حضور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم محبت الٰہی میں مستغرق و مغلوب تھے اس حالت میں جو فعل آپ سے رونما ہوا اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت آپ سے دور فرما دی اور فرمایا کہ وہ فعل میرا فعل تھا نہ کہ تمہارا ہر چند کہ وہ فعل آپ کے ہاتھ سے ظاہر ہوا فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ : اے محبوب وہ مٹھی خاک کی جو دشمنوں پر پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ ہم نے پھینکی تھی ۔

اسی طرح اسی قسم کا فعل حضرت داؤد علیہ السلام سے صادر ہوا اس سے فرمایا وقتل داؤد جالوت یعنی داؤد نے جالوت کو قتل کیا ۔ ان کی یہ حالت تفرقہ کی تھی ۔ اور اللہ نے دونوں میں فرق کیا ایک میں کہ ان کے فعل کی نسبت ان کی طرف فرمائی ۔ یہ نسبت فعل از محل آفت دیتے ہوتی ہے ۔ لہٰذا اگر ایسا فعل کسی سے سرزد ہو جو آدمی کے افعال کی جنس و قبیل سے نہ ہو تو یقیناً اس کا فاعل حق جل جلالہ ہے ۔ اور ہمارا ذکر ان سب

کچھ اس کے ساتھ شامل ہے۔ لہٰذا تمام عادی افعال تفرقہ ہیں اور تمام ناقض عادت جمع ہیں۔ اس لئے کہ ایک رات میں قاب قوسین پہنچنا فعل عادی نہیں ہے۔ یہ بجز فضل الٰہی کے نہ ہوگا۔ اور انتہائی درست و سچی بات کہنا فعل عادی نہیں یہ بھی بجز فعل الٰہی کے نہ ہوگا۔ ورنگ سے رجوع فعل عادی نہیں یہ بھی بجز فعل الٰہی کے نہ ہوگا۔ اور مغلوبیت میں درست و صحیح بات کہنا فعل عادی نہیں یہ بھی بجز فعل الٰہی کے نہ ہوگا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو یہ معجزات و کرامات مرحمت فرما کر ان کے فعلوں کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور ان افعال کو اپنا ہی فعل بتایا جبکہ محبوبوں کا فعل حق کا فعل ہوا تو ان کی بیعت خدا کی بیعت، اور ان کی طاعت خدا کی اطاعت ہوئی چنانچہ فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ الآیہ بے شک جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی بلاشبہ انھوں نے اللہ سے ہی بیعت کی۔ نیز فرمایا ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی ہی اطاعت کی۔

لہٰذا محبوبانِ خدا اولیاء اللہ اسرارِ الٰہی سے تو مجتمع ہیں اور معاملات و اظہار سے متفرق۔ یہاں تک کہ اجتماع کے ساتھ دوستی و محبت کے اسرار مستحکم ہیں اور افتراق کے ساتھ بندگی کی اقامت کا اظہار صحیح و درست ہے۔ چنانچہ اکابر مشائخ میں سے ایک بزرگ جمع کی حالت میں فرماتے ہیں ؎

قد تحققت بسری فناجاک لسانی ۔ فاجتمعنا لمعان وافترقنا لمعانی

یعنی بے شک میرے اسرار متحقق ہو گئے تو میری زبان نے تیری مناجات کی۔ لہٰذا ہم کچھ معانی میں تو جمع ہیں اور کچھ معانی میں متفرق ہیں۔ اس شعر میں اجتماع اسرار کو جمع کہا اور زبان کی مناجات کو تفرقہ کہا۔ پھر جمع و تفرقہ کا اپنے وجود میں مثالی بتائی۔ اور اس قاعدہ کو اپنے پر محمول کیا یہ بہت لطیف بات ہے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

جمع و تفرقہ میں اختلاف کا بیان

فصل

اب اس جگہ میں ایک اختلاف رہ گیا جو ہمارے اور اس گروہ کے درمیان ہے جو یہ کہتا ہے کہ جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں متضاد ہیں۔ کیونکہ جب ہدایت کا غلبہ مستولی اور مسلط ہو جاتا ہے تو کسب و مجاہدہ کا اختیار جاتا رہتا ہے اور یہ تعطیل محض ہے اس کا ہم یہ جواب دیں گے کہ یہ تمہارے ہی عقیدہ کے خلاف ہے اس لئے کہ جب تک معاملہ کی قدرت اور کسب و مجاہدہ کی طاقت موجود رہتی ہے اس وقت تک بندہ سے وہ ہرگز ساقط نہیں ہوتی اس لئے کہ جمع تفرقہ سے جدا نہیں ہے جیسے آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہدایت سے مجاہدہ، شریعت سے حقیقت، اور طلب سے پانا بھی جدا نہیں ہو سکتا لیکن یہ مجاہدہ خواہ مقدم ہو خواہ موخر مگر جہاں مجاہدہ مقدم ہو اس پر مشقت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ غیبت میں ہوتا ہے اور جہاں مجاہدہ مؤخر ہو اس پر رنج و کلفت نہیں ہوتی کیونکہ وہ حضور میں

ہوتا ہے۔ اور جو اعمال کے مشرب مذہب کی نفی کرتا ہے وہ عینِ عمل کی نفی کرتا ہے یہ بہت بڑی غلطی ہے اور یہ جائز ہے کہ بندہ ایسے درجہ میں پہنچے جہاں اسے اپنے تمام اوصاف معیوب و علیحدہ معلوم ہونے لگیں جب وہ اپنے اوصاف محمودہ کو عیب کی نظر سے ناقص دیکھتا ہے تو وہ اوصاف مذمومہ کو تو بدرجہ اولیٰ زیادہ معیوب دیکھے گا۔ یہ معنے میں نے اس لئے بیان لئے ہیں کہ میں نے ایک جاہل قوم کو اس میں غلطی پر آلودہ پایا ہے کیونکہ وہ بیگانگی کی حالت میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یافت کے لئے سعی و کوشش کی ضرورت نہیں ہے اور ہمارے افعال و طاعات معیوب اور مجاہدات ناقص ہیں اس لئے انہیں کرنے سے نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ ہمارے افعال باتفاق فعل ہیں اور تمام افعال کو محل علت، منبع شر اور آفت کی جگہ ہی کہتے ہیں۔ در حقیقت "نہ کرنے" کو بھی فعل ہی کہا جانے کا جبکہ دونوں فعل ہوئے۔ اور فعل محل علت ہونے تو کس وجہ میں "نہ کرنے" کو "کرنے" سے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ یہ ظاہر کی بد نصیبی و نقصان اور واضح عیب ہے لہٰذا یہ کفر و ایمان کے درمیان بہترین فرق ہے۔ اس لئے کہ مومن و کافر متفق ہیں کہ ان کے افعال محل علت ہیں۔ لہٰذا مومن بحکم فرمان الٰہی "کرنے کو" "نہ کرنے" سے زیادہ جانتا ہے اور کافر بحکم تعطیل "نہ کرنے" کو "کرنے" سے بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا جمع یہ ہے کہ آفت کے دیکھنے سے تفرقہ کر اس سے حکم تفرقہ ساقط نہ ہو۔ اور تفرقہ یہ ہے کہ جمع کے حجاب میں تفرقہ کو جمع جانے۔ مزین کبیر اس معنے میں کہتے ہیں کہ الجمع الخصوصیۃ والتفرقۃ العبودیۃ موصول احدھما بالآخر غیر مفصول عنہ : حق تعالیٰ کی خصوصیت بندہ کے لئے جمع ہوتی ہے اور بندہ کی بندگی اس کے لئے تفرقہ۔ یہ دونوں بندہ سے جدا نہیں ہیں۔

اس لئے کہ خصوصیت کی علامت بندگی کی حفاظت ہے۔ جب مدعی معاملہ بہ معاملت ساتھ قائم نہ ہوگا تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔ لہٰذا جائز ہے کہ فرمان الٰہی کو بجا لانے اور مجاہدہ کا حق ادا کرنے میں جو اس کی تکلیف و مشقت کا بوجھ ہے بندہ سے اٹھ جائے۔ لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ عین جمع میں بغیر واضح عذر کے جس کا حکم شریعت میں عام ہو عین مجاہدہ اور تکلیف بندہ سے اٹھ جائے۔ میں اس کی وضاحت کرتا ہوں تاکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ لہٰذا معلوم ہونا چاہیئے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں ایک جمع سلامت دوسرے جمع تکسیر۔ جمع سلامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ احوال کے غلبہ، قوت وجد، شدت اور شوق کو ظاہر فرما کر وہ بندہ کی محافظت کرے اور اپنا حکم ظاہر بندہ پر جاری کرے پھر وہ اس کو بجا لانے میں اس کی نگہبانی فرمائے اور اسے مجاہدے سے آراستہ فرمائے۔ چنانچہ حضرت سہل بن عبداللہ، ابو حفص حداد، ابو العباس سیاری مروزی صاحب مذہب، بایزید بسطامی، ابوبکر شبلی، ابو الحسن حصری اور مشائخ کبار کی ایک جماعت قدس اللہ ارواحہم ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے لیکن جب بھی نماز کا وقت آتا وہ اپنے حال پر لوٹ آتے اور جب نماز ادا کر چکتے پھر مغلوب ہو جاتے۔ اس لئے کہ جب تک تم تفرقہ کے محل میں ہو گے تو تم ہو گے۔ اور خدا کے حکم بجا لاؤ گے۔ اور جب وہ تمہیں جذب کر کے مغلوب کر دے تو بہتر ہے کہ تم کو حق تعالیٰ اپنے حکم پہ دو باتوں کی حفاظت فرمائے۔ ایک یہ کہ بندگی کی علامت تم سے نہ اٹھے۔ دوسرے یہ کہ وعدے کے حکم پر قیام کرے۔ کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ میں کبھی اس شریعت محمدیہ کو منسوخ نہ کروں گا۔ اور جمع تکسیر یہ ہے کہ بندہ حکم میں دیوانہ اور مدہوش ہو جائے اور اس کا حکم پاگلوں کے مانند بن جائے۔ لہٰذا یہ اس معاملہ میں معذور ہوتا ہے اور پہلا مشکور۔ اور جو مشکور ہوتا ہے اس کے حالات بمقابلہ دوسرے کے زیادہ قوی ہوتے ہیں۔ کیونکہ دوسرا ہر حال میں معذور ہوتا ہے

واضح رہنا چاہئے کہ جمع کے لئے نہ کوئی مخصوص مقام ہے اور نہ کوئی ایک حال کیونکہ جمع اپنے مطلوب کے معنے میں ہمت کا جمع کرنا ہے چنانچہ کسی گروہ کے لئے اس معنے کا کشف مقامات میں ہوتا ہے اور کسی گروہ کا کشف احوال میں ہوتا ہے۔ اور دونوں وقتوں میں صاحب جمع کی مراد کی نفی سے حاصل ہوتی ہے۔ لان التفرقۃ فصلٌ والجمع وصلٌ اس لئے کہ تفرقہ جدائی ہے اور جمع وصل وملاپ ہے۔ درید قول تمام اقوال میں صحیح و درست ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہمت، حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جمع تھی کیونکہ انھیں بجز حضرت یوسف علیہ السلام کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ایسے ہی مجنوں کی ہمت لیلیٰ کے ساتھ جمع تھی کیونکہ اسے لیلیٰ کے سوا کچھ نظر آتا ہی نہ تھا۔ اسے سارے جہان اور ہر چیز میں لیلیٰ ہی کی صورت کا تصور بندھتا تھا۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

چنانچہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنے حجرے میں تھے کسی نے آکر کہا ھل بویزید فی البیت فقال بویزید ھل فی البیت الا اللہ، کیا بایزید حجرے میں ہیں انھوں نے فرمایا حجرے میں بجز حق کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش مکہ میں آیا وہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک سال اس طرح بیٹھا رہا کہ اس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، نہ سویا نہ رفع حاجت کی۔ اس کی تمام ہمتیں خانہ کعبہ کے مشاہدہ ہی میں مجتمع رہیں۔ اس نے اپنے آپ کو خانۂ کعبہ کو اس طرح منسوب کیا، کہ اس کا دیدار ہی اس کے جسم کی غذا اور اس کے روح کا پانی بن گیا۔

ان سب کی بنیاد و اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے خمیر کو جو کہ جوہر ہے حصہ حصہ اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے ہر ایک محبوب کو اس کا ایک حصہ اس کی تقدیر و لیاقت کے موافق خاص کر دیتا ہے اس وقت اس سے انسانی ہوش، طبعی لباس، مزاجی پردے اور روح کے حجاب اٹھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جزو محبت، ان اجزاء و قوتوں کو جن سے وہ ملی ہے اپنی صفت پر ڈھال لیتا ہے۔ پھر وہ سراپا محبت کا پیکر بن جاتا ہے۔ اور اس کی تمام حرکتیں اور مشاہدے سب اسی سے مربوط ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر ارباب معانی اور اصحاب زبان اس کیفیت کو جمع کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اسی معنے میں حضرت حسین بن منصور کہتے ہیں ؎

لبیک لبیک یا سیدی و مولائی ، لبیک لبیک یا مقصدی و معنائی

یا عین عین وجودی یا منتھٰی ھممی ، یا منطقی و اشاراتی و ایمائی

یا کل کلی و یا سمعی و یا بصری ، و یا جملتی و تبا عیضی و اجزائی

یعنے حاضر ہوں حاضر ہوں اے میرے سردار اے میرے مولا۔ حاضر ہوں حاضر ہوں اے میرے مقصود و معنے۔ اے ذات! میرے وجود کا عین ہے اے منتہی میری ہمتوں کا تو منتہی ہے۔ اے میرے بلانے والے میرا کلام میرا اشارہ اور میرا کنایہ تو ہی ہے۔ اے میرے کل کے کل! اے میرے کان آنکھ! اے میرے تمام بدن اور میرے کل اعضاء و اجزاء سب تجھ سے ہی ہیں،

لہٰذا جو اپنی صفتوں میں مستعار ہوتا ہے وہ اپنی ہستی میں عار اور لائق شرمسار ہوتا ہے۔ اور دونوں جہان میں اس کی توجہ کفر اور موجودات

میں اس کی ہمت موجب ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔ پھر ارباب زبان کا ایک گروہ اپنے کلام و عبارت کو مشکل و تعجب ناک بنانے کے لئے جمع الجمع یعنے جمع کی جمع بول جاتے ہیں اگرچہ یہ کلمہ عبارت میں تو اچھا ہے مگر معنے میں یہی بہتر ہے کہ جمع کی جمع نہ بولا جائے۔ اس لئے کہ اولاً تفرقہ ہو تو اس پر جمع درست ہوسکتی ہے۔ اور جبکہ جمع خود جمع ہے تو تفرقہ کیسے ہوگا۔ اور جمع کو اپنے حال سے کیسے گرایا جائے گا۔ کیونکہ یہ عبارت یعنے جمع الجمع تہمت کی جگہ بن جائے گی اس لئے کہ جو جمع ہو جائے وہ فوق و تحت میں اپنے سے باہر نہیں دیکھ سکتا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ کونین اور سارا جہان شب معراج میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے۔ مگر آپ نے کسی چیز کی طرف التفات نہ فرمایا۔ کیونکہ آپ جمع کے ساتھ جمع تھے۔ اور مجتمع کو مشاہدہ کی تفریق جدا نہیں کرسکتی اور وہ تفرقہ کو نہیں دیکھتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ما زاغ البصر وما طغیٰ یعنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نہ ادھر ادھر بھٹکی اور نہ حد سے گزری ۔

اور میں نے (یعنے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ نے) اس معنے میں ایک کتاب بنام کتاب البیان لاہل العیان" شروع میں لکھ دی ہے۔ اور کتاب "بحر القلوب" میں جمع کے باب میں چند وضیح فصلیں لکھی ہیں۔ اس جگہ اظہار حقیقت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ تصوف کے مذہب سیاریہ کا طریقہ یہ ہے جسے میں نے بیان کر دیا جو صوفیائے کرام کے تمام فرقوں میں مقبول و محقق ہے ۔

اب میں ان نام نہاد صوفیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو ملحدوں کا گروہ ہے اور ان کی ان عبارتوں کو بیان کرتا ہوں جن سے وہ الحاد پھیلا کر خود ذلیل و خوار ہوئے ہیں اور اپنی عزت گنوائی ہے۔ تاکہ ان کی غلطیاں ظاہر ہو جائیں اور مریدین ان کے جھوٹے دعووں اور ان کے مکر و فریب سے محفوظ ہو جائیں اور اپنے آپ کو ان سے بچائیں انشاء اللہ عز وجل والامر کلہ بیدہ ۔

فرقہ حلولیہ

لیکن حلولیوں کا فرقہ (اللہ تعالیٰ ان پر لعنت برسائے) فماذا بعد الحق الا الضلال فانّی تصرفون (اب حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں اب تم کہاں بھٹک رہے ہو) ان کے دو مردود گروہ ہیں جو صوفیاء کے ساتھ تو محبت کا اظہار کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ اپنی گمراہی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں (لعنہم اللہ) ۔

ایک گروہ مردود اپنا پیشوا ابو حلمان دمشقی کو بتاتے ہیں۔ یہ گروہ ان سے ایسی روائتیں منسوب کرکے لاتے ہیں جو ان کے برخلاف ہیں جنھیں مشائخ کرام اپنی کتابوں میں ان سے منقول لکھ چکے ہیں۔ اور مشائخ طریقت ان کو ارباب ولایت میں سے جانتے ہیں لیکن یہ ملحدین ان کی طرف حلول و امتزاج اور نسخ ارواح کو منسوب کرتے ہیں۔ اور میں نے متقدمین کی کتابوں میں ان کے اوپر طعنوں کو دیکھا ہے۔ اور علماء اصول بھی ان کے ساتھ ایسی ہی صورت برتتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور دوسرا مردود گروہ وہ ہے جو اپنے اقوال کو فارس سے منسوب کرنے کا دعوےٰ کرتا ہے کہ یہ حسین بن منصور کا مذہب ہے حالانکہ ان ملحدین کے سوا حضرت حسین بن منصور کے اصحاب میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے۔ میں نے ابو جعفر صیدلانی کو دیکھا ہے جو چار ہزار لوگوں کے ساتھ عراق میں پھیلا ہوا ہے جو اپنے آپ کو حلاجی کہلاتا ہے۔ ان مقولوں کے سبب فارس پر تمام بزرگ لعنت کرتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی تصنیف شدہ کتابوں میں بجز تحقیق کے کچھ لغویت نہیں ہے ۔

اور میں یعنی علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ فارسی اور حلمان کون تھے اور کیا کہا ہے لیکن جو کوئی بھی ایسی بات کا قائل ہو جو توحید و تحقیق کے خلاف ہو اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں ہے جبکہ دین میں جو کہ اصل ہے اس میں ہی مضبوط و مستحکم نہیں ہے تو تصوف جو کہ دین کی فرع اور اس کا نچوڑ و خلاصہ ہے بدرجہ اولیٰ خلل پذیر ہوگا۔ اس لئے کہ کرامتوں کا ظہور اور آیاتِ الٰہیہ کا کشف و مشاہدہ اہل توحید اور دینداروں کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ ان باطل اقوال کے ماننے والے کی روح میں تو سر تا سر غلطیاں ہی غلطیاں پڑی ہوئی ہیں۔ (انہیں دین و ولایت سے کیا علاقہ) اب میں قانون سنت کے مطابق ان کے احکام کو بیان کرتا ہوں اور ملحدوں کے اقوال و مغالطے اور ان کے شبہات کو لاتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھنے کی قوت عطا فرمائے اور جاننا سکو کہ ان میں کتنے فساد ہیں وباللہ التوفیق ۔

روح کی بحث

جاننا چاہئے کہ روح کے وجود کا علم ضروری ہے لیکن اس کی حقیقت و معرفت میں عقل عاجز و مجبور ہے۔ امت مسلمہ کے ہر ایک عالم و حکیم نے اپنے اپنے فہم و قیاس کے مطابق اس بارے میں کچھ نہ کچھ فرمایا ہے اور کافروں کے گروہوں نے بھی اس میں خامہ فرسائی کی ہے۔ جس وقت کفار قریش نے یہودیوں کے سکھلانے پر نضر بن حارث کو بھیجا کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روح کی کیفیت اور اس کی ماہیت کو دریافت کرے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے روح کے وجود کا اثبات فرمایا، ارشاد ہے ویسئلونک عن الروح : اے محبوب تم سے روح کے بارے میں یہ سوال کرتے ہیں ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح کی قدامت کی اس سے نفی فرمائی ارشاد ہے قل الروح من امر ربی : اے محبوب تم فرما دو روح میرے رب کے حکم سے ہے ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف : روحیں پیوستہ لشکر ہیں جو آپس میں شناسا ہیں وہ ملتے ہیں اور جو ناواقف ہیں مختلف رہتے ہیں ۔

اس قسم کے بکثرت دلائل ہیں جو روح کے وجود پر بغیر کیفیت بیں تصرف کے رہنما بنے ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ کہتا ہے کہ الروح ھو الحیوٰۃ التی یحیی بہ الجسد : روح ایک زندگی ہے جس سے بدن زندہ ہوتا ہے ۔

متکلمین کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے ان کے معنی میں روح ایک عرض ہے جس سے بفرمان الٰہی جاندار زندہ ہوتا ہے۔ اور تالیف و حرکت کے اقسام کا اجتماع اسی سے ہے۔ اسی طرح وہ اعراض جو ہر شخص کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرتا ہے ۔

اور ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ ھو غیر الحیوٰۃ ولا یوجد الحیوٰۃ الا معہا کما لا یوجد الروح الا مع البنیۃ وان لا یوجد احدھما دون الآخر کالالم والعلم بھا لانھما سیئان لا یفترقان ۔ روح زندگی کے سوا شئی ہے اور زندگی اس کے بغیر نہیں پائی جاتی اور روح جسم و بنیاد کے بغیر نہیں پائی جاتی اور دونوں میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائی جاتی جیسے الم اور اس کا علم کیونکہ یہ دونوں شئی مختلف ہیں

مطلب یہ کہ روح حیات کے سوا علیحدہ وجود ہے کیونکہ اس کا وجود بغیر حیات کے جائز نہیں۔ ہے جیسے کہ زندہ مستدل شخص کی روح جو ایک دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً الم و تکلیف اور اس کا علم بیک وقت وجود پاتا ہے۔ دونوں مختلف جدا ہیں مگر وقوع میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ اسی معنے میں عرضی بھی کہا جاتا ہے جب ... حیات۔ پھر یہ کہ جمہور مشائخ اور اکثر اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ روح نہ عینی ہے نہ صفی لیکن اللہ تعالیٰ جب تک اسے انسانی قالب میں رکھتا ہے دستور کے مطابق قالب میں حیات پیدا کر دیتا ہے۔ اور حیات انسان کی صفت ہے اور وہ اسی سے زندہ رہتا ہے۔ لیکن روح جسم انسانی میں عاریتہ ہے ممکن ہے کہ وہ انسان سے جدا ہو جائے اور حیات کے ساتھ زندہ ہے۔ جس طرح نیند کی حالت میں روح نکل جاتی ہے مگر وہ حیات کے ساتھ زندہ رہتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ روح جسم سے نکل جانے کے وقت میں عقل و علم باقی رہ جائے اسی لئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکلوں میں ہوتی ہیں یقیناً اس سے لازم آتا ہے کہ روح عینی ہے اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا الارواح جنود مجندۃ روحیں صف بستہ لشکر ہیں لامحالہ جنود باقی ہوتا ہے اور عرض پر بقا جائز نہیں اور نہ عرض از خود قائم ہو سکتا ہے۔ لہٰذا روح ایک جسم لطیف ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی جاتی ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے شب معراج میں حضرت آدم صفی اللہ، یوسف صدیق، موسیٰ کلیم اللہ، ہارون حلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کو آسمانوں پر دیکھا یقیناً وہ ان کی روحیں تھیں اگر روحیں عرضی ہوتی تو از خود قائم نہ ہوتی۔ اور انہیں وجود کی حالت میں نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ عرضی ہوتی تو اس کے وجود کے لئے کوئی مقام درکار ہوتا۔ تاکہ وہ عارض اس مقام میں قیام کرے اور وہ مقام اس کا جوہر ہوتا اور جواہر مرکب کثیف ہوتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ روح کے لئے جسم لطیف ہے اور جبکہ وہ جسم ... ہے تو اب اس کی رویت ممکن ہو سکتی ہے مگر دل کی آنکھ سے۔ خواہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں یا صف بستہ لشکر کی صورت میں جن سے وہ آتی جاتی ہیں جیسا کہ احادیث اس میں شاہد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل الروح من امر ربی (اے محبوب تم فرما دو روح میرے رب کے حکم سے ہے)

اب اس جگہ ملحدوں کا اختلاف رہ گیا کہ وہ روح کو قدیم کہتے اور اس کو پوجتے ہیں اور اشیاء کا فاعل اور ان کا مدبر اسی کو جانتے ہیں اور اسی کو الٰہ کہتے اور اسے ہمیشہ مدبر سمجھتے اور ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف لوٹ پلٹنے والا جانتے ہیں (یعنی آواگون اور تناسخ کے قائل ہیں) انھوں نے جتنے شبہات لوگوں میں پھیلانے ہیں کسی میں اتنے لوگ مبتلا نہیں ہوئے ہیں جیسے اس شبہ میں پڑے ہیں ... تمام نصاریٰ کا مذہب اسی پر ہے۔ اگرچہ ان کی عبارتیں اس کے برخلاف ہیں۔ اور تمام ہندو تت اور چین اور ماچین کے لوگ بھی اسی پر ہیں اور تمام شیعوں کا قرامطہ اور باطنی بھی اسی پر ہیں۔ اور یہ دونوں مردود و باطل گروہ بھی اسی خیالات فاسدہ کے قائل ہیں اور ہر گروہ دوسرے کی رد ... ان لوگوں کو سب سے پہلے مقدم جانتا اور دلائل کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے۔ ہم ان کے تمام دعووں میں سے صرف لفظ قدیم کو لے کر پوچھتے ہیں کہ آپ تمھارا کیا مراد ہے۔ کیا محدث اپنے وجود میں متقدم ہے یا ہمیشہ قدیم۔ اگر یہ کہیں کہ اس قول سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدث وجود میں مقدم و پہلے ہے تو اس بنیاد پر اصل سے اختلاف ہی جاتا رہتا ہے کیونکہ ہم بھی روح کو محدث کہتے ہیں یا یہ کہ اس شخص کے وجود پر روح کے وجود متقدم و پہلے ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے ان اللہ تعالیٰ خلق الارواح قبل الاجساد بالفی الف عام : بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جسموں سے دو ہزار سال پہلے روحوں کو پیدا فرمایا۔ چونکہ اس کا محدث ہونا صحیح ہے تو لامحالہ محدث کے ساتھ جو محدث ہو وہ بھی محدث ہوتا ہے۔ دونوں یک جنس ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تخلیق میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا ہے پھر اس پیوستگی اور ملنے سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے حیات کو پیدا فرماتا ہے یعنے تخلیق میں ارواح ایک جدا جنس ہیں اور اجسام ایک جدا جنس ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی کو زندگی عطا فرمانا چاہتا ہے تو روح کو جسم کے ساتھ ملنے کا حکم دیتا ہے اور اس سے زندگانی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں پھرنا اور گشت کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جب ایک جسم کے لئے دو قسم کی حیات جائز نہیں تو اسی طرح ایک روح کے لئے بھی دو مختلف جسم یا شخص جائز نہیں۔ اگر اس پر احادیث ناطق نہ ہوتیں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ارشاد میں صادق نہ ہوتے تو از روئے عقل صرف معقول روح تجزیات سے نہ ہوتی۔ اور وہ صفتی ہوتی عینی نہ ہوتی)۔

اگر یہ ملحدین یہ کہیں کہ قدم سے مراد قدیم و دوام ہے۔ تو ہم دریافت کریں گے یہ از خود قائم ہے یا با غیر، اگر کہیں کہ یہ قائم بنفسہ ہے تو ہم دریافت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے یا نہیں۔ اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا نہیں ہے تو دوسرا قدیم ثابت ہو جاتا ہے۔ اور یہ معقول نہیں ہے کیونکہ قدیم محدود نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایک ذات کا وجود دوسرے کی ضد ہوتی ہے اور یہ محال ہے۔ اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے تو ہم جواب دیں گے کہ وہ تو قدیم ہے۔ اور مخلوق محدث ہے۔ اور یہ محال ہے کہ محدث کا قدیم کے ساتھ امتزاج ہو یا اتحاد، یا حلول ہو یا محدث، قدیم کی جگہ آئے یا قدیم محدث کی جگہ آئے اور جب بھی ایک کو دوسرے میں ملایا جائے گا دونوں ایک ہو جائیں گی اور جدائی سوائے محدثات کے جائز نہیں، کیونکہ جنسیں مختلف ہیں۔ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً (اللہ تعالیٰ اس سے برتر اور بہت بلند و بالا ہے)۔

اور اگر کہیں کہ وہ قائم بنفسہ نہیں ہے اور اس کا قیام غیر کے ساتھ ہے یہ دو باتوں سے خالی نہیں یا وہ صفتی ہو گا یا عرضی ہو گا۔ اگر عرضی کہیں تو لامحالہ اسے یا کسی محل میں کہیں گے یا لا محل میں۔ اگر اسے محل میں کہیں تو وہ محل بھی اسی کے مانند ہو گا اور قدم کا نام ہر ایک سے باطل ہو جائے گا۔ اور اگر لا محل میں کہیں تو یہ محال ہے جبکہ عرض خود ہی قائم بنفسہ نہیں تو لا محل میں کس طرح متصور ہو گا۔ اور اگر کہیں کہ صفت قدیم ہے جیسے کہ حلول و تناسخ والے کہتے ہیں اور وہ صفت کو حق کی صفت کہتے ہیں تو یہ محال ہے کہ حق تعالیٰ کی قدیم صفت کسی مخلوق کی صفت بن جائے اور اگر جائز ہو کہ اس کی حیات مخلوق کی صفت ہو جائے اور یہ بھی جائز ہو کہ اس کی قدرت مخلوق کی قدرت ہو جائے پھر وہ صفت موصوف کے ساتھ قائم ہو جائے۔ لہٰذا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ قدیم صفت کے لئے حادث موصوف ہو جائے۔ تو لامحالہ قدیم کو حادث سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ اور اس بارے میں ملاحدہ کا قول باطل ہے، فرمان الٰہی کے موافق روح مخلوق ہے جو اس کے سوا کہے وہ کھلا مکابرہ ہے۔ اور وہ حادث و قدیم کا فرق نہیں جانتا۔ اور یہ جائز نہیں کہ کوئی ولی اپنی صحت ولایت میں حق تعالیٰ کے اوصاف کا جاہل ہو اور بحمد اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بدعت اور خطرات سے محفوظ گردان کے عقل و فہم دیا ہے جن سے نظر و استدلال کرتے ہیں۔ اور ایمان عطا فرمایا ہے جس سے اُسے پہچانتے ہیں اور یہ حمد اپنی غایت کو نہ پہنچے کیونکہ نامتناہی نعمتوں کے مقابلہ میں حمد متناہی ہوتی ہے وہ نامعقول ہوتی ہے۔ اور جب ظواہر نے اصولیوں سے اس قسم کی باتیں سنیں تو گمان کرنے لگے کہ تمام صوفیوں

کا الٰہ ساری اعتقاد ہوگا۔ اس لئے وہ ان نیکوکار بزرگوں کے بارے میں کھلے نقصان اور ان کے جمال سے محجوب ہو گئے۔ اور وہ ولایت حق کے لطائف اور شعلہ ہائے انوار ربانی کے ظہور سے پوشیدہ رہ گئے اس لئے اکابر و سادات کی راہوں سے برگشتہ ہونا اور ان کا رد کرنا ان کے قبول کرنے کے مانند ہوتا ہے اور ان کا قبول کرنا ان کے رد کرنے کے مانند۔ واللہ اعلم

فصل

ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الروح فی الجسد کالنار فی الحطب فالنار مخلوقۃ و الفحم مصنوعۃ یعنی جسم میں روح مانند لکڑی میں آگ کے ہے۔ لہٰذا آگ مخلوق اور کوئلہ مصنوع ہے۔

اور قدیم ہونا سوائے ذات و صفات باری تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں۔ اور مشائخ میں سے حضرت ابو بکر واسطی نے روح کے بارے میں زیادہ بحث فرمائی ہے ان سے منقول ہے کہ فرمایا الارواح علےٰ عشرۃ مقامات۔ (دس مقامات پر رہتی ہیں)۔

اول:- مفسدوں کی روح ہے جو تاریکی اور ظلمت میں مقید ہے اور نہیں جانتی کہ ان کے ساتھ کیا ہوگا۔

دوم:- نیک و متقی لوگوں کی جانوں میں روح ہے جو دنیاوی آسمانوں میں اچھے اعمال کے باعث خوش اور طاعت میں مسرور ہو کر اس کی قوت سے چلتی ہیں۔

سوم:- محسنین کی جانوں میں ہیں اور وہ ان قندیلوں میں عرش الٰہی سے آویزاں ہیں جن کی غذا محبت اور ان کا پانی شراب لطف و قربت ہے۔

چہارم:- مریدین کی جانوں میں ہیں اور چوتھے آسمان پر ان کا مسکن ہے۔ وہاں صدق کی لذت اور اپنے اعمال کے سائے میں فرشتوں کے ساتھ ہیں۔

پنجم:- اہل وفا کی جانوں میں ہیں جو حجاب صفا اور مقام اصطفا میں خوش ہیں۔

ششم:- شہداء کی جانوں میں ہیں جو سبز پرندوں کے قالب میں بہشت میں اور اس کے باغوں میں رہتی ہیں وہ جہاں چاہیں اور جب چاہیں جائیں۔

ہفتم:- مشتاقوں کی جانوں میں ہیں جو ادب کے فرش پر انوار صفات کے پردوں میں قیام کرتی ہیں۔

ہشتم:- عارفوں کی جانوں میں ہیں جو قدس کے گوشہ میں صبح و شام خدا کی باتیں سنتی ہیں۔ اور دنیا و جنت میں اپنے مکانوں کو دیکھتی ہیں۔

نہم:- محبوبوں اور دوستوں کی جانوں میں ہیں جو مشاہدۂ جمال الٰہی اور مقام کشف میں محو ہیں۔ اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتی ہیں اور نہ کسی سے انہیں بجز اس کے راحت ملتی ہے۔

دہم:- درویشوں کی جانوں میں ہیں جو محل فنا میں مقرب ہو کر اپنی صفتیں بدل کر احوال متغیر کر چکی ہیں۔

مشائخ کرام بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ہر ایک کو ان کی جداگانہ صورتوں میں دیکھا ہے۔ اور یہ جائز ہے اس لئے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ وہ موجود ہیں اور ان کا جسم لطیف ہے اور ان کو دیکھا جا سکتا ہے اور جب چاہے اللہ تعالیٰ ہر بندہ کو جیسا چاہے دکھا دیتا ہے۔

اور میں یعنے علی بن عثمان جلابی (سید نا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) کہتا ہوں کہ میری زندگانی ہر حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور قیام بھی

اسی سے ہے۔ اور ہمارا زندہ رکھنا حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ جو ہم میں موجود ہے ہم اس کے پیدا کرنے سے ہیں۔ اس کی ذات و صفات سے نہیں۔ اور روح کو لینے حلولیوں کا قول سراسر باطل ہے۔ جو لوگوں میں بہت بڑی گمراہی ہے۔ ان کا ایک باطل قول یہ ہے کہ وہ روح کو قدیم کہتے ہیں اگرچہ ان کی عبارتیں مختلف ہیں۔ اور ایک گروہ نفس و ہیولیٰ کہتا ہے اور ایک گروہ نور و ظلمت کہتا ہے۔ اور اس طریقت کو باطل ٹھہرانے والے یا تو فنا و بقا کہتے ہیں یا جمع و تفرقہ وغیرہ اس قسم کی بیہودہ باتیں گھڑ رکھی ہیں اور اپنے کفر کی تحسین کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام ان ایسے گروہوں سے بیزار و متنفر ہیں۔ کیونکہ اثبات ولایت اور محبت الٰہی کی حقیقت بجز معرفت الٰہی کے درست نہیں ہو سکتی۔ اور جبکہ کوئی قدیم کو محدث سے جدا کر کے پہچان نہ سکے وہ اس بارے میں جو کچھ بھی کہے گا اپنے قول میں جاہل ہوگا۔ اور عقلمند جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات تک نہیں کرتے۔ اب جو کچھ ان دونوں باطل و مردود گروہوں کا مقصود تھا ان دو فصلوں میں بیان کر چکا ہوں اگر اس سے زیادہ درکار ہو تو میری دیگر کتابوں میں تلاش کرے اس کتاب میں میرا مدعا طوالت نہیں ہے ۔

اب میں اہل طریقت و تصوف کے حجابات کا کشف اور معاملات و حقائق کے ابواب کو ظاہر دلائل کے ساتھ اس کتاب میں بیان کرتا ہوں تاکہ تم پر مقصود کے جاننے کا طریقہ زیادہ آسان ہو جائے۔ اور اس کے منکرین کے لئے سامان بصیرت ہو جائے اور انکار سے باز آ جائیں۔ اور مجھے اس طرح دعا و ثواب حاصل ہو جائے انشاء اللہ تعالیٰ ۔

معرفت الٰہی میں پہلا کشفِ حجاب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما قدروا اللہ حق قدرہ ؛ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو عرفتم اللہ حق معرفتہ لمشیتم علے البحور ولزالت بدعائکم الجبال ، اگر تم اللہ تعالیٰ کو کما حقہ پہچانتے تو یقیناً تم دریاؤں پر (خشک قدم) چلتے اور تمہاری دعاؤں سے پہاڑ ہٹ جاتے ۔

اقسام معرفت

لہٰذا معرفت الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک علمی دوسرے حالی۔ معرفت علمی دنیا و آخرت کی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے جو بندے کے لئے ہمہ وقت اور ہر حالت میں معرفت الٰہی کے لئے سب چیزوں سے زیادہ اچھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون ؛ ہم نے جن و انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری معرفت حاصل کریں ۔

لہٰذا اکثر لوگ اس سے ناواقف اور روگرداں ہیں مگر وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر دنیاوی تاریکیوں سے محفوظ رکھا اور ان کے دلوں کو اپنی مدد سے زندہ رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حالت کی ہمیں خبر دیتے ہوئے فرمایا وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس یعنے عمر ؛ اور گردانا ہم نے ان کے لئے نور جس کے ساتھ لوگوں میں چلتے ہیں یعنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۔

اور ابوجہل کا حال یہ بیان فرمایا کہ کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منہا یعنی ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ: کون ہے اس کی مثل جو اندھیرے میں ہے جو کبھی اس سے نکلتا ہی نہیں یعنی ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ ۔

لہٰذا معرفت یہ ہے کہ دل حق کے ساتھ زندہ ہو اور اس کا باطن ماسوا اللہ سے روگرداں ہو۔ اور ہر ایک کی قدر و منزلت معرفت سے ہے اور جسے معرفت نہیں وہ بے قیمت ہے۔ لہٰذا حضراتِ علماء و فقہاء وغیرہ رحمہم اللہ علم کی صحت و درستی کو معرفتِ الٰہی کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اور یہ مشائخ طریقت کا گروہ صحت حال کو معرفتِ الٰہی سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ معرفت کو علم سے افضل کہتا ہے اس لئے کہ صحت حال صحت علم کے بغیر ممکن نہیں اور صحت علم کے لئے صحت حال لازمی نہیں مطلب یہ کہ اس وقت تک عارف نہیں ہو سکتا جب تک کہ عالم بحق نہ ہو لیکن عالم کے لئے ممکن ہے کہ عارف نہ ہو اور وہ لوگ جو اس معنے میں دونوں طبقوں میں جاہل ہیں ان سے مناظرہ کرنا بے فائدہ ہے یہی وہ لوگ ہیں جو طریقت کے منکر ہیں۔ یہ گروہ ان سے جدا ہے ۔

اب میں اس مسئلہ کے اسرار کھولتا ہوں تاکہ دونوں طبقوں کو ظاہر فائدہ پہنچے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

فصل

اے عزیز! تمھیں جاننا چاہیئے اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت کرے کہ معرفت الٰہی اور اس کے علم کی صحت کے بارے میں لوگوں کا بہت اختلاف ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت عقلی ہے۔ عاقل کے سواء اس کی معرفت جائز نہیں۔ یہ قول باطل ہے اس لئے کہ وہ دیوانے جو دار الاسلام میں ہوں ان کے لئے حکمی معرفت ہے۔ اسی طرح وہ بچے جو عاقل نہیں ہیں ان کے لئے حکمی ایمان ہے۔ اگر حکم معرفت میں عاقل شرط ہوتی، تو جنھیں عقل نہیں ہے وہ معرفت کے حکم میں نہ ہوتے۔ اور کافروں میں چونکہ عقل ہے تو ان پر حکم کفر نہ ہوتا۔ اور اگر عقل معرفت کے لئے علت ہوتی تو چاہیئے کہ ہر عاقل کو عارف کہا جاتا اور ہر بے عقل کو جاہل۔ یہ کھلا مکابرہ ہے ۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کی علت استدلال ہے اور استدلال کرنے والے کے سوا جائز نہیں ہے یہ قول بھی ابلیس سے باطل ٹھہرتا ہے اس لئے کہ ابلیس نے بہت سی نشانیاں اور آیاتِ الٰہیہ دیکھیں مثلاً جنت، دوزخ، عرش و کرسی دیکھی اسے ان کی دید بھی معرفت کی علت نہ بنی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولو اننا نزلنا الیہم الملٰئکۃ وکلمہم الموتی وحشرنا علیہم کل شیءٍ قبلاً ما کانوا لیومنوا الا ان یشاء اللہ ۔ اگر ہم فرشتوں کو کفار کے پاس بھیجتے اور مردے ان سے کلام کرتے اور ان کے سامنے ہر چیز کو اٹھاتے جب بھی وہ ہرگز ایمان لانے والے نہ تھے مگر جسے اللہ چاہے ۔

اگر رویتِ آیت اور ان کا استدلال معرفتِ حق کی علت ہوتی تو اللہ تعالیٰ معرفت کی علت انہیں گردانتا نہ کہ اپنی مشیت کو ۔

اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک صحت عقل اور رویتِ آیات معرفت کا سبب ہے نہ کہ علت معرفت۔ واضح رہنا چاہیئے کہ معرفت کی

علت بجز عنایت و مشیت الٰہی کے کچھ نہیں ہے کیونکہ بغیر عنایت الٰہی عقل اندھی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ عقل بجائے خود جاہل ہے۔ اور بہت سے عقلاء نے حق تعالیٰ کی حقیقت کو نہ جانا جبکہ عقل بجائے خود جاہل ہے تو بغیر عنایت الٰہی وہ اپنے غیر کو کس طرح جانے گی۔ اور آیات الٰہیہ کی رویت میں تفکر و استدلال بھی غلط ہے کیونکہ خواہش کے بندے اور ملحدوں کی جماعت سب استدلال کرنے والے ہی ہیں۔ مگر وہ اکثر عارف نہیں ہیں۔ پھر یہ کہ جو اہل عنایت الٰہی ہیں ان کی تمام حرکات معرفت کی علامت ہے۔ ان کا استدلال طلب اور ترک استدلال تسلیم ہے۔ اور صحت معرفت میں تسلیم طلب سے افضل نہیں ہے کیونکہ طلب وہ اصل و بنیاد ہے جس کا ترک جائز نہیں ہے اور تسلیم وہ اصل و بنیاد ہے جس میں اضطراب جائز نہیں۔ اور ان دونوں کے لئے معرفت حقیقت نہیں ہے مگر واضح رہنا چاہیئے کہ درحقیقت بندے کے دل کو کھولنے اور اس کی رہنمائی کرنے والا حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اور عقل و دلائل کا وجود، ہدایت کی قدرت نہیں رکھتے اور دلیل اس سے زیادہ واضح نہیں ہوگی کہ حق نے فرمایا ولو رُدّوا لعادوا لما نُهوا عنه الایۃ اور اگر انہیں لوٹائیں تو یقیناً اسی طرف پلٹیں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے۔

مطلب یہ کہ اگر کافروں کو قیامت سے دوبارہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تو پھر وہ پہلے ہی کی طرح کفر میں آلودہ رہیں گے۔ جس وقت لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے معرفت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا عرفت اللہ باللہ وعرفت ما دون اللہ بنور اللہ میں نے اللہ کو اللہ کی مدد سے پہچانا اور ماسوا اللہ کو اسی کے نور سے جانا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جسم کو پیدا فرمایا اور اس کی زندگانی کو روح کے حوالہ کردی اور دل کو پیدا فرمایا اور اس کی زندگانی کو اپنے قبضہ میں رکھی۔ لہٰذا جبکہ عقل و آیات کو جسم کے زندہ کرنے کی قدرت نہیں دی تو محال ہے کہ وہ دل کو زندہ کرسکے۔ چنانچہ فرمایا او من کان میتاً فاحییناہ جو شخص مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کیا۔

اس جگہ ہر زندگانی کو اپنے قبضہ میں ہونا بیان فرمایا پھر فرمایا وجعلنا له نوراً یمشی به فی الناس اور بنایا ہم نے اس کے لئے نور جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے۔

مطلب یہ کہ میں ہی نور کا پیدا کرنے والا جس کی روشنی میں مسلمان چلیں وہ میں ہوں اور یہ بھی ارشاد ہے افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علٰی نور من ربه کیا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہیں وہ اپنے رب کے نور پر ہے۔

اس جگہ دل کی کشادگی اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضہ میں بتائی لہٰذا دل کی بندش بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ اور فرمایا ختم اللہ علٰی قلوبہم وعلٰی سمعہم وعلٰی ابصارہم غشاوۃ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے کان اور آنکھوں پر پردہ ہے اور فرمایا و لا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا اسے سننے والے اس کی پیروی نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کیا۔

لہٰذا جبکہ دل کا قبض و بسط اور اس کا شرح و ختم اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تو محال ہے اس کے سوا کسی غیر کو رہنما جانے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے وہ سب علت و سبب ہے ہرگز علت و سبب بغیر مسبب یعنی خدا کے راہ نہیں دکھا سکتا کیونکہ حجاب رہزن ہوتا ہے نہ کہ راہبر اور اللہ

تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ ولٰکن اللّٰہ حَبَّبَ الیکم الایمان وَزَیَّنَہٗ فی قلوبکم الآیہ۔ لیکن وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اسی نے تمہارے دلوں کو اس سے مزین فرمایا:

اس آیت میں دل کی تزیین اور محبت جاگزین کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی۔ اور الزام و تقوے جو کہ عین معرفت ہے اسی کی جانب سے ہے اور ملزم کو اپنے الزام میں اس حالت کے دور کرنے یا اپنی طرف حاصل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے معرفت کرائے بغیر لوگوں کے نصیب میں ہرگز اس کی معرفت ممکن نہیں ہے مخلوق حصولِ معرفت الٰہی میں عاجز ہے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لادلیل علی اللہ سواہ انما العلم یطلب لآداب الخدمۃ۔ معرفت الٰہی کے لئے اس کے سواء دلوں کی کوئی دلیل نہیں۔ علم تو خدمت کا طریقہ سیکھنے کے لئے حاصل کرتے ہیں نہ کہ صحت معرفت کے لئے۔

اور کسی مخلوق کی یہ طاقت نہیں کہ وہ بندے کو خدا تک پہنچا دے۔ استدلال کرنے والا حضرت ابوطالب سے زیادہ عاقل نہ ہوگا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی بزرگ دلیل نہ ہوگی اور چونکہ ابوطالب کا شقاوت پر جاری حکم تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دلالت اسے فائدہ نہ دے سکی استدلال کا پہلا درجہ حق جل وعلےٰ کی عنایت سے روگردانی ہے اس لئے کہ استدلال کے وقت غیر خدا سے غور و فکر کرنا ہے اور معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ غیر خدا سے روگردانی کی جائے۔ اور ولایت کی طلب کرنے والوں کی عادت استدلال میں یہی ہے۔ اور حق کی معرفت عادت کے خلاف میں ہے۔ لہٰذا جبکہ معرفت الٰہی بجز دوام حیرت عقل کے نہیں تو عنایت الٰہی کی اپنی طرف سے ہے کہ نا بندہ کے اختیار میں نہیں کیونکہ اس راہ میں مخلوق کے کسب اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ اور اس کے سوا بندہ کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اور یہ دلوں کی کشادگی غیبی خزانوں کے متعلق ہے اس لئے کہ جو کچھ خدا کے سواء ہے وہ سب حادث ہے اور حادث اپنے ہی جیسوں تک تو پہنچ سکتا ہے مگر اپنے پیدا کرنے والے تک نہیں پہنچ سکتا۔ باوجودیکہ وہ کسب و اختیار بھی اسی کا پیدا کردہ ہے لیکن جب وہ کسی کے زیر تحت ہو جاتا ہے تو کسب کا سبب غالب ہو جاتا ہے اور حاصل شدہ مغلوب۔ لہٰذا اس میں عزت نہیں ہے کہ عقلِ انسانی دلیلِ فعل سے ہستی فاعل کا اثبات کرے۔ بلکہ عزت و کرامت اس میں ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے نور سے اپنی ہستی کو نفی کرے۔ پس اول شخص کو معرفت قولی ہے اور اس دوسرے شخص کو معرفت حالی ہے۔ اور وہ گروہ جس چیز کو معرفت کی علت جانتی ہے وہ عقل ہے پس سے کہو کہ غور کرو کہ دل میں عینِ معرفت سے کیا چیز ثابت کر لی ہے۔ اور جو کچھ عقل ثابت کرتی ہے معرفت اس کی نفی کا اقتضا کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ دل میں جو خدا کی صورت دلالتِ عقلی کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے کہ خدا ایسا ہے اس کی حقیقت اس کے برخلاف ہے اور اگر اس کے برخلاف کوئی صورت بنائے تو حق تعالیٰ اس کے بھی برخلاف ہے۔ لہٰذا عقل کی کیا طاقت ہے کہ اس کی معرفت استدلال کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ عقل اور وہم دونوں ہم جنس ہیں جہاں جنس ثابت ہو وہاں معرفت کی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا استدلالِ عقلی سے اثبات تشبیہ ظاہر کرتی ہے اور نفی کا نتیجہ تعطیل اور اس کی گنجائش نہیں دو قاعدوں پر ہے۔ اور یہ دونوں معرفت کے لئے بیکار ہیں کیونکہ مشبہ اور معطلہ موحد نہیں ہوتے۔ لہٰذا جب عقل اپنی بساط بھر قدرت تک چلی اور اس سے جو کچھ وجود میں آیا وہ سب وہی تمہاری جنس حادث و مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے دلوں میں اس کی تلاش و جستجو

کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا تو وہ خدا کے حضور عاجز ہو کر بغیر کسی علت و سبب کے اکھڑے ہوئے اور اپنے آرام میں بے آرام ہو کر آہ و زاری کے ساتھ ہاتھ پھیلا دیئے اور اپنے دلوں کے لئے مرہم مانگنے لگے۔ کیونکہ ان کی راہ اپنی قدرت و طلب کے اقسام سے پوشیدہ تھی تب قدرت حق اس جگہ ان کی طاقت بنی۔ یعنی اس طرح وہ اس تک رسائی پا گئے۔ اور غیبت کی تکلیف سے رستگاری پائی۔ اور محبت کے باغ میں جگہ بنا کر آرام کرنے لگے۔ اور روح میں سرور پیدا ہوا۔ جب عقل نے دلوں کو فائز المرام دیکھا تو اس نے اپنا تصرف ظاہر کرنا چاہا مگر اس نے دخل نہ پایا تو تھک ہار کر بیٹھ گئی۔ جب وہ تھک ہار کر رہ گئی تو متحیر و پریشان ہوئی اور جب متحیر ہوئی تو عقل معزول ہوئی اور جب وہ معزول ہو گئی تو حق تعالیٰ نے خدمت کا لباس اسے پہنایا اور فرمایا اے عقل جب تک تو با خود تھی اس وقت تک تو اپنے تصرف و اسباب کے ساتھ محجوب تھی جب آلاتِ تصرف فانی ہو گئے اور تو اکیلی رہ گئی جیسے کہ تھی تو تو نے رسائی حاصل کی۔ لہٰذا دل کو قربت نصیب ہوئی اور عقل کو خدمت۔ اور اپنی معرفت میں ہی معرفت پنہاں تھی۔ لہٰذا اللہ عزوجل نے بندہ کو اپنا عرفان عطا فرما کر اپنی معرفت کا شناسا کیا تاکہ بندہ عرفانِ الٰہی سے معرفتِ الٰہی کو پہچانے نہ کہ آلات و اسباب کے ذریعہ بلکہ اس کی شناخت اس وجود کے ذریعہ ہے جو اسے عطا فرمایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ عارف کی انانیت ہر طرح سے فنا ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس کا ذکر بے بھول کے اور اس کا حال بے تقصیر کے بن گیا۔ اب اس کی معرفت حال ہے نہ کہ مقال و گفتار۔

نیز ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفتِ الٰہی الہامی ہے حالانکہ یہ بھی محال ہے۔ اس لئے کہ معرفت کے لئے جھوٹی سچی دونوں طرح کی دلیلیں ہو سکتی ہیں اور الہام والوں کے لئے خطا و صواب پر متحمل دلیل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ایک کہے گا مجھے الہام ہوا ہے کہ خدا مکان میں ہے اور دوسرا کہے گا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اس کے لئے مکان نہیں ہے لامحالہ ان دو مختلف دعووں میں ایک ہی حق پر ہو سکتا ہے حالانکہ دونوں الہام کا دعوٰے کر رہے ہیں۔ یقیناً اس کے لئے پھر کوئی ایسی دلیل درکار ہوگی جس سے صدق و کذب کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے۔ اور یہ دونوں مدعی اس وقت دلیل سے جان لیں کہ الہامی حکم باطل ہے۔ یہ قول برہمنوں کا ہے۔ میں نے اس زمانہ میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو الہام کے مدعی ہیں اور اس میں بکثرت غلو کرتے ہیں۔ اور اپنے حالات کی نسبت مردانِ پارسا کے طریق سے کرتے ہیں وہ سب گمراہی پر ہیں۔ اور ان کی باتیں تمام مسلمانوں اور کافروں کے عقلمندوں کے خلاف ہیں۔ اس لئے کہ دس مدعیانِ الہام، دس ہی متناقض و متخالف باتوں کا دعوٰے کرتے ہیں اور جو حکم میں سب کے سب باطل ہوتے ہیں اور ان مدعیانِ الہام میں کوئی ایک بھی حق پر نہیں ہوتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ "جو کچھ شریعت کے خلاف ہو وہ الہام نہیں ہوتا" تو ہم جواب دیں گے کہ تم اپنے اصل و قاعدہ میں خطا و غلطی پر ہو اس لئے کہ شریعت کو اپنے الہام پر قیاس کرتے ہو اور کہتے ہو کہ شریعت سے ہمارا الہام ثابت ہے۔ لہٰذا معرفتِ الٰہی شرعی، ثبوتی اور ہدایتی ہوتی ہے نہ کہ الہامی۔ اور معرفت میں الہام کا حکم بہمہ وجوہ باطل ہے۔

ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ معرفتِ حق ضروری و بدیہی ہے۔ حالانکہ یہ بھی محال ہے اس لئے کہ بندہ کو ہر وہ چیز جس کا اسے علم ہو جائے اگر ضروری و بدیہی ہو جائے تو لازم آتا ہے کہ تمام عقلاء اس میں مشترک ہوں حالانکہ میں نے عقلاء کی ایک جماعت کو دیکھا ہے جو اس سے انحراف و انکار کرتے ہوئے تشبیہ و تعطیل کو جائز رکھتے ہیں۔ درست بات یہی ہے کہ یہ ضروری و بدیہی نہیں ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر معرفت الٰہی ضروری و بدیہی ہوتی تو اس پر

تکلیف جائز نہیں ہوتی کیونکہ محال ہے کہ کسی ایسی چیز کی معرفت کے لئے جس کا علم ضروری و بدیہی ہے اس پر تکلیف ہو۔ مثلاً اپنی پہچان اور آسمان و زمین، دن رات اور تکلیف و راحت وغیرہ چونکہ یہ ضروری ہیں تو ان پر تکلیف ناممکن ہے۔ اور ان میں سے کسی کے وجود کے لئے عاقل کو شک و شبہ لاحق نہیں ہوتا۔ اور اسے اس کی حاجت نہیں ہوتی کہ وہ پریشان ہو اور علم حاصل کرنا چاہے تو حاصل نہ کر سکے۔ لیکن صوفیوں کے ایک گروہ نے جب اپنے یقین کی صحت و درستگی پر غور کیا تو کہنے لگے کہ ہم اسے ضروری و بدیہی جانتے ہیں کیونکہ دل میں کوئی شک و تردد واقع نہیں ہے۔ اور انھوں نے یقین کا ضروری و بدیہی نام رکھ لیا۔ یہ معنے کے لحاظ سے تو ٹھیک ہے مگر عبارت کے لحاظ سے غلط ہے اس لئے کہ ضروری و بدیہی علم میں صحت و درستگی کی تخصیص جائز نہیں ہوتی کیونکہ وہ تمام عقلوں میں مساوی و برابر ہوتا ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ ضروری و بدیہی علم وہ ہوتا ہے جو بندوں کے دلوں میں بغیر سبب و دلیل ظاہر ہو جائے۔ اور علم الٰہی اور معرفت ربانی سببی ہے۔

لیکن استاد ابو علی دقاق، شیخ ابو سہل صعلوکی اور ان کے والد جو نیشاپور کے امام و رئیس تھے ان کا نظریہ یہ ہے کہ معرفت کی ابتداء استدلال ہے اور اس کی انتہا ضرورت و بداہت ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کا ایک قول یہ ہے وہ کہتے ہیں کہ تم نے نہیں دیکھا کہ جنت میں علم الٰہی ضروری و بدیہی ہو جائے گا۔ اور جبکہ یہ جائز ہے کہ وہاں ضروری ہو جائے تو یہاں بھی ممکن ہے کہ ضروری ہو۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جس وقت اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں خواہ وہ بے واسطہ ہو یا فرشتہ یا وحی کے ذریعہ وہ اسے ضروری جانتے ہیں۔ اور ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ اہل جنت بہشت میں اللہ تعالیٰ کو بداہتہ و ضرورۃ سے جانیں گے۔ اس لئے کہ جنت تکلیف کا گھر نہیں ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام مامون العاقبۃ اور قطعی طور پر محفوظ ہیں ان کے لئے معرفت الٰہی ضروری و بدیہی ہے نیز انہیں خوف اور جدائیگی کا خطرہ بھی نہیں ہے۔ ایمان و معرفت کو فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ وہ غیب ہے۔ جب وہ عیاں ہو جائے تو ایمان خبر بن جائے۔ اور اس کے عیاں ہونے کے بعد اختیار ختم ہو جائے۔ اور اصول شرع مضطرب ہو جاتے ہیں۔ اور ردت کا حکم باطل ہو جاتا ہے۔ اور بلعم، ابلیس اور برصیصا کی تکفیر درست نہیں رہتی کیونکہ وہ سب باتفاق اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے۔ چنانچہ ابلیس کے مردود اور مرجوم ہونے کے وقت کی خبر دیتے ہوئے بیان فرماتا ہے کہ فبعزتک لاغوینہم اجمعین۔ اب تیری عزت کی قسم ہے میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا۔

اور در حقیقت بات کرنا اور کلام سننا معرفت کے مقتضیات میں سے ہے اور عارف جب تک عارف ہے وہ جدائیگی کے خطرے سے محفوظ اور جب جدائیگی ہو جائے تو معرفت کا زوال حاصل ہوتا ہے حالانکہ بدیہی علم کے لئے زوال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ مسئلہ لوگوں کے مابین خطرناک ہے بس اسی قدر شرط ہے کہ تم اتنا جان لو جس سے آفت سے رستگاری ہو جائے۔ اس لئے کہ بندہ کو علم اور حق تعالیٰ کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ حق تعالیٰ ازلی علم و ہدایت کی توفیق نہ بخشے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ معرفت میں بندوں کا یقین کبھی زیادہ ہو اور کبھی کم مگر اصل معرفت میں کمی و بیشی نہیں ہوتی کیونکہ معرفت میں زیادتی بھی نقصان ہے اور نقصان میں بھی نقصان ہے۔ اور معرفت الٰہی میں تقلید نہ کرنی چاہئے حق تعالیٰ کو صفات کمال کے ساتھ پہچاننا چاہیئے اور یہ بجز حسن رعایت اور خالص عنایت ربانی کے صحیح نہیں ہو سکتی۔ تمام عقلی دلائل حق تعالےٰ کی

ملک اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ اگر چاہے تو اپنے کسی ایک فعل کو اس کے لئے دلیل کر دے اور اسے اسی کے ذریعہ اپنی راہ دکھا دے اور اگر وہ چاہے تو اپنے تمام افعال کو اس کے لئے حجاب بنا دے یہاں تک کہ وہ اس وجہ میں خدا تک رسائی سے محروم رہ جائے چنانچہ حضرت عیسٰے علیہ السلام جہاں ایک جماعت (مسلمین) کے لئے معرفت الٰہی کے دلیل بنے وہاں ایک گروہ (نصاریٰ وغیرہ) کے لئے معرفت کے حجاب بنے۔ اور اوّل جماعت نے انہیں خدا کا بندہ (اور رسول) مانا اور دوسرے گروہ (نصاریٰ) نے انہیں خدا کا بیٹا گمان کیا (معاذ اللہ) یہی حال بت، آفتاب اور چاند کا ہے ایک جماعت کے لئے وہ دلیلِ معرفت الٰہی ہوئے تو دوسرے گروہ اس سے محروم رہ گئے۔ اگر دلیل معرفت کی علت ہوتی تو چاہئے تھا کہ ہر مستدل عارف ہوتا۔ حالانکہ یہ کھلا مکابرہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کسی کو برگزیدہ بنا کر ان چیزوں کو دلیلِ معرفت کر دیتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے وہ خدا تک رسائی پائیں اور خدا کو پہچانیں۔ معلوم ہوا کہ دلیل خدا کی معرفت کا سبب تو ہو سکتی ہے علت نہیں بن سکتی۔ اور کوئی سبب کسی سبب سے مسبب یعنی خدا کے لئے بہتر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سبب کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے لعمرك انهم لفی سكرتهم يعمهون یعنے اے محبوب آپ کی عمر کی قسم بے شک یہ کافر اپنے نشہ میں بہکے ہوئے ہیں ۔

کیونکہ عارف کے لئے سبب کا اثبات کفر ہے۔ اور غیر کی طرف التفات واضح شرک ہے ومن يضلل الله فلا هادي له (جسے خدا گمراہ کرے اُسے کون راہ ہدایت دکھائے) لہذا جب لوح محفوظ میں کسی کے لئے (ایسے نہیں لکھا ہوا ہے بلکہ حق تعالیٰ کی مراد معلوم میں کسی کی تقدیر میں شقاوت و بدنصیبی ہے تو اس کے لئے دلیل و استدلال کیسے ہدایت بن سکتی ہے من التفت الی الاغیار فمعرفته ذنار (جس نے غیر کی طرف توجہ کی اس کی معرفت کفر ہے ۔

جو بندے خدا کے غلبۂ محبت میں مستغرق اور اس کے متلاشی ہیں ان کے لئے خدا کے سوا اور چیزیں کیسے راہ کی رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب غار سے باہر تشریف لائے تو دن میں کوئی چیز نہ دیکھی حالانکہ دن میں بکثرت دلائل اور عجیب تر براہین موجود تھے جب رات چھائی رأی کوکباً تو ستاروں کو دیکھا۔ اگر معرفت الٰہی کی علت دلیل ہوتی، تو دن میں زیادہ دلائل نظر آتے اور اس سے زیادہ عجیب تر نشانیاں ظاہر ہوتیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے بندے کو اپنی راہ دکھاتا ہے اور اس پر معرفت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ تاکہ عین معرفت میں اس درجہ تک پہنچے جہاں عین معرفت بھی اسے غیر دکھلائی دے اور اسے معرفت کی صفت، آفت معلوم ہو۔ کیونکہ معرفت کے ساتھ وہ معرفت یعنی خود سے محجوب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے معرفت کی تحقیق اس درجہ تک پہنچا دیتی ہے کہ معرفت اس کا دعوےٰ بن جاتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایاك ان لاتكون بالمعرفة مدعیاً یعنے اے عزیز تم اس سے بچو کہ تم معرفت کے مدعی ہو جاؤ کیونکہ ؎

يدعی العارفون معرفته ؛ اقربالجهل ذاك معرفتی

یعنے عرفاء تو اس کی معرفت کا دعوےٰ کرتے ہیں اور میں ناواقفی اور جہالت کا اقرار کرتا ہوں یہی میری معرفت ہے ؛

لہذا تمہیں سزاوار نہیں کہ تم معرفت کا دعوےٰ کرو کیونکہ اس میں تمہاری ہلاکت ہے۔ اس معنے سے تمہارا تعلق رہے جس میں تمہاری نجات ہو

اسی لئے جو خدائے ذوالجلال کے کشف و مشاہدے سے سرفراز ہوتا ہے اس کی ہستی اس کے لئے وبال بن جاتی ہے۔ اور اس کی تمام صفتیں اس کے لئے جائے آفت ہو جاتی ہیں۔ اور جو خدا کا ہو جائے خدا اس کا ہو جائے اس کے لئے کوئی چیز بھی ایسی نہیں رہتی جس کی نسبت اسی بندے سے کیا جانا درست ہو سکے۔ نہ اس جہان میں اور نہ اُس جہان میں ؛

معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کی ملکیت خدا ہی کے لئے ہونا جانے۔ جب بندہ ہر چیز کو اسی کی ملکیت میں ہونا اور اس کے تحت تصرف میں ہونا جان لیتا ہے تو پھر اسے کسی مخلوق سے کوئی سروکار نہیں رہتا حتٰے کہ اپنے آپ سے بھی۔ وہ اپنے آپ سے اور تمام خلق سے محجوب ہوتا ہے اس کا حجاب تمام سے ناواقفی و نادانی ہی ہے۔ جب یہ نادانی و جہالت بھی فنا ہو جاتی ہے تو حجاب پراگندہ ہو جاتے ہیں اور دنیا بمنزلہ عقبےٰ ہو جاتی ہے

فصل

مشائخ طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس معنے میں بہت سے رموز ہیں، حصول فائدہ کے لئے ان کے کچھ اقوال بیان کرتا ہوں انشاء اللہ تعالےٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں المعرفۃ ان لا تتعجب من شئی یعنے معرفت یہ ہے کہ تم کسی چیز سے متعجب ہو اس لئے کہ عجب ایسے فعل پر ہوتا ہے جو بندے کی اپنی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کمال پر قادر ہے تو عارف کے لئے خدا کے افعال میں تعجب کرنا محال ہے۔ اگر عجب کی کوئی صورت ہو سکتی تھی تو یہاں ہو سکتی تھی کہ اس نے ایک مٹھی خاک کو اس درجہ تک پہنچایا کہ وہ دنیا پر حکم کرے اور ایک قطرۂ خون کو اس مرتبہ تک پہنچایا کہ وہ معرفت الٰہی اور اس کی محبت و دوستی کی باتیں کرنے لگا۔ اور وہ دیدار الٰہی اور اس کی قرب و وصال کی خواہش کرنے لگا ؛

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقۃ المعرفۃ اطلاع الحق علے الاسرار بمواصلۃ لطائف الانوار؛ معرفت کی حقیقت حق تعالیٰ کا اسرار پر مطلع کرنا اور اپنی معرفت کے انوار کے لطائف سے سرفراز فرمانا ہے ؛

مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اپنی عنایت سے بندہ کو اپنے نور سے منور کر کے اسے تمام آفتوں سے محفوظ کر دیتا ہے چنانچہ جب تک بندہ کے دل میں موجودات اور مخلوقات میں سے رائی کے دانہ کے برابر بھی اثر رہتا ہے اس وقت تک باطنی اسرار کے مشاہدہ اور اس کے ظاہر کو مغلوب نہیں کرتے جب اُس نے بندہ کے دل سے یہ سب نکال دیا تب اس نے تمام مشاہدات کا معائنہ کرا دیا ؛

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المعرفۃ دوام الحیرۃ یعنے دائمی حیرت کا نام معرفت ہے۔ اور حیرت کی دو قسمیں ہیں ایک حیرت ہستی و وجود میں، دوسری حیرت کیفیت میں۔ ہستی و وجود میں حیرت تو کفر و شرک ہے۔ اور کیفیت میں حیرت معرفت ہے۔ اس لئے کہ عارف کو اس کی ہستی و وجود میں شک کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور اس کی کیفیت میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔ اس جگہ سے وجود باری تعالیٰ میں یقین، اور کیفیت میں حیرت رہ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے کسی نے کہا یا دلیل المتحیرین زدنی تحیرًا یعنے اے متحیروں کی دلیل میری حیرت کو اور زیادہ کر

پہلے حق تعالیٰ کے وجود کی معرفت اور اس کے اوصاف کا کمال ثابت کیا اور جان لیا کہ وہی مقصودِ خلق اور ان کی دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے اور متحیروں کی حیرت اس کے سوا نہیں ہے پھر زیادتی حیرت کی استدعا کی اور جان لیا کہ مطلوب میں عقل کو بجز حیرت و سرگردانی کے کوئی قیمت وحصہ نہیں ہے یہ معنے بہت لطیف ہیں ؛

پھر اس کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ہستی و وجود کی معرفت اپنی ہستی پر حیرت کا تقاضا کرے۔ اس لئے کہ بندہ جب حق تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اور ہر چیز کو اس کے قبضہ و اختیار میں مقید دیکھتا ہے اور جب اس کا وجود اسی سے ہو اور اس کا عدم بھی اسی سے۔ تو اس کی قدرت میں سکون و حرکت سے متحیر ہو جاتا ہے کیونکہ جب کل کا قیام اسی سے ہے تو میں کون ہوں اور کیا ہوں (حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے) اسی معنے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنے جس نے اپنے آپ کو فنا سے پہچان لیا یقیناً اس نے حق تعالیٰ کو بقا سے جان لیا ؛

کیونکہ فنا سے عقل وصفت باطل ہوتی ہے۔ اور جب چیز کا عین عقلی نہ ہو تو اس کی معرفت میں حیرت کے سوا کچھ ممکن نہیں ؛

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تعرف ان حرکات الخلق و سکناتہم باللہ یعنے معرفت یہ ہے کہ تم جان لو خلق کی تمام حرکت وسکون حق تعالیٰ سے ہے اور کسی کو اس کے اذن کے بغیر اس کی ملکیت میں تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ عین بھی اسی کے عین سے اثر بھی اسی کے اثر سے، صفت بھی اسی کی صفت سے، حرکت بھی اسی کی حرکت سے، سکون بھی اسی کے سکون سے ہے کیونکہ جب تک وہ وجود میں طاقت نہ پیدا فرمائے اور دل میں ارادہ نہ رکھے بندہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بندہ کے افعال مجازی ہیں حقیقتہً افعال خدا ہی کی مخلوق ہیں ؛

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ عارف کی صفت میں فرماتے ہیں قال من عرف اللہ قلّ کلامہٗ ودوام تحیرہٗ یعنے عارف وہ ہے کہ اس کا کلام تھوڑا ہو اور اس کی حیرت دوامی ہو ؛

اس لئے کہ عبارت تو اس کی لائی جا سکتی ہے جو تحت عبارت ہو۔ اور اصول میں عبارت کی ایک حد ہے اور معبر چونکہ محدود نہیں ہے تو عبارت کی بنیاد اس پر کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ عبارت کی تو ایک حد ہے اور معبر (یعنے حق تعالیٰ جو غیر محدود ہے) عبارت میں کیسے آسکتا ہے اور جب مقصود عبارت میں نہ سما سکے اور بندہ اس سے عاجز رہ جائے تو اسے بجز دائمی حیرت کے کیا طاقت ہے ؛

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ العجز عن المعرفۃ یعنے معرفت کی حقیقت کسی چیز کی معرفت سے عاجز رہنا ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت سے بندہ سوائے عجز کے اس میں کوئی نشان نہیں رکھتا۔ ممکن ہے کہ بندہ کو اس کے ادراک میں اپنے سے زیادہ دعوے نہ ہو اس لئے کہ عجز اس کی طلب ہے اور جب تک طالب اپنی صفت اور اسباب میں قائم ہے اس وقت تک اس پر عجز کا اطلاق درست نہیں ہوتا۔ اور جب وہ اس اسباب و اوصاف سے گزر جائے تو اس وقت فنا ہوتی ہے نہ کہ عجز ؛

اور مدعیوں کا ایک گروہ اس حالت میں جبکہ آدمیت کی صفت برقرار و ثابت ہو اور صحت خطاب سے مکلف ہو اور حق تعالیٰ کی حجت ان

پر قائم ہو وہ کہتے ہیں کہ عاجز ہونے کا نام معرفت ہے اور ہم عاجز ہو کر سب رہ گئے ہیں یہ گمراہی و زیاں کاری ہے جواب میں ہم کہیں گے کہ تم کس چیز کی طلب میں عاجز ہوئے ہو حالانکہ اس عجز کی دو نشانیاں ہیں اور وہ دونوں تم میں نہیں ہیں ایک نشان طلب کے اسباب کی فنا ہے اور دوسرا نشان اظہار تجلی ہے۔ اور جس جگہ اسباب کی فنا ہے وہاں عبارات گم ہوتی ہیں۔ اگر عجز کی تعبیر عبارت سے کروگے تو عجز کی عبارت بجز عجز کے نہ ہوگی۔ اور جس جگہ اظہار تجلی ہے وہاں نشان نہیں ہوتا اور تمیز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی یہاں تک کہ عاجز بھی نہیں جانتا کہ وہ عاجز ہے۔ یا یہ کہ وہ اس عجز سے منسوب ہے جس کی بنا پر اسے عاجز کہیں۔ اس کی بھی صورت نہیں۔ اس لئے کہ عجز غیر ہے اور غیر کی معرفت کا اثبات معرفت نہیں ہے۔ اور جب تک دل میں غیر کی جگہ ہے یا عارف کے لئے غیر کی تعبیر کی طاقت ہے اس وقت تک معرفت درست نہیں ہوتی۔ اور جب تک عارف غیر سے کنارہ نہ کرلے اس وقت تک عارف، عارف نہیں ہوتا۔

حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذ عرفت اللہ، ما دخل فی قلبی حق ولا باطل یعنے جب سے مجھے عرفان الٰہی حاصل ہوا ہے اس وقت سے میرے دل میں کسی حق و باطل کا خطرہ نہیں آیا۔

اس لئے کہ جب تک لوگوں سے تعلق و خواہش باقی رہے اس وقت تک وہ دل میں اثر انداز ہوتی ہے یہاں تک کہ دل اسے نفس کے سپرد کر دیتا ہے کیونکہ نفس باطل کا مقام ہے اور جب کسی سے محبت ہمیشہ رکھے گا تو وہ بھی دل پر اثر انداز ہوگا یہاں تک دل اسے روح کے حوالہ کر دے گا۔ کیونکہ روح حق اور حقیقت کا منبع ہے اور جب دل میں غیر کا دخل ہو تو اس کی طرف عارف کا رجوع کرنا معرفت کے منافی ہے۔ لہٰذا تمام لوگ معرفت کی دلیل کی طلب بھی دل سے کرتے ہیں اور حرص و ہوا کی طلب بھی دل سے کرتے ہیں اور جب انہیں مراد حاصل نہ ہوئی تو دل کی طرف رجوع نہ کیا۔ اور حق کے غیر سے راحت نہ پائی۔ اس وقت حق کو دل سے چاہا اور جب نشان و دلیل کی ضرورت پیش آئی تو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور دل کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ یہ فرق ہے ان بندوں کے درمیان جن کا رجوع دل کی طرف ہوا اور جن کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہوا۔

حضرت ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ من عرف اللہ انقطع عن الکل بل خرس وانقمع جس نے اللہ کو پہچانا وہ ہر ایک سے جدا ہوا بلکہ گونگا اور خراشیدہ ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا احصی ثناء علیک یعنے میں تیری ثنا و توصیف کا شمار نہیں کر سکتا۔

مطلب یہ کہ جس نے خدا کو پہچان لیا اس نے تمام چیزوں کو کمال پہچانا بلکہ وہ تمام چیزوں کی عبارتوں سے گونگا ہو گیا اور اپنے تمام اوصاف سے فانی ہو گیا۔ چنانچہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب تک غیبت میں رہے آپ عرب میں سب سے زیادہ فصیح تھے فرماتے ہیں انا افصح العرب والعجم (میں عرب و عجم میں سب سے زیادہ فصیح ہوں) جب آپ کو غیبت سے حضور میں لے جایا گیا تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے میری زبان میں تیرے کمال ثنا کے شمار کی تاب و تواں نہیں، کیا کہوں قال سے۔ بے تاب اور حال سے بے حال ہوں۔ تو وہی ہے جو تو ہے، میری عرض یا تو مجھ سے ہوگی یا تجھ سے، اگر آپ سے کہوں تو محجوب ہوتا ہوں اگر تجھ سے کہوں تو میری قربت کی تحقیق میں اپنے اعتبار میں معیوب ہوتا ہوں لہٰذا میں کچھ عرض نہیں

کرتا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہوا اے محبوب! اگر تم کچھ نہیں کہہ سکتے تو ہم فرماتے ہیں کہ لعمرك اذا سکتّ عن ثنائی فالکل منك ثنائی یعنی اے محبوب تمھاری زندگی کی قسم جب تم اپنے آپ کو اہلِ ثنا نہیں جانتے تو میں عالم کے تمام اجزاء کو تمہارا نائب بناتا ہوں جو بھی کوئی میری ثنا کرے گا وہ اسے تمہارے حوالے کرے گا واللہ اعلم بالصواب ۔

توحید کے بیان میں دوسرا کشف حجاب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والٰھکم الٰہ واحد (تمہارا معبود ایک ہی ہے) نیز فرمایا قل ھو اللہ احد (تم فرما دو وہ اللہ اکیلا ہے) نیز فرمایا لا تتخذوا الٰھین اثنین انما ھو الٰہ واحد (تم دو معبود نہ بناؤ بلاشبہ وہ معبود ایک ہی ہے) ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بینا رجل فیمن کان قبلکم لم یعمل خیراً قط الا توحید فقال لاھلہ اذا مت فاحرقونی ثم اسحقونی ثم ذرونی نصفی فی البر و نصفی فی البحر فی یوم رائح ففعلوا فقال اللہ عزوجل للریح الماء اجمعا ما اخذ تما فاذا ھو بین یدیہ فقال لہٗ ما حملك علے صنعت فقال استحیاء منك فغفرلہٗ ۔ ایک شخص تم سے پہلے گزرا ہے جس کی کوئی نیکی توحید کے سوا نہ تھی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور خاکستر کو باریک کرکے تیز ہوا کے دن آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں اڑا دینا تو انھوں نے ایسا ہی کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی سے فرمایا جو تم نے پھیلایا ہے اسے اکٹھا کرو اور اسے قیامت تک محفوظ رکھو جب اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا تو اس سے فرمائے گا بتا تجھے کس چیز نے اس پر آمادہ کیا کہ تو اپنے آپ کو جلائے؟ وہ عرض کرے گا خدایا تیری شرم دامنگیر تھی یقیناً میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ بخش دے گا ۔

توحید کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو اکیلا جاننا اور اس اکیلے جاننے پر صحیح علم رکھنا اس کا نام توحید ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے بے مثل وہ اپنی ذات وصفات میں بے نظیر اور اپنے افعال میں لاشریک ہے۔ موحدین نے اللہ تعالیٰ کو انہیں خوبیوں کے ساتھ جانا اور اس جاننے کو توحید کی یکتائی کہتے ہیں ۔

اقسامِ توحید

توحید کی تین قسم ہیں ایک حق تعالیٰ کی توحید اسی کے لئے۔ یعنی حق تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسرے حق تعالیٰ کی توحید مخلوق کے لئے۔ وہ خدا کا حکم ہے جو بندوں کی توحید کے ساتھ ہے۔ کہ اس نے بندے کے دل میں توحید پیدا فرمائی۔ اور تیسرے مخلوق کی توحید خدا کے لئے، وہ مخلوق کا علم ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ، لہٰذا جب بندہ حق کے ساتھ عارف ہو جاتا ہے تو وہ اس کی وحدانیت پر حکم کر سکتا ہے ۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے وہ نہ وصل کو قبول کرتا ہے نہ فصل کو۔ اور نہ اس پر دوئی جائز ہے۔ اور نہ اس کی وحدانیت عددی ہے کہ کسی دوسرے عدد کے ثابت ہو جانے پر دو ہو جائے۔ اور اس کی وحدانیت عدد بن جائے۔ اور نہ وہ محدود ہے کہ اس کے لئے جہات اور سمتوں کو کہا

جائے۔ اور یہ اثبات اعداد سے نہایت ہو۔ نہ اس کے لئے مکان ہے اور نہ وہ کسی مکان میں ہے کہ مکان کے اثبات کی ضرورت پیش آئے۔ اس لئے کہ اگر وہ متمکن مکان میں ہوتا تو مکان کے لئے بھی مکان چاہئے اس وقت فعل و فاعل اور قدیم و حادث کا حکم باطل ہو جائے۔ اور نہ وہ عرضی ہے کہ کسی جوہر کا دونوں حالت میں محتاج ہو۔ اور اپنے محل میں باقی رہے۔ اور نہ وہ جوہر ہے کیونکہ اس کا وجود اپنی ذات کے سوا کسی اور کے ساتھ درست ہی نہیں اور نہ وہ طبعی ہے کہ وہ مبداء حرکت و سکون ہو۔ اور نہ وہ روح ہے کہ کسی جسم کا محتاج ہو۔ اور نہ وہ جسمی ہے کہ اس کے اجزاء مرکب ہوں۔ اور نہ چیزوں میں قوت و حال ہے کہ چیزوں کی ہم جنس ہو اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ پیوست و پیوند ہے کہ وہ چیز اس کے جزو ہو۔ وہ تمام عیوب و نقائص سے بری ہے۔ اور ہر آفت سے پاک ہے۔ اور ہر عیب سے منزہ ہے نہ وہ کسی کی مانند ہے کہ اپنے مانند کے ساتھ دو ہو جائے اور نہ کوئی اولاد ہے کہ جس کی نسل اصل کی اقتضاء کرے اور نہ اس کی ذات و صفات پر تغیر جائز ہے کہ اس کا وجود اس سے متغیر ہو جائے۔ اور متغیر کے حکم میں تغیر کی مانند ہو۔ وہ اُن صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے جنھیں موحدین اور مومنین بحکم بصیرت اثبات کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے خود ان سے اپنی صفات بیان فرمائی ہیں۔ وہ ان صفات سے بری جنھیں ملحدین اپنی خواہش سے متصف کرتے ہیں۔ کیونکہ اُس نے ان سے اپنی صفات بیان نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے حی، علیم، رؤف، رحیم، مرید، قدیر، سمیع، بصیر، متکلم، باقی ہے۔ اس کا علم اس کا حال نہیں ہے اور اس کی قدرت، اس میں سختی نہیں ہے۔ اس کی شنوائی و بصارت میں تجدد یعنی بار بار پیدائش نہیں ہے۔ اور اس کا کلام ایسا ہے جس میں نہ بعضیت ہے اور نہ تجدد بلکہ وہ ہمیشہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے، اور تمام معلومات اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اور کسی موجود کو اس کے ارادہ سے راہ مفر نہیں، وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے، اور مخلوق کو اس میں کوئی بزرگی نہیں، اس کا ہر حکم حق ہے، اس کے دوستوں کو بجز تسلیم کے کوئی چارہ نہیں، اس کا حکم حتمی اور ختمی ہے، اس کے دوستوں کو اس کی فرماں برداری کے سوا کوئی چارہ نہیں، ہر خیر و شر اسی کا مقدر کیا ہوا ہے، امید و خوف اس کے سوا کسی سے لائق نہیں، نفع و نقصان کا پیدا کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں، اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے، اس کا پورا ہونا ضروری ہے، ہر ایک کو اسی سے وصل چاہئے اور اسی تک رسائی چاہئے، جنتیوں کے لئے اس کا دیدار جائز ہے۔ وہ تشبیہ و جہت سے پاک ہے، اس کی ہستی پر مقابلہ و مواجہہ کی کوئی صورت نہیں، دنیا میں اس کے دوستوں کے لئے مشاہدہ جائز ہے، انکار کرنا شرط نہیں، جو خدا کو اس طرح جانتا ہے وہ اہل قطعیت سے نہیں ہے۔ اور اس کے خلاف جاننے والے کے لئے دیانت نہیں ہے، اس معنے میں اصولی اور وصولی بہت سی باتیں منقول ہیں جسے اسی پر طوالت کے خوف سے مختصر کرتا ہوں ۔

میں نے یعنے علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ) اس فصل کی ابتداء میں کہدیا ہے کہ توحید یہ ہے کہ کسی چیز کی وحدانیت پر حکم کرنا ہے۔ اور یہ حکم علم کے سوا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اہل سنت و جماعت بھی تحقیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا حکم دیتے ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے خدا کے لطیف صنعتوں، عجیب و بدیع فعلوں اور بہت سے لطائف کو دیکھا اور اس میں غور و فکر کیا ہے۔ ان کا از خود ہونا محال جانا، انھوں نے ہر چیز میں حدوث کی علامتوں کو ظاہر پایا لامحالہ کوئی ایسا فاعل چاہیئے جو ان کو عدم سے وجود میں لائے۔ یعنے خدا نے اس جہان کو زمین و آسمان، چاند سورج، خشکی و تری، پہاڑ و صحرا کے ساتھ وجود میں لایا۔ اور اسی نے ان سب کو حرکت و سکون علم و نطق اور موت و حیات کے ساتھ پیدا فرمایا۔ لہٰذا

ان سب کے لئے کوئی بنانے والا لازمی ہونا چاہیئے۔ اور یہ سب دو یا تین بنانے والوں سے مستغنی ہے وہی ایک بنانے والا، کامل، حی، قائم، قادر اور مختار ہر شریک سے بے نیاز ہے۔ اور جب کوئی فعل ایک فاعل سے مکمل نہ ہو تو دو فاعلوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے فعل میں محتاج اور ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں لامحالہ بلا شک و تردد علم الیقین سے چاہیئے کہ ایک ہی صانع اور فاعل ہو۔ اس میں ہمارے ساتھ ثنویوں نے نور و ظلمت کے اثبات میں اختلاف کیا ہے۔ اور مجوسیوں نے یزداں (خالقِ خیر) اور اہرمن (خالقِ شر) کے اثبات میں اختلاف کیا ہے۔ اور نیچریوں نے طبع و قوت کے اثبات کے ساتھ اختلاف کیا۔ اور نجومیوں نے سات ستاروں کے اثبات سے اختلاف کیا۔ اور معتزلہ فرقہ نے بے انتہا خالقوں اور صانعوں کے اثبات سے اختلاف کیا۔ میں نے سب کے رد کے لئے مختصر سی (مگر جامع و مکمل) دلیل بیان کر دی ہے۔ یہ کتاب ان کے بیہودہ اقوال کے لانے کی نہیں ہے۔ طالب علم کو دوسری کتاب کی طرف رجوع ہونا چاہیئے جو میں نے لکھی ہے اور اس کا نام "الرعایۃ بحقوق اللہ" رکھا ہے۔ یا اسلاف کے اصولی کتابوں کی طرف متوجہ ہوں ۔

اب میں ان رموز کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو مشائخ عظام توحید کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے ہیں انشاء اللہ والامر بیدہ ۔

فصل

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التوحید افراد القدم عن الحدث یعنی توحید یہ ہے کہ حادث سے قدیم کو جدا جانے مطلب یہ کہ تو اس قدیم کو محل حوادث نہ جانے اور حوادث کو محل قدیم نہ سمجھے، اور جانے کہ حق تعالیٰ قدیم ہے اور خود محدث اور جو تمہاری جنس سے مخلوق ہے وہ بھی حادث ہے۔ کوئی مخلوق اس سے ملحق نہیں نہ اس کی کوئی صفت تم جیسی کسی مخلوق میں ملی ہوئی ہے۔ کیونکہ قدیم حادث کا ہم جنس نہیں ہے۔ اس لئے کہ قدیم کا وجود، محدثات کے وجود سے پہلے ہے اور جبکہ محدثات کے وجود سے پہلے قدیم تھا اور محدث کا محتاج نہ تھا تو بعدِ وجود محدث بھی وہ اس کا محتاج نہ ہوگا۔ یہ قاعدہ ان لوگوں کے برخلاف ہے جو ارواح کو قدیم کہتے ہیں ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور جب کوئی قدیم کو محدث میں نازل کہتا ہے یا محدث کو قدیم کے ساتھ متعلق جانتا ہے وہ حق تعالیٰ کی قدامت اور عالم کے حدوث پر دلیل نہیں رکھتا یہی مذہب دہریوں کا ہے نعوذ باللہ من اعتقاد السوء ۔ خلاصہ یہ کہ محدثات کی تمام حرکتیں توحید کے دلائل اور حق تعالیٰ کی قدرت کے گواہ اور اس کی قدیم ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن بندہ اس میں بہت زیادہ غافل ہے کہ اس کے بغیر سے مراد چاہتا ہے اور اس کے غیر کے ذکر سے راحت پکڑتا ہے جب کوئی تمہارے عدم و وجود میں اس کا شریک نہیں ہے تو محال ہے کہ تمہاری تربیت و پرورش میں کوئی شریک ہو ۔

حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوّل قدم فی التوحید فناء التفرید یعنے توحید میں پہلا قدم تفرید کا فنا کرنا ہے اس لئے کہ تفرید کا حکم یہ ہے کہ کسی کو آفتوں سے جدا کرے اور توحید کا حکم یہ ہے کہ اسے ہر چیز سے اکیلا جانے ۔ لہٰذا تفرید میں غیر کا اثبات روا تھا اور اس کے غیر کے لئے اس کا اثبات درست ہے مگر وحدانیت میں غیر کا اثبات جائز نہیں اور یہ کسی غیر کے لئے ثابت کرنا درست نہیں اور نہ ایسا سمجھنا

چاہئے لہذا تفرید میں اشتراک کی تعبیر ہے اور توحید میں شرکت کی نفی۔ اس لئے توحید میں سب سے پہلا قدم شریک کی نفی ہے اور راستہ سے مزاج کا دور کرنا کیونکہ راستہ میں مزاج کا ہونا ایسا ہے جیسے چراغ کے ذریعہ راستہ ڈھونڈا جائے۔

حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصولنا فی التوحید خمسۃ اشیاء، رفع الحدث، واثبات القدم، وھجر الاوطان، ومفارقۃ الاخوان، ونسیان ما علم وجھل یعنے توحید میں ہمارے پانچ اصول ہیں ایک حدث کا اٹھانا، دوسرے قدم کا ثابت کرنا تیسرے وطنوں کو چھوڑنا، چوتھے بھائیوں کی جدائی، پانچویں بھول جانا جو جانا یا نہ جانا لیکن حدث کے اٹھانے کا مطلب توحید کی نزدیکی (مقارنت) سے محدثات کی نفی ہے اور خدا کی ذات قدس سے حوادث کو محال جاننا ہے اور اثبات قدم کا مطلب اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے ہونا ماننا ہے۔ اس کی تشریح حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں پہلے بیان کر چکے ہیں، اور وطنوں کو چھوڑنے سے مطلب نفس کی الفتوں دل کی راحتوں اور طبیعت کی قرارگاہوں سے ہجرت کرنا اور چھوڑنا ہے اور مریدوں کے لئے دنیاوی رسموں، بلند مقاموں، عزت کی حالتوں اور اونچی منزلوں سے ہجرت کرنا ہے اور مفارقت برادران یعنے بھائیوں کی جدائی سے مطلب لوگوں کی صحبت سے کنارہ کرنا اور صحبت حق کی طرف توجہ ہونا ہے کیونکہ ہر وہ خطرہ جو موحد کے دل پر غیر کے اندیشہ سے لاحق ہو حجاب اور آفت ہے۔ اور جس قدر دل میں غیر کا اندیشہ غالب ہو اسی قدر وہ محجوب ہوتا ہے اس لئے کہ تمام امتوں کا اجماع ہے کہ توحید تمام ہمتوں کا جمع کرنا ہے اور غیر کے ساتھ آرام پانا ہمت کا تفرقہ ہے اور جانے یا نہ جانے کو بھول جانے کا مطلب توحید میں یہ ہے کہ مخلوق کا علم یا تو خوبی سے ہوگا یا کیفیت سے یا جنس سے ہوگا یا طبیعت سے اور مخلوق کا جو علم بھی حق تعالےٰ کی توحید میں ثابت کرو گے توحید اس کی نفی کرے گی اور جو کچھ اپنے جہل سے ثابت کرو گے وہ اپنے علم کے برخلاف ہوگا کیونکہ توحید میں تو جہل ہے ہی نہیں۔ اور توحید کے متحقق ہونے میں علم تصرف کی نفی کے بغیر درست نہیں ہوگا۔ اور علم و جہل تصرف کے بغیر نہیں۔ ایک بصیرت پر ہے اور دوسرا غفلت پر ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حضرمی رحمہ اللہ کی مجلس میں سو گیا میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے زمین پر آتے ہیں میں نے کچھ عرصہ ان کی باتیں سنیں ایک نے دوسرے سے کہا کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے توحید کا علم ہے نہ کہ عین توحید، جب میں بیدار ہوا تو وہ توحید پر بیان فرما رہے تھے انھوں نے میری طرف رخ کر کے فرمایا اے فلاں شخص: توحید کا بیان علم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التوحید ان یکون العبد شخصاً بین یدی اللہ تعالیٰ تجری علیہ تصاریف تدبیرہ فی مجاری احکام قدرتہ فی لجج بحار توحیدہ بالفناء عن نفسہ وعن دعوۃ الخلق لہ وعن استجابۃ لھم بحقائق وجود وحدانیتہ فی حقیقۃ قربہ بذھاب حسہ وحرکۃ لقیام الحق لہ فیما ارادہ منہ وھو ان یرجع اٰخر العبد الی اولہ فیکون کما کان قبل ان یکون، یعنے اصل توحید یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اپنی قدرت کی گزرگاہ میں اپنی تدبیر کا تصرف اس پر جاری فرمائے تو وہ خدا کے سامنے ایک پتلا بن جائے۔ اور دریائے توحید میں اپنے اختیار و ارادہ سے خالی ہو جائے اور اپنے نفس کو فنا کرے اور لوگوں کے بلانے پر کان نہ دھرے اور ان کی طرف التفات نہ کرے اور محل قربت میں اپنی حس و حرکت ختم کرے اور وحدانیت کی معرفت و حقیقت کے سبب وہ حق کے ساتھ قائم

اور حق نے جو اس کے لئے ارادہ فرمایا اسے قبول کرے تاکہ اس محل میں بندہ کا اخیر پہلے کی مانند ہو جائے۔ اور وہ ایسا ہو جائے کہ جو کچھ ہے اپنی ہستی سے پہلے ہے لہٰذا اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ موحد کو اختیارِ حق میں اختیار نہ رہے۔ اور حق تعالیٰ کی وحدانیت میں بندہ اپنے آپ کو نہ دیکھے۔ اس طرح پر کہ محلِ قربت میں بندہ کا نفس فانی اس کے حواس گم اور حق تعالیٰ جیسا چاہے اس پر اس کے احکام جاری ہوں۔ اور بندہ اپنے تصرف کے فنا میں ایسا ہو جائے گویا کہ وہ ذرہ ہے جیسا کہ ازل میں حالتِ توحید کے اندر تھا۔ جہاں کہنے والا بھی حق تعالیٰ تھا اور جواب دینے والا بھی حق تعالیٰ، اور اس ذرہ کا نشان بھی وہی، جو بندہ ایسا ہو جائے وہ لوگوں سے راحت نہیں پاتا کہ وہ لوگوں کی دعوت کو قبول کرلے، اسے کسی کے ساتھ انس و محبت نہیں ہوتی کہ وہ ان کی دعوت کو قبول کرے۔ اس قول کا اشارہ فنائے صفت اور مشاہدۂ جلال کے غلبہ کی حالت میں صحتِ تسلیم کی طرف ہے۔ تاکہ بندہ اپنے اوصاف سے فانی ہو کر اور جوہر لطیف بن جائے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے جگر میں نیزہ مارا جائے اور وہ گزر جائے تو اسے خبر نہ ہو۔ اور اگر اس کی پشت پر تلوار ماری جائے تو بے اختیاری میں کٹ جائے وہ ہر حال میں سب سے فانی ہو جائے اور اس کا وجود مظہرِ اسرارِ الٰہی ہو جائے تاکہ اس کا کلام حق کا کلام اس کے فعل کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اور اس کے صفت کا قیام اسی کے ساتھ ہو جائے اور حجت کے ثبوت کے لئے شریعت کا حکم تو اس پر باقی ہو مگر وہ ہر ایک کی رویت سے فانی ہو، یہ صفت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ کہ جب شبِ معراج آپ کو مقامِ قرب میں پہنچایا گیا تو مقام کا تو فاصلہ تھا لیکن قرب میں فاصلہ نہ تھا۔ اور آپ کا حال لوگوں کی عقلوں سے ورا اور اوہام سے منقطع ہو گیا۔ یہاں تک کہ دنیا نے آپ کو گم کیا اور آپ خود اپنے سے گم ہوئے۔ فنائے صفت میں بے صفت ہو کر متحیر ہو گئے، ترتیبِ طبائع اور اعتدالِ مزاج پراگندہ ہو گئے۔ نفس دل کے مقام میں پہنچا اور دل جان کے درجہ میں اور جان سر کے مرتبہ میں، اور سر قرب کی صفت میں، سب میں سب سے جدا ہو گئے۔ چاہا کہ وجود چھوڑ دیں تشخص ختم کر دیں لیکن حق تعالیٰ کی مراد اقامتِ حجت تھی فرمان ہوا اے محبوب اپنے حال پر رہو اس سے قوت پائی وہ قوت اسی کی قوت ہوئی اور یہی فنا سے حق کا وجود ظاہر ہوا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں انی لست کاحدکم انی ابیت عند ربی فیطعمنی ویسقینی: میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں، میں اپنے رب کے حضور رہتا ہوں وہ ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے میری زندگی و پایندگی اسی سے ہے۔ نیز فرمایا لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل: خدا کے ساتھ میرا ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے جس میں میرے ساتھ مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ذات اللہ موصوفۃ بالعلم غیر مدرکۃ بالاحاطۃ ولا مرئیۃ بالابصار فی دار الدنیا وھی موجودۃ بحقائق الایمان من غیر حد ولا حلول وتراہ العیون فی العقبیٰ ظاھراً وباطناً فی ملکہ وقدرتہ وقد حجب الخلق عن معرفۃ کنہ ذاتہ ودلھم علیہ بآیاتہ والقلوب تعرفہ والعقول لا تدرکہ ینظر الیہ المومنون بالابصار من غیر احاطۃ ولا ادراک نہایۃ: یعنی توحید یہ ہے کہ تم جانو کہ ذات الٰہی عز وجل علم کے ساتھ موصوف ہے بغیر اس کے کہ تم سمجھ سکو یا حواس سے پا سکو اور دنیا میں آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے، ذات الٰہی ایمان کے حقائق کے ساتھ بے حد و نہایت موجود ہے حواس سے پانے کے سوا آنے جانے میں موجود ہے اور اپنا ملک میں، اپنی صنعت و قدرت سے ظاہر ہے وہ کسی میں حلول کیا ہوا نہیں ہے۔ اور آخرت میں اس کی ملک و قدرت میں ظاہری اور

باطنی طور پر اُسے آنکھیں دیکھیں گی، دنیا میں مخلوق اس کی ذات کی حقیقت کی معرفت سے محجوب ہیں وہ عجائبِ آیات کے اظہار کے ذریعہ راہ دکھاتا ہے اور دلوں کو یگانگی کے ساتھ پہچواتا ہے ان کی عقلیں اس کا ادراک کیفیت کے ساتھ نہیں کر سکتیں اور آخرت میں مسلمان اسے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے بغیر اس کے کہ اس کی ذات کو دیکھیں یا اس کی حدود غایت کا ادراک کریں۔ توحید کے تمام احکام میں یہ جامع الفاظ ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشرف کلمۃ فی التوحید قول ابی بکر رضی اللہ عنہ سبحان من لم یجعل لخلقہ سبیلاً الی معرفتہ الا بالعجز عن معرفتہ یعنی توحید کے بیان میں سب سے زیادہ بزرگ و اشرف کلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو اپنی معرفت کی راہ نہ دکھائی بجز معرفت میں ان کی عاجزی کے۔ ایک جہان اس کلمہ سے غلطی میں مبتلا ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ معرفت سے عجز بے معرفتی ہے حالانکہ یہ محال ہے اس لئے کہ موجودگی کی حالت میں عجز کی شکل پیدا ہوتی ہے اور معدوم ہونے کی حالت میں عجز کی شکل نمودار نہیں ہوتی جیسے کہ مردہ، وہ زندگی سے عاجز نہیں ہے بلکہ حالتِ موت میں موت سے عاجز ہے۔ اس لئے کہ عجز کا نام اس کی قوت محال جاتی ہے اور اندھا بینائی سے عاجز نہیں ہوتا کیونکہ نابینائی بینائی سے عاجز ہوتی ہے، اور لنگڑا کھڑے ہونے سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ بیٹھنے کی حالت میں بیٹھنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اسی طرح عارف معرفت سے عاجز نہیں ہوتا حالانکہ معرفت موجود ہے اور یہ اس کے لئے ایک ضرورت یعنی بدیہی کی مانند ہے۔ لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اس پر محمول کریں گے جیسا کہ حضرت ابو سہل صعلوکی اور استاد ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ معرفت شروع میں نظری اور کسبی ہوتی ہے اور انتہا میں ضروری اور بدیہی بن جاتی ہے۔ اور علم ضروری یہ ہے کہ اس کا عالم اس کے وجود کی حالت میں اسے دور کرنے یا حاصل کرنے سے بے قرار و عاجز ہو۔ لہٰذا اس قول کے بموجب بندے کے دل میں توحید کا ہونا فعل حق ہوگا۔

پھر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں التوحید حجاب الموحد عن جمال الاحدیۃ یعنے توحید حق تعالیٰ کی احدیت کے جمال سے موحد کے لئے حجاب ہے۔ اس لئے کہ وہ توحید کو بندہ کا فعل کہتے ہیں لامحالہ بندہ کا فعل مشاہدہ الٰہی کے لئے علت نہیں بن سکتی۔ اور جو چیز عین کشف کی علت نہ ہو حجاب ہوتی ہے حالانکہ بندہ اپنے تمام اوصاف کے ساتھ غیر ہوتا ہے، اس لئے کہ جب بندہ اپنی صفت کو حق شمار کرے گا تو یقیناً جس کی یہ صفت ہے وہ موصوف بھی حق ہوگا کیونکہ یہ صفت اسی موصوف کی ہے اس وقت موحد، توحید اور احد تینوں وجود قائم ہو جائیں گے جو ایک دوسرے کی علت ہوں گی (نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق) یہ ثالث ثلاثہ کی ہو بہو ہو جائے گا۔ اور جب تک طالب کے لئے کوئی صفت بھی توحید میں فنا کے مانع رہے گی اس وقت تک وہ اس صفت میں محجوب رہے گا اور وہ خالص موحد نہیں بنے گا۔ لان سواہ من الموجودات باطل اس لئے کہ خدا کے سوا ہر موجود باطل ہے اور جب یہ درست ہے کہ خدا کے سوا ہر چیز باطل ہے تو ایسا طالب جمالِ حق کے مشاہدہ میں صفتِ غیر کی طلب کی وجہ سے باطل ہوگا۔ یہی تفسیر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی ہے۔

حکایت

یہ مشہور حکایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمہ اللہ کی زیارت کے لئے گئے تو ان سے حضرت

حسین بن منصورؒ نے روایت کیا ہے کہ ابراہیم خواصؒ سے میں نے پوچھا کہ آپ کس مقام پر ہیں انہوں نے کہا کہ اب تک اپنے توکل کو درست کیا ہے حضرت حسینؒ نے فرمایا ضیعت عمرك فی عمران باطنك فاین انت عن الفناء فی التوحید یعنی اے ابراہیم تم نے باطن کی آبادی میں تمام عمر ضائع کر دی ابھی تک تم کو توحید میں فنا میسر نہ آئی۔ توحید کے بیان میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں۔ اور ایک گروہ اسے فنا کہتا ہے جس کی فنا پر صفت درست نہ ہو۔ اور ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ تجرید و فنائے صفت توحید نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں تفرقہ پر قیاس کرنا چاہیئے تاکہ معلوم ہو جائے۔

میں یعنی علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہوں کہ بندہ کے لئے توحید الٰہی ایسا سر یعنی مخفی بھید ہے جسے عبارت و بیان سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اس کے بیان کرنے کا دعویٰ کرے وہ بیہودگی ہے اس لئے کہ عبارت بیان ہے یعنی بیان کرنے والا دونوں چیزوں اور توحید میں شرکت ثابت کرتا ہے اس وقت وہ دو گو ہوگا حالانکہ موحد ربانی ہوتا ہے کہ کھلاڑی اور بازیگر۔ یہ تھا توحید کا حکم اور ارباب معرفت کے اقوال کا مسلک جسے میں نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایمان کے بارے میں تیسرے حجاب کا کشف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین آمنوا آمنوا باللہ ورسولہ یعنی اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔ اور دوسری جگہ فرمایا کہ یاایھا الذین آمنوا یعنی اے ایمان والو اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الایمان ان تومن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ (الحدیث) ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ ایمان کے لغوی معنے تصدیق یعنی دل سے ماننے کے ہیں۔ اور شریعت میں لوگوں کے لئے اثبات ایمان کے لئے بہت سے احکام و اقوال اور کثرت اختلاف ہے چنانچہ معتزلہ تمام طاعات کو ایمان کا علم اور اس کی علامت کہتے ہیں اسی کا مذہب ہے کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور یہی مذہب خوارج کا ہے کہ وہ بھی مرتکب گناہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور ایک گروہ ایمان کو قول مجرد کہتا ہے اور ایک گروہ صرف معرفت کو ایمان کہتا ہے۔ اور اہل سنت کے متکلمین کی ایک جماعت مطلق تصدیق کو ایمان کہتی ہے۔ میں نے اس بحث میں ایک مستقل علیحدہ کتاب لکھی ہے اس جگہ میرا مقصود صرف مشائخ متصوفہ کے اعتقاد کا اثبات ہے ان کے گروہ کے نزدیک ایمان کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ فقہاء کے نزدیک ہے۔ چنانچہ اہل یقین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قول و تصدیق اور عمل کے مجموعہ کا نام ایمان ہے جیسے حضرت فضیل بن عیاضؒ۔ بشر حافی، خیر النساجؒ، سمنون المحب، ابو حمزہ بغدادی، ابو محمد جریری رضی اللہ عنہم اور ان کے سوا بہت بڑی جماعت ہے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ قول اور تصدیق کا نام ایمان ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، ابو سلیمان دارانی، حارث محاسبی، جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ تستری، شقیق بلخی، حاتم اصم، محمد بن فضل بلخی رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور ان کے سوا ایک بڑی جماعت ہے جیسے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ رضی اللہ عنہم ان سب کا پہلا ہی قول ہے۔ پھر امام اعظم ابو حنیفہ حسین بن فضل بلخی اور امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے امام محمد بن حسن جعفر

داؤد طائی، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہم اجمعین [illegible] معتقد ہیں [illegible] بیان کیا ہے مگر معنے اور مقصود میں سب متفق ہیں۔ اب میں [illegible] معلوم ہونا تمہیں لازم ہے کہ اس اختلاف میں کسی کو مخالف [illegible] وباللہ التوفیق۔

فصل

[illegible] اہل سنت وجماعت [illegible] اہل تحقیق [illegible] ایمان [illegible] تصدیق قلبی یعنی دل سے مان لینا [illegible] عبادت [illegible] کے طور پر اصل کا نام [illegible] طاعت کے بغیر عذاب الٰہی سے محفوظ نہیں [illegible] احکام [illegible] لہٰذا [illegible] زیادہ ہوں گی وہ عذاب الٰہی سے زیادہ محفوظ [illegible] قول کے ساتھ [illegible] ایمان تصدیق [illegible] اور گروہ [illegible] فائدہ نہیں [illegible] معرفت [illegible] حضور [illegible] علیہ وسلم [illegible] جنت میں [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] محفوظ [illegible] رسول کریم [illegible] لن ینجوا احدکم بعملہ قیل ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ [illegible] اپنے عملوں کی وجہ سے ہرگز نجات نہیں پائے گا کسی نے کہا [illegible] آپ بھی نہیں [illegible] نہیں مگر مجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت [illegible] ڈھانپ لیگا۔

لہٰذا ازروئے تحقیق وحقیقت [illegible] ایمان [illegible] اور اقرار عمل کو بجا لانا ہے۔ اور جسے [illegible] کی معرفت ہوگی اسے اس کے کسی وصف کی معرفت ہوگی۔ حق تعالیٰ کے [illegible] تین قسم کے ہیں کچھ جمال سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ جلال سے اور کچھ کمال سے۔ لہٰذا مخلوق کو اس کے کمال [illegible] نہیں بجز اس کے کہ [illegible] اس کے کمال [illegible] اور اس سے نقص وعیب کی نفی [illegible] جمال وجلال رہ جاتا ہے جو شخص جمال حق کا معرفت میں مشاہدہ کرتا ہے وہ ہمیشہ [illegible] مشتاق رہتا ہے اور جو جلال حق کا مشاہدہ کرتا ہے وہ ہمیشہ [illegible] نفرت کرتا ہے [illegible] اس کا دل [illegible] ہیبت میں رہتا ہے۔ [illegible] اس لیے کہ [illegible] کے حجاب کا کشف عین محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا اب معلوم ہوا کہ [illegible] معرفت محبت ہے [illegible] علامات محبت طاعت ہے۔ اس لیے کہ [illegible] دل مشاہدہ کا محل ہے اور آنکھیں دیدہ کا مقام اور جان [illegible] عبرت [illegible] مشاہدہ کا مقام ٹھہرا لہٰذا [illegible] کو سزاوار ہے کہ وہ تارک امر نہ ہو۔

اور جس کا جسم ترک مجاہدہ سے معرفت کی نعمت نہیں ہوتی۔ آج کل یہ فساد بناوٹی صوفیوں کے درمیان ظاہر ہے کیونکہ ان ملحدوں نے جب اولیائے حق کے جمال کی خوبیاں دیکھیں اور ان کی قدر و منزلت کو جانا تو وہ اپنے آپ کو ان جیسا بتانے لگے۔ اور کہنے لگے کہ یہ رنج اس وقت تک ہے جب تک پہچان نہ ہو، اور جب پہچان یعنی معرفت ہو جاتی ہے تو جسم سے طاعت کی مشقت جاتی رہتی ہے۔ حالانکہ یہ غلط اور خطا ہے ہم کہتے ہیں کہ جب معرفت ہوئی تو دل شوق کا مقام بن گیا اس وقت فرمان کی تعظیم زیادہ ہو جاتی ہے اور ہم اسے جائز جانتے ہیں کہ فرماں بردار اس درجہ پر پہنچ جائے کہ طاعت کی مشقت اس سے جاتی رہے اور فرمان کے بجالانے میں اسے اتنی زیادہ توفیق مل جائے کہ لوگ تو اسے مشقت سمجھیں اور یہ اسے بے مشقت جانے۔ یہ بات اس وقت حاصل ہوتی جب اس میں کمال شوق، تڑپ اور بے چینی پیدا ہو جائے ء

پھر ایک گروہ ایمان کو کلیۃً حق کی طرف سے کہتا ہے اور ایک گروہ کلیۃً بندہ کی طرف سے کہتا ہے۔ یہ اختلاف ماوراء النہر کے لوگوں میں بہت طول پکڑ گیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ کلیۃً حق کی طرف سے کہتے ہیں وہ خالص جبری ہیں اس لئے کہ بندہ کو لائق یہی ہے وہ اس کے حصول میں بے قرار ہو۔ اور جو لوگ کلیۃً بندہ کی طرف سے کہتے ہیں وہ خالص قدری ہیں کیونکہ بندہ بجز اعلامِ الٰہی اسے نہیں جان سکتا۔ حالانکہ توحید کی راہ، جبر سے نیچے اور قدر کے اوپر ہے، جبر و قدر کے درمیان ہے، درحقیقت ایمان بندے کا فعل ہے جو حق تعالیٰ کی ہدایت کے ساتھ شامل ہے، کیونکہ جسے خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لا نہیں سکتا۔ اور جسے خدا ہدایت فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَمَن يُرِدِ اللّٰهُ اَن يَهدِيَهٗ يَشرَح صَدرَهٗ لِلاِسلَامِ وَمَن يُرِد اَن يُضِلَّهٗ يَجعَل صَدرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا: جسے اللہ تعالیٰ ہدایت پر لائے وہ اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہے وہ اس کے سینہ کو سخت اور تنگ بنا دیتا ہے ء

اس اصل پر زیبا ہے کہ ہدایت کی توفیق حق تعالیٰ کی جانب سے و فعلِ ایمان بندہ کی طرف سے کہیں۔ لہٰذا ایمان کی علامت یہ ہے کہ دل سے توحید کا اعتقاد رکھنا، آنکھوں کو ممنوعات سے بچانا، حق تعالیٰ کی نشانیوں اور آیتوں سے عبرت پکڑنا، کانوں سے کلام الٰہی سننا، حرام چیزوں سے معدے کو خالی رکھنا، زبان سے سچ بولنا، اور بدن کو منہیات سے محفوظ رکھنا اس حد تک کہ باطن ظاہر کے ساتھ موافق ہو جائے، یہ سب ایمانیات میں سے ہیں۔ اسی بنا پر اس گروہ نے معرفتِ ایمان میں کمی و بیشی کو جائز رکھا ہے۔ حالانکہ سب کا اتفاق ہے کہ معرفتِ ایمان میں کمی بیشی جائز نہیں ہے کیونکہ اگر معرفت میں کمی بیشی کو مانا جائے تو معروف میں بھی کمی و بیشی لازم آتی ہے جبکہ معروف پر کمی و بیشی جائز و ممکن نہیں، ہے تو معرفت پر بھی نہ ہونی چاہیے کیونکہ معرفت میں نقص و کمی نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا سزاوار یہی ہے کہ فرع اور عمل میں کمی بیشی نہ ہو۔ اور بالاتفاق طاعت میں کمی و بیشی جائز ہے اور حشویوں کے لئے جو ان دونوں طبقوں سے نسبت کا دعوے کرتے ہیں ان کے دل پر یہ مسئلہ دشوار ہوتا ہے کیونکہ حشویوں کا ایک گروہ طاعت کو بھی جزوِ ایمان کہتا ہے۔ پھر ایک گروہ تو صرف قول ہی کو ایمان کہتا ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں بے انصافی کی ہیں۔ غرضکہ حقیقت میں ایمان یہ ہے کہ بندے کے اپنے تمام اوصاف طلبِ حق میں مستغرق و محو ہوں۔ اور تمام ایمانداروں کو اس پر اتفاق کرنا چاہیئے کہ سلطانِ معرفت کا غلبہ نامرغوب اوصاف کو مغلوب کر دیتا ہے۔ اور جہاں ایمان ہو وہاں سے انکار کے اسباب دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا گیا کہ اذا طلع الصباح عطل المصباح، جب صبح طلوع

ہو جاتا ہے تو چراغ بیکار ہو جاتے ہیں۔ دن کے لئے کسی دلیل و بیان کی حاجت نہیں ہوتی (آیا) کے موافق کسی کا مقولہ ہے کہ "روز روشن را دلیل نباشد"
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا الآیۃ سلاطین جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اسے خراب کرتے ہیں۔ تو جب معرفت
کی حقیقت عارف کے دل میں داخل ہو جاتی ہے تو ظن و شک و انکار کی طاقت فنا ہو جاتی ہے اور سلطان معرفت اس کے حواس اور خواہشات
کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ تاکہ وہ جو کچھ بھی کرے دیکھے اور کہے سب اسی کے زیر فرمان ہو۔ کتابوں میں میں نے پایا ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ
علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا ابھی تو اس کا جواب نہیں دیتا اس لئے کہ جو کچھ کہوں گا وہ عبارت و لفظ ہوں
گے اور میرے لئے لازم یہ ہے کہ میں معاملہ سے تم کو جواب دوں لیکن اب میں مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں تم بھی میرے ساتھ اسی غرض کے لئے
چلو تاکہ تم اس سوال کا جواب پا سکو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب ہم ان کے ساتھ جنگل میں پہنچے تو ہر روز دو روٹی اور دو گلاس پانی
کے غیب سے نمودار ہوتے ہیں جو ایک میرے سامنے رکھ دیتے اور ایک اپنے آگے۔ یہاں تک کہ اسی جنگل میں ایک روز ایک بوڑھا سوار آیا جب اس نے
انہیں دیکھا تو گھوڑے سے اتر آیا باہم مزاج پرسی کے بعد کچھ دیر باتیں کیں پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹ گیا۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! مجھے بتائیے
یہ بوڑھا کون تھا؟ فرمایا یہ تمہارے سوال کا جواب تھا۔ میں نے کہا کس طرح؟ فرمایا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے انھوں نے میرے ساتھ رہنے
کی اجازت چاہی میں نے منظور نہ کیا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا میں نے خوف کیا کہ ان کی صحبت میں میرا اعتماد حق تعالیٰ کے سوا ان کے ساتھ
ہو جائے گا اور میرا توکل برباد ہو جائے گا۔ حالانکہ ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعلی اللہ فتوکلوا ان
کنتم مومنین۔ اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو اگر تم ایماندار ہو۔

اور حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الایمان تصدیق القلب بما علمہ من الغیوب یعنی ایمان یہ ہے کہ جو کچھ غیب سے
اس کے دل پر منکشف ہو اس پر یقین رکھے اسی لئے ایمان غیب کے ساتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سر کی آنکھوں سے غائب ہے۔ اور جب تک معنی میں تقویت
نہ ہو بندہ کا یقین ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ عارفوں کو پہچاننے والا اور عالموں کو معلوم کرانے والا
اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ان کے دل میں معرفت و علم پیدا کرتا ہے تو علم و معرفت کا اختیار بندے کے کسب سے جاتا رہا۔ لہٰذا جس کا دل معرفت الٰہی
پر یقین رکھتا ہے وہ مومن ہے اور حق کے ساتھ واصل ہے۔ اس مقصود کی وضاحت میں نے اس کتاب میں بہت سی جگہ کر دی ہے اس جگہ اسی پر اکتفاء
کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ اہل بصیرت کے لئے اتنا بھی بہت کافی ہے۔ اب میں معاملہ کے اسرار پر آتا ہوں اور ان کے حجابات کو کھولتا
ہوں انشاء اللہ تعالیٰ و باللہ التوفیق۔

نجاست سے پاک ہونے کے بیان میں چوتھے حجاب کا کشف

ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض طہارت حاصل کرنا ہے بالخصوص ادائیگی نماز کے لئے۔ طہارت بدنی یہ ہے کہ بدن کو نجاست و ناپاکی (جنابت)

سے پاک کرنا اور تین انداموں کا دھونا اور سر کا مسح کرنا شریعت کی پیروی میں یا پانی نہ ملنے یا مرض کے بڑھنے کے خوف سے تیمم کرنا ہے۔ ان کے احکام سب کو معلوم ہیں۔

واضح رہنا چاہیئے کہ طہارت دو قسم کی ہے، ایک باطنی طہارت، دوسری ظاہری طہارت۔ چنانچہ بغیر بدنی طہارت کے نماز درست نہیں اور بغیر دل کی طہارت کے معرفت درست نہیں ہے۔ لہٰذا بدنی طہارت کے لئے تو مطلق پانی کی حاجت ہے جو کہ گندہ اور مستعمل بھی نہ ہو اور ہمارے دل کی طہارت کے لئے توحید محض کے پانی کی ضرورت ہے جو کہ میلے جیسے اور پراگندہ اعتقاد پر مشتمل نہ ہو۔ مشائخ طریقت ظاہری طور پر بھی ہمیشہ طہارت سے ہوتے ہیں اور باطنی حالت میں توحید کے ساتھ ہوتی ہے۔

رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا دم علی الوضوء یحبک حافظاک یعنی ہمیشہ باوضو رہو تمہیں تمہارے حافظ دوست رکھیں گے۔ اور اللہ رب العزت جل وعلیٰ ارشاد فرماتا ہے ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین۔ یعنے اللہ تعالیٰ بلاشبہ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

لہٰذا جو لوگ صرف ظاہری طہارت پر مداومت کرتے ہیں ان کو فرشتے دوست رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ باطنی طور پر بھی توحید کے ساتھ قیام رکھتے ان کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یہ کہا کرتے تھے کہ اللّٰھم طھر قلبی من النفاق یعنے اے میرے خدا میرے دل کو باطنی آلودگیوں سے پاک رکھ۔ اور باطنی آلودگیوں (نفاق) کی کوئی حالت آپ کے دل مبارک پر کبھی لاحق نہیں ہوئی لیکن اپنی بزرگیوں کو دیکھنا غیر خدا کا اثبات کرنا ہے اور غیر خدا کا اثبات توحید کے مقام میں نفاق ہے۔ مانا کہ مریدان باصفا اپنے مشائخ کی کرامتوں اور بزرگیوں کو سرمۂ بصیرت بناتے ہیں لیکن آخر کار ان کے کمال کے مقام میں وہ بہت بڑا حجاب ہے۔ اس لئے کہ جو بھی غیر ہو اس کی دید آفت ہے اسی وجہ سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفاق العارفین افضل من اخلاص المریدین: عارفوں کا نفاق مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے۔

مطلب یہ کہ جو مرید کا مقام ہوتا ہے وہ کامل کا حجاب ہوتا ہے۔ مرید کی ہمت یہ ہوتی ہے کہ کرامت حاصل کرے اور کامل کی یہ ہمت ہوتی ہے کہ کرامت دینے والے کو پائے۔ غرضکہ اثبات کرامت اہل حق کے لئے نفاق نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی معائنہ غیر ہے۔ اسی طرح جسے حق تعالیٰ کے دوست آفت جانتے ہیں اسے تمام گنہگار معصیت سے نجات سمجھتے ہیں اور گنہگاروں کی معاصیاں گمراہ لوگ نجات جانتے ہیں۔ کیونکہ اگر کافر جانتے کہ ان کے گناہ خدا کو ناپسند ہیں جیسا کہ گنہگار جانتے ہیں تو وہ سب کفر سے نجات پاتے اور اگر گنہگار جانتے کہ ان کے تمام معاملات محل علت ہیں۔ جیسا کہ محبوبان خدا جانتے ہیں، تو وہ سب معاصی سے بچ کر تمام آفتوں سے پاک ہو جائے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ظاہری طہارت باطنی طہارت کے موافق ہو۔ مطلب یہ کہ جب ہاتھ دھوئے جائیں تو چاہیئے کہ دل سے دنیا کی محبت دھو ڈالی جائے۔ اسی طرح جب استنجا کرے تو مناسب ہے کہ جس طرح ظاہر سے پلیدی کو دور کرتا ہے اسی طرح باطن سے بھی غیر خدا کی محبت کو دور کیا جائے۔ اور جب منہ میں پانی لیا جائے تو مناسب ہے کہ منہ کو غیر خدا کی

نا سے پاک کرے۔ جب ناک میں پانی ڈالے تو سزاوار ہے کہ شہوتوں کو اپنے پر حرام گردانے۔ جب چہرہ دھوئے تو لائق ہے کہ تمام مشغولوں سے یکدم کنارہ کش ہو جائے۔ اور حق کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور ہاتھوں کو دھوئے تو زیبا ہے کہ اپنے تمام نصیبوں سے دست کش ہو جائے۔ اور جب سر کا مسح کرے تو سزاوار ہے کہ اپنے معاملات کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ جب پاؤں دھوئے تو لائق یہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کے خلاف ہر چیز پر قائم رہنے سے بچنے کی نیت کرے، اس وقت اسے دونوں قسم کی طہارت حاصل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ تمام ظاہری شرعی اور باطن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ ایمان میں ہے کہ ظاہر کے ساتھ زبان سے اقرار کرے اور باطن کے ساتھ دل کی تصدیق ہے۔ اور نیت کی حقیقت دل کے ساتھ اور شریعت میں طاعت کے احکام بدن پر ہیں۔ لہٰذا دل کی طہارت کا طریقہ دنیا کی آفت میں غور و فکر کرنا ہے۔ اور یہ دیکھنا کہ دنیا غداری کی جگہ اور محلِ فنا ہے دل کو اس سے خالی کرے۔ یہ کیفیت ثبوتِ مجاہدے کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور مجاہدے میں اہم ترین بات ظاہری آداب کی حفاظت اور ہر حال میں اس پر مداومت ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ کے حقوق پورے کرنے کے لئے دنیا میں ابدی عمر کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ ساری مخلوق اگر خدا کو بھول کر دنیا کے مشغولوں میں مست ہو جائے تو میں تمام دنیا کی باتوں میں شریعت کے آداب کے تحفظ میں کھڑا ہو جاؤں۔ اور حق تعالیٰ کی یاد میں منہمک ہو جاؤں۔

منقول ہے کہ حضرت ابو طاہر ترمذی [illegible] چالیس سال اس حال میں [illegible] کبھی رفع حاجت [illegible] حرم سے باہر رفع حاجت کے لئے جاتے۔ خیال آجاتا کہ یہ وہ زمین ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے۔ میں مستعمل پانی کو بھی اس جگہ گرانا مکروہ جانتا ہوں۔

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ رے کی جامع مسجد میں مرض اسہال میں مبتلا ہو گئے۔ انھوں نے ایک رات دن میں ساٹھ مرتبہ غسل کیا۔ بالآخر ان کی وفات پانی میں ہی ہوئی۔

حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ عرصہ تک [illegible] وسوسہ کی بلا میں مبتلا رہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریا میں صبح سے ٹھہرا ہوا تھا یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور میں پانی میں ہی تھا۔ اس وقت میرے دل میں رنج پیدا ہوا تو میں نے خدا سے [illegible] مانگی کہ العافیہ العافیہ۔ دریا میں مجھے غیبی آواز سنائی دی کہ العافیۃ فی العلم، عافیت علم میں ہے۔

حضرت ابو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے بیماری کی ایک رات میں ساٹھ مرتبہ طہارت کی [illegible] جس دنیا سے انتقال کے دن حق تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے خدا موت کا حکم اس وقت آئے جب میں باطہارت ہوں۔

منقول ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن بغداد میں جانے کے لئے طہارت کی [illegible] غیبی آواز آئی کہ ظاہر کو تو پاک کر لیا باطن کی صفائی کہاں ہے۔ پھر لوٹ آئے اور تمام سامان [illegible] اور ایک سال تک [illegible] جس سے نماز [illegible] پھر جب وہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے پاس آئے تو حضرت جنید نے فرمایا اے ابو بکر جو طہارت تم نے کی [illegible] اللہ تعالیٰ تمہیں اس طہارت پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اس کے بعد حضرت شبلی رحمۃ اللہ تا زندگی کبھی بے طہارت نہ رہے [illegible] آپ تو

ان کی طہارت ٹوٹ گئی آپ نے ایک مرید کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ مجھے طہارت کرائے مرید نے انہیں طہارت کرائی لیکن داڑھی میں خلال کرنا وہ بھول گیا اس وقت ان میں بولنے کی طاقت نہ تھی کہ زبان سے فرماتے انھوں نے مرید کا ہاتھ پکڑ کر داڑھی کی طرف اشارہ فرمایا اور اُس نے داڑھی میں خلال کیا، آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی طہارت کے آداب میں سے کوئی ادب ترک نہ کیا مگر یہ کہ میرے باطن میں نصیحت ظاہر ہوئی ؛

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میرے دل پر دنیا کا اندیشہ گزرتا میں طہارت (وضو) کرتا اور جب آخرت کا اندیشہ گزرتا تو غسل کرتا تھا۔ اس لئے کہ دنیا محدث ہے اس کا اندیشہ حدث ہے اور آخرت محل غیبت و آرام ہے اس کا اندیشہ جنابت ہے لہٰذا احداث سے طہارت یعنی وضو واجب ہوتا ہے اور جنابت سے غسل ؛

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک دن طہارت کی جب مسجد کے دروازہ پر آئے تو ان کے دل میں آواز آئی کہ اے ابوبکر تم ایسی طہارت رکھتے ہو اور اس گستاخی کے ساتھ ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتے ہو جب یہ سنا تو واپس لوٹے ندا آئی ہمارے دروازہ سے لوٹ کر کہاں جاتے ہو؟ ان کی چیخ نکل گئی ندا آئی ہم پر طعنہ کرتے ہو وہ اپنی جگہ خاموش کھڑے ہو گئے ندا آئی تم ہم پر بلا کے تحمل کا دعوٰی کرتے ہو اس وقت حضرت شبلی نے پکارا المستغاث منك اليك اے خدا تیری جانب سے تیری ہی طرف فریاد ہے ؛

طہارت کی تحقیق میں مشائخ کرام رحمہم اللہ کے بہت سے ارشادات ہیں وہ مریدوں کو ظاہر و باطن کی طہارت کا حکم دیتے رہے ہیں کہ جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کا قصد کرو اور ظاہری عبادت کا قصد کرو تو ظاہری طہارت کرو اور جب باطن میں قربت کا قصد کرو تو باطن کی طہارت کرو ظاہری طہارت پانی سے ہے اور باطنی طہارت بارگاہِ الٰہی میں توبہ در جوع کرنا ہے۔ اب میں توبہ اور اس کے متعلقات کی تشریح کرتا ہوں تاکہ ان کی حقیقت تمھیں معلوم ہو جائے انشاء اللہ عزوجل ؛

باب دربیان توبہ و متعلقات توبہ

جاننا چاہیئے کہ سالکانِ راہِ حق کا پہلا مقام توبہ ہے جس طرح کہ طالبانِ عبادت کے لئے پہلا درجہ طہارت ہے اسی وجہ سے اللہ رب العزۃ ارشاد فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحًا الآیۃ۔ اے ایمان والو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو ؛ نیز فرمایا توبوا الی اللہ جمیعًا ایھا المومنون لعلکم تفلحون۔ اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ ؛

نبی کریم صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ما من شئ احب الی اللہ من شاب تائب۔ (اللہ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں کہ جوان آدمی توبہ کرے) نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا التائب من الذنب کمن لاذنب لہ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس کا کوئی گناہ ہی نہیں) پھر فرمایا اذا احب اللہ عبدًا لم یضرہ ذنب یعنے جب اللہ تعالٰی بندہ کو

محبوب بنا لیتا ہے تو اسے گناہ ہرگز نقصان نہیں پہنچاتا، اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین بے شک اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا اور خوب پاک ہونے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

غرضکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ بندہ کو دوست رکھتا ہے تو گناہ اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ دریافت کیا گیا توبہ کی علامت کیا ہے؟ فرمایا ندامت۔ لیکن یہ جو فرمایا کہ دوستوں کے لئے گناہ نقصان رساں نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا اور اس کے ایمان میں خلل نہیں آتا جبکہ ایمان کو گناہ ضائع نہیں کرتا تو اس معصیت کا نقصان جس کا انجام کار نجات ہو درحقیقت نقصان ضیاع نہیں ہے

واضح رہنا چاہئے کہ لغت میں توبہ کے معنٰے رجوع کرنے کے ہیں چنانچہ کہتے ہیں "تاب ای رجع" لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے باز رہنا اس لئے ہے کہ اسے خدا کے حکم کا خوف ہے یہی توبہ کی حقیقت ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الندم توبۃ یعنے توبہ شرمندگی و ندامت ہے۔ یہ ایسا ارشاد ہے جس میں توبہ کے تمام شرائط پنہاں ہیں۔ اس لئے کہ توبہ کی ایک شرط مخالفت پر افسوس کرنا ہے اور دوسری شرط ترک کی حالت میں ذلت محسوس کرنا ہے تیسری شرط گناہ کو دوبارہ نہ کرنے پر عزم کرنا ہے۔ یہ تینوں شرطیں ندامت میں موجود ہیں کیونکہ جب ندامت دل میں حاصل ہوتی ہے تو پہلی دونوں شرطیں اور تیسری شرط اس کے ضمن میں ہوتی ہیں۔ ندامت کے بھی تین اسباب ہیں جیسا کہ توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ پہلا سبب ندامت یہ ہے کہ جب دل پر سزا کا خوف غلبہ پاتا ہے تب اپنے برے فعلوں پر دل آزردہ ہوتا ہے اور ندامت حاصل ہو جاتی ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ جب نعمت کی خواہش اس کے دل پر غالب ہو جاتی ہے اور وہ جان لے کہ برے فعل اور نافرمانی سے وہ حاصل نہیں ہو سکتی تو وہ اس سے پشیمان ہو جاتا ہے اور تیسرا سبب ندامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شرم و حیاء اس کے دل میں آجاتی ہے اور وہ مخالفت سے پشیمان ہوتا ہے۔ لہٰذا تینوں میں سے پہلا تائب اور دوسرا منیب اور تیسرا اوّاب ہے۔ ایسے ہی توبہ کے بھی تین مقام ہیں، ایک توبہ، دوسرے انابت، تیسرے اوّابت، لہٰذا توبہ عذاب کے خوف سے ہے اور انابت حصول ثواب سے ہے اور اوّابت رعایت فرمان سے۔ اسی وجہ سے توبہ عام مسلمانوں کا مقام ہے جو گناہ کبیرہ سے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحًا الآیہ اے ایمان والو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

اور انابت اولیاء اور مقربین بارگاہ کا مقام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من خشی الرحمٰن بالغیب وجاء بقلب منیب جو خدا سے حالت غیب میں ڈرے اور انابت والا دل لائے۔

اور اوّابت انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا مقام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نعم العبد انہ اواب یعنے کتنا اچھا بندہ ہے کہ ہر حال میں خوب رجوع ہوتا ہے لہٰذا طاعت کے ساتھ کبائر سے رجوع کا نام توبہ ہے اور محبت میں صغائر سے رجوع کا نام انابت ہے اور نفس خود خدا کی طرف رجوع کا نام اوّابت ہے۔ یہ فرق ہے ان کے درمیان جو خوف سے اوامر کے ساتھ رجوع کرے اور وہ جو محبت و فاسد اندیشہ سے محبت کے ساتھ رجوع کرے اور جو اپنی خودی سے حق کے ساتھ رجوع کرے۔

توبہ کی اصل اللہ تعالیٰ کی تنبیہات سے اور دل کی بیداری خواب غفلت سے اور حال کے غلبت کو دیکھنے سے ہے۔ اور جب بندہ اپنے

بُرے احوال اور قبیح افعال میں غور و فکر کرتا ہے اور اس سے نجات کی کوشش کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس پر توبہ کے اسباب آسان فرما دیتا ہے اور اسے اس کی معصیت کی بُرائی سے نکال کر اپنی اطاعت کی شیرینی میں پہنچا دیتا ہے ۔

اہل سنت و جماعت اور مشائخ معرفت کے نزدیک جائز ہے کہ بندہ کسی ایک گناہ سے توبہ کرے اور دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو تو اسے حق تعالیٰ اس گناہ سے توبہ کے بدلے میں ثواب عطا فرماتا ہے ۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کی برکت سے دوسرے گناہوں سے باز آجائے جیسے کوئی شرابی اور زانی ہو وہ زنا سے توبہ کرے اور شراب خوری پر مصر رہے تو اس کی توبہ اس گناہ سے دوسرے گناہ کے ارتکاب کے باوجود درست ہوگی ۔ اور معتزلہ کا وہ گروہ جسے بہشمی کہتے ہیں کہتا ہے کہ اس وقت تک توبہ کا نام درست نہیں ہے جب تک کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ نہ کرے ۔ یہ قول محال ہے اس لئے کہ تمام معاصی پر جو بندہ کرے ۔ یہ ان سب کے وجہ سے عذاب ہوتا ہے جب بندہ معاصی کی کسی ایک قسم کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس قسم کے سبب ملنے والے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے لامحالہ وہ اس سے تائب ہوا ۔

نیز اگر کوئی شخص بعض فرائض بجا لاتا ہے اور بعض کو چھوڑ دیتا ہے تو لامحالہ جتنا وہ کرتا ہے اس کا ثواب ملے گا اور جتنا نہیں کرتا ہے اس کی سزا ملے گی ۔ اور اگر کسی کے معصیت کا آلہ پاس نہیں ہے اور نہ اس کے اسباب موجود ہیں اور وہ توبہ کرتا ہے تو تائب ہوگا ۔ اس لئے کہ توبہ کا ایک رکن ندامت ہے اور اسے اس توبہ کے ذریعہ گزشتہ پر ندامت حاصل ہے اور فی الحال گناہ کی اس جنس سے کنارہ کشی ہے اور ارادہ رکھتا ہے کہ اگر وہ آلہ موجود ہو جائے تو سبب بھی مہیا ہو جائے تو کبھی میں ہرگز اس معصیت کا ارتکاب نہ کروں گا ۔

مشائخ کرام رحمہم اللہ توبہ کی تعریف اور اس کی صحت پر مختلف رہے ہیں چنانچہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کے ساتھ اس مذہب پر ہیں کہ التوبۃ ان لا تنسی ذنبک یعنی توبہ یہ ہے کہ کئے ہوئے گناہوں کو نہ بھولو اور ہمیشہ اس کی ندامت میں مبتلا رہو اگرچہ تم بہت نیک اعمال کئے ہو ان پر غرور نہ کرو اس لئے کہ بُرے فعل پر شرمندگی و افسوس اعمال صالحہ پر مقدم ہے ہرگز ایسا شخص گھمنڈ میں نہ رہے اور گناہ کو فراموش نہ کرے ۔

پھر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک جماعت کے ساتھ یہ مذہب رکھتے ہیں کہ التوبۃ ان تنسی ذنبک یعنی کئے ہوئے گناہ کو بھول جاؤ ۔ اس لئے کہ تائب محبت والا ہے اور محبت الامشاہدہ میں ہوتا ہے اس لئے مشاہدہ میں جفا کی یاد ظلم ہوگا کیونکہ وہ کچھ عرصہ تو شقاوت کے ساتھ رہا پھر کچھ عرصہ وفا کی حالت میں جفا کی یاد کے ساتھ رہا حالانکہ وفا میں جفا کی یاد وفا میں حجاب ہوتا ہے ۔ اور تمام حالات سے رجوع مجاہدہ اور مشاہدہ کے خلاف پر ہے ۔ اس کا بیان مذہب سہیلیاں میں دیکھنا چاہئے جو کہ تائب کو بخود قائم کہتے ہیں اور اس کے گناہ کو فراموشی کو غفلت سمجھتے ہیں ۔ اور جو تائب کو حق کے ساتھ قائم کہتے ہیں وہ اس کے گناہ کی یاد کو شرک بتاتے ہیں غرضیکہ تائب اگر اپنی صفت میں باقی ہے تو اس کے اصرار کی عقدہ کشائی نہیں ہو سکتی ۔ اور اگر وہ صفت میں فانی ہے تو اس کے لئے اس کا ذکر درست نہیں ہو سکتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بقائے صفت کی حالت میں کہا تُبْتُ اِلَیْكَ (میں نے تیری طرف رجوع کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فنائے صفت کی حالت میں کہا لا

احصی ثناء علیک (میں تیری ثنا کو شمار نہیں کر سکتا) تھا۔ دوری کے مقام میں یاد دشمن کی یاد وحشت ہوتی ہے۔ تائب کو تو یہ چاہیے کہ اپنی توبہ کو بھی یاد نہ کرے۔ وہ اپنے گناہوں کو کیسے یاد کرے گا۔ درحقیقت اپنے گناہوں کو یاد کرنا بھی گناہ ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ محل اعراض ہے۔ چنانچہ جب گناہ محل اعراض ہے تو اس کی یاد بھی محل اعراض ہے۔ اور اس کے غیر کی یاد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ جرم کی یاد جرم ہے ویسا ہی اس کا بھول جانا بھی جرم ہے اس لئے کہ ذکر نسیان ذکر کا محتاج ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں کسی نے مجھے اتنا فائدہ نہ دیا جتنا اس شعر نے دیا ہے

اذا قلت ما اذنبت قالت مجیبۃ ؎ حیوتک ذنب لا یقاس بہ ذنب

یعنے جب میں اسے کہتا ہوں کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے تو جواب دینے والے نے کہا کہ تیری زندگی ہی گناہ ہے تو اس کو موجودگی کے ہوتے ہوئے کسی اور گناہ کے قیاس کرنے کی کیا حاجت ہے۔

جبکہ دوست کی بارگاہ میں دوست کا وجود ہی گناہ ہے تو اس کے وصف کی کیا قدر و قیمت ہوگی۔ غرضکہ توبہ تائید ربانی ہے اور معاصی فعل جسم ہیں۔ جب دل میں ندامت پیدا ہوتی ہے تو جسم میں کوئی ایسا آلہ نہیں جو دل کی ندامت کو دور کر سکے۔ اور جب ابتدا میں ندامت کی حالت میں تو بہ کو روک نہیں سکتا تو انتہا میں بھی اس کو روک نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم یعنے بندہ نے عمل پر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

قرآن کریم میں اس کے ثبوت میں بکثرت شواہد ہیں۔ ان سب کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

توبہ تین قسم کی ہے اول خطا سے راہ صواب کی طرف دوم صواب سے اصوب کی طرف۔ سوم اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی طرف لیکن خطا سے صواب پر گامزن ہونے پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم الایۃ۔ وہ لوگ جنھوں نے برے کام کئے یا اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور انھوں نے خدا کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی ۔ ۔ ۔ ۔

اور وہ جو درستگی سے مزید درستگی کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ انھوں نے کہا تبت الیک یعنے میں تیری طرف رجوع ہوا ۔

اور وہ جو اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس کی مثال حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ فرمایا وانہ لیغان علی قلبی وانی کنت لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ۔ بلاشبہ کسی وقت میرے دل پر ہلکا سا ابر آجاتا ہے اس وقت میں یقیناً روزانہ ستر مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں ۔

ارتکاب خطا و معصیت انتہائی بری بات ہے اور خطا و معصیت سے راہ صواب کی طرف رجوع و توبہ کرنا پسندیدہ عمل ہے یہ عام لوگوں کی توبہ ہے اور اس کا حکم ظاہر ہے اور راہ صواب پر گامزن رہتے ہوئے ان کی یہ حالت رفعت و درجات ہوتی ہے اس راہ صواب سے آگے کی راہ اصوب

کی طرف رجوع کرنا اہلِ ہمت کے درجہ میں پسندیدہ عمل ہے۔ یہ خاص بندوں کی توبہ ہے اور یہ محال ہے کہ خواص معصیت سے توبہ کریں۔ تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اسی جہان میں جب رویت الٰہی کی حسرت پیدا ہوئی تو انھوں نے اُس سے توبہ کی۔ اس لئے کہ دیدار کی خواہش اپنے اختیار سے تھی دوستی میں اختیار آفت ہوتی ہے۔ اور اپنے اختیار کی آفت کو ترک کرنا لوگوں کے لئے رویت کے ترک اور درجہ محبت میں اپنی خودی سے حق کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں نمودار ہوئی جیسا کہ مقام عالی پر وقوف کرنا آفت ہے اس سے توبہ کر کے اوپر کے مقام عالی پر پہنچنا، نیز احوال مقامات کے دیکھنے سے بھی توبہ کی جاتی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقامات ہر دم ترقی پذیر تھے جب آپ کسی مقام عالی پر پہنچتے تو اس سے نیچے مقام کے وقوف پر استغفار کرتے تھے اور اس مقام کے دیکھنے سے توبہ بجالاتے تھے واللہ اعلم بالصواب ۔

فصل

واضح رہنا چاہیئے کہ جب بندہ پختہ ارادہ کرے کہ اب گناہ کی طرف نہ لوٹوں گا تو اس کی توبہ کے لئے تائید شرط نہیں ہے۔ پھر تائب کو ایسا وقت آجائے کہ وہ دوبارہ معصیت کا ارتکاب سابقہ پختہ عزم کے بعد کرے تو پھر بھی توبہ کرنا درستگی کے حکم میں ہوگا۔ اس گروہ کے معتدیوں اور تائبوں سے ایسا ہوا ہے کہ توبہ کرلی پھر فساد لاحق ہوا اور معصیت کا ارتکاب کیا پھر جب آگاہ ہوئے تو اس سے دوبارہ توبہ کی ہے۔ یہاں تک کہ ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ستر بار توبہ کی ہے اور ہر توبہ کے بعد معصیت کا ارتکاب ہوتا رہا۔ اکہترویں مرتبہ کی توبہ کے بعد توبہ پر استقامت میسر آئی ہے ۔

حضرت ابو عمرو نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ میں نے ابتدا میں حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں توبہ کی اور اس پر کچھ عرصہ قائم رہا پھر میرے دل میں معصیت کی چاہت پیدا ہوئی اور میں نے ارتکاب کرلیا اور اس بزرگ کی صحبت سے روگرداں ہو گیا جب بھی میں انہیں دور سے دیکھتا تو میں شرمندہ ہو کر بھاگ جاتا کہ ان کی نظر مجھ پر نہ پڑ جائے، اتفاقاً میرا ان سے آمنا سامنا ہو گیا انھوں نے فرمایا اے فرزند! تم اپنے دشمنوں کے ساتھ صحبت اختیار نہ کرو مگر اس وقت جبکہ تم معصوم ہو جاؤ۔ اس لئے کہ دشمن تمھارے عیب کو دیکھتا ہے۔ اور جب تم عیب دار نظر آتے ہو تو وہ خوش ہوتا ہے اور جب تم گناہ سے معصوم ہوتے ہو تو وہ غمزدہ ہوتا ہے اگر تمھاری خواہش یہی ہے کہ معصیت کرو تو ہمارے پاس آیا کرو تاکہ ہم تمھاری مصیبت و بلا کو دور کریں اور تمھارے دشمن کو خوش ہونے کا موقعہ نہ دیں۔ ابو عمرو کہتے ہیں کہ پھر میرا دل گناہ سے سیر ہو گیا اور گناہ سے توبہ صحیح ہو گئی ۔

میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے گناہوں سے توبہ کی اس کے بعد پھر اس سے گناہ سرزد ہو گیا اس وقت وہ شرمندہ ہو گیا ایک دن اس نے اپنے دل میں کہا اگر میں پھر آؤں تو میرا حال کیا ہوگا ہاتف نے آواز دی اطعتنا فشکرناک ثم ترکتنا فامھلناک فان عدت الینا قبلناک یعنے تو نے ہماری اطاعت کی ہم نے اسے قبول کیا پھر تو نے بے وفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تجھے مہلت دی اب پھر اگر تو توبہ کرے اور ہماری طرف واپس آئے تو ہم پھر تجھے قبول کرلیں گے۔ اب پھر بزرگوں کے اقوال کی طرف رجوع ہوتا ہوں ۔

فصل

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبۃ العوام من الذنوب وتوبۃ الخواص من الغفلۃ یعنے عوام کی توبہ گناہوں سے ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے اس لئے کہ عوام سے ظاہر حال کو پوچھا جائے گا اور خواص سے معاملہ کی تحقیق۔ کیونکہ عوام کے لئے غفلت عبادت اور خواص کے لئے حجاب ہ

حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لیس للعبد فی التوبۃ شئی لان التوبۃ الیہ لا منہ یعنے بندہ کو توبہ سے کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ توبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ بندہ کی جانب سے۔ اس قول سے لازم آتا ہے کہ توبہ بندہ کے عمل سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ حق تعالیٰ کی موہبت عطا سے متعلق ہے۔ یہ قول جنید کی مذہب سے تعلق رکھتا ہے ہ

حضرت ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التوبۃ اذا ذکرت الذنب ثم لا تجد حلاوۃ عند ذکرہ فھو التوبۃ یعنے توبہ کی تعریف یہ ہے کہ جب تم گناہ کو یاد کرو پھر تم اس کی یاد میں لذت نہ پاؤ تو وہ توبہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ گناہ کی یاد یا تو حسرت سے ہوگی یا ارادہ وخواہش سے جو کوئی شخص حسرت و ندامت کے ساتھ اپنی معصیت کو یاد کرتا ہے تو وہ تائب ہے اور جو شخص معصیت کے ارادہ اور خواہش سے یاد کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے کیونکہ معصیت کے ارتکاب میں اتنی آفت نہیں ہے جتنی اس کے ارادہ وخواہش میں آفت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ارتکاب معصیت ایک لمحہ کا ہوتا ہے اور اس کا ارادہ وخواہش دائمی و ہمیشہ رہتی ہے۔ لہذا جس کا جسم ایک گھڑی کے لئے معصیت میں رہے وہ ویسا نہیں ہے جس کا دل بارات اس کی صحبت میں رہتا ہے ہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التوبۃ توبتان توبۃ الانابۃ وتوبۃ الاستحیاء فتوبۃ الانابۃ ان یتوب العبد خوفاً من عقوبتہ وتوبۃ الاستحیاء ان یتوب حیاءً من کرمہ یعنے توبہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک توبۂ انابت ہے، دوسری توبۂ حیاء۔ توبۂ انابت یہ ہے کہ بندہ عذابِ الٰہی کے خوف سے توبہ کرے، اور توبۂ استحیاء یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے کرم سے شرم کرکے توبہ کرے لہٰذا خوف والی توبہ جلالِ الٰہی کے کشف سے ہے اور شرم والی توبہ جمالِ الٰہی کے نظارہ سے ہے معلوم ہوا ایک جلال الٰہی میں اس کے خوف کی آگ سے جلتا ہے اور دوسرا جمال الٰہی میں حیاء و شرم کے نور سے روشن ہوتا ہے ان دونوں میں سے ایک سکر میں ہے دوسرا مدہوشی میں۔ اہل حیاء اصحاب سکر ہیں اور اہل خوف اصحاب صحو۔ بات بہت طویل ہو گئی میں مختصر کرتا ہوں و باللہ التوفیق ہ

نماز کے بیان میں پانچویں حجاب کا کشف

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ : اے مسلمانو! نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے

على الصلوة وما ملكت ايمانكم : نماز کی حفاظت کرو اور ان چیزوں کی جن کے تم مالک ہو ۔

نماز کے معنی از روئے لغت ذکر و انقیاد کے ہیں اور فقہاء کی عرف و اصطلاح میں مقررہ احکام کے ساتھ مخصوص عبادت ہے جو حق تعالیٰ کے فرمان کے بموجب پانچ نمازیں ہیں جنہیں پانچ وقتوں میں ادا کیا جاتا ہے۔ فرضیت نماز کے لئے اس کے وقت کا پہلے داخل ہونا شرط ہے۔ نماز کے شرائط میں سے ایک طہارت ہے ظاہری طور پر نجاست سے اور باطنی طور پر شہوت سے۔ دوسری شرط لباس کا پاک ہونا ہے ظاہری طور پر نجاست سے اور باطنی طور پر وہ حلال کمائی سے ہو۔ یعنی مال حرام سے پاک ہو۔ تیسری شرط جگہ کا پاک ہونا ہے ظاہری طور پر حوادث و آفت سے اور باطنی طور پر فساد و معصیت سے۔ چوتھی شرط استقبال قبلہ ہے ظاہری طور پر خانہ کعبہ اور باطنی طور پر عرش خداوندی۔ اور اس کا رخ مشاہدہ مقصود ہے۔ اور پانچویں شرط قیام ہے ظاہری حالت میں با قدرت ہونا اور باطنی طور پر قربت الٰہی کے باغ میں قیام ہے۔ اور دخول وقت کی شرط ظاہری طور پر شرعی احکام کے مطابق اور باطنی طور پر حقیقت کے درجہ میں ہمیشہ قائم رہنا ہے چھٹی شرط مخصوص نیت کے ساتھ بارگاہ حق کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ساتویں شرط مقام ہیبت و فنا میں تکبیر کہنا، محل وصل میں کھڑا ہونا، ترتیل و عظمت کے ساتھ قرأت کرنا، خشوع کے ساتھ رکوع کرنا، تذلل و عاجزی کے ساتھ سجدہ کرنا، دل جمعی کے ساتھ تشہد پڑھنا اور فنائے صفت کے ساتھ سلام پھیرنا ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی جوفہ ازیز کازیز المرجل ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تو آپ کے اندر ایسا جوش اٹھتا جیسا کہ دیگ میں جوش اٹھتا ہے جس کے نیچے آگ جل رہی ہو ۔

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا جس کا بار آسمان و زمین اٹھانے سے عاجز آ گئے تھے ۔

ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حاتم اصم سے میں نے پوچھا آپ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں۔ فرمایا جب اس کا وقت آتا ہے تو ایک ظاہری وضو کرتا ہوں دوسرا باطنی۔ ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے۔ پھر جب مسجد میں آتا ہوں تو مسجد حرام کو سامنے اور اپنے دونوں ابرو کے درمیان مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رکھتا ہوں۔ اپنی داہنی جانب جنت کو اور بائیں جانب دوزخ کو دیکھتا ہوں اور پل صراط پر میرا قدم ہوتا ہے اور ملک الموت اپنے پیچھے کھڑا گمان کرتا ہوں اس حالت میں تکبیر تعظیم کے ساتھ، قیام حرمت کے ساتھ، قرأت ہیبت کے ساتھ، رکوع تواضع کے ساتھ، سجود تضرع کے ساتھ، جلوس حلم و وقار کے ساتھ اور سلام شکر کے ساتھ پورا کرتا ہوں و باللہ التوفیق ۔

فصل

واضح رہنا چاہئے کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ جس کی ابتداء و انتہاء میں مریدین راہ حق پاتے اور نماز میں ان کے مقامات کا کشف ہوتا ہے جس طرح طہارت یعنی وضو مریدین کے لئے توبہ کا قائم مقام، پیری کا تعلق قبلہ شناسی کا قائم مقام، مجاہدۂ نفس پر قیام، قیام کے قائم مقام اور

ذکر الٰہی کی مداومت قرأت قرآن قائم مقام، تواضع، رکوع کے قائم مقام، معرفتِ نفس سجود کے قائم مقام، مقام اُنس تشہد کے قائم مقام، دنیا سے علیحدگی سلام کے قائم مقام اور نماز سے باہر آنا مقامات کی قید سے خلاصی کے قائم مقام ہے۔ اسی بنا پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب کل مشرب سے فارغ ہوتے تو کمال حیرت کے مقام میں شوق کے طالب ہونے اور یکسو ہو کر خاص مشربِ اعمال فرمانے اس وقت فرماتے ارحنا یا بلال بالصلوٰۃ، اے بلال! نماز کی اذان دے کر ہمیں خوش کرو۔

مشائخ کرام رحمہم اللہ کے اس بارے میں ارشادات ہیں، ہر ایک کا ایک خاص درجہ و مقام ہے چنانچہ ایک گروہ کہتا ہے کہ نماز حضورِ الٰہی کا ایک ذریعہ ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ نماز غیبتِ نفس کا ذریعہ ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ جو غائب رہتا ہے وہ نماز میں حاضر ہوتا ہے، اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جو حاضر رہتا ہے وہ نماز میں غائب ہو جاتا ہے جس طرح کہ اُس جہان میں مشاہدہ کی حالت میں محو ہوتا ہے۔ جو گروہ دیدارِ الٰہی میں رہتا ہے وہ غائب ہو کر حاضر رہتا ہے۔ اور جو گروہ حاضر ہوتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں۔

میں یعنے علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ نماز حکم ہے ذریعہ حضور یا ذریعۂ غیبت نہیں ہے۔ اس لئے کہ حکم کسی چیز کا ذریعہ نہیں ہوتا ہے کیونکہ حضور کی علت عین حضور ہے اور غیبت کی علت بھی غیبت ہے اور حکم الٰہی کو کسی چیز کے ساتھ سببی تعلق نہیں ہے وجہ یہ کہ نماز اگر حضور کی علت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ نماز کے سوا حاضر نہ ہوتا اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو نماز ترک کرنے سے حاضر ہو جاتا حالانکہ غیبت و حضور کے لئے نماز کی ادائیگی یا اس کا ترک سبب اور سبب نہیں ہے۔ لہٰذا نماز فی نفسہٖ ایک غلبہ ہے جو غیبت یا حضور پر موقوف نہیں ہے۔ لہٰذا مجاہدین اور اہل استقامت بکثرت نمازیں پڑھتے اور اس کا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ مشائخ طریقت نے اپنے مریدوں کو دن رات میں چار سو رکعات تک کا حکم دیا ہے تاکہ ان کا جسم عبادت کا عادی بن جائے۔ اور صاحبانِ استقامت بھی قبولیتِ حضور کے شکرانہ میں بکثرت نمازیں پڑھتے ہیں۔

باقی رہے صاحبانِ احوال، سو ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہے جن کی نمازیں مشرب کمال جمع تک المقام ہیں اور وہ اس سے منزلِ جمع حاصل کرتے ہیں۔ اور ایک گروہ وہ ہے جن کی نمازیں انقطاعِ مشرب میں تفرقہ کے قائم مقام ہیں، اور وہ اس سے منزلِ تفرقہ حاصل کرتے ہیں۔ جو حضرات نماز میں منزلِ جمع پاتے ہیں وہ فرائض و سنن کے علاوہ دن رات ہر وقت نماز میں مشغول رہتے اور اس کی کثرت کرتے ہیں، اور جو صاحب[1] تفرقہ ہیں وہ فرائض و سنن کے سوا دیگر نمازوں میں کم ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنے نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ میری تمام راحتیں نماز میں ہیں۔ اسی لئے اہل استقامت کا مشرب نماز میں ہے۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے جایا گیا اور مقامِ قرب پر فائز کیا گیا اور آپ کے نفس کو دنیا کی قید سے چھڑا لیا اور آپ درجہ پر پہنچا دیا گیا کہ آپ کا نفس دل کے درجہ میں، اور دل روح کے درجہ میں، اور روح سر کے مقام میں اور سر جانب میں فانی ہو گیا اور مقامات کو محو کر کے نشانوں سے بے نشان اور مجاہدوں میں مشاہدہ

سے غائب ہوا اور معائنہ نے معائنہ میں اس طرح فائز ہوئے کہ آپ کی انسانی اور بشری خصلت پراگندہ ہوگئی اور آپ کا نفسانی مادہ جل گیا۔ اور آپ کی اپنی طبعی قوت باقی نہ رہی اور شواہد ربانی آپ کے اختیار میں نمایاں ہوگئے اور اپنی خودی سے نکل کر معانی کی پہناؤں میں پہنچ گئے اور دائمی مشاہدہ میں مستغرق ہوگئے۔ اور اسرار شوق سے بے اختیاری کو اختیار کرکے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ اے میرے رب مجھے اس بلاؤں کی جگہ واپس نہ کر اور طبع و ہوا کی قید میں دوبارہ نہ ڈال فرمان الٰہی آیا اے محبوب ہمارا حکم ایسا ہی ہے کہ ہم تمھیں دنیا میں واپس کریں تاکہ تمہارے ذریعہ شریعت کا قیام ہو۔ اور جو کچھ ہم نے تمھیں یہاں عطا فرمایا ہے وہاں بھی مرحمت فرمائیں گے۔ جب آپ دنیا میں واپس تشریف لائے تو جب بھی آپ کا دل اس مقام معلّٰی کا مشتاق ہوتا فرماتے ارحنا یا بلال بالصلوٰۃ (اے بلال نماز کی اذان دے کر ہمیں راحت پہنچاؤ) لہٰذا آپ کی ہر نماز معراج و قربت ہوتی، اور حق تعالیٰ کی مہربانیوں کو نماز میں دیکھتے اور آپ کی جان تو نماز میں ہوتی مگر آپ کا دل نیاز میں آپ کا باطن راز میں اور آپ کا جسم گداز میں ہوتا یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہوگئی۔ آپ کا جسم ملک میں ہوتا اور آپ کی جان ملکوت میں۔ آپ کا جسم انسانی ہوتا اور آپ کی جان انس و محبت کے مقام میں۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامۃ الصدق ان یکون لہ تابع من الحق اذا دخل وقت الصلوٰۃ بعثہ علیہا و ینبہ ان کان نائماً یعنے محب صادق وہ ہوتا ہے جس پر حق تعالیٰ کا فرستادہ مقرر ہو کہ جب نماز کا وقت آجائے تو وہ بندے کو اس کی ادائیگی پر آمادہ کرے اگر بندہ سویا ہوا ہو تو اُسے بیدار کردے۔" یہ کیفیت حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ میں موجود تھی اس لئے کہ وہ زمانہ بھر کے شیخ تھے جب نماز کا وقت آجاتا تو وہ تندرست ہوجاتے اور جب ادا کر چکتے تو پھر وہی مدہوشی طاری ہوجاتی۔

ایک شیخ طریقت رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یحتاج المصلی الی اربعۃ اشیاء فناء النفس و ذہاب الطبع و صفاء السر و کمال المشاہدۃ یعنے نماز پڑھنے والے کے لئے فنائے نفس کے بغیر چارہ نہیں وہ بجز جمع کے ہمت نہیں کرتا اور جب ہمت مجتمع ہوجاتی ہے تو نفس کا اختیار جاتا رہتا ہے اس لئے کہ اس کا وجود تفرقہ سے ہے جو جمع کے بیان کے تحت نہیں آتا۔ اور طبع کا چلا جانا اثبات جلال الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا کیونکہ جلال حق غیر کو زائل کردیتا ہے اور باطن کی صفائی بجز محبت کے نہیں ہوتی اور کمال مشاہدہ باطن کی صفائی کے بغیر ممکن نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اوپر چار سو رکعات نماز فرض کر رکھی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا اس قدر درجۂ کمال رکھتے ہوئے اتنی مشقت کس لئے ہے؟ فرمایا یہ تمام رنج و راحت تمھاری حالت کا پتہ دیتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے دوست ایسے ہیں کہ ان کی صفتیں فنا ہوچکی ہیں ان پر نہ رنج اثر کرتا ہے اور نہ راحت۔ دیکھو کاہلی کو بسیدگی کا نام نہ دو اور نہ حرص کو طلب کا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا جب انھوں نے تحریمہ کے وقت اللہ اکبر کہا تو بیہوش ہوکر گر پڑے گویا کہ ان کے جسم میں حس و حرکت ہی نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جب بوڑھے ہوگئے تو اس بڑھاپے میں بھی جوانی کے کسی ورد کو نہ چھوڑا لوگوں نے عرض کیا اے شیخ! اب

آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں ان میں سے کچھ نوافل چھوڑ دیجئے فرمایا یہی تو وہ چیزیں ہیں جن کو ابتدا میں کر کے اس مرتبہ کو پایا ہے۔ اب یہ محال و ناممکن ہے کہ نہایت میں ان سے دست بردار ہو جاؤں ۔

مشہور ہے کہ فرشتے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں ان کا مشرب طاعت اور ان کی غذا عبادت ہے اس لئے کہ وہ روحانی ہیں اور ان کے لئے نفس نہیں ہے۔ بندے کے لئے طاعت سے روکنے والی شئے نفس ہے۔ جتنا بھی بندہ نفس کو مغلوب کرے گا اتنا ہی عبادت کا راستہ زیادہ آسان ہو گا۔ اور جب نفس فنا ہو جائے تو بندہ کی بھی غذا و مشرب عبادت بن جاتی ہے جس طرح کہ فرشتوں کے لئے ہے۔ بشرطیکہ فنائے نفس درست ہو ۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ عورت خوب یاد ہے جسے میں نے بچپن میں دیکھا جو بہت عبادت گزار تھی اس عورت کے نماز کی حالت میں چالیس جگہ بچھو نے ڈنک مارا مگر ان کی حالت میں ذرا تغیر نہ ہوا جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گئی تو میں نے اس سے کہا اے اماں ! اس بچھو کو تم نے کیوں نہ اپنے سے دور کیا ؟ اس نے کہا اے فرزند ! تو بچہ ہے یہ کیسے جانتا تھا کیونکہ میں اپنے رب کے کام میں مشغول تھی، اپنا کام کیسے کرتی ۔

حضرت ابو الخیر اقطع رحمہ اللہ کے پاؤں میں آکلہ یعنی گوشت خورہ ہو گیا طبیبوں نے مشورہ دیا کہ آپ کو یہ پاؤں کٹوا دینا چاہئے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوتے۔ آپ کے مریدوں نے طبیبوں سے کہا نماز کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ دیا جائے کیونکہ اس وقت انہیں اپنی خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا ۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ رات کو نماز پڑھتے تو آپ قرأت آہستہ پڑھتے۔ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بلند آواز سے پڑھتے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اے ابو بکر ! تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو ؟ عرض کیا جس سے میں مناجات کرتا ہوں وہ سنتا ہے خواہ آہستہ کہوں خواہ بلند آواز سے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا تم کیوں بلند آواز سے پڑھتے ہو ؟ عرض کیا : اوقظ الوسنان واطرد الشیطان (میں سوتے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر تم تھوڑا بلند آواز سے پڑھو اور اے عمر تم کچھ پست آواز سے [illegible] بعض مشائخ کرام فرائض کو ظاہر کرتے [illegible] اور نوافل کو چھپاتے [illegible] اس [illegible] جب کوئی شخص ریا [illegible] اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف [illegible] تو وہ ریا کار ہو [illegible] فرمایا [illegible] اور مشائخ کی ایک جماعت [illegible] فرائض و نوافل [illegible] ریا باطل ہے [illegible] خاطر سے چھپاتے ہیں۔ [illegible] سے نکال دینا چاہئے [illegible] عبادت [illegible] مشائخ طریقت [illegible] ثواب کی محافظت [illegible] نہیں ہے [illegible]

نماز کے احکام میری حدود شمار سے باہر ہیں۔ اس لئے کہ نماز محبت کے مقامات کے ساتھ متصل ہے۔ اب محبت کے احکام مکمل بیان کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب دربیان محبّت و متعلّقاتِ آں

اللہ عزوجل فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ : اے ایمان والو تم میں سے جو بھی حق تعالیٰ کے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایک قوم کو لے آئے گا جو خدا کو محبوب رکھیں گے اور خدا ان کو محبوب رکھے گا۔ نیز فرمایا ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ : کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک گردانتے اور محبت الٰہی کی مانند ان سے محبت کرتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں ان کی محبت اللہ سے بہت زیادہ ہے۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بواسطہ جبریل علیہ السلام حدیث قدسی یعنے ارشاد باری تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من اھان لی ولیاً فقد بارزنی بالمحاربۃ وما ترددت فی شیء کترددی فی قبض نفس عبدی المومن یکرہ الموت واکرہ مساءتہ ولابد لہ منہ وما یتقرب الی عبدی بشیء احب الی من اداء ما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت لہ سمعاً وبصراً ویداً ورجلاً ولساناً الحدیث : جس نے میرے ولی کی اہانت کی بلاشبہ اس نے مجھ سے جنگ کرنے کی جسارت کی، اور میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جیسا کہ بندہ کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں، بندہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اس کی ایذا کو مکروہ جانتا ہوں حالانکہ موت اس کے لئے لابدی ہے، اور ادائے فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں جو میرے بندہ کو مجھ سے قریب کرے بندہ ہمیشہ ادائے نوافل سے مجھ سے نزدیکی حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں اور زبان ہو جاتا ہوں۔

نیز فرمایا من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاءہ : جو اللہ کے دیدار کو محبوب رکھتا ہے اللہ اس کے دیدار کو محبوب رکھتا ہے جو اللہ کے دیدار کو مکروہ رکھتا ہے اللہ اس کے دیدار کو مکروہ رکھتا ہے۔

نیز فرمایا اذا احب اللہ عبداً قال لجبریل یا جبریل انی احب فلاناً فاحبہ فیحبہ جبریل ثم یقول جبریل لاھل السماء ان اللہ تعالیٰ قد احب فلاناً فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یضع لہ القبول فی الارض فیحبہ اھل الارض وفی بعض الروایات مثل ذالک : جب خدا کسی بندہ کو محبوب بنا لیتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے اے جبریل میں نے فلاں بندہ کو محبوب بنا لیا تم بھی اس سے محبت رکھو پھر جبریل بھی اسے محبوب سمجھنے لگتے ہیں اس کے بعد جبریل آسمان والوں سے فرماتا ہے اللہ نے فلاں بندے کو محبوب بنا لیا ہے آسمان والو تم بھی اسے محبوب جانو پھر وہ زمین والوں سے فرماتا ہے تو اسے زمین والے محبوب جاننے لگتے ہیں۔ اور بعض روایتوں میں اس کی مثل مروی ہے جاننا چاہیئے کہ خدائی محبت بندہ کے لئے اور بندہ کی محبت خدا کے لئے درست ہے کتاب وسنت اور اجماع امت اس پر شاہد وناطق

ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو محبوب رکھتا ہے اور محبوبانِ خدا سے دوست رکھتے ہیں ۔

اہل لغت محبت کے معنے میں کہتے ہیں کہ محبت حبہ (حاء کے زیر سے) سے ماخوذ ہے اور حبہ کے معنے تخم یعنی بیج کے ہیں جو صحرا میں زمین پر گرتا ہے۔ لہٰذا حب کا نام حُب رکھا گیا۔ چنانچہ اصل حیات اسی میں ہے۔ جس طرح اشجار و نباتات کی اصل حب یعنی بیج ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحرا میں بیج کو بکھیر دیا جاتا ہے اور مٹی میں چھپا دیا جاتا ہے پھر اس پر بارشیں ہوتی ہیں، سورج چمکتا ہے، موسم گرم و سرد گزرتا ہے لیکن زمانہ کے تغیرات اسے نہیں بدلتے جب اس کا موسم آتا ہے تو وہ تخم اگتا ہے پھول نکالتا اور پھل دیتا ہے۔ اسی طرح جب محبت کا بیج دل میں قرار پکڑتا ہے تو اسے حضور، غیبت، بلا و مشقت، راحت لذت اور فراق و وصال [illegible] اسی معنے میں کسی کا شعر ہے :

يا من بسقام جفونه لسقام عاشقه طبيب ۔ جارت المودة فاستوى عندي حضوره والمغيب

یعنے اے وہ ذات جس کی دیوانگی کا مرض اس کے عاشق کی بیماری کے لئے طبیب ہے۔ محبت کی برقراری میں میرے نزدیک تیرا حضور اور غیبت برابر ہے ۔

نیز اہل لغت یہ بھی کہتے ہیں کہ محبت حب سے مشتق ہے اور حب وہ برتن ہے جس میں پانی کثرت سے ہو اور وہ اس سے بھرا ہوا ہو اور ٹھہرا ہو کہ پانی اس میں داخل نہ ہو سکے اور وہ اسے روکے ہوئے ہو یہی حال محبت و دوستی کا ہے کہ جب وہ طالب کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس کا دل اس سے پر ہو جاتا ہے پھر اس دل میں دوست محبوب کے کلام کے سوا کوئی جگہ نہیں رہتی چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو خلعتِ خلت سے سرفراز فرمایا تو وہ [illegible] کلام حق کے ہو کر رہ گئے۔ اور جہان اور جہان والے سب ان کے حجاب بن گئے اور وہ حق تعالیٰ کی محبت میں حجابات کے دشمن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس حال و قال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا فانهم عدو لي الا رب العلمين یعنے یہ سب میرے دشمن ہیں بجز رب العلمین کے ۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سميت المحبة لانها تمحو من القلب ما سوى المحبوب یعنی اس لئے محبت نام رکھا گیا کہ وہ دل سے محبوب کے ما سوا کو مٹا دیتا ہے ۔

ایک معنے یہ بھی لئے گئے ہیں کہ حب ان چار لکڑیوں کا نام ہے جو جڑی ہوئی ہوں جس پر پانی کا لوٹا رکھا جاتا ہے جیسے میز و تپائی وغیرہ لہٰذا محب کو محب اسی لئے کہتے ہیں کہ محبت کرنے والا دوست، محبوب کی عزت و ذلت، رنج و راحت، بلا و مشقت اور جفا و وفا کو برداشت کرتا ہے۔ اور وہ اس پر گراں نہیں ہوتا اس کا وہی کام ہوتا ہے جو مذکورہ میز و تپائی وغیرہ کا کام ہے وہ بھی اسی کی مانند بوجھ اٹھاتا ہے۔ لہٰذا محب کی خلقت ترکیب میں ہی دوست کے بوجھ کو اٹھانا ہے اسی معنے میں یہ شعر ہے :

ان شئت جودي وان شئت فامنعني ۔ كلاهما منك منسوب الى الكرم

اگر تو چاہے تو مجھ پر سخاوت کرے اور اگر چاہے تو تو مجھے منع کر دے۔ دونوں باتیں تیری طرف کرم کے ساتھ منسوب ہیں ۔

ایک معنے یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ محبت حب سے ماخوذ ہے جو حبہ کی جمع ہے اور حبہ وہ دل ہے جو لطائف کا مقام اور ان کے قیام کی جگہ ہے۔ لہٰذا اسی لئے محبت کا نام حب رکھا گیا یہ تسمیہ حال باسم محل ہے۔ اہل عرب کا رواج ہے کہ چیز کا نام اس کے مقام کے نام پر رکھ دیتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حب حباب سے ماخوذ ہے حباب اس پانی کے جوش کو کہتے ہیں جو شدید بارش کے وقت پانی میں بلبلے اٹھتے ہیں اسی لئے محبت کو حب کہا گیا کہ لانہ غلیان القلب عند الاشتیاق الی لقاء المحبوب: کیونکہ دوست کا دل دوست کے دیدار کے اشتیاق میں مضطرب رہتا ہے قرار رہتا ہے؛

جیسا کہ اجسام روح کے مشتاق ہیں یا جیسا کہ جسم کا قیام روح کے ساتھ ہے اسی طرح دوستی کا قیام محبت کے ساتھ ہے اور محبت کا قیام محبوب کے وصال اور اس کی رویت میں ہے اسی معنے میں یہ شعر ہے ؎

اذا تمنى الناس روحاً وراحة . تمنيت ان القاك يا عز خاليا

یعنی جب لوگوں نے خوشی وراحت کی تمنا کی تو میں نے اے عزیزہ یہ خواہش کی کہ میں تجھے ہر کام سے فارغ کر دوں لیکن تیرا اس راہ میں اشغال ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ حب ایسا نام ہے جو محبت کی صفائی کے لئے وضع کیا گیا ہے اسی لئے اہل عرب انسان کی آنکھ سفیدی کی صفائی کو حبۃ الانسان کہتے ہیں جیسے کہ دل کے نکتہ کی صفائی کو حبۃ القلب کہتے ہیں۔ لہٰذا دل کا نکتہ محبت کی جگہ اور آنکھ کی سفیدی دیدار کا مقام ہے اسی معنے میں یہ مقولہ ہے کہ دل اور آنکھ دوستی میں مقارن و متصل ہیں۔ اسی معنے میں یہ شعر بھی ہے ؎

القلب يحسد عيني لذة النظر ، والعين يحسد قلبي لذة الفكر

دل حسد کرتا ہے کہ آنکھ کو لذت دیدار ملی ، اور آنکھ حسد کرتی ہے کہ دل کو لذت فکر ملی

فصل

واضح رہنا چاہئے کہ محبت کے استعمال میں علماء کی تین وجہیں ہیں ایک یہ کہ محبوب سے ایسی ارادت ہو جس میں نفس کو آرام نہ ہو اور نہ دل کی تمنا و خواہش اور میلان و انسیت ہو۔ ان سب کا تعلق قدیم یعنی حق تعالیٰ پر جائز نہیں ہے یہ تمام تعلقات مخلوقات کے لئے ہیں۔ اور وہی ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام معانی سے برتر و مستغنی ہے اس کی ذات بہت بلند و بالا ہے۔ دوسری وجہ احسان کے معنے میں ہے یہ اس بندہ کے ساتھ خاص ہے جسے اللہ تعالیٰ برگزیدہ کر کے ولایت کے کمال پر فائز کرے اور اسے گوناگوں الطاف و اکرام سے نوازدے۔ تیسری وجہ بندہ پر خوبی کی تعریف کے معنے میں ہے۔ متکلمین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی جس محبت کی ہمیں (قرآن و حدیث میں) خبر دی گئی ہے وہ تمام سماعی صفات سے متعلق ہیں جیسے کہ دیدار استوی کی کیفیت ہے اگر کتاب و سنت اس پر ناطق نہ ہوتے تو ان کا وجود حق تعالیٰ کے لئے ازروئے عقل محال ہوتا۔ لہٰذا ہم اسی کی شان کے لائق محبت کا اثبات کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اس میں تصرف کرنے سے توقف کرتے ہیں۔ اس گروہ کی اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں جانتے۔ یہ سب اقوال جنہیں ہم نے بیان کر دیا۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی حقیقت بتاتے ہیں

جاننا چاہیئے کہ بندے کے لئے حق تعالیٰ کی محبت کا مطلب حق تعالیٰ کی طرف سے بھلائی کا ارادہ اور بندہ پر رحم کرنا ہے۔ اور محبت' ارادہ ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے رضا، ناراضگی، رحمت اور مہربانی وغیرہ ہے۔ ان ناموں کو بھی حق تعالیٰ کے ارادوں کے سوا پر محمول نہ کرنا چاہیئے حق تعالیٰ کی ایک قدیم صفت ہے کہ انہوں نے اپنے افعال کو ان اوصاف کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ لہٰذا حکم مبالغہ در اظہار فعل میں بعض صفت بعض شخص ہے۔ خلاصہ یہ! اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے لئے یہ ہے کہ وہ اس پر نعمت کی کثرت فرماتے دنیا و آخرت میں ثواب عطا فرماتے اور سزا کے مقام سے محفوظ رکھے۔ اور اسے ارتکاب معصیت سے محفوظ رکھ کر احوال شریف اور مقامات علیا سے سرفراز فرمائے اور اس کے باطن کو اغیار کی التفات سے پاک و صاف کرکے ازلی عنایات کو اس کے شامل حال بنائے یہاں تک کہ وہ ہر ایک سے کنارہ کش ہو کر خالص رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھنے لگے جب حق تعالیٰ بندہ کو اس معنے میں مخصوص کرے تو اس کی اس ارادہ تخصیص کا نام محبت رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ مذہب حضرت حارث محاسبی، حضرت جنید بغدادی اور مشائخ عظام رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا ہے۔ اور فریقین کے ائمہ فقہاء و متکلمین اہل سنت کا مذہب بھی یہی ہے۔ لیکن وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کے معنے ثنائے جمیل ہے جو بندہ پر لازم ہے اس کی ثنا اس کا کلام ہے اور اس کا کلام غیر مخلوق ہے اور غیر مخلوق کو مخلوق کے ساتھ کیسے مناسبت ہے۔ اور وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ محبت کے معنے احسان کے ہیں اور حق تعالیٰ کا احسان اس کا فعل ہے معنے کے لحاظ سے یہ اقوال قریب قریب ہیں اور سب کا حکم موجود ہے لیکن بندہ کی محبت اللہ عزوجل کے لئے ایک ایسی صفت ہے جو فرماں بردار مومن کے دل میں ظاہر ہوتی ہے جس کے معنے تعظیم و تکریم کے ہیں یہاں تک کہ وہ محبوب کی رضا کو طلب کرتا ہے اور اس کی رویت کی طلب میں بے چین ہو کر اس کی قربت کی آرزو میں بے قرار ہوجاتے اور اسے اس کے سوا سے چین و قرار حاصل ہوتا ہی نہیں۔ اس کی عادت اس کے ذکر کے ساتھ ہی ہوتی ہے وہ اس کے غیر کی یاد اور اس کے ذکر سے نفرت کرتا ہے کیونکہ غیر کے ساتھ راحت حرام ہوجاتی ہے اور اس سے سکون جاتا رہتا ہے اور تمام طبعی رغبتوں اور وابستگیوں سے جدا ہوکر نفسانی خواہشوں سے کنارہ کش ہوجاتا ہے وہ محبت کے غلبہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو کمال و جمال کے ساتھ پہچاننے لگتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے خالق کی محبت مخلوق کے لئے لوگوں کی محبت کی جنس و قبیل سے ہو۔ جیسے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اسی کی مانند محبوب کی محبت کا ادراک اور احاطہ کر سکیں۔ یہ صفت تو اجسام کی ہے حالانکہ حق تعالیٰ اجسام سے پاک ہے لہٰذا دوستانِ خدا اس کی قربت کے مارے ہوتے ہیں۔ نہ کہ اس کی کیفیت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہ طالب محبت میں فی نفسہ قائم ہوتے ہیں قربت کے مارے ہوئے محبوب کے ساتھ قائم ہوتے ہیں جس قدر زیادہ محبوب ہوتے ہیں اتنے ہی وہ محبت کی رزمگاہ میں ہلاک و مغلوب ہوتے ہیں اس لئے کہ حادث کو قدیم کے ساتھ اس وقت توصل ہوتا ہے جب قدیم اس پر غلبہ پائے۔ جو محبت کی حقیقت کو پہچانتا ہے اسے کوئی ابہام مشکل اور شبہ نہیں رہتا۔ لہٰذا محبت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ ایک جنس کی محبت دوسرے ہم جنس کے ساتھ ہو ایسی محبت میلانِ طبع اور نفس پرستی ہے اور ایسا طالب' ذات محبوب کا عاشق اور فریفتہ ہوتا ہے۔ دوسری قسم یہ کہ ایک جنس کی محبت کسی غیر جنس کے ساتھ ہو ایسی محبت' اپنے محبوب کی کسی صفت پر سکون و قرار کا حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے راحت پائے اور انس پکڑے مثلاً محبوب کا کلام سننا یا اس کے دیدار کا خواہاں ہونا

وغیرہ۔ اور خدائی محبت کے گزیدہ حضرات دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جنھوں نے اپنے اوپر حق تعالیٰ کا انعام و احسان دیکھا۔ اور وہ اس انعام و احسان کے دیکھنے کی وجہ میں منعم و محسن کی محبت کے متقاضی ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو ان تمام احسانات و انعامات کو غلبۂ محبت کے حجاب کے مقام میں رکھتے ہیں۔ اور نعمتوں کے دیکھنے سے ان کا راستہ نعمت دینے والے کی طرف ہوتا ہے یہ مقام منعم سے بہت بلند ہے واللہ اعلم بالصواب ٭

فصل

غرضکہ محبت ہر قسم کے لوگوں کے درمیان معروف اور تمام زبانوں میں مشہور اور ہر لغت میں مستعمل ہے۔ اور تمام عقلاء کی کوئی قسم اسے اپنے اوپر چھپا نہیں سکتی۔ اور مشائخ طریقت میں سے حضرت سمنون المحب رضی اللہ عنہ تو محبت میں ایک خاص مذہب و مشرب رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ محبت تو حق تعالیٰ کی راہ میں اصل و بنیاد ہے اس پر تو احوال و مقامات و منازل کا دارومدار ہے۔ اور ہر منزل و محل میں جس پر طالب کا مرتبہ ہوا اس کا اس سے زوال ممکن و جائز ہے مگر حق تعالیٰ کی محبت کے مقام میں زوال ممکن نہیں اور جب تک وہ راہ میں موجود ہے کسی حال میں اس پر اس سے زوال جائز نہیں۔ اس خصوص میں تمام مشائخ کرام ان کے مذہب کی موافقت کرتے ہیں لیکن بایں وجہ کہ چونکہ یہ نام عام تھا اور ظاہری لوگوں نے چاہا کہ ان معانی کا حکم لوگوں سے چھپا یا جائے۔ اس لئے انھوں نے اس کے معنی کے وجود کی تحقیق میں نام کو بدل دیا لہٰذا انھوں نے صفائی محبت کا نام صفوت رکھا اور محب کو صوفی کہنے لگے۔ اور ایک گروہ نے محب کے ترک اختیار کا نام محبوب کے اختیار کے اثبات میں فقیر رکھا اور محب کو فقیر کہنے لگے کیونکہ محبت میں بہت کم درجہ موافقت کا ہے اور محبوب کی موافقت مخالفت کے سوا ہوتی ہے۔ میں نے اس کتاب کے شروع میں فقر اور صفوت کے معنی کی وضاحت کر دی ہے ٭

ایک شیخ طریقت رحمہ اللہ اس معنی میں فرماتے ہیں کہ المحب عند الزھاد اظھر من الاجتھاد یعنی زاہدوں کے نزدیک محبت اجتہاد سے زیادہ ظاہر ہے ٭ یہ مقولہ عام ہے کہ عند التائبین اوجد من الانین و الحنین یعنی تائبوں کے نزدیک نالہ و فغاں سے زیادہ نمایاں محبت ہے ٭ وعند الاتراک اشھر من الفتراک یعنی ترکوں کے نزدیک ان کی سواریوں سے زیادہ مشہور ہے ٭ وسمی الحب عند الھنود اظھر من سبی المحمود درحم ولھب یعنی ہندوؤں کے نزدیک ہندوستان میں محبت کی قید محمود غزنوی کی قید، رحم اور اس کی سختی سے زیادہ ظاہر ہے ٭ وقصۃ الحب الحبیب عند الروم اشھر من الصلیب یعنی رومیوں کے نزدیک محبوب و محب کا قصہ صلیب سے زیادہ مشہور ہے ٭ وقصۃ الحب فی العرب ادب فی کل حی اصنہ وطرب او ویل وھرب وحزن یعنی عرب کے ہر قبیلہ کا ادب قصہ محبت ہے جو خوشی، رنج، افسوس، جنگ اور غم سے زیادہ پیارا ہے ٭

ان سب مقولوں کے تذکرہ کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے غیبت میں محبت سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ اور اس کا دل محبت سے خالی رہا ہو خواہ وہ خوشی میں سرشار ہو یا شراب سے بدمست ہو یا اس کے غلبہ میں مخمور ہو۔ اس لئے کہ انسان کا دل جوش اور بے قراری

کا مرکب ہے۔ اور عقل کا دریا محبت کی شراب ہے اور دل کے لئے محبت لازمی ہے جس طرح کھانا پینا ضروری ہے۔ اور جو دل محبت سے خالی ہو وہ دل برباد ویرانہ ہے۔ اور تکلف کو محبت کو دور کرنے یا اس کے حاصل کرنے کی طاقت نہیں ہے اور دل پر جو اس کے لطائف گزرتے ہیں نفس کو اس کی کچھ خبر نہیں ہے "

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب محبت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو ان کے جسموں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور انھیں اپنے قرب خاص میں رکھا۔ اور ان کی جانوں کو ان کے دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا اور محبت کے درجہ میں رکھا۔ اور ان کے باطن کو ان کی جانوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا اور انھیں وصل کے درجہ میں رکھا۔ اور روزانہ تین سو ساٹھ مرتبہ ظہور جمال سے باطن پر تجلی فرمائی، اور تین سو ساٹھ مرتبہ نظر کرامت ڈالی اور محبت کا کلمہ جانوں کو سنایا۔ اور تین سو ساٹھ مرتبہ انس محبت کے لطیفے دل پر ظاہر کئے یہاں تک کہ انھوں نے ساری کائنات پر نظر ڈالی تو کسی مخلوق کو اپنے سے زیادہ کرامت والا نہ دیکھا۔ اس بنا پر ان میں غرور و فخر پیدا ہوا۔ حق تعالیٰ نے ان سب کا امتحان لیا اور باطن کو جان میں مقید کر کے جان کو دل میں محبوس کیا اور دل کو جسم میں رکھا۔ پھر عقل کو ان میں شامل مرکب کیا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور انھیں حکم دیا گیا۔ پھر جو ان میں سے اپنے مقام کا متلاشی ہوا حق تعالیٰ نے اسے نماز کا حکم دیا "کہ جسم تو نماز میں ہو اور دل محبت الٰہی میں پیوست ہو اور جان قربت کا مقام حاصل کرے۔ اور باطن حق تعالیٰ کے وصال سے قرار و سکون پائے۔

غرضکہ یہ سب محبت کی تعبیرات ہیں نہ کہ عین محبت، اس لئے کہ محبت حال ہے اور حال کو کسی طرح گفتار میں نہیں لایا جا سکتا۔ اگر سارا جہان مل کر بھی چاہے کہ محبت کو حاصل کرے تو نہیں کر سکتا۔ اگر سب مل کر چاہیں کہ اسے اپنے سے دور کر دیں تو بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حال عطیہ و وہب سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ کسب و اختیار سے اگر سارا جہان مل کر یہ چاہے کہ محبت کسی شخص میں آ جائے جو اس کا خواہاں ہے تو نہیں کر سکتے اور اگر وہ سب یہ چاہیں کہ اسے اس سے دور کر دیں جو محبت کے لائق ہے تو وہ یہ بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ الٰہی امر ہے اور آدمی لاہی یعنی کھلنڈرا ہے۔ لاہی الٰہی کا ادراک نہیں کر سکتا واللہ اعلم۔

فصل

لیکن عشق کے بارے میں مشائخ کے بکثرت اقوال ہیں صوفیاء کا ایک گروہ اس پر ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کا عشق ہو سکتا ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی سے عشق ہو۔ اور کچھ صوفیاء یہ فرماتے ہیں کہ عشق ایسی صفت ہے جو اپنے محبوب سے رکا ہوا ہے۔ اور بندہ حق تعالیٰ سے روکا گیا ہے اور حق تعالیٰ بندہ سے رکا ہوا نہیں ہے اس لئے بندہ پر عشق جائز ہے اور حق تعالیٰ پر عشق جائز نہیں ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بندہ کا حق تعالیٰ پر عاشق ہونا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حد سے بڑھ جانے کا نام عشق ہے اور حق تعالیٰ محدود نہیں ہے کچھ صوفیائے متاخرین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عشق دونوں جہان میں درست نہیں ہو سکتا البتہ ادراک ذات کا عشق ممکن ہے چونکہ ذات باری تعالیٰ مدرک نہیں ہے اس کی کسی صفت کے ساتھ محبت درست ہو سکتی ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ عشق درست نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق دید کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور

محبت شنیدنے کے ساتھ جائز ہو سکتی ہے چونکہ عشق کا تعلق نظر سے ہے یہ حق تعالیٰ پر ممکن نہیں کیونکہ دنیا میں کسی نے اس کو نہیں دیکھا جبکہ یہ بات حق تعالیٰ سے معلوم ہوئی تو ہر ایک اس کا دعوے کرنے لگا کیونکہ خطاب میں سب برابر ہیں۔ لہٰذا ذات باری تعالیٰ مدرک و محسوس نہیں ہے تو لوگوں کا اس کے ساتھ عشق کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے اور جبکہ حق تعالیٰ اپنی صفات افعال کے ساتھ اولیاء پر احسان و کرم فرمانے والا ہے اس وجہ سے صفات کے ساتھ محبت کرنا درست ہو جاتا ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے زمانہ میں ان کی محبت میں وارفتہ تھے اور جب انھوں نے ان کی قمیص مبارک پائی تو ان کی آنکھیں روشن اور بینا ہو گئیں۔ اور جب زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق نے ہلاک کر دیا جب تک انھوں نے ان کا وصل نہ پایا آنکھیں روشن نہ ہوئیں حالانکہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ ایک نے خواہش نفسانی کی پرورش کی (یعنے زلیخا نے) اور ایک نے ہر قسم کی خواہش کو چھوڑ دیا (یعنے حضرت یعقوب علیہ السلام نے)۔

صوفیائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ عشق کی کوئی ضد نہیں ہے اور حق تعالیٰ کی بھی کوئی ضد نہیں لہٰذا اسے زیبا ہے کہ اس پر یہ جائز ہو۔ اس باب میں بکثرت باریک و لطیف تفصیلات ہیں جن کو طوالت کے خوف سے چھوڑتا ہوں اور اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل

مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے محبت کی تحقیق میں بکثرت رموز بیان فرمائے ہیں میں ان سب کو تو یہاں بیان نہیں کر سکتا البتہ ان کے چند ارشادات کو اس کتاب میں بیان کرتا ہوں تاکہ بطور تبرک آ جائے۔ ان شاء اللہ عزوجل۔

حضرت استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المحبۃ محو المحب بصفاتہ واثبات المحبوب بذاتہ یعنے محبت یہ ہے کہ محب اپنی تمام صفتوں کو اپنے محبوب کے طلب کے بارے میں اس کی ذات کے اثبات کے لئے نفی کرے۔ مطلب یہ کہ محبوب باقی ہوتا ہے اور محب فانی ہوتا ہے اور بقائے محبوب محبت کی غیرت کی نفی اس حد تک کرے کہ علی الاطلاق محبت کا تصرف ہو جائے۔ اور محب کے اوصاف کی فنا بجز اثبات ذات محبوب کے ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ محب اپنی صفات کے ساتھ قائم رہے کیونکہ اگر وہ اپنی صفات کے ساتھ رہتا ہے تو جمال محبوب سے بے نیاز رہ جاتا ہے۔ جب وہ یہ جانتا ہے کہ اس کی حیات جمال محبوب کے ساتھ ہے تو وہ اپنے اوصاف کے برقرار رکھنے کی نفی بدرجہ اولیٰ کرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اپنی صفت کے ساتھ محبوب سے محجوب ہے۔ لہٰذا وہ دوست کی محبت میں اپنا دشمن ہو جاتا ہے۔

مشہور ہے کہ جب حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سولی پر کھینچے گئے تو ان کا آخری کلام یہ تھا حسب الواحد افراد الواحد لہ یعنے محب کے نزدیک خوشی کا مقام ہے کہ اپنی ہستی کو محبت کی راہ سے دور کرے اور نفس کا اختیار محبوب کے پانے میں صرف کرے اور خود کو فنا کرے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المحبۃ استقلال الکثیر من نفسک واستکثار القلیل من حبیبک یعنے محبت یہ ہے کہ اپنے بہت کو تھوڑا جانے اور محبوب کے تھوڑے کو بہت جانے، بندہ کے ساتھ یہی معاملہ حق ہے کیونکہ دنیاوی نعمتوں کو جس قدر بھی

ے دیا گیا حق تعالیٰ نے اسے بندہ کے لئے تھوڑا فرمایا ارشاد ہے قل متاع الدنیا قلیل یعنے اے محبوب تم فرما دو کہ دنیا میں جو کچھ دیا گیا یہ ی سامان تھوڑا ہے ، اور اس قلیل زندگی، قلیل جگہ اور قلیل سامان کے ساتھ ان کے قلیل ذکر الٰہی کو بہت فرمایا ارشاد ہے والذاکرین اللہ أ والذاکرات (مرد و عورت خدا کا بہت ذکر کرنے والا) یہ اس لئے کہ لوگ جان لیں کہ یہ درحقیقت دوست و محبوب اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ ت لوگوں کے لئے درست نہیں ہو سکتی اس لئے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جتنا بھی بندہ کو پہنچے وہ تھوڑا نہیں ہو سکتا اور بندہ کی طرف سے بھی اس کی طرف جائے تھوڑا ہے ،

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المحبۃ معانقۃ الطاعات ومباینۃ المخالفات یعنے محبت یہ ہے کہ محبوب باں برداریوں کے ساتھ ہم آغوش ہو اور اس کی مخالفتوں سے کنارہ کش ہو کر جدا ہو جائے ۔ اس لئے کہ دل میں جس قدر محبت زیادہ ہوگی دوست دوست کے لئے اتنا ہی زیادہ آسان ہوگا یہ ملحدوں کے اس گروہ کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ بندہ محبت میں اس کمال تک پہنچ جائے کہ اس سے طاعت ائے حالانکہ یہ خالص زندقہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ناممکن ہے عقل کی درستگی کی حالت میں بندہ سے تکلیف کا حکم ساقط ہو جائے ۔ وجہ یہ ہے کہ اس ت کا اجماع ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہرگز منسوخ نہیں ہوگی ۔ اور جب عقل کی درستگی کی حالت میں کسی ایک شخص سے بھی طاعت اٹھ جانے کو مانا جائے گا تو جائز ہو جائے گا کہ سب سے بھی اٹھ جائے یہ خالص زندقہ اور بے دینی ہے ۔ البتہ مغلوب الحال اور دیوانے کا حکم جدا ہے ل کا عذر مختلف ہے ۔ لیکن یہ جائز ہے کہ بندہ محبت الٰہی میں اس کمال تک پہنچ جائے کہ طاعت کے بجا لانے میں اس سے تکلیف و مشقت اٹھ جائے لئے کہ حکم کی کلفت حکم دینے والے سے محبت رکھنے کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے ۔ اور اس سے جتنی محبت زیادہ قوی ہوگی ۔ اتنی ہی اس کا حکم بجا لانے زیادہ آسانی ہوگی ۔ اور یہ معنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حال میں ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا لعمرك اے محبوب آپ کی زندگی کی قسم کیونکہ آپ نے ہ روز اس کثرت سے عبادت کی کہ آپ تمام کاموں سے رہ گئے اور آپ کے پاؤں مبارک ورم کر گئے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا طٰہٰ ما انزلنا ک القرآن لتشقیٰ ، اے محبوب ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہ اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ،

اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرمان کے بجا لانے کی حالت میں بندہ سے طاعت کی رویت اٹھالی جائے چنانچہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ل انہ لیغان علیٰ قلبی وانی استغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃً : بلاشبہ کسی وقت میرے دل پر ایک پردہ آ جاتا ہے میں اس وقت روزانہ ستر اپنے رب سے استغفار کرتا ہوں ،

یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ حضور اپنے اعمال کو خود ملاحظہ نہ فرماتے اور اپنے اعمال پر متعجب ہوتے بلکہ امر حق کی تعظیم کی طرف متوجہ ہوتے اور عرض کرتے کہ یہ اعمال تیرے شایانِ شان نہیں ،

حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذهب المحبون للہ بشرف الدنیا والآخرۃ لان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال مع من احب یعنے محبانِ خدا دنیا و آخرت کی شرافت میں ہیں کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اس کے ساتھ [illegible] کے ساتھ اس

کی محبت زیادہ ہے۔ لہٰذا محبوبانِ حق دنیا و آخرت میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں جو حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں ان پر خطا جائز نہیں۔ لہٰذا ان کی دنیاوی شرافت یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور اُخروی شرافت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔

حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقۃ المحبۃ لاینقص بالجفاء ولایزید بالبر والعطاء یعنے محبت نہ تو ظلم سے کم ہوتی ہے اور نہ نیکی و عطا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں محبت میں سبب ہیں اور اسبابِ ظاہر وجود کے حال میں فنا ہوتے ہیں اور دوست، دوست کی بلا میں خوش ہوتا ہے اور راہِ محبت میں ظلم و وفا دونوں برابر ہیں۔ اور جب محبت حاصل ہو جاتی ہے تو وفا جفا کی مانند اور جفا وفا کی مانند بن جاتی ہے۔

مشہور حکایت ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیوانگی کے الزام میں ہسپتال میں داخل کر کے انہیں وہاں مقید کر دیا۔ ایک جماعت ان کی زیارت کی غرض سے ان کے پاس پہنچی آپ نے ان سے فرمایا من انتم (تم کون ہو؟) قالوا احباؤك (انھوں نے کہا ہم آپ کے محبین ہیں) فرماھم بالحجارۃ ففروا۔ تو انھوں نے ان پر پتھر مارے وہ بھاگ گئے پھر فرمایا لو کنتم احبائی لما فررتم من بلائی فاصبروا من بلائی اگر تم میرے محبین ہو تو میرے مارنے سے کیوں بھاگتے ہو کیونکہ محبین دوست کی بلا سے بھاگا نہیں کرتے۔

اس معنے میں اقوال بہت ہیں۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کے بیان میں چھٹے حجاب کا کشف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ یعنے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اس قسم کی بکثرت آیات و احادیث ہیں۔ اور ایمان کے فرض احکام میں سے ایک زکوٰۃ کا وجوب ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے۔ اس سے روگردانی جائز نہیں ہے لیکن زکوٰۃ نعمت کے پورے ہونے پر واجب ہوتی ہے مثلاً دو سو درم ایک پوری نعمت ہے جس کے قبضہ میں ہو۔ اس پر مالکانہ حیثیت سے پانچ درم زکوٰۃ واجب ہے۔ اور بیس دینار بھی ایک پوری نعمت ہے اس پر نصف دینار زکوٰۃ واجب ہے۔ اور پانچ اونٹ پوری نعمت ہے اس پر ایک بکری واجب ہے دیگر اموال کی زکوٰۃ کا بھی ایسا ہی قاعدہ ہے لیکن جس طرح مال کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح مرتبہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی ایک پوری نعمت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم زکوٰۃ جاھکم کما فرض علیکم زکوٰۃ مالکم: اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے مرتبہ کی بھی زکوٰۃ فرض کی ہے جیسا کہ تم پر تمہارے مال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ نیز فرمایا ان لکل شئ زکوٰۃ و زکوٰۃ الدار بیت الضافۃ: یقیناً ہر شئے کے لئے زکوٰۃ ہے گھر کی زکوٰۃ یہ ہے کہ مہمان کو سلایا جائے اور مہمان نوازی کی جائے۔

زکوٰۃ کی حقیقت یہ ہے کہ نعمت کا شکر اسی جنس کی نعمت کے ساتھ ادا کرنا ہے اور تندرستی بھی بڑی نعمت ہے اور ہر عضو کی زکوٰۃ واجب ہے لیکن اس کی ادائیگی یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت میں مشغول رکھے اور کسی کھیل کود میں اسے نہ لگائے۔ تاکہ نعمت کی زکوٰۃ کا حق ادا کیا جاسکے لہٰذا

باطنی نعمت کے لئے بھی زکوٰۃ ہوتی ہے اس کی کثرت کی وجہ سے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہر ایک شخص کے لئے اپنے اندازہ کے مطابق اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وہ ظاہری وباطنی نعمتوں کا عرفان ہے جب بندہ جان لے گا کہ حق تعالیٰ کی نعمت اس پر بے اندازہ ہے تو وہ اس کا شکر بھی بے اندازہ بجالائے گا۔ اس لئے کہ بے اندازہ نعمت کی زکوٰۃ کے لئے بے اندازہ شکر بجالانے کی ضرورت ہے۔ اس گروہ کے نزدیک تمام زکوٰۃ میں سب سے ناپسندیدہ دنیاوی نعمتوں کی زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ اس میں بخل کا وجود ہے حالانکہ انسان کے لئے بخل مذموم ہے۔ کیا یہ کامل بخل نہیں کہ دوسو درہم کوئی شخص ایک سال تک اپنے قبضہ میں روکے رکھے۔ پھر ایک سال کے بعد اس میں سے پانچ درہم زکوٰۃ نکال کر کسی کو دے، حالانکہ کریموں اور سخیوں کا طریقہ مال کا خرچ کرنا ہے۔ جب اس کی عادت سخاوت ہوگی تو زکوٰۃ کہاں سے واجب ہوگی۔

ایک حکایت میں ہے کہ علماء ظاہر میں سے کسی نے تجربہ کے لئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ زکوٰۃ کا وجوب کتنی مقدار پر ہے فرمایا کہ جب بخیل کے ساتھ دوسو درہم مال موجود ہو تو ہمارے مذہب کے مطابق پانچ درہم اور ہر بیس دینار پر نصف دینار واجب ہے لیکن میرے مذہب میں کسی چیز کو اپنی ملکیت میں نہ رکھنا چاہئے تاکہ زکوٰۃ کی مشغولیت سے بے نیاز رہے۔ انھوں نے پوچھا اس مسئلہ میں تمہارا امام کون ہے؟ فرمایا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں کہ انھوں نے جو کچھ موجود تھا سب دے دیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ماخلفت لعیالک تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا اللہ ورسولہ۔

امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے قصیدہ میں فرمایا ؎

فما وجبت علیّ زکوٰۃ مال • وھل تجب الزکوٰۃ علی الجواد

یعنے مجھ پر کبھی بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوئی۔ کیا جواد یعنے سخیوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

لہٰذا سخیوں کا مال خرچ ہوتا رہتا ہے وہ مال میں بخیلی نہیں کرتے اور نہ کسی سے جھگڑتے ہیں اس لئے کہ ان کی ملک میں کچھ رہتا ہی نہیں۔

اگر کوئی شخص جہالت کا ارتکاب کرکے یہ کہے کہ جبکہ میرے پاس مال ہی نہیں تو زکوٰۃ کے جاننے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اس کا ایسا کہنا غلط ہے اس لئے کہ علم کا سیکھنا فرض عین ہے اور علم سے لاتعلقی کا اظہار کرنا خالص کفر ہے۔ موجودہ زمانہ کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہے کہ مدعیان صلاح وفقر جہالت میں رہتے ہوئے علم کو چھوڑ جاتے ہیں۔

مصنف یعنے سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن صوفیوں کی ایک جماعت کو پڑھا رہا تھا چونکہ یہ مبتدی تھے تو انہیں مفہوم سمجھا رہا تھا ایک جاہل درمیان میں آکودا۔ میں اس وقت اونٹ کی زکوٰۃ کا باب بیان کر رہا تھا اور بنت لبون، بنت مخاض اور حقہ کے احکام کو ظاہر کر رہا تھا اس جاہل مرکب کے دل میں یہ بات تنگی پیدا کر رہی تھی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میرے پاس اونٹ نہیں ہیں بنت لبون کا علم میرے کس کام آئے گا۔ میں نے اس سے کہا اے شخص جس طرح کہ ہمیں زکوٰۃ دینے کے لئے علم کی حاجت ہے اسی طرح ہمیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص تجھے بنت لبون دے اور تو لے لے تو کیا تو اس وقت بھی یہی کہے گا مجھے بنت لبون کے علم کی ضرورت نہیں

اور اگر کسی کے پاس مال نہ ہو اور مال کے حصول کی کوئی صورت بھی نہ ہو تو کیا اس سے علم کی فرضیت جاتی رہے گی فنعوذ باللہ من الجھل ۔

فصل

مشائخ طریقت میں کچھ وہ حضرات ہیں جو زکوٰۃ کے لینے کو گوارا کرتے ہیں اور کچھ وہ حضرات ہیں جو زکوٰۃ لینے کو ناپسند رکھتے ہیں۔ جن حضرات کا فقر اختیاری ہوتا ہے وہ مالِ زکوٰۃ نہیں لیتے وہ کہتے ہیں کہ ہم مال جمع نہیں کرتے کہ ہمیں زکوٰۃ دینی پڑے اور ہم دنیاداروں سے لینا بھی گوارا نہیں کرتے کہ اس میں ان کا ہاتھ اونچا رہتا ہے اور ہمارا نیچا۔ اور جن حضرات کا فقر اختیاری نہ ہو بلکہ اضطراری ہو وہ زکوٰۃ لے لیتے ہیں اس وجہ سے نہیں کہ انہیں مالِ زکوٰۃ کی ضرورت ہے بلکہ اس بنا پر کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کے گردن سے فریضہ اُتر جائے۔ اور جب ان کی نیت یہ ہو تو اس میں ہاتھ انہیں کا اونچا ہے نہ کہ اس کا۔ اگر دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے اور لینے والے کا نیچا تو اس سے خدا کے ارشادِ گرامی ویاخذ الصدقات (زکوٰۃ لیتے ہیں) کا بطلان لازم آتا ہے۔ اور لازم آتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا، زکوٰۃ لینے والے سے افضل ہو۔ اور یہ عین گمراہی ہے۔ لہٰذا یدِ علیا (اونچا ہاتھ) وہ ہے کہ کسی چیز کو وجوب کے طور پر مسلمان بھائی سے لے تاکہ اس کی گردن سے اس کا بوجھ اُتر جائے۔ اور یہ درویش لوگ دنیاوی نہیں ہیں بلکہ یہ عقبائی ہیں کیونکہ اگر یہ عقبائی درویش دنیاداروں سے نہ لیں تو ان کے ذمہ فریضہ واجب رہ جائے۔ اور اس بنا پر وہ قیامت کے دن ماخوذ ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عقبائی درویشوں کو بہت کم ضروریات کے ذریعہ امتحان میں ڈالا تاکہ دنیاداروں کی گردنوں سے فرض کا بوجھ اتاریں لامحالہ یدِ علیا (اونچا ہاتھ) فقراء کا ہاتھ ہی ہے جو شریعت کے حق کے موافق وہ اپنا حق لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق اس پر واجب تھا۔ اگر لینے والے کا ہاتھ نیچا ہوتا جیسا کہ حشویوں کی جماعت کہتی ہے۔ تو انبیاء کا ہاتھ، نیچا ہاتھ ہوتا کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا حق لیا ہے اور لازمی اخراجات میں صرف فرماتے رہے ہیں۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے اور جانتے ہیں کہ انھوں نے خدا کے حکم سے لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد ائمہ دین کا بھی یہی عمل رہا ہے کہ وہ بیت المال سے حق لیتے رہے ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ لینے والا ہاتھ نیچا ہے اور دینے والا ہاتھ اونچا ہے غلط ہے۔ چونکہ تصوف میں دونوں قاعدے قوی ہیں اس لئے جود وسخا کا بھی مستقل مضمون مختصراً شامل کرتا ہوں وباللہ التوفیق والعصمۃ ؂

باب در بیان جود وسخا

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا السخی قریب من الجنۃ وبعید من النار والبخیل قریب من النار وبعید من الجنۃ یعنے سخی جنت کے قریب اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل دوزخ کے قریب اور جنت سے دور ہے ۔

علماء کے نزدیک جود وسخا کے ایک ہی معنے لوگوں کی صفتوں میں ہیں لیکن حق تعالیٰ کو جواد تو کہہ سکتے ہیں اور سخی نہیں کہہ سکتے بربنائے وجوہِ توقیف اور عدمِ توقیت کے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو جواد تو کہا ہے اور سخی نہیں کہلوایا ہے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی

حدیث میں بھی خدا کی صفت میں سخی نہیں آیا ہے اور باجماعِ امت اور اتفاقِ اہل سُنت کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں کہ باعتبار عقل و لغت اللہ تعالیٰ کو کسی نام سے پکارا جائے جب تک کہ کتاب و سُنت اس پر ناطق نہ ہو۔ مثلاً خدا کے اسمائے حسنیٰ میں عالم ہے باجماع امت اسے عالم تو کہہ سکتے ہیں لیکن عاقل و فقیہ نہیں کہنا چاہئے اگرچہ تینوں لفظوں کے معنے ایک ہی ہیں۔ شریعت میں چونکہ عالم کے لفظ کا اطلاق توقیفی لحاظ سے درست ہے لیکن عدمِ توقیف کے اعتبار سے عاقل و فقیہ کے نام سے احتراز کرتے ہیں۔ اسی طرح لفظ جواد کا اس پر اطلاق توقیف کے اعتبار سے درست ہے اور لفظ سخی کے اطلاق سے باعتبار عدمِ توقیت احتراز کرتے ہیں۔

پھر کچھ لوگوں نے جود و سخا کے درمیان فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سخی وہ ہوتا ہے جو بخشش و عطا میں امتیاز برتتا ہے یعنے کسی غرض و سبب کا لحاظ رکھتے ہیں یہ جود کا ابتدائی درجہ ہے۔ اور جود وہ ہے جو بخشش و عطا میں امتیاز نہ برتے بے غرض تقسیم کرے اور اس کا فعل بے سبب ہو۔ یہ دونوں حالت دو نبیوں کی ہیں ایک حضرت خلیل علیہ السلام کی دوسری سیدنا حبیب علیہ السلام کی۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام اس وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک کہ کوئی مہمان نہ آجاتا۔ ایک مرتبہ تین روز گزر گئے کوئی مہمان نہ آیا۔ اتفاقاً کسی کافر کا آپ کے دروازہ سے گزر ہوا آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں کافر ہوں۔ آپ نے فرمایا تو میری مہمانی اور عزت افزائی کے لائق نہیں ہے۔ اسی وقت حق تعالیٰ نے آپ سے بازپرس فرمائی۔ اور فرمایا اے خلیل جسے میں نے ستر سال تک پالا تم نے اسے ایک روٹی تک نہ دی۔ اب حبیب علیہ السلام کا حال دیکھو کہ جب حاتم کا لڑکا حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا تو آپ نے اپنی چادر مبارک اس کے نیچے بچھائی اور فرمایا اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ یعنے جب تمہارے پاس کسی قوم کا عزت والا آئے تو اس کا اکرام کرو۔ مقامِ غور و فکر ہے کہ ایک نبی نے امتیاز برتا اور سخاوت سے ہاتھ کھینچا اور ایک نبی نے امتیاز نہ برتا اپنی شانِ نبوت کے ساتھ ایک کافر کے لئے اپنی چادر مبارک بچھائی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت کا حال تھا اور یہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی جود کا حال ہے۔

اس معنے میں سب سے عمدہ مذہب یہ ہے جسے علماء بیان کرتے ہیں کہ دل میں جو سب سے پہلے خیال آئے اس کی پیروی جود ہے اور جب اس پر دوسرا خیال غالب آجائے تو وہ بخل کی علامت ہے۔ اور اہلِ تحقیق نے دل کے پہلے خیال کو بہت بلند جانا ہے کیونکہ بلاشبہ پہلا خیال حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ نیشاپور میں ایک سوداگر تھا جو ہمیشہ حضرت ابوسعید کی صحبت میں رہتا تھا ایک روز سوداگر سے کسی درویش نے کچھ مانگا اس مرد نے کہا کہ میرے پاس ایک دینار ہے اور کچھ ٹکڑے سونے کا ہے دل کا پہلا خیال یہ کہتا کہ اسے دینار دے دیا جائے اور دوسرا خیال یہ کہتا کہ اسے سونے کا ٹکڑا دے دیا جائے۔ میں نے اسے سونے کا ٹکڑا دے دیا۔ جب حضرت ابوسعید رحمہ اللہ سے گفتگو ہوئی، تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حق تعالیٰ سے بحث کرنا جائز ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا تم نے بحث کی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے تو حکم دیا کہ تم دینار دو مگر تم نے سونے کا ٹکڑا دے دیا۔

یہ بھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ ابو عبداللہ رودباری رحمہ اللہ ایک مرید کے گھر آئے مرید گھر میں موجود نہ تھا انھوں نے فرمایا اس

کے گھر کا سامان بازار میں فروخت کردو۔ جب مرید گھر آیا تو وہ اس سے بہت خوش ہوا۔ اور شیخ کی خوشنودی کی خاطر کچھ نہ کہا۔ جب اس کی بیوی آئی، اور گھر کا یہ حال دیکھا تو اس نے اندر جا کر اپنے کپڑے اتار دیئے اور کہنے لگی کہ یہ بھی تو گھر کے سامان میں سے ہے اس کا بھی حکم ہے۔ مرد نے اس پر تنبیہ کی اور کہا کہ یہ سراسر تکلف و اختیار ہے جو تونے کیا۔ عورت نے کہا کہ شیخ نے جو کچھ کیا وہ ان کا جود تھا اب یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے نفس کی ملکیت میں تصرف کریں تاکہ ہمارا جود بھی ظاہر ہو۔ مرد نے کہا ٹھیک ہے لیکن جبکہ ہم نے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا تو ہم پر اس کا اختیار ویسا ہی جیسا ہم پر تھا۔ یہی ہمارا عین جود ہے اور جود آدمی کی صفت میں تکلف مجاز ہے۔ لہٰذا مرید کو ہمیشہ یہی لائق ہے کہ وہ اپنے نفس کی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے حکم متابعت میں صرف کرے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا مذہب بھی یہی ہے کہ انھوں نے فرمایا الصوفی دمہٗ ھدرٌ وملکہ مباح ؛ صوفی وہ ہے جس کا خون معاف اور اس کی ملکیت مباح ہو۔

حضرت شیخ ابومسلم فارسی رحمۃ اللہ سے میں نے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کا قصد کیا حلوان کے نواح میں کردوں نے ہماری راہ روک لی، اور انھوں نے ہمارے سب کپڑے چھین لئے ہم نے بھی ان سے کوئی جھگڑا نہیں کیا ہم نے ان کی خوشی اسی میں ہی سمجھا لیکن ہم میں ایک شخص ایسا تھا جو بے قراری کا اظہار کر رہا تھا ایک کردی نے تلوار سونت کر اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا ہم سب نے مل کر اس کی سفارش کی۔ اس کردی نے کہا یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اس جھوٹے کو زندہ چھوڑیں یقیناً ہمیں اسے مار ڈالنا ہی چاہیئے۔ ہم نے اس کے مارنے کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ یہ صوفی نہیں ہے یہ اولیاء کی صحبت میں خیانت کرتا ہے ایسے شخص کو ناپید کر دینا بہتر ہے ہم نے کہا یہ تم کیسے کہتے ہو؟ اس نے کہا اس لئے کہ صوفیوں کا سب سے چھوٹا درجہ جود ہے۔ اور یہ شخص چند پھٹے پرانے کپڑوں پر بے صبر ہے یہ کیسے صوفی ہو سکتا ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا جھگڑتا ہے۔ حالانکہ ہم برسوں سے تمہارے اس کام کو کر رہے ہیں اور تمہارا راستہ روک رہے ہیں اور تمہارے تعلقات کو منقطع کر رہے ہیں مگر تم کبھی رنجیدہ خاطر نہیں ہوتے۔

علماء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ ایک قوم کی چراگاہ پر گزرے وہاں ایک حبشی غلام کو دیکھا جو بکریوں کی رکھوالی کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک کتا آیا اور اس غلام کے آگے بیٹھ گیا اس نے ایک روٹی نکال کر کتے کے آگے ڈال دی اس کے بعد دوسری پھر تیسری۔ حضرت عبداللہ اس کے سامنے گئے اس سے فرمایا اے غلام تیرا کھانا روزانہ کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا اتنا ہی جتنا تم نے دیکھا فرمایا تم نے وہ سب کیوں کھلا دیا؟ اس نے کہا اس لئے کہ یہاں کتوں کی جگہ تو ہے نہیں یہ کہیں دور سے امید لے کر آیا ہے میں نے اسے اچھا نہ جانا کہ اس کی محنت کو ضائع کر دوں۔ حضرت عبداللہ کو اس کی یہ بات بہت اچھی معلوم ہوئی انھوں نے اس غلام کو اور اس کی تمام بکریوں کو مع چراگاہ کے خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے فرمایا یہ سب بکریاں اور یہ چراگاہ تمہیں بخش دی۔ غلام نے ان کے لئے دعا کی اور بکریوں کو خیرات کر کے چراگاہ وقف کر دیا اور خود وہاں سے چلا گیا۔

ایک شخص سیدنا امام حسن بن علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہما کے دروازہ پر آیا اس نے کہا اے فرزند رسول مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں حضرت

امام حسن رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے چار سو درہم دے دیئے جائیں اور خود روتے ہوئے اندر گھر میں گئے لوگوں نے پوچھا اے فرزند رسول رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے روتا ہوں کہ میں نے اس شخص کے حال کی جستجو میں کوتاہی کی ہے یہاں تک کہ میں نے اسے سوال کی ذلت میں ڈال دیا

حضرت ابوسہل صعلوکی رحمۃ اللہ علیہ کبھی خیرات کسی درویش کے ہاتھ پر نہیں رکھتے اور جو چیز دینی ہوتی اسے کسی کے ہاتھ میں نہ دیتے بلکہ زمین پر رکھ دیتے تاکہ وہ اسے اٹھالے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا اس طرح روپے دینے میں وہ خطرہ نہیں رہتا جو کسی مسلمان کے ہاتھ میں دینے سے ہوتا ہے مطلب یہ کہ میرا ہاتھ اونچا ہو اور اس مسلمان کا ہاتھ نیچا ہو ۔

حضور اکرم نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ ہے کہ بادشاہِ حبش نے آپ کی خدمت میں دو من (غالباً دو نافے) کستوری تحفہ میں بھیجی آپ نے اسے ایکبار ہی پانی میں گھول دیا اور اپنے اور اپنے صحابہ کے اوپر مل دیا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی جو بکریوں سے پر تھی عطا فرمادی جب وہ اپنی قوم میں گیا تو اس نے کہا اے قوم کے لوگو جاؤ تم سب مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اتنا زیادہ عطا فرماتے ہیں کہ آپ اپنی درویشی سے بھی نہیں ڈرتے ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی ہزار درہم لائے گئے آپ نے ان سب کو ایک چادر پر پھیلا دیا اور جب تک ان سب کو تقسیم نہ فرمادیئے اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ سیدنا علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کے شکم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا ۔

میں نے متاخرین کے ایک درویش کو دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے اس کے پاس تین ہزار درہم کے برابر خالص سونے کے ٹکڑے بھیجے، وہ ان ٹکڑوں کو لے کر حمام میں گیا وہاں ان سب کو تقسیم کر دیا۔ اور چلا آیا۔ اس سے پہلے نوریوں کے مذہب میں ایثار کے باب میں اس قسم کی بہت سی باتیں بیان کر چکا ہوں۔ یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں واللہ اعلم بالصواب ۔

روزہ کے بیان میں ساتویں حجاب کا کشف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام الاٰیہ : اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الصوم لی وانا اجزی بہ : یعنے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی بہترین جزا ہوں ۔ اس لئے کہ روزہ ایک باطنی عبادت ہے جس کا ظاہر سے کوئی تعلق نہیں اور کسی دوسرے کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اس کی جزا بھی بے نہایت ہے ۔

علماء فرماتے ہیں دخولِ جنت تو رحمتِ الٰہی کے طفیل میں ہوگا اور وہاں درجات عبادت کے صدقے میں اور ہمیشہ رہنا روزہ کے بدلے میں

ہوگا اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے انا اجزی بہٖ یعنے میں ہی سب سے بہتر اس کا بدلہ دوں گا ۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الصوم نصف الطریقۃ یعنے روزہ رکھنا آدھی طریقت ہے ۔ بکثرت مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور بعض مشائخ کو دیکھا کہ وہ صرف رمضان مبارک کے روزے رکھتے ۔ رمضان کے روزے تو ثواب کے لئے رکھتے اور اس کے سوا نہ رکھنا ریا سے بچنے کے لئے ہوتا ۔ میں نے ایسے مشائخ کو بھی دیکھا ہے جو روزہ دار رہتے اور کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ روزہ دار ہیں ۔ اگر کوئی کھانا سامنے لے آتا تو کھا بھی لیتے (اور نفلی روزے کو توڑ دیتے اور یہ نہ معلوم ہونے دیتے کہ وہ روزہ دار رہتے ہیں) یہ سُنّت کے زیادہ موافق ہے کیونکہ سیدتنا عائشہ صدیقہ اور سیدتنا حفصہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب ایک دن ان کے پاس تشریف لائے تو دونوں نے عرض کیا انا قد خبئنا لک حیساً قال علیہ السلام اما انا کنت ارید الصوم ولکن قربیہ ساصوم یوماً مکانہ : یارسول اللہ ہم نے حضور کے لئے گوشت پکایا ہے حضور نے فرمایا میں نے تو آج روزہ کا ارادہ کیا تھا لیکن لاؤ میں کل کو اس کے بدلہ میں روزہ رکھ لوں گا ۔

احادیث میں میں نے دیکھا ہے کہ حضورؐ ایامِ بیض یعنے چاند کی تیرہ چودہ پندرہ تاریخوں میں اور محرم کے دس دنوں میں روزہ رکھتے اور ماہِ رجب ماہِ شعبان اور رمضان میں بھی روزہ رکھتے تھے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ حضورؐ داؤدی روزہ بھی رکھتے تھے اور اسے حضورؐ "خیر الصیام" فرمایا کرتے تھے ۔ داؤدی روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور دوسرے دن افطار کیا جائے ۔

ایک مرتبہ میں شیخ احمد بخاری رحمہ اللہ کے پاس گیا تو ایک طباق حلوے کی ان کے سامنے رکھی ہوئی تھی اور وہ اسے کھا رہے تھے میری طرف اشارہ فرمایا کہ کھاؤ میں نے بچپنے کی عادت کے مطابق کہدیا کہ میں روزہ دار ہوں فرمایا کیوں روزہ رکھتے ہو ، میں نے کہا فلاں بزرگ کی موافقت میں روزہ رکھا ہے فرمایا یہ درست نہیں ہے کہ کسی مخلوق کی کوئی مخلوق موافقت کرے ، میں نے ارادہ کیا کہ روزہ کھول دوں فرمایا جب تم نے اس کی موافقت کو ترک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اب میری موافقت نہ کرو کیونکہ میں بھی ایک مخلوق ہوں اور دونوں ایک سے ہیں ۔

روزہ کی حقیقت رکنا ہے ۔ اور پوری طریقت اس میں پنہاں ہے ۔ اور روزہ میں سب سے کم درجہ بھوکا رہنا ہے کیونکہ الجوع طعام اللہ فی الارض یعنے بھوکا رہنا زمین خدا کا طعام ہے ۔ اور بھوکے رہنے کو شریعت اور عقل کے لحاظ سے تمام لوگ پسند کرتے ہیں ۔

اور عاقل بالغ ، مسلمان ، تندرست اور مقیم پر صرف ایک ماہ رمضان کا روزہ فرض ہے جو رمضان کا چاند دیکھنے سے شوال کا چاند دیکھنے تک ہے ۔ ہر روزہ کے لئے نیت درست ہونی چاہئے ۔ اور ادائیگی میں صدق و اخلاص ۔ لیکن امساک یعنے رُکے رہنے کی شرائط بہت ہیں مثلاً معدہ کو کھانے پینے سے روکے رکھے اور آنکھ کو شہوت کی نظر ، کان کو غیبت کے سُننے ، زبان کو بیہودہ اور فتنہ انگیز باتیں کہنے اور جسم کو دنیاوی پیروی اور مخالفتِ حکمِ الٰہی سے روکے رکھے ۔ بندہ جب ان شرائط کو ملحوظ رکھے گا تب وہ حقیقتاً روزہ دار ہوگا ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اذا صمت فلیصم سمعك وبصرك ولسانك ويدك وكل عضو منك جب روزہ رکھے

اپنے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور جسم کے ہر عضو کا روزہ رکھے ۔

بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کا روزہ بجز اس کے کچھ فائدہ مند نہیں کہ وہ بھوکے اور پیاسے رہے ۔

میں یعنی علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) نے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اوصنی، یا رسول اللہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے حضور نے فرمایا احبس حواسک یعنی اپنے حواس کو اپنے قبضہ میں رکھنا کامل مجاہدہ ہے اس لئے کہ تمام علوم کا حصول انہیں پانچ دروازوں سے ہوتا ہے ایک دیکھنے سے دوسرے سننے سے تیسرے چکھنے سے چوتھے سونگھنے سے پانچویں چھونے سے ۔ یہ پانچوں حواس علم و عقل کے سپہ سالار ہیں ۔ ان میں چار کے لئے تو ایک ایک مقام مخصوص ہے اور پانچواں تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے ۔ آنکھ دیکھنے کا مقام ہے کہ وہ رنگ و بشرہ کو دیکھتی ہے اور کان سننے کا مقام ہے کہ وہ خبر اور آواز کو سنتا ہے اور زبان ذائقہ اور چکھنے کا مقام ہے کہ وہ مزہ اور بے مزہ کو پہچانتی ہے اور ناک سونگھنے کا مقام ہے کہ وہ خوشبو اور بدبو کو سونگھتی ہے اور چھونے کے لئے کوئی خاص مقام نہیں ہے تمام جسم میں پھیلا ہوا ہے اور انسان کے تمام اعضاء نرمی و گرمی، ٹھنڈک و سختی کا احساس کرتے ہیں کوئی علم ایسا نہیں جسے انسان علوم ظاہرہ میں سے ان پانچ دروازوں سے حاصل کرتا ہے ۔ بجز بدیہی باتوں اور حق تعالیٰ کے الہام کے ۔ ان میں آفت جائز نہیں ہے ورنہ اس کے لئے حواس کی ضرورت، اور ان پانچوں حواس کے لئے صفائی اور کدورت ہے چنانچہ علم و عقل اور روح کے لئے قدرت و دخل ہے اور نفس ہوا کے لئے کیونکہ یہ طاعت و معصیت اور سعادت و شقاوت کے درمیان سبب و آلہ مشترک ہے لہذا حق تعالیٰ کی ولایت اختیار سننے اور دیکھنے میں ہے کہ وہ سچی بات سنے اور دیکھے ۔ اسی طرح نفس کے لئے کہ وہ جھوٹی بات سننے اور شہوت کی نظر دیکھنے کا خواستگار ہے ۔ اور چھونے سونگھنے میں ولایت حق تعالیٰ یہ ہے کہ وہ حکم الٰہی کے موافق اور سنت مصطفوی کی متابعت میں ہو ۔ اور اسی طرح تمام فرمان حق اور شریعت کی مخالفت کا طلبگار رہے اس لئے روزہ دار کو لازم ہے کہ ان تمام حواس کو قید میں رکھے تاکہ مخالفت کے مقابلہ میں موافقت ظہور پذیر ہو ۔ اور وہ روزہ دار جو محض کھانے پینے کا روزہ رکھتا ہے تو بچوں کا کام اور بوڑھی عورتوں کا عمل ہے ۔ حالانکہ روزہ تو نفسانی خواہش اور دنیاوی کھیل و سے بچنے کا ذریعہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وماجعلناھم جسدًا لایاکلون الطعام ۔ کیا ہم نے نبیوں کے جسموں کو ایسا نہیں بنایا وہ کھانا نہ کھائیں ۔ اور فرمایا افحسبتم انما خلقناکم عبثًا ۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا فرمایا ۔

مطلب یہ کہ ہم نے ضرورت اور کھانے کا جسد بنایا اور ہر مخلوق کے لئے اس کی خاطر حیلہ بہانا پیدا فرمایا لہذا کسی ایک عمل کو اور تم چیزوں سے جدا نہیں بلکہ حلال چیزوں کے کھانے سے ۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو کہتا ہے کہ میں نفلی روزہ رکھتا ہوں اور وہ فرض کو چھوڑ دیتے ہوتا ہے ۔ حالانکہ معصیت کا نہ کرنا فرض ہے اور نفلی روزہ سنت رسول علیہ السلام کے ساتھ متصل و محتی ہے فنعوذ باللہ من شرور انفسنا جو شخص معصیت سے بچتا ہے وہ ہر حال میں روزہ دار ہے ۔

علماء بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رضی اللہ عنہ جس روز شکم مادر سے پیدا ہوئے تو وہ روزہ دار تھے اور حسن ان کا

سے رحلت فرمائی اس دن بھی روزہ دار تھے لوگوں نے پوچھا یہ کس طرح؟ بیان کیا کہ جس دن وہ پیدا ہوئے ان کی پیدائش کا وقت صبح صادق تھا اور شام تک انھوں نے دودھ نہ پیا۔ اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ روزے سے تھے یہ روایت حضرت ابوطلحہ مالکی رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں لیکن صوم وصال یعنے پے در پے اور مسلسل روزہ رکھنا سو اس کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ممانعت مروی ہے۔ کیونکہ حضور نے جب صوم وصال رکھا تو آپ کے صحابہ نے بھی آپ کی موافقت میں روزے رکھنے شروع کر دیئے، حضور نے ان سے فرمایا تم صوم وصال نہ رکھو، کیونکہ انی لست کاحدکم انی ابیت عند ربکم یطعمنی و یسقینی؛ میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں ہوں کیونکہ میں تمہارے رب کے حضور رات گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

لہٰذا ارباب مجاہدہ فرماتے ہیں آپ کی یہ ممانعت شفقت و مہربانی کے لئے ہے نہ کہ نہی و ممنوع اور حرام بتانے کے لئے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے صوم وصال خلاف سنت قول ہے۔ لیکن حقیقت میں وصال بذات خود ناممکن و محال ہے اس لئے کہ جب دن گزر جائے تو رات میں روزہ نہیں ہوتا اور جب رات کو روزہ سے ملانے تو بھی وصال نہیں ہوتا۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے منقول ہے کہ وہ ہر پندرہ دن کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے اور جب ماہ رمضان ہوتا تو عیدالفطر تک کچھ نہ کھاتے۔ اور ہر رات چار سو رکعات نماز پڑھتے۔ لہٰذا یہ انسان کی امکانی طاقت سے باہر ہے۔ بجز مشرب الٰہی کے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسی کی تائید سے ہو سکتا ہے اور وہی تائید الٰہی اس کی غذا بن جاتی ہے۔ کسی کے لئے دنیاوی غذا ہوتی ہے اور کسی کے لئے تائید الٰہی غذا ہوتی ہے۔

یہ حکایت مشہور ہے کہ حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ جنہیں "طاؤس الفقراء" اور "صاحب لمع" کہا جاتا ہے وہ جب رمضان مبارک میں بغداد پہنچے اور مسجد شونیزیہ میں اقامت فرمائی تو ان کو علیحدہ حجرہ دے دیا گیا اور درویشوں کی امامت ان کے سپرد کر دی گئی چنانچہ انھوں نے عید تک ان کی امامت فرمائی اور تراویح میں پانچ ختم قرآن کئے۔ ہر رات خادم ایک روٹی ان کے حجرے میں رکھ دیا کرتا جب عید کا دن ہوا اور وہ نماز پڑھ کر چلے گئے تو خادم نے حجرے میں نظر ڈالی تو تیسوں روٹیاں یونہی اپنی موجود تھیں۔

حضرت علی بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حفص مصیصی کو میں نے دیکھا کہ ماہ رمضان میں ہر پندرھویں دن کے سوا کچھ نہ کھاتے حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مروی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں شروع سے آخر تک کچھ نہ کھاتے تھے۔ حالانکہ وہ شدید گرمی کا زمانہ تھا اور روزانہ گندم کی مزدوری کو جایا کرتے تھے۔ اور جو کچھ مزدوری ملتی وہ سب درویشوں کو دے دیا کرتے تھے۔ اور رات بھر عبادت کرتے نماز میں مشغول رہتے یہاں تک کہ دن نکل آتا تھا۔ وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے رہتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ نہ وہ کھاتے نہ وہ سوتے تھے حضرت شیخ ابوعبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ کی بابت منقول ہے کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو انھوں نے مسلسل چالیس چلے کاٹے تھے میں نے جنگل میں ایک بوڑھے کو دیکھا جو ہمیشہ ہر سال دو چلے کیا کرتا تھا۔ اور جب حضرت ابومحمد غزنی رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے رخصت ہوئے تو میں ان کے پاس موجود تھا انھوں نے اسی دن تک کچھ نہ کھایا تھا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے نہ پڑھی۔ اور متاخرین کے ایک درویش نے

کچھ نہ کھایا اور کوئی نماز بغیر جماعت کے نہ پڑھی۔

آبادی میں دو بزرگ تھے ایک کا نام مسعود تھا اور دوسرے کا نام شیخ بوعلی سیاہ تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ شیخ مسعودؒ نے دوسرے بزرگ کو کہلا کر بھیجا کہ یہ دعویٰ کب تک ہیں گے آؤ ہم چالیس دن ایک جگہ بیٹھیں اور کچھ نہ کھائیں انھوں نے جواب میں کہلوایا کہ تین مرتبہ کھائیں اور چالیس دن تک ایک وضو سے رہیں یہ مسئلہ ابھی تک اہل حجاب پر مشکل ہے جاہل لوگ اس سے تعلق رکھ کر کہتے ہیں کہ وصال جائز ہے اور اطبا اس کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔ اب میں اس کی مکمل وضاحت کرتا ہوں تاکہ یہ مسئلہ اشکال سے نکل جائے اور حقیقت واضح ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ صوم وصال یعنی بغیر کچھ کھائے روزہ رکھنا یعنی کہ فرمان نبی میں کوئی خلل واقع ہو کرامت ہے اور کرامت کا محل خاص ہوتا ہے نہ کہ عام تاکہ عام نہ ہو وہ معاملہ ہر جگہ درست نہیں ہوتا کیونکہ اگر کرامت کا اظہار عام ہوتا تو ایمان جبری ہوتا۔ اور عارفوں کے لئے معرفت پر ثواب نہ ہوتا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزہ تھے تو آپ سے صوم وصال (بطور معجزہ) ظاہر ہوا۔ اور اہل کرامت کے لئے کرامت ممانعت ہے اور یہ کہ کرامت میں اخفا شرط ہے اور معجزہ میں اظہار شرط۔ اور یہ فرق معجزہ اور کرامت کے درمیان واضح ہے لہٰذا اتنی ہی ریاضت کافی ہے۔

مشائخ کرام کے چلہ کی اصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے متعلق ہے۔ کیونکہ انھوں نے مکالمہ کے وقت چلہ کھینچا تھا۔ اور یہ درست ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے باطن میں ہمکلام ہوں تو وہ چالیس روز بھوکے رہتے ہیں اور جب تیس دن گزر جاتے ہیں تو مسواک کرنے کے بعد دس روز مزید گزارتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے باطن سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ نبیوں پر ظاہر طور پر جائز ہے اولیاء پر ان کے باطن کے ساتھ بھی جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کے کلام کی سماعت طبیعت کے باقی رہنے پر جائز نہیں ہوتی۔ اور اولیاء اپنی قوتوں کو چالیس دن تک کھانا پینا ترک کرکے مغلوب کرتے ہیں تاکہ روح کے لطائف اور محبت کی صفائی کے لئے مکمل ولایت ہے۔ اسی موافقت میں بھوکے رہنے کا بیان اور جو اس کی حقیقت ہے اس کی وضاحت میں ایک باب لاتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ حقیقت کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب بھوک اور اس کے متعلقات کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولنبلونکم بشیٍٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات: ضرور بالضرور ہم تمہیں خوف، بھوک اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے امتحان لیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بطن جائع احب الی اللہ تعالیٰ سبعین عابد عاقل: اللہ تعالیٰ کے نزدیک

بھوکے کا شکم ستر عاقل ساجدوں سے زیادہ محبوب ہے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ بھوکا رہنا تمام امتوں اور ملتوں کے نزدیک قابل تعریف اور بڑی بزرگی کی علامت ہے۔ اس لئے کہ ظاہری لحاظ سے بھوکے کا دل زیادہ تیز ہوتا ہے۔ اور اس کی طبیعت زیادہ پاکیزہ اور تندرست ہوتی ہے خاص کر وہ جو نہ پیئے اور مجاہدہ کے ذریعہ نفس کو خوب تنگ بنالے لان الجوع للنفس خضوع وللقلب خشوع یعنی بھوکے کا جسم متواضع اور دل خشوع والا ہوتا ہے۔ کیونکہ بھوک نفسانی قوت کو فنا کر دیتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اجیعوا بطونکم واظمئوا اکبادکم واعروا اجسادکم لعل قلوبکم تری اللہ عیانا فی الدنیا یعنے تم اپنے شکموں کو بھوکا اور اپنے جگروں کو پیاسا اور اپنے جسموں کو بغیر آراستہ رکھو تاکہ اللہ تعالےٰ کو تمہارے دل اس دنیا میں عیاناً دیکھیں۔ اگرچہ جسم کے لئے بھوک بلا ہے مگر دل کے لئے روشنی اور جان کے لئے صفائی اور باطن کے لئے بقا ہے۔ جب باطن بقا پائے اور جان مصفا ہو جائے اور دل روشن ہو جائے تو کیا نقصان ہے اگر جسم کو بلا پہنچے۔ شکم سیر ہو کر کھانے میں کوئی بلا نہیں ہے اگر اس میں بلا ہوتی تو جانور شکم سیر ہو کر نہ کھاتے۔ معلوم ہوا کہ شکم سیر ہو کر کھانا جانوروں کا کام ہے اور بھوکا رہنا بیماروں کا علاج۔ اور یہ کہ بھوک میں باطن کی تعمیر ہے اور شکم سیری پیٹ کی تعمیر۔ جو شخص باطن کی تعمیر میں رہتا ہے تاکہ حق تعالیٰ کے لئے خاص ہو جائے اور علائق سے یکسو ہو جائے وہ اس شخص کے کیسے برابر ہو سکتا ہے جس کی زندگی بدن کی تعمیر اور جسم و خواہش کی خدمت میں ہے۔ ایک کے لئے ساری دنیا کھانے کے لئے چاہیئے اور دوسرے کے لئے کھانا عبادت کے لئے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

کان المتقدمون یاکلون لیعیشوا وانتم تعیشون لتاکلوا۔ متقدمین کھاتے تھے تاکہ زندہ رہیں اور تم زندہ رہتے ہو تاکہ خوب کھاؤ۔ الجوع طعام الصدیقین ومسالک المریدین وقید الشیاطین۔ بھوکا رہنا صدیقوں کی غذا اور مریدین کا مسلک اور شیطانوں کی قید ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے باہر آنا اور قرب الٰہی سے ان کو دور پھینکنا ایک لقمہ ہی کی وجہ سے تھا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھوک میں بے قرار ہو درحقیقت وہ بھوکا نہیں یعنے بھوکا نہیں ہے اس لئے کہ کھانے والے کی طلب غذا کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جس کا درجہ بھوک ہے وہ غذا کے نہ پانے کی وجہ سے ہے نہ کہ غذا کو چھوڑنے کی وجہ سے۔ اور جو شخص کھانے کی موجودگی کی حالت میں اسے نہ کھائے اور بھوک کی تکلیف اٹھائے درحقیقت وہی بھوکا ہے اور شیطان کی قید اور نفسانی خواہش کی بندش بھوکے رہنے ہی میں ہے۔

حضرت کتانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ومن حکم المرید ان یکون فیہ ثلثۃ اشیاء نومہ غلبۃ وکلامہ ضرورۃ واکلہ فاقۃ یعنے مرید کی شرط یہ ہے کہ اس میں تین چیزیں موجود ہوں۔ ایک یہ کہ اس کی نیند غلبہ کے بغیر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا کلام ضرورت کے بغیر نہ ہو اور تیسرے یہ کہ اس کا کھانا فاقہ کے بغیر نہ ہو۔ بعض مشائخ کے نزدیک فاقہ دو دن اور دو راتوں کا ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک تین شبانہ روز اور بعض کے نزدیک ایک ہفتہ اور بعض کے نزدیک ایک چلہ کا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ سچی بھوک ہر چالیس شبانہ روز کے بعد

ایک مرتبہ ہوتی ہے اور یہ بات کو رکھنے کے لئے ہے اور اس کے درمیان جو بے نیازی اور بے پرواہی ظاہر ہوتی ہے وہ طبیعت کی شرارت اور اس کا گھمنڈ ہے اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے کیونکہ اہل معرفت کی رگیں سراسر زبڑی ہوتی ہیں۔ اور ان کے قلوب حق تعالیٰ کی نظر کرم کی طرف ہوتے ہیں۔ ان کے سینوں میں دلوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور عقل تو خود بارگاہ الٰہی میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ روح عقل کی مددگار ہے اور نفس ہوا کی اور جن کی طبیعتیں کثرت غذا سے پرورش پاتی ہیں ان کا نفس قوی ہو جاتا ہے اور خواہش بڑھتی ہے اور اعضا میں اس کا غلبہ زیادہ پھیلتا ہے اور اس پھیلاؤ سے ہر رگ میں قسم قسم کے حجابات نمودار ہوتے ہیں۔ جب بندہ کا غلبہ نفس سے ہاتھ کھینچتا ہے تو نفس بہت کمزور ہو جاتا ہے اور عقل زیادہ قوی ہو جاتی ہے اور رگوں سے نفسانی قوت زیادہ مضمحل ہو جاتی ہے اور اس کے اسرار و براہین زیادہ ظاہر ہو جاتے ہیں اور جب نفس اپنی حرکات سے عاجز ہو جائے اور اس کے وجود سے نفسانی خواہش فنا ہو جائے اور باطل ارادے اظہار حق میں گم ہو جائیں اس وقت مرید کی ہر مراد بر آتی ہے۔

حضرت ابو العباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میری طاعت و معصیت دو گروہ میں بٹی ہوئی ہے جب میں کھاتا ہوں تو تمام معاصی کا خمیر اپنے میں پاتا ہوں اور جب اس سے ہاتھ کھینچ لیتا ہوں تو تمام طاعتوں کی بنیاد اپنے میں دیکھتا ہوں۔ لیکن بھوکے رہنے کا ثمرہ مشاہدہ ہے جس کا قائد و رہنما مجاہدہ ہے لہٰذا مشاہدہ کے ساتھ سیری مجاہدہ کے ساتھ بھوکے رہنے سے بہتر ہے اس لئے کہ مشاہدہ جوانمردوں کی رزمگاہ ہے اور مجاہدہ بچوں کا کھیل ہے فالشبع بشاهد الحق خير من الجوع بشاهد الخلق یعنی مشاہدہ حق کے ساتھ سیری بہتر ہے لوگوں کے مشاہدہ کے ساتھ بھوکے رہنے سے۔ اس بارے میں طویل گفتگو ہے لیکن اب میں طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں وباللہ التوفیق واللہ اعلم بالصواب۔

حج کے بیان میں آٹھویں حجاب کا کشف

اللہ رب العزت جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً۔ اور اللہ کے لئے ان لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھیں۔

اسلام کے فرائض میں سے ایک مستقل فرض حج بیت اللہ ہے جو بندہ پر عقل و بلوغ، اسلام اور قدرت کی درستگی کی حالت میں فرض ہوتا ہے حج کے ارکان، میقات سے احرام باندھنا، عرفات میں ٹھہرنا اور خانہ کعبہ کی زیارت طواف ہے اس پر سب کا اجماع ہے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اس کے رکن حج ہونے میں اختلاف ہے۔ اور بغیر احرام کے حدود حرم میں داخل نہ ہونا چاہیئے۔ اور حرم کو اس لئے حرم کہا جاتا ہے کہ اس میں مقام ابراہیم علیہ السلام اور امن کی جگہ ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام ہوئے۔ ایک مقام آپ کے جسم کا اور دوسرا مقام آپ کے دل کا۔ جسم کا مقام مکہ مکرمہ ہے اور دل کا مقام خلت ہے۔ لہٰذا جو شخص آپ کے جسم کے مقام کی زیارت کا ارادہ کرے اسے لازم ہے کہ وہ تمام

شہوتوں اور لذتوں سے مونھ موڑ لے۔ وہ محرم یعنے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کئے ہوئے ہو۔ جسم پر کفن پہنے اور حلال شکار سے ہاتھ کھینچ لے اور تمام حواس کے دروازوں کو بند کر لے، پھر عرفات میں حاضر ہو۔ وہاں سے مزدلفہ مشعر الحرام جائے وہاں سے پتھر اٹھائے اور مکہ مکرمہ کا طواف کر کے منیٰ آئے وہاں تین روز ٹھہر کر پتھر مارے۔ وہاں سر منڈائے، قربانی کرے، اور کپڑے پہنے۔ پھر جب بندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مقام یعنے خلت و دوستی کا ارادہ کرے تو اسے لازم ہے کہ وہ تمام رغبتوں سے مونھ موڑے اور لذتوں اور راحتوں کو چھوڑے، اغیار کے ذکر سے کنارہ کش ہو جائے۔ اس لئے کہ دنیا کی طرف التفات کرنا خطرناک ہوتا ہے۔ پھر معرفت کے عرفات میں ٹھہرے اور وہاں سے محبت کے مزدلفہ میں آئے وہاں سے حق سبحانہٗ کے حرم کے طواف کے لئے سر کو بھیجے۔ اور حرص و خواہش اور دل کے فاسد ارادوں کے پتھروں کو امن و سلامتی کے منیٰ میں پھینکے اور نفس کو مجاہدہ کے مقام و تسخیرگاہ میں قربان کرے اور مقام خلت حاصل کرے۔ لہٰذا مکہ مکرمہ میں دخول دشمن اور اس کی تلوار سے امن و امان میں آ جانا ہے اور اس مقام خلت میں داخل ہونا طبیعت اور اس کے اغوات سے مامون و محفوظ رہنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحاج وفد اللہ یعطیہم ما سألوا ویستجیب لہم ما دعوا یعنے حاجی اللہ کے قاصد ہوتے ہیں وہ جو مانگتے ہیں اللہ انہیں عطا فرماتا ہے اور جو دعا کرتے ہیں اسے قبول فرماتا ہے اور دوسرا گروہ جو مقام خلت کا طالب ہوتا ہے وہ پناہ چاہتا ہے نہ کچھ مانگتا ہے نہ دعا کرتا ہے بلکہ حالت تسلیم و رضا میں رہتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین یعنے جب خدا نے ان سے فرمایا سر جھکاؤ تو عرض کیا میں نے رب العالمین کے لئے سر جھکا دیا۔ چنانچہ جب ابراہیم علیہ السلام مقام خلت پر فائز ہوئے تو تمام تعلقات سے مونھ موڑ کر دل کو غیر سے خالی کر دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلوے کی بر سر عام نمائش کرائے۔ تو حق تعالیٰ نے نمرود کو مقرر کیا کہ وہ ان کے اور ان کے گھر والوں کے درمیان جدائی کرا دے نمرود نے آگ جلوائی، اور ابلیس نے آکر منجنیق بنا کر دی۔ اور اس میں گائے کا چمڑا پلہ میں سیا گیا اور منجنیق کے اس پلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھایا گیا اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور منجنیق کا پلڑا پکڑ کر عرض کرنے لگے ھل لک الی من حاجۃ یعنے کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت و ضرورت ہے؟ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا اما الیک فلا یعنے حاجت تو ہے مگر تم سے نہیں، حضرت جبریل نے پھر عرض کیا اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے فرمایا حسبی من سوالی علمہ بحالی یعنے اللہ تعالیٰ میرے عرض سے بے نیاز ہے، وہ میرے حال کو جانتا ہے۔ حضرت خلیل علیہ السلام فرماتے ہیں میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے اسی کے لئے آگ میں ڈالا ہے۔ میرے حال پر اس کا علم میرے عرض و سوال کا محتاج نہیں۔

حضرت محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا میں اس کے گھر کو تلاش کرتا ہے وہ اپنے دل کے اندر اس کے مشاہدہ کی خواہش کیوں نہیں کرتا۔ اور گھر کی طلب میں ممکن ہے کہ وہ گھر کو پالے اور ممکن ہے کہ وہ گھر کو نہ پا سکے۔ حالانکہ مشاہدہ ہر حال میں چاہیئے اگر اس پتھر کی عمارت کی زیارت جس پر سال میں ایک مرتبہ نظر پڑتی ہے فرض کر دی گئی ہے تو وہ دل جس پر شبانہ روز تین سو ساٹھ مرتبہ نظر پڑتی ہے اس کی زیارت تو بدرجہ اولیٰ کرنی چاہیئے لیکن محققین رحمہم اللہ کے نزدیک مکہ کے راستہ میں ہر قدم پر نیکی ہے۔ اور جب وہ حرم میں پہنچ جاتا ہے تو وہ ہر

قدم کے بدلے ایک خلعت پاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جسے عبادت کا اجر و ثواب دوسرے دن ملے اس سے کہو کہ آج عبادت نہ کرے کیونکہ عبادت و مجاہدہ کے ہر سانس پر ثواب فی الحال حاصل ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ پہلے حج میں بجز خانہ کعبہ کے کچھ نہیں دیکھا اور دوسری مرتبہ مالک خانہ کعبہ کو بھی دیکھا اور تیسری مرتبہ صرف مالک خانہ کعبہ کو دیکھا اور خانۂ کعبہ نظر نہیں آیا غرضیکہ حرم میں اس وقت داخل ہو جاتا ہے جبکہ وہ تعظیم کا مشاہدہ کرتا ہے اور جب سارا جہان قربت کی میعاد گاہ اور محبت کی خلوت گاہ نہ معلوم ہوئے کبھی دوستی و محبت کی کچھ خبر نہیں ہے۔ اور جب بندہ مشاہدے میں ہوتا ہے تو اس کے لئے سارا جہان حرم ہوتا ہے اور جب بندہ محجوب ہو تو اس کے لئے حرم بھی عالم تنہا ایک ترجگہ ہوتی ہے۔ اظلم الاشیاء دار الحبیب بلا حبیب یعنے سب سے زیادہ تاریک گھر دوست محبوب کے بغیر اس کا گھر ہوتا ہے۔ لہٰذا خلت کے مقام میں مشاہدہ کی قیمت اپنے وجود کے فنا سے وابستہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے دیدار کو اس کا سبب بنایا ہے نہ کہ کعبہ کی قیمت لیکن مسبب کو ہر سبب سے تعلق رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ کسی کو پتہ نہیں عنایت الٰہی کس مقام سے اس کی طرف توجہ فرمائے۔ اور کہاں سے اس کا ظہور ہو۔ اور طالب کی مراد کس جگہ سے نمودار ہو۔ لہٰذا جوانمردوں کی مراد قطع بیابان اور صحرا نوردی سے یہی ہے نہ کہ عین حرم۔ کیونکہ دوست کے حرم یعنے محبوب کے گھر کا دیکھنا حرام ہے بلکہ مجاہدہ کا مطلب یہی ہے کہ اس کے ہر شوق میں بے قراری اور محبت میں بے چینی ہمیشہ برقرار رہے۔ ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا حج کر کے آیا ہوں۔ حضرت جنید نے فرمایا حج کر لیا؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا جب تم اپنے مکان سے چلے اور وطن سے کوچ کیا تھا اس وقت کیا گناہوں سے بھی کوچ کر لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تو تم نے کوچ ہی نہ کیا۔ پھر فرمایا جب تم گھر سے چلے اور ہر منزل میں رات کو قیام کیا تو تم نے راہ حق یعنے طریقت کا مقام بھی طے کیا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تم نے کوئی منزل طے نہ کی۔ پھر فرمایا جب تم نے میقات سے احرام باندھا تو کیا تم بشری صفات سے جدا ہو گئے تھے جیسے کہ تم کپڑوں سے جدا ہوئے تھے اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تم محرم بھی نہ ہوئے۔ پھر فرمایا جب تم نے عرفات میں وقوف کیا تھا تو مجاہدہ کے کشف میں وقوف ہوا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تمہیں عرفات کا وقوف بھی میسر نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم مزدلفہ میں اترے اور تمہاری مراد بر آئی تھی تو تم نے تمام نفسانی مرادوں کو چھوڑ دیا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تو مزدلفہ کا نزول بھی حاصل نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تھا تو ان سر کی آنکھوں سے مقام تنزیہہ میں حق تعالیٰ کے جمال کے لطائف کو دیکھا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا بس تو طواف بھی حاصل نہ ہوا۔ پھر فرمایا جب تم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تھی تو صفا کے مقام اور مروہ کے درجہ کا ادراک کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں فرمایا ابھی سعی بھی نہ ہوئی۔ پھر فرمایا جب منیٰ میں آئے تھے تو تمہاری مستیاں تم سے جدا ہو گئی تھیں؟ اس نے کہا نہیں فرمایا ابھی منیٰ میں نہیں پہنچے۔ پھر فرمایا جب قربان گاہ میں تم نے قربانی کی تھی اس وقت نفسانی خواہشوں کی بھی قربانی کی تھی؟ اس نے کہا نہیں فرمایا بس تو قربانی بھی نہ کی۔ پھر فرمایا جب تم نے پتھر مارے تھے اور جمروں پر کنکریاں پھینکی تھیں اس وقت تمہارے ساتھ جو نفسانی تمنائیں تھیں ان سب کو بھی پھینکا تھا؟ اس نے کہا نہیں فرمایا ابھی تم نے پتھر بھی نہیں پھینکا اور حج بھی نہیں کیا لوٹ جاؤ

ان صفات کے ساتھ پھر حج کرو تاکہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو پہنچو۔

میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھے۔ رو رہے تھے اور یہ اشعار کہہ رہے تھے۔

واصبحت یوم النحر والعین ترحل ۔ وکان حدی الحادی بناد ویعجل

یعنے قربانی کے دن میں نے صبح کی جبکہ سفید اونٹ کوچ کر رہے تھے۔ اور حدی والوں کے ساتھ حدی تھی جو بلا رہے تھے اور جلدی کر رہے تھے

وانا سائل عن سلمی فحل من مخبر ۔ بان له علما بها این تنزل

یعنے اور میں سلمی سے دریافت کر رہا تھا کہ کیا کوئی خبر دینے والا ہے جسے معلوم ہو کہ کہاں اتری ہے۔

لقد افسدت حجی و نسکی و عمرتی ۔ وفی البین لی شغل عن الحج شاغل

یعنے بلاشبہ میرا حج و قربانی اور عمرہ فاسد ہو گیا ۔ اور جدائی میرے لئے روک ہے جو حج سے روکے ہوئے ہے

سارجع من عامی لحجة قابل ۔ فان الذی قد کان لا یتقبل

یعنے عنقریب آئندہ سال پھر لوٹوں گا دوسرے حج کے لئے کیونکہ اس کی یہ حقیقت ہے کہ یہ نامقبول ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے موقف میں ایک جوان کو سر جھکائے خاموش کھڑا دیکھا۔ تمام لوگ دعائیں مانگ رہے تھے مگر وہ خاموش کھڑا رہا۔ میں نے اس سے دریافت کیا اے نوجوان تم کیوں دعائیں مانگتے اور خوشی کا اظہار نہیں کرتے؟ اس نے کہا مجھے وحشت لاحق ہوگئی ہے کہ جو وقت میں رکھتا تھا وہ مجھ سے ضائع ہو گیا ہے کوئی موقع دعا مانگنے کے قابل نہیں رکھتا۔ میں نے اس سے کہا تمہیں دعا مانگنی چاہئے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ان تمام لوگوں کے مجمع کے طفیل میں تمہاری مراد عطا فرمائے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس نوجوان نے ارادہ کیا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے مگر اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ گر پڑا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جوان کو منیٰ میں بیٹھا ہوا دیکھا سب لوگ اپنی قربانیوں میں مشغول تھے اور میں اس کے حال کو دیکھ رہا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کون ہے یہاں تک کہ اس نے کہا اے خدا تمام لوگ قربانی میں مشغول ہیں میں بھی چاہتا ہوں کہ اپنے نفس کی قربانی تیرے حضور کروں تو اسے قبول فرما یہ کہا اور انگشت شہادت سے اشارہ اپنے گلے پر کیا اور وہ گر پڑا جب میں نے دیکھا تو وہ مردہ تھا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

واضح رہنا چاہئے کہ حج کی دو قسمیں ہیں ایک غیبت میں اور دوسرے حضور میں۔ چنانچہ مکہ کا حج غیبت میں ہے اور ویسا ہی ہے جیسا کہ اپنے گھر میں غیبت میں تھا۔ اس لئے کہ ایک غیبت دوسری غیبت سے بہتر نہیں ہوتی۔ اور جو اپنے گھر میں حاضر ہو وہ ویسا ہی ہے جیسے کہ مکہ میں حاضر ہے اس لئے کہ کوئی حضور دوسرے حضور سے بہتر نہیں ہوتی۔ لہٰذا حج، مجاہدہ کے کشف کے لئے ایک مجاہدہ ہے اور مجاہدہ مشاہدہ کی علت نہیں ہوتی بلکہ اس کا سبب ہوتا ہے۔ اور معانی کی حقیقت میں سبب کوئی زیادہ مؤثر نہیں ہوتا ہے لہٰذا حج کا مقصود خانہ کعبہ کا دیدار نہیں ہے بلکہ کشف کا مقصود

رہ ہے۔ اب میں مشاہدے میں ایک باب جو اس معنے کے ساتھ شامل ہے لاتا ہوں تاکہ تمہارے مقصود کا حصول انشاء اللہ زیادہ قریب ہو

، واللہ اعلم بالصواب ۔

باب در بیان مشاہدہ

نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں کہ اجیعوا بطونکم دعوا الحرص واعروا اجسادکم وقصروا الامل واظماؤا اکباد
کم ودعوا الدنیا لعلکم ترون اللہ بقلوبکم ؛ اپنے شکموں کو بھوکا رکھو، لالچ کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، امیدوں کو کم کرو، جگروں
کو پیاسا رکھو، دنیا سے کنارہ کشی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب کا مشاہدہ کرے ۔

نیز حضرت جبریل علیہ السلام کے احسان کے بارے میں ان کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن
تراہ فانہ یراک۔ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہ کر سکو تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ یا داؤد اتدری ما معرفتی قال لا قال ھی حیات القلب فی مشاھدتی
اے داؤد تم جانتے ہو میری معرفت کیا ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا وہ دل کی زندگی میرے مشاہدہ میں ہے ۔

مشائخ طریقت رحمہم اللہ کے نزدیک عبادت سے مراد دل کی آنکھوں سے مشاہدۂ الٰہی کرنا ہے یعنے وہ بے کیف و کم، خلوت و جلوت میں
اسے حق تعالیٰ کا مشاہدہ و دیدار کرتے ہیں ۔

حضرت ابو العباس بن عطا رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ بالمجاھدۃ ثم
استقاموا علیٰ بساط المشاھدۃ ؛ بلاشبہ جنھوں نے مجاہدے میں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ مشاہدہ کے فرش پر کھڑے ہوئے ۔

حقیقتہً مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک صحت یقین دوسرا ایسا غلبۂ محبت جس سے ایسا درجہ حاصل ہو جائے کامل طور پر دوست کی بات میں ہی
مست اور اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے ۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ما رایت شیئاً الا ورایت اللہ فیہ ای بصحۃ الیقین یعنے میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا
بیر کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ صحت یقین کے ساتھ ہوتا ہے ۔

اور ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ما رایت اللہ شیئاً ورایت اللہ فیہ قبلہ یعنے میں نے خدا کے سوا کچھ نہ دیکھا اور ہر شئے میں
خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے ، یہ حالت اس مشاہدہ کی ہے جنہیں مخلوق میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے ۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ما رایت اللہ شیئاً سوی اللہ یعنے بغلبات المحبۃ وغلیان المشاھدۃ یعنے کوئی چیز اللہ
کے سوا مجھے نظر آتی ہی نہیں ۔

یعنے یہ حالت محبت کے غلبہ اور مشاہدہ کے جوش کی وجہ سے ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی فعل کو دیکھتا ہے اور اس فعل کی دید میں سر کی آنکھ سے فاعل کو

دیکھتا ہے اور کوئی سر کی آنکھ سے فعل کو دیکھنے میں فاعل کی محبت میں ایسا فنا ہوتا ہے کہ وہ تمام اشیاء حتیٰ کہ خود میں بھی فاعل ہی نظر آتا ہے۔ لہٰذا پہلا طریقہ استدلالی ہے اور دوسرا طریقہ جذباتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک استدلال کرتا ہے تاکہ شہادت دلائل سے حق اس پر عیاں ہو۔ جو جذبہ اور دوسرا مجذوب اور شوق میں مغلوب وارفتہ ہوتا ہے کہ اسے دلائل وحقائق حجاب نظر آتے ہیں۔

لان من عرف شيئًا لا يطمئن غيره ومن احب شيئًا بطالع غيره فيترك المنازعة مع الله والاعتراض عليه فى احكامه وافعاله۔ اس لئے کہ جو جانتا ہے وہ غیر سے چین نہیں پاتا، اور جو دوست رکھتا ہے وہ غیر کو نہیں دیکھتا لہٰذا وہ فعل پر جھگڑتا نہیں کہ وہ جھگڑالو ہے اور نہ اس کے فعل وحکم پر اعتراض کرتا ہے کہ وہ معترض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی معراج کی خبر ہمیں دی اور فرمایا مازاغ البصر وما طغیٰ من شدۃ شوقہ الی اللہ تعالیٰ یعنے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق کی شدت میں آنکھ کو کسی چیز سے دکھوایا کہ جو لائق ہو وہ اسے دیکھیں اور جب بھی محب اپنی آنکھ کو موجودات کے دیکھنے سے بند کرتا ہے وہ یقیناً اپنے دل میں موجودات کے خالق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لقد راٰی من اٰیات ربہ الکبریٰ۔ بلاشبہ انھوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

نیز فرمایا قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ای ابصار العیون من الشہوات وابصار القلوب عن المخلوقات۔ اے محبوب تم فرما دو اپنی آنکھوں کو بند رکھو یعنے سر کی آنکھوں کو شہوتوں سے اور دل کی آنکھوں کو مخلوقات سے۔

لہٰذا جو شخص چشم سر کو مجاہدہ میں شہوت سے بند رکھتا ہے یقیناً وہ باطنی آنکھ سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے فمن اکثر اخلص مجاھدۃ کان اصدق مشاھدۃ یعنے جو کثرت اخلاص کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ میں سب سے بڑھ کر صادق ہوتا ہے۔ اسی بنا پر باطنی مشاہدہ ظاہری مجاہدہ کے ساتھ وابستہ ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ من غمض بصرہ عن اللہ طرفۃ عین لا یھتد طول عمرہ۔ یعنے جو شخص ایک لمحہ کے لئے بھی حق تعالیٰ کی طرف سے آنکھیں بند رکھتا ہے وہ اپنی تمام عمر میں ہدایت نہیں پاتا، اس لئے کہ غیر کی طرف التفات کرنا غیر حق کے ساتھ ہوتا ہے اور جو غیر کے ساتھ ہوتا ہے وہ ہلاکت میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے اہل مشاہدہ کی وہی عمر قابل شمار ہوتی ہے جو مشاہدہ میں ہو اور جتنی عمر غیبوبت میں گزری وہ اسے شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ درحقیقت یہ ان کی موت کا زمانہ ہے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا آپ کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا چار سال۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا گزشتہ ستر سال کی عمر حجاب وغفلت میں گزری ہے اور میں نے اس میں مشاہدہ نہیں کیا لیکن یہ چار سال ہیں جن میں مشاہدہ ہوا ہے حجاب کے زمانہ کی عمر کچھ نہیں ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ اللہم اخبأ الجنۃ والنار فی جنایا غیبک حتیٰ نعبدک بغیر واسطۃ یعنے اے خدا جنت ودوزخ کو اپنے غیب کے خزانوں میں پوشیدہ رکھ اور ان کی یاد لوگوں کے دل سے فراموش کر تاکہ تیری تیرے لئے ہی عبادت کریں، جس وقت

یعنی کو جنت کے حصول کا لالچ ہو تو یقینی طور پر عقلمند اسی کے لئے عبادت کرے گا۔ اور جس دل میں محبت کا کچھ حصہ نہ ہو وہ غافل ہے، یعنی وہ مشاہدے سے محجوب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی کہ "میں نے خدا کو نہیں دیکھا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "میں نے خدا کو دیکھا"۔ لہٰذا لوگ اسی اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں اور جس نے غور کیا وہ اس اختلاف سے [illegible] مطلب یہ ہے۔ فرمایا کہ میں نے دیکھا اس سے چشم باطن سے دیکھنا مراد لیا۔ اور جس سے یہ کہا کہ میں نے نہیں دیکھا اس سے چشم سر سے دیکھنا مراد لیا۔ کیونکہ ان دونوں میں ایک اہل باطن ہے اور دوسرا اہل ظاہر ہے ایک سے اس کے اپنے حالات کے مطابق بات فرمائی۔ لہٰذا جب باطنی طور سے دیکھا تو اگر سر کی آنکھ کا واسطہ نہ ہو تو کیا مضائقہ۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ مجھ سے فرمائے کہ مجھے دیکھ تو میں عرض کروں گا ہرگز نہیں دیکھتا کیونکہ محبت میں آنکھ غیر اور بیگانہ ہے اور غیریت کی غیرت مجھے دیدار سے باز رکھتی ہے۔ کیونکہ دنیا میں بے آنکھ کے واسطہ کے دیکھتا ہوں۔ اور آخرت میں آنکھ کا واسطہ کیا کروں گا۔ خدا ہی ہدایت فرمانے والا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

وانی لاحسد ناظری علیک ۔ واغض طرفی اذا نظرت الیک

بلاشبہ میں تجھ پر آنکھ اٹھانے پر حسد کرتا ہوں۔ لہٰذا جب تیری طرف دیکھتا ہوں تو آنکھوں کو بند رکھتا ہوں۔ کیونکہ محبوب کو آنکھ سے چھپاتے ہیں اس لئے آنکھ بیگانہ اور غیر ہے۔ لوگوں نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ خدا کا دیدار ہو؟ فرمایا نہیں! پوچھا کیوں؟ فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا تو انہیں دیدار نہ ہوا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا تو دیدار ہوا۔ لہٰذا ہمارا چاہنا خدا کے دیدار کے لئے ہمارا بہت بڑا حجاب ہے۔ اس لئے کہ ارادہ کا وجود محبت میں مخالفت ہوتی ہے اور مخالفت حجاب ہے۔ اور جب دنیا میں ارادہ فنا ہو جائے تب مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جب مشاہدہ برقرار ہو جائے تو دنیا آخرت کی مانند اور آخرت دنیا کی مانند ہو جاتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان للہ عبادًا لو حجبوا عن اللہ فی الدنیا والآخرة لارتدوا یعنے اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں اگر دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لمحہ کے لئے بھی محجوب ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں۔ یعنے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کو دائمی مشاہدہ میں پرورش فرماتا اور اپنی محبت کی حیات سے ان کو زندہ رکھتا ہے۔ لامحالہ جب صاحب مشاہدہ محجوب ہو جائے تو وہ مردود ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مصر میں جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ ایک جوان کو بچے پتھر مار رہے تھے میں نے بچوں سے پوچھا تم اس سے کیا چاہتے ہو؟ بچوں نے کہا یہ دیوانہ ہے میں نے کہا تم نے اس کے جنون کی کیا علامت دیکھی؟ بچوں نے کہا یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ پھر میں نے جوان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا اے جوان! کیا تم یہ کہتے ہو جو یہ بچے تم پر الزام رکھتے ہیں؟ جوان نے کہا نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کیونکہ اگر ایک لمحہ کے لئے میں حق کو نہ دیکھوں اور محجوب رہوں تو اس کی میں برداشت نہیں رکھتا۔

لیکن اس جگہ ایک جب مشاہدہ کے بارے میں ایک قوم کو غلطی لاحق ہوئی ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ دلوں کی رویت اور ان کا مشاہدہ ذکر میں کوئی صورت بنالی ہے جسے ذکر یا فکر کی حالت میں وہم برقرار ثابت کرتی ہے حالانکہ یہ تشبیہ محض اور کھلی گمراہی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اندازہ نہیں ہے کہ عقل اس کا وہم کے ذریعہ اندازہ کرے۔ نہ عقل اس کی کیفیت کے ساتھ باخبر ہو جائے۔ اور جو چیز موہوم ہوتی ہے وہ بھی وہم کے جنس قبیل سے ہوتی ہے اور جو چیز عقل میں سما سکے وہ بھی عقل کے جنس سے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے لئے کسی جنس کی ہم جنسی نہیں ہے۔ اور لطافت و کثافت دونوں جنس کے قبیل سے ہیں۔ جو محل میں ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کی جنس ہیں اس لئے کہ توحید کی تحقیق ہے اور قدیم کے پہلو میں ضد جنس ہے۔ کیونکہ تمام اضداد محدث ہیں اور تمام حوادث یک جنس ہیں۔ تعالی اللہ عن ذالک عما یصف الملاحدۃ علواً کبیراً۔

لہذا دنیا میں مشاہدہ آخرت میں دیدار کے مانند ہے۔ اور جبکہ تمام اہل علم کا اجماع و اتفاق ہے کہ عقبیٰ میں دیدار جائز ہے تو لامحالہ دنیا میں بھی مشاہدہ جائز ہے۔ لہذا کوئی فرق نہیں ہے اس خبر دینے والے کے درمیان جو عقبیٰ میں مشاہدہ کی خبر دے اور جو دنیا میں مشاہدہ کی خبر دے اور جو ان دونوں معنے کی خبر دیتا ہے وہ اجازت سے خبر دیتا ہے نہ کہ محض دعویٰ سے۔ یعنے وہ یہ کہتا ہے کہ دیدار و مشاہدہ جائز ہے لیکن یہ نہیں کہتا کہ مجھے دیدار ہوا ہے یا اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ مشاہدہ میرے باطن کی صفت ہے۔ اور خبر دینا زبان کی تعبیر ہے۔ اور جب زبان باطن کی خبر دے تو یہ عبارت ہوتی ہے مشاہدہ نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کی حقیقت عقول میں نہ سما سکے زبان اس کی کیسے تعبیر کرسکتی ہے۔ بجز مجاز کی معنے میں لان المشاهدة تصير اللسان بحضور الجنان۔ اس لئے کہ مشاہدہ زبان کی عاجزی کے ساتھ قلوب کا حضور ہے۔ لہذا اس کے معنے کی تعبیر میں بولنے سے خاموش رہنا بہت بلند درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ خاموشی مشاہدہ کی علامت ہے اور گویائی شہادت کی نشانی۔ اور کسی چیز کی شہادت دینے اور کسی چیز کے مشاہدہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے درجۂ قرب اور مقام اعلےٰ میں جسے حق تعالیٰ نے آپ کے لئے مخصوص فرمایا ہے وہاں کہا لا احصی ثناءً علیك یعنے میں تیری ثنا شمار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ آپ مشاہدہ میں تھے اور محبت و دوستی کے درجہ میں مشاہدہ کمال یگانگت رکھتا ہے اور یگانگی کی تعبیر کرنا بے گانگی اور غیریت ہوتی ہے اس وقت آپ نے کہا انت کما اثنیت علی نفسك یعنے تو وہی ہے جیساکہ تو نے اپنی ثنا فرمائی۔ یعنے اس جگہ تیرا فرمایا ہوا میرا ہی عرض کرنا ہے۔ تیری ثنا میری ثنا ہے۔ میں اپنی زبان کو اس کے لائق نہیں جانتا کہ وہ میری حالت کو بھی بیان کرے۔ اور میں بیان کو بھی اس کا مستحق نہیں سمجھتا کہ وہ میرا حال ظاہر کرے اسی معنے میں کسی کہنے والے نے کہا ہے ؎

تمنیت من اهوی فلما رایته ✦ بهت فلم املك لسانا ولا طرفا

یعنے جسے میں دوست رکھتا تھا میں نے اس کی تمنا کی۔ پھر جب میں نے اسے دیکھا تو متحیر ہوگیا اور اپنی زبان اور اپنے کسی عضو کا مالک نہ رہا ✦

یہ ہیں مشاہدہ کے احکام، جسے اختصار کے ساتھ بیان کردیئے وباللہ التوفیق ✦

صحبت اور اس کے آداب و احکام کے بیان میں نویں حجاب کا کشف

اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے یاایھاالذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا ای ادبوھم ۔ اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھروالوں کو آگ سے بچاؤ یعنے ان کی درستگی کرو ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حسن الادب من الایمان یعنے بہتریں آداب ایمان سے ہے نیز فرمایا ادّبنی ربی فاحسن تادیبی یعنے میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور خوب اچھا ادب مجھے سکھایا ۔

جاننا چاہیئے کہ دنیا اور دین کے تمام امور کی زینت آداب سے متعلق ہے اور ہرقسم کے لوگوں کے مقامات کے لئے ہرقسم کے آداب ہیں اور تمام لوگ خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان ملحد ہوں یا موحد، سُنی ہوں یا مبتدع سب اس پر متفق ہیں کہ معاملات میں حسن آداب عمدہ چیز ہے ۔ اور جہان میں کوئی رسم آداب کے استعمال کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور آداب لوگوں میں مروت کی حفاظت ہے اور دین میں سُنّت کی حفاظت اور دنیا میں احترام کی حفاظت ہے ۔ یہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں ۔ اس لئے کہ جس میں مروت نہ ہوگی وہ سُنّت کا پیروکار نہ ہوگا اور جس میں سُنّت کی حفاظت نہ ہوگی اس میں احترام کی رعایت نہ ہوگی ۔ اور معاملات یعنے طریقہ میں حفظ ادب مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتی ہے ۔ کہ دل میں حق تعالیٰ اور اس کے شعائر کی تعظیم ہو ۔ اور طریقت تصوف میں یہ تعظیم تقوے سے حاصل ہوتی ہے اور جو تعظیم کی بےحرمتی کے ساتھ خدا کے مشاہدوں کو پامال کرتا ہے تصوف کے طریقہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے ۔ اور سکر و غلبہ کسی حالت میں طالب کو ادب کی حفاظت سے منع نہیں کرتا اس لئے کہ ادب ان کی عادت ہے اور عادت طبیعت کی مانند ہوتی ہے ۔ اور ہرجاندار سے کسی حالت میں طبائع کی جدائیگی کا تصور ناممکن ہے جب تک اس کی زندگی برقرار ہے اس کی جدائیگی محال ہے ۔ لہٰذا جب تک انسان کا تشخص برقرار ہے ان سے ہرحال میں ادب کی پیروی جاری ہے ۔ خواہ تکلف سے ہو یا بےتکلف جب ان کا حال صحت مندی میں ہوتا ہے تو وہ تکلف کے ساتھ آداب کی حفاظت کرتے ہیں اور جب ان کا حال مدہوشی و سکر میں ہوتا ہے تب حق تعالیٰ انہیں ادب پر محفوظ رکھتا ہے اور ولی کسی حالت میں بھی ادب کا تارک نہیں ہوتا ۔ لان المودة عند الادب وحسن الادب صفة الاحباب یعنے اس لئے کہ محبت بہترین ادب ہے اور حسن ادب دوستوں کی خصلت و صفت ہے ۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ جتنی کرامت فرماتا ہے وہ اس کی دلیل ہوتی ہے کیونکہ وہ اس پر دین کے آداب کو محفوظ رکھتا ہے ۔ بخلاف اس گروہ ملحدین کے اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے جو یہ کہتے ہیں کہ جب بندہ محبت میں غالب ہوجاتا ہے تو متابعت کا حکم اس سے ساقط ہوجاتا ہے ۔ اس معنے کو میں دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے لاؤنگا انشاء اللہ تعالیٰ ۔

ادب کی تین قسمیں ہیں ۔ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی توحید میں ۔ اس طرح پر کہ جلوت و خلوت اور ہرحالت میں اپنے آپ کو بےحرمتی سے بچائے اور وہ سلوک برتے جو بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے صحیح احادیث میں ہے کہ ایک دن رسول کریم صلوٰت اللہ علیہ وسلام چہار زانو تشریف فرما تھے کہ جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا یا محمد اجلس بجلسة العبد یعنے بندوں کی طرح جلوس فرمائیں آپ اللہ کے مقرب بندے ہیں اس

کی بارگاہ میں اس کی شان کے لائق جلوس فرمائیں ۔

مشائخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک دن رات دیوار سے کمر لگا کر بیٹھے رہے۔ اور دو زانوں کے سوا کسی اور حالت میں نہ بیٹھے۔ لوگوں نے عرض کیا آپ اتنی مشقت تکلیف کیوں برداشت فرماتے ہیں، فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ میں حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں اس طرح نہ بیٹھوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے ۔

میں یعنی علی بن عثمان جلابی (سید داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) بیان کرتا ہوں کہ میں نے خراسان کے ایک شہر ملند نامی میں ایک شخص کو دیکھا جو بہت مشہور تھا اور لوگ اسے ملند ادیب کہتے تھے۔ بڑا صاحب فضیلت تھا اس نے بیس سال پاؤں پر کھڑے کھڑے گزار دیے۔ سوائے نماز تشہد کے کبھی نہ بیٹھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی اس نے کہا ابھی مجھے وہ درجہ حاصل نہیں ہوا ہے کہ میں مشاہدہ حق میں بیٹھ سکوں ۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ سے لوگوں نے دریافت کیا۔ ہم وجدت ما وجدت بتائیں کہ جو کچھ آپ نے پایا ہے وہ کس چیز سے پایا ہے قال بحسن الصحبۃ مع اللہ عزوجل فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن صحبت کی وجہ سے۔ چنانچہ میں نے حق تعالیٰ کے ساتھ جیسا جلوت میں ادب حسن صحبت کو ملحوظ رکھا ہے ویسا ہی خلوت میں بھی رکھا ہے۔ جہان والوں کو چاہئے کہ اپنے معبود کے مشاہدہ میں ادب کی حفاظت کا سلیقہ زلیخا سے سیکھیں۔ کہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت تنہائی کی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی خواہش کی تکمیل کی درخواست کی تو اس نے پہلے اپنے بت کے چہرہ کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا کر رہی ہے؟ اس نے کہا اپنے معبود کے چہرہ کو چھپا رہی ہوں تاکہ وہ بے حرمتی میں مجھے آپ کے ساتھ نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ شرائط ادب کے خلاف ہے۔ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملے اور انہیں جمال یوسفی سے ہم آغوش کیا تو زلیخا کو جوان کر کے اسلام کی راہ دکھائی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف قصد فرمایا زلیخا آپ سے بھاگی فرمایا اے زلیخا کیا میں تیرا وہ دلربا نہیں ہوں؟ شاید میری محبت تیرے دل سے جاتی رہی ہے زلیخا نے کہا خدا کی قسم نہیں! محبت اپنی جگہ پر ہے بلکہ زیادہ ہے لیکن میں نے ہمیشہ اپنے معبود کی بارگاہ کے آداب کو ملحوظ رکھا ہے اس دن جبکہ ہمارے تمہارے درمیان تنہائی ہوئی تھی اس وقت میرا معبود ایک بت تھا جو قطعاً دیکھ ہی نہیں سکتا تھا مگر اس کے باوجود اس کی بے نور دو آنکھیں تھیں اس پر میں نے پردہ ڈال دیا تھا تاکہ بے ادبی کی تہمت مجھ سے اٹھ جائے۔ اب میرا معبود ایسا ہے جو دانا و بینا ہے جس کے لئے دیکھنے کا نہ آلہ ہے اور نہ کوئی آلہ مگر میں جس حال میں بھی ہوں وہ مجھے دیکھتا ہے میں نہیں چاہتی کہ میں تارک الادب بنوں ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب معراج میں لے جایا گیا تو آپ نے حفظ ادب میں کونین کی طرف نظر نہ اٹھائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مازاغ البصر وما طغیٰ (نہ آنکھ بھٹکی اور نہ آنکھ بے راہ ہوئی) مازاغ البصر ای برویت الدنیا (یعنی دنیا کے دیکھنے میں آنکھ نہ بھٹکی) وما طغیٰ ای برویت العقبیٰ (یعنی آخرت کے دیکھنے میں آنکھ بے راہ نہ ہوئی) ۔

ادب کی دوسری قسم معاملات میں اپنے ساتھ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر حال میں اپنے نفس کے ساتھ مروت کی رعایت کرے یہاں تک کہ لوگوں کی صحبت

سے وابستہ ہو یا حق تعالیٰ کی بارگاہ کی جو بے ادبی ہے اسے اپنے آپ تنہائی میں بھی اپنے پر استعمال نہ کرے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ سچ کے سوا نہ کہے یہ یوں ہے کہ وہ خود اپنے دل میں جیسے برہنہ نہ جانتا ہے اسے اپنی زبان پر نہ لائے۔ کیونکہ اس میں بے مروتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کم کھائے تاکہ طہارت گاہ میں زیادہ نہ جانا پڑے۔ تیسرے یہ کہ کسی کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور وہ خود بھی اپنی شرمگاہ کو بجز مجبوری کے نہ دیکھے۔ کیونکہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کبھی اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھا۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا میں شرم رکھتا ہوں کہ ایسی چیز کو دیکھوں جس کی جنس پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

ادب کی تیسری قسم: لوگوں کے ساتھ صحبت کرنے میں ادب کے لحاظ رکھنے میں ہے اور لوگوں کے ساتھ صحبت کرنے میں بہترین ادب یہ ہے کہ سفر وحضر میں حسن معاملہ اور سنت کی حفاظت کرے۔ آداب کی یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ اب میں حتی المقدور ان آداب کو ترتیب وار بیان کرتا ہوں تاکہ پڑھنے والوں کو یہ طریقہ آسان ہو جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ واللہ اعلم بالصواب۔

باب صحبت اور اس کے متعلقات کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لہم الرحمن ودا ای بحسن رعایتہم الاخوان، بے شک جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے عنقریب اللہ ان کو محبوب بنا کر اپنا دوست بنالے گا یعنی انھوں نے اپنے دلوں کی حفاظت کی اور اپنے بھائیوں کے حقوق کو ادا کیا اور اپنے پیران کی بزرگی و شرافت کو دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ثلث لك ودا اخيك تسلم عليه اذا لقيته وتوسع له في المجلس وتدعوه باحب اسمائه۔ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رعایت اور حفظ حرمت کے بارے میں فرمایا کہ مسلمان بھائیوں کی محبت کو تین چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں۔ اول یہ کہ جب تم اس سے راہ میں ملاقات کرو تو اسے سلام کرو دوسرے یہ کہ اپنی مجلسوں میں اس کے لئے جگہ بناؤ تیسرے یہ کہ اسے ان القاب کے ساتھ یاد کرو جو انہیں بہت زیادہ محبوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انما المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم، تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں میں صلح و آشتی رکھو۔ مطلب یہ کہ باہمی لطف و مہربانی سے پیش آؤ اور کسی کی دل خراشی نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اكثروا من الاخوان فان ربكم حيي كريم يستحيي ان يعذب عبده بين اخوته يوم القيامة۔ یعنے اپنے بھائیوں کو بہت زیادہ حفظ ادب اور حقوق میں نیک سلوک کرکے بھائی بناؤ کیونکہ تمہارا رب عزوجل حیی و کریم ہے وہ حیا فرماتا ہے کہ قیامت کے دن باہمی آداب و معاملات کی وجہ میں اپنے بندہ کو عذاب فرمائے۔ لہذا سزاوار یہ ہے کہ اس سے صحبت اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائے نہ کہ نفسانی خواہش اور کسی غرض و مقصود کی خاطر۔ تاکہ بندہ حفظ ادب کی وجہ سے مشکور و ممنون ہو۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اپنے داماد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یا مغیرۃ کل اخ وصاحب لم تستفد منہ فی دینک خیراً فانبذ عن صحبتہ حتّٰی تسلم یعنی اے مغیرہ جس بھائی یا ساتھی کی رفاقت تمہیں دینی فائدہ نہ پہنچائے تم اس جہان میں اس کی صحبت سے بچو کیونکہ اس کی صحبت تم پر حرام ہے۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری صحبت یا تو اپنے سے بڑے اور اچھے کے ساتھ ہوگی یا اپنے سے کمتر کے ساتھ۔ اگر تم اپنے سے اچھے کے پاس بیٹھو گے تو اس سے تمہیں دینی فائدہ پہنچے گا۔ اور اگر اپنے سے کمتر کے پاس بیٹھو گے تو تم سے اس کو دینی فائدہ پہنچے گا۔ کیونکہ اگر وہ تم سے کچھ حاصل کرے گا تو وہ دینی فائدہ پہنچانا ہوگا۔ اور تم جو اپنے بڑے سے سیکھو گے وہ بھی اپنا فائدہ حاصل کرنا ہوگا۔

اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان من تمام التقوی تعلمہ من لا یعلم پرہیزگاری کا کمال بے علم کو علم سکھانا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بئس الصدیق صدیق تحتاج ان تقول لہ اذکرنی فی دعائک وبئس الصدیق صدیق تحتاج ان تعیش معہ بالمداراۃ وبئس الصدیق صدیق یلجئک الی الاعتذار فی زلۃ کانت منک یعنی وہ دوست بہت برا ہے جس کو دعا کی درخواست کرنے کی ضرورت پڑے کیونکہ ایک لمحہ کی صحبت کا حق یہ ہے کہ اسے ہمیشہ دعائے خیر میں یاد رکھا جائے۔ اور وہ دوست بہت برا ہے جس کی صحبت خاطر تواضع کی محتاج ہو کیونکہ صحبت کا سرمایہ ہی یہ ہے کہ ہمیشہ باہمی خوشی و مسرت میں رہے۔ اور وہ دوست بہت برا ہے جس سے گناہ کی معافی مانگنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس لئے کہ عذر خواہی بیگانگی کی علامت ہے۔ اور صحبت میں بیگانگی وغیریت ظلم ہوتی ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل یعنی آدمی اپنے دوست کے دین یعنی طور وطریق پر ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ غور و فکر کرے کہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔ اگر اس کی صحبت نیکوں کے ساتھ ہے اگرچہ وہ برا ہو مگر وہ نیک ہے۔ اس لئے کہ نیک کی صحبت اسے نیک بنا دے گی۔ اور اگر اس کی صحبت بروں کے ساتھ ہے اگرچہ وہ نیک ہے مگر برا ہے کیونکہ وہ ان کی برائیوں پر راضی ہے۔ اور جو برائیوں پر راضی ہو اگرچہ وہ نیک ہو برا ہوتا ہے۔

ایک حکایت میں ہے کہ ایک مرد خانہ کعبہ کے طواف میں دعا مانگ رہا تھا کہ اللّٰھم اصلح اخوانی فقیل لہ لم تدع لک فی ھذا المقام یعنی اے خدا میرے بھائیوں کی اصلاح و درستگی فرما۔ لوگوں نے پوچھا اس مقام میں تم اپنے لئے دعا کیوں نہیں مانگتے اپنے دیگر بھائیوں کے لئے کیوں دعا کرتے ہو؟ جواب دیا کہ ان لی اخواناً ارجع الیھم فان صلحوا صلحت معھم وان فسدوا فسدت معھم یعنی میں اپنے بھائیوں کی طرف ہی لوٹ کر جاؤں گا اگر وہ درست ہوئے تو میں ان کی درستگی کی بنا پر ٹھیک ہوں گا اور اگر وہ برے ہی رہے تو ان کی برائیوں کی وجہ سے خود بھی برا ہو جاؤنگا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اپنی درستگی مصلحین کی درستگی پر موقوف ہے۔ لہٰذا میں اپنے بھائیوں کے لئے دعا کرتا ہوں تاکہ میرا مقصد ان سے حاصل ہو جائے۔ اس ارشاد و ہدایت کی بنیاد یہ ہے کہ نفس کی عادت ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے راحت پاتا ہے اور جس گروہ کی بھی وہ صحبت اختیار کرے اس کی ہی عادت و خصلت اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ تمام معاملات ارادہ حق اور ارادہ باطل سے مرکب ہیں۔ وہ جس ارادہ کے معاملات کے ساتھ صحبت رکھے گا اس پر وہی غلبہ کرے گا۔ کیونکہ اس کی ارادت دوسروں کے ارادوں پر مبنی ہے۔ اور طبع و عادت میں ان کی صحبت

بڑا اثر اور خوب غلبہ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ باز (شکاری جانور ہے) آدمی کی صحبت میں سدھ جاتا ہے اور طوطی آدمی کے سکھانے سے بولنے لگتی ہے اور گھوڑا بھی سدھانے سے اپنی بہیمانہ عادت سے آدمی کی عادت اختیار کر لیتا ہے یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ ان میں صحبت کا کتنا غلبہ و اثر ہے۔ اور کس طرح ان کی اپنی تمام عادتیں بدل جاتی ہیں۔ یہی حال تمام صحبتوں کا ہے۔ اسی بنا پر مشائخ طریقت رحمہم اللہ سب سے پہلے صحبت کے حقوق کے خواہاں رہتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک باہمی صحبت کے آداب اور ان کی مراعات فرض کا درجہ رکھتی ہیں۔ آج سے پہلے کے مشائخ کی کثیر جماعت نے مشائخ کرام صحبت کے آداب میں مفصل کتابیں تحریر فرمائی ہیں چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب بنام "تصحیح الارادۃ" اور حضرت احمد بن خضرویہ بلخی رحمہ اللہ نے ایک کتاب "الرعایۃ بحقوق اللہ" اور محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ نے ایک کتاب بنام "بیان آداب المریدین" لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت ابو القاسم الحکیم، حضرت ابوبکر وراق، حضرت سہل بن عبداللہ تستری، حضرت ابو عبد الرحمٰن السلمی، اور حضرت استاذ ابو القاسم قشیری رحمہم اللہ نے بھی اس معنے میں بھرپور کتابیں لکھی ہیں۔ یہ سب کے سب اس فن کے امام ہیں۔ اس کتاب میں میرا مقصود یہ ہے کہ جس کے پاس میری یہ کتاب ہو اسے کسی دوسری کتاب کی حاجت نہ رہے اور اس سے پہلے ہم نے کتاب مذکور کے مقدمہ میں اور تمہارے تیسرے سوال کے بیان میں بتا چکا ہوں کہ میری یہ کتاب تمہارے لئے بھی کافی ہے اور تمام طالبانِ طریقت کے لئے بھی مکتفی ہے۔ اب چند ابواب معاملات مشائخ کے اقسام آداب میں مسلسل لاتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ واللہ اعلم۔

باب آدابِ صحبت کے بیان میں

جبکہ تم نے جان لیا کہ مریدوں کے لئے سب سے اہم ترین چیز صحبت ہے تو لامحالہ صحبت کے حق کی رعایت کرنا فرض ہوا۔ اس لئے کہ مریدوں کے لئے انفرادی اور علیحدگی کی زندگی گزارنا ہلاکت ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد یعنے اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور دو کے ساتھ دور رہتا ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم یعنے تم میں سے جو تین آدمی باہم راز کی باتیں کرتے ہیں ان میں چوتھا اللہ رب العزت ہوتا ہے۔ لہٰذا مرید کے لئے اکیلے رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں ہے۔

میں نے ایک حکایت میں پایا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے مریدوں میں سے ایک کو یہ خیال گزرا کہ میں درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہوں۔ اب مجھے اکیلا رہنا صحبت سے بہتر ہے وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ اور جماعت مشائخ کی صحبت سے کنارہ کش ہو گیا۔ جب رات آئی تو دیکھا لوگ ایک اونٹ لے کر آئے ہیں انھوں نے کہا تمہیں جنت میں رہنا چاہئے وہ اسے اونٹ پر سوار کر کے لے گئے یہاں تک کہ ایسی جگہ ظاہر ہوئی جو بہت اچھی جگہ ہے وہاں خوبصورت لوگ، نفیس کھانے اور پانی کے چشمے رواں ہیں۔ اسے صبح تک وہاں رکھا حالانکہ وہ مرید سو رہا تھا جب وہ بیدار ہوا تو اپنے حجرے میں اپنے آپ کو پایا۔ یہ سلسلہ بدستور اسی طرح روزانہ جاری رہا یہاں تک کہ بشری رعونت و غرور نے غلبہ پایا اور اس کے دل میں جوانی کے گھمنڈ نے اپنا اثر دکھایا اور زبان اس کا دعوےٰ کرنے لگی اور وہ کہنے لگا کہ میری یہ حالت ہوتی ہے۔ لوگوں نے اس کی خبر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچائی آپ

اٹھے اور اس کے حجرے میں تشریف لے گئے اس حال میں پایا کہ اس کے سر میں خواہشیں بھری ہوئی ہیں اور تکبر سے اکڑا ہوا ہے آپ نے اس سے حال دریافت فرمایا اس نے سارا حال بیان کر دیا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یاد رکھ جب تو آج رات وہاں پہنچے تو تین مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہنا چنانچہ جب رات آئی اور اسے حسب سابق لے جایا گیا چونکہ وہ اپنے دل میں حضرت جنید رحمہ اللہ کا انکاری تھا کچھ عرصہ بعد محض تجربہ کے طور پر اس نے تین مرتبہ لاحول پڑھی تو اسے لے جانے والے تمام لوگ چیخ مار کر چھوڑ کر چلے گئے اس نے اپنے آپ کو نجاست خانہ میں پڑا ہوا پایا اور اس کے چاروں طرف مرداروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں تب وہ اپنی غلطی پر واقف ہوا، دل سے اس نے توبہ کی اور ہمیشہ صحبت میں رہنے لگا۔ مرید کے لئے اکیلے رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں ہے۔

شرائطِ صحبت

مشائخ طریقت کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے درجہ کے مطابق پہچانے، بوڑھوں کا ادب احترام کرے، ہم جنسوں سے عمدہ زندگی گزارے، اور بچوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرے۔ چنانچہ بوڑھوں کو آباء کے درجہ میں جانے، ہم جنسوں سے بھائیوں کا سلوک کرے اور بچوں سے اولاد کا سا برتاؤ کرے، کینہ سے بچتا رہے، حسد سے پرہیز کرے اور عداوت سے کنارہ کش رہے، اور ہر ایک کی نصیحت میں کوتاہی نہ کرے صحبت میں ایک دوسرے کی غیبت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قول و فعل میں ایک دوسرے کی خیانت کرنے سے بچتا رہے اس لئے کہ خدا کے لئے صحبت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ بندہ کے کسی قول و فعل پر جب ان سے ظاہر ہو کبیدہ خاطر نہ ہو۔ وہ نہ ہو اور اسے اپنے سے جدا نہ کرے۔

مصنف یعنی سید داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ المشائخ حضرت ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ صحبت کی شرط کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ صحبت میں اپنی خوشی نہ چاہیئے کیونکہ صحبت کی سب سے بڑی آفت یہی ہے کہ ہر ایک اس سے اپنی خوشی کا خواہاں ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے صحبت سے علیحدہ رہنا بہتر ہے۔ اور جب وہ اپنی خوشی کو ترک کرے تب وہ اپنے مصاحب کی خوشیوں کی رعایت کر سکے گا۔ اور صحبت میں کامیابی حاصل کرے گا۔

ایک درویش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کوفہ سے مکہ مکرمہ کے ارادہ سے چلا راستہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی انھوں نے فرمایا صحبت میں ایک امیر ہوتا ہے دوسرا فرماں بردار۔ تم کیا منظور کرتے ہو؟ آیا تم امیر بنتے ہو یا میں؟ میں نے کہا آپ ہی امیر بنیئے۔ انھوں نے فرمایا پھر میرے حکم سے باہر نہ ہونا میں نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو انھوں نے فرمایا بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا۔ انھوں نے کنوئیں سے پانی کھینچا جو بہت سرد تھا پھر لکڑیاں جمع کر کے ایک حلوائی جگہ پر آگ جلائی اور مجھے گرم کیا میں جس کام کا بھی ارادہ کرتا وہ فرماتے بیٹھ جاؤ فرماں برداری کی شرط کو ملحوظ رکھو جب رات ہوئی تو شدید بارش نے گھیر لیا انھوں نے اپنی گدڑی اتار کر کندھے پر ڈال لی اور صبح تک میرے سر پر سایہ کئے کھڑے رہے اور میں شرمندہ ہوتا تھا اور شرط کے مطابق کچھ کہہ نہیں سکتا تھا جب صبح ہوئی تو

میں نے کہا اے شیخ آج میں امیر ہوں گا انھوں نے فرمایا ٹھیک ہے جب ہم منزل پر پہنچے تو انھوں نے پھر وہی خدمت اختیار کی میں نے کہا اب آپ میرے حکم سے باہر نہ ہوجیئے فرمایا فرمان سے وہ شخص باہر ہوتا ہے جو اپنے امیر سے اپنی خدمت کرائے۔ انھوں نے مکہ مکرمہ تک اسی طرح پر میرے ساتھ ہم سفری کی جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں ان کی شرم سے بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ انھوں نے منیٰ میں مجھے دیکھا فرمایا اے فرزند۔ تم پر لازم ہے کہ درویشوں سے ایسی صحبت کرنا جیسی کہ میں نے تمہارے ساتھ کی ہے ۔

حضرت مالک ابن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فخدمته واللہ ما قال لی اُف قط وما قال لی لشیء فعلته لم فعلته ولا لشیء لم افعله لم لا فعلته ۔ یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے خدا کی قسم آپ نے کبھی بھی مجھے اُف تک نہ فرمایا اور نہ میرے کسی کام پر یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور نہ میرے کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا یہ کیوں نہ کیا ۔

لہٰذا تمام درویش دو قسم کے ہیں ایک مقیم دوسرے مسافر۔ اور مشائخ رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مسافر مقیموں کو اپنے سے افضل جانیں۔ اس لئے کہ مسافر جو تصرف پر چلتا ہے اور مقیم حق تعالیٰ کی خدمت میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ مسافروں میں طلب کی علامت ہے اور مقیموں میں پانے کا اشارہ۔ لہٰذا جس نے پا لیا اور بیٹھ گیا وہ افضل ہے اس سے جو ابھی مسافرت طلب کر رہا ہے۔ اور مقیموں کو بھی چاہئے کہ وہ مسافروں کو اپنے پر افضل سمجھیں اس لئے کہ وہ صاحب منازل ہیں۔ اور مسافر علائق سے جدا اور اکیلے ہیں۔ اور نہ راہ طلب کے مسافر ہیں۔ اور نہ دنیا کی حالت وقوف میں ہیں۔ اور بزرگ حضرات کو چاہئے کہ جوانوں کو اپنے پر فوقیت دیں کیونکہ جوان دنیا میں نووارد ہیں اور ان کے گناہ بہت کم ہیں۔ اور جوانوں پر بھی لازم ہے کہ بزرگوں کو اپنے پر فضیلت دیں کیونکہ وہ عبادت میں پہلے سے پہلے ہیں اور خدمت میں مقدم ہیں جب یہ سب باہم اس کا لحاظ رکھیں گے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو یہ دونوں گروہ نجات پا جائیں گے ورنہ ہلاک ہو جائیں گے ۔

حقیقت آداب

فصل

آداب کی حقیقت نیک خصلتوں کو جمع کرنا ہے۔ ادیب کو ادیب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر جو کچھ وارد ہوتا ہے وہ سب خیر ہوتا ہے۔ فالذی اجتمع فیہ خصال الخیر فھو ادیب یعنی جس میں نیک خصلتیں زیادہ ہوں وہ ادیب ہے۔ اور عرف عادت میں وہی شخص ادیب کہلاتا ہے جو علم لغت اور صرف و نحو کو خوب جانتا ہو۔ لیکن صوفیاء کے نزدیک ادب کے یہ معنے بھی ہیں کہ الادب الوقوف مع المستحسنات ومعناہ ان تعامل اللہ فی الادب سرًا وعلانیۃ واذا کنت کذالک کنت ادیبًا وان کنت اعجمیا وان لم تکن کذالک تکون علی ضدہ

یعنے ادب کے معنے یہ ہیں کہ نیک اعمال کے ساتھ برقرار ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ با ادب معاملات رکھے۔ جب تم ایسے ہو جاؤ گے اس وقت ادیب ہو گے اگرچہ تم گونگے ہو، اور اگر تم ایسے نہ ہے تو تم اس کے برخلاف ہو گے۔ کیونکہ معاملات میں الفاظ و تعبیر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اور ہر حال میں عاقل سے عالم زیادہ بزرگ ہوتا ہے۔

کسی نے ایک شیخ طریقت سے استفسار کیا کہ ادب کی کیا شرط ہے، فرمایا میں اس کا جواب اس گفتگو میں دیتا ہوں جسے میں نے سُنا ہے کہ ادب یہ ہوتا ہے کہ جو بات کہو وہ قول صادق ہو جو معاملہ کرو وہ معاملہ پاکی ہو، قول صادق اگرچہ درشت و سخت ہو مگر ملیح ہوتی ہے اور حق معاملہ اگرچہ دشوار ہو مگر نیک ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بات کرو تو اپنے قول میں صداقت تمہاری طرف ہو۔ اور جب خاموش رہو تو اپنی خاموشی میں حق تمہاری جانب ہو

حضرت شیخ ابو نصر سراج صاحب لمعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کیا خوب آداب کا فرق بیان فرمایا ہے کہ الناس فی الادب علی ثلث طبقات اما اھل الدنیا فاکثر ادابہم فی الفصاحۃ والبلاغۃ وحفظ العلوم واسماء الملوک واشعار العرب واما اھل الدین فاکثر ادابہم فی ریاضۃ النفس وتادیب الجوارح وحفظ الحدود وترک الشھوات واما اھل الخصوصیۃ فاکثر ادابہم فی طہارۃ القلوب ومراعات الاسرار والوفاء بالعھود وحفظ الوقت وقلۃ الالتفات الی الخواطر وحسن الادب فی مواقف الطلب واوقات الحضور ومقامات القرب ۔ ادب میں لوگوں کے تین طبقہ ہیں ایک اہل دنیا و۔۔۔ جو فصاحت، بلاغت، حفظ علوم اور بادشاہوں کے نام اور عرب کے اشعار کا نام ادب رکھتے ہیں دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے جو ریاضت نفس، تادیب اعضا، حفظ حدود اور ترک شہوات کا نام ادب رکھتے ہیں اور تیسرا طبقہ اہل خصوصیت کا ہے جو دلوں کی طہارت، اسرار کی مراعات، عہد و پیمان کا ایفاء، وقت کی حفاظت پراگندہ خیالات و خطرات کی طرف قلت توجہ اور مقام طلب، اوقات حضور اور مقامات قرب میں حسن ادب کو ملحوظ رکھنے کا نام ادب رکھتے ہیں یہ تعریف جامع ہے اور اس کی تفصیل اس کتاب میں جگہ جگہ موجود ہے وباللہ التوفیق۔

باب اقامت میں آداب صحبت کا بیان

جب کوئی درویش سفر کے سوا اقامت اختیار کرے تو اس کے ادب کی شرط یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اس کے پاس پہنچے تو وہ احترام و خوشی کے ساتھ پیش آئے اور اسے عزت و تعظیم سے قبول کرے۔ اور ایسا جانے کہ گویا وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا ایک مہمان ہے۔ اور اس کے ساتھ ویسا سلوک کرے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کے ساتھ بے تکلف پیش آتے تھے۔ اور جو کچھ موجود تھا مہمان کے سامنے لاکر رکھ دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فجاء بعجل سمین یعنے وہ ایک فربہ بچھڑا تیار کر کے لائے اور مہمان سے یہ تک دریافت نہ فرمایا کہ کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جا رہے ہو یا کیا نام ہے۔ مہمان کے ساتھ یہ ان کا ادب طریقہ تھا۔ لہٰذا انھوں نے مہمان کا آنا حق تعالیٰ کی جانب سے اور اس کا جانا بھی حق تعالیٰ کی طرف اور اس کا نام بھی بندۂ حق، خیال فرمایا۔ اس کے بعد درویش مقیم یہ دیکھے کہ مہمان خلوت کو پسند کرتا ہے یا صحبت کو۔ اگر وہ خلوت کو پسند کرے تو اس کے

لئے جگہ خالی کر دے اور اگر وہ صحبت کو پسند کرتا ہے تو انس و محبت کے ساتھ بے تکلف صحبت کرے۔ اور جب رات کو مہمان تکیہ پر سر رکھے تو وہ مقیم اس کے ہاتھ پاؤں کو دبائے اگر نہ کرنے دے اور کہے کہ اس کی عادت نہیں ہے تو اس پر اصرار و ضد نہ کرے تاکہ وہ دلگیر نہ ہو۔ دوسرے دن حمام کے لئے عرض کرے تاکہ وہ حمام سے زیادہ ستھرا ہو جائے صابن تولیہ اور دیگر ضروریات کا خیال رکھے اور کسی اجنبی کو اس کی خدمت کرنے کا موقعہ نہ دے مقیم کو لازم ہے حسن عقیدت کے ساتھ اس کی خدمت کرے اور اسے خوب صاف ستھرا بنانے کی پوری پوری کوشش کرے، یہاں تک کہ اس کی کمر اس کے ہاتھ پاؤں کی مالش کرے مہمان داری کے یہی آداب ہیں۔ اور اگر مقیم کی اتنی استطاعت ہو کہ اسے نیا کپڑا پہنا سکے تو اس میں کوتاہی نہ کرے۔ اور اگر نہ ہو تو اس کا تکلف بھی نہ کرے اور اس کے اپنے کپڑوں کو صاف و شستہ کر دے تاکہ جب حمام سے نکلے تو وہ انھیں پہن لے اور جب حمام سے لوٹ کر آئے اور تین دن سے زیادہ نہ گزرے ہوں تو اس شہر کے بزرگ، امام یا جماعت سے ملنے کا اشتیاق دلائے اور اس سے کہے کہ آؤ ہم ان کی زیارت کو چلیں اگر وہ جانے کو بہتر جانے تو ہمراہ جائے اور اگر وہ کہے کہ میرا دل نہیں چاہتا تو اصرار نہ کرے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ طالبان حق کا دل اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ اپنے سفر کے عجائب و غرائب میں سے کوئی بات بیان فرمائیں تو انھوں نے فرمایا سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے میرے ساتھ رہنے کی خواہش کی مگر میں نے اسے قبول نہ کیا اور میرے دل نے اسے نہ چاہا کہ اس وقت حق تعالیٰ کے سوا میرے دل میں کسی اور کی قدر و منزلت ہو اور میں اس کے ادب و احترام کی رعایت کروں۔ البتہ مقیم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مسافر سے پہلے سلام کرے اسی طرح دنیا والوں کے لئے حکم ہے جو بیمار پرسی عیادت یا تعزیت وغیرہ کے لئے جایا جائے۔ اور جس مقیم کو مسافروں سے یہ خواہش ہو کہ انھیں اپنی گدائی کا آلہ بنائے اور اس گھر سے دوسرے گھر لے جائے اس کے لئے یہی سزاوار اور بہتر ہے کہ وہ مہمانوں کی خدمت نہ کرے۔ کیونکہ وہ انہیں ذلیل کرتا ہے اور ان کے دل کو رنج پہنچاتا ہے ۔

اور مجھے یعنے علی بن عثمان جلابی (سید نا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کو اپنے سفروں میں سب سے بڑھ کر سخت رنج و مشقت والی بات ہوتی تھی کہ جاہل خدام اور ناپاک مقیم لوگ کبھی کبھی مجھے اٹھا کر ایک گھر سے دوسرے خواجہ کے گھر لے جاتے یا کسی دہقانی کے گھر لے جاتے تھے حالانکہ میں دل میں اس سے متنفر ہوتا اور انھیں برا بھلا کہتا تھا مگر بظاہر درگزر اور مسامحت سے کام لیتا تھا۔ اور یہ مقیم لوگ جو سلوک میرے ساتھ کرتے اور بے ڈھنگے طور پر میری مدد کرتے تھے اگر میں مقیم ہوتا تو ہرگز مسافروں کے ساتھ ایسا نہ کرتا۔ بے ادبوں کی صحبت کا فائدہ اس سے بڑھ کر اور نہیں ہو سکتا کہ جو بات ان کی تمہیں اچھی معلوم نہ ہو تم بھی اپنے معاملات میں ویسا نہ کرو۔ پھر اگر کوئی درویش مسافر خوش ہو اور کچھ دن رہنا چاہے اور دنیا طلبی کا اظہار کرے تو مقیم کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ہمیشہ اس کی ضرورت کے واسطے اسے آگے کرے۔ اور اگر یہ مسافر مدعی اور بے ہمت ہے تو مقیم کو یہ چاہیئے کہ بے ہمتی کرے اور ناممکن ضرورتوں میں اس کا پیرو ہو کیونکہ جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ رکھا ہوتا ہے ان کا طریقہ یہ نہیں ہوتا ہے۔ کہ جب ضرورت ہوئی تو بازار گئے اور لگے احتیاج جتانے یا امراء کے دروازہ پر پہنچ گئے اور لگے ان سے مدد مانگنے۔ حالانکہ دنیا سے کنارہ کشوں کا ان کی صحبت سے کیا علاقہ ۔

مشائخ کرام بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو ریاضت و مجاہدے کی تعلیم دے رہے تھے ایک مسافر

زیادہ اس کی مدارات میں مشغول ہو گئے اور کھانا لاکر اس کے سامنے رکھ دیا۔ مسافر نے کہا اس کے سوا بھی مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے انھوں نے فرمایا تجھے بازار جانا چاہیئے تھا کیونکہ تو بازاری شخص معلوم ہوتا ہے مساجد خانقاہوں وغیرہ میں سے معلوم نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ میں نے دمشق سے دو درویشوں کے ساتھ حضرت ابن العلاء رحمۃ اللہ کی زیارت کا قصد کیا وہ مکہ مکرمہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے ہم نے آپس میں طے کیا کہ ہر ایک اپنی اپنی سرگزشت کے کسی واقعہ کو یاد کرے تاکہ وہ بزرگ ہمارے باطن کی باتیں بتائیں۔ اور ہمارے اس واقعہ کی مشکلات کو حل کریں۔ چنانچہ میں نے دل میں خیال جمایا کہ میں حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ کے اشعار کو حل کراؤں گا۔ اور اس درویش نے یہ خیال جمایا کہ میں اپنے مرض طحال کے لئے ان سے دعا کراؤں گا اور تیسرے نے کہا کہ مجھے "صابونی حلوہ" چاہیئے۔ چنانچہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے حضرت حسین بن منصور حلاج کے اشعار جلے ہوئے لکھے رکھے تھے وہ میرے سامنے رکھ دیئے اور اس درویش کے پیٹ پر انھوں نے ہاتھ پھیرا اس کی تلی جاتی رہی اور تیسرے سے آپ نے فرمایا تم "صابونی حلوے" کی خواہش رکھتے ہو جو عوام کی غذا ہے۔ حالانکہ تم اولیاء کے لباس میں ملبوس ہو۔ اور اولیاء کا لباس عوامی مطالبہ و خواہش کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ تم دونوں میں سے ایک رخ اختیار کرو۔

لہٰذا مقیم کو ایسے مسافر کی مدارات لازم نہیں جو حق تعالیٰ کے حقوق کی رعایت نہ کرے اور اپنی نفسانی لذتوں کو نہ چھوڑے۔ جب تک کوئی شخص اپنی لذت میں قائم ہے محال ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی لذتوں کو پورا کرنے میں اس کے موافق ہو جب وہ اپنی لذت کو چھوڑ دے گا۔ تب وہ اس لائق ہو گا کہ دوسرا اس کی لذت کو برقرار رکھے۔ تاکہ دونوں اپنے اپنے حال میں راہ پر قائم رہیں اور راہزن نہ بنیں۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما کے درمیان برادری قائم فرمائی تھی۔ اور دونوں اصحاب صفہ کے برگزیدہ افراد میں سے تھے۔ اور ان کے باطنی اسرار کے رؤسا و سرداروں میں سے تھے ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی مزاج پرسی کے لئے آئے تو گھر والوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ تمہارے بھائی ابوذر نہ دن میں کچھ کھاتے ہیں اور نہ رات کو سوتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ کھانے کے لئے لاؤ۔ جب لایا گیا تو حضرت ابوذر سے کہا اے بھائی تمہیں زیبا ہے کہ تم میرے ساتھ موافقت کرتے ہوئے ہمراہ کھاؤ کیونکہ تمہارا یہ روزہ فرض تو نہیں ہے حضرت ابوذر نے ان کی موافقت میں ساتھ کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو کہا اے بھائی سونے میں بھی تم کو میری موافقت کرنی چاہیئے ان لجسدك علیك حق وان لزوجتك علیك حق وان لربك علیك حق تمہارے جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور اپنی بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور اپنے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ دوسرے دن جب حضرت ابوذر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو کل تم سے سلمان نے کہا تھا کہ ان لجسدك علیك حق۔ حضرت ابوذر نے جب اپنی لذتوں کے چھوڑنے پر اقامت فرمائی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کی لذتوں پر قائم کیا اور انھوں نے ان کی خاطر اپنے حق سے درگزر کیا۔ اس بنیاد و اصل میں جو کچھ تم کرو گے صحیح و مستحکم ہوگا۔

ایک زمانہ میں تیرا معاملہ یہ تھا کہ میں دنیاوی مال کو جمع کرنے اور ان کو خرچ کرنے میں مصروف رہا کرتا تھا اس وقت قرض بہت ہو گیا تھا۔ اور جسے جو ضرورت پیش آتی وہ میرے پاس آتا اور میں ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی فکر میں تکلیف اٹھاتا تھا۔ زمانہ کے ایک بزرگ نے مجھے لکھا کہ اے فرزند! خیال رکھنا کہ تمہارا دل خدا سے غافل نہ ہو جائے اور دل کو فارغ رکھنا کیونکہ تم مشغولیت میں مبتلا ہو گئے ہو لہٰذا اگر کوئی دل اپنے دل سے زیادہ عزیز پاؤ تو جائز ہے کہ اس دل کی فراغت میں اپنے آپ کو مشغول کرو ورنہ اس کام اور اس شغل سے اپنا ہاتھ کھینچ لو کیونکہ بندگان خدا کی کفالت خدا کے ذمہ ہے۔ اسی وقت میرے دل میں اس سے فراغت کا جذبہ ظاہر ہو گیا۔ یہ جو مذکور ہوا اس بارے میں تیموں کے احکام تھے اختصار کے ساتھ بیان کر دیئے۔

باب مسافرت میں صحبت کے آداب

جب کوئی درویش اقامت کو چھوڑ کر سفر کو اختیار کرے تو اس کے واسطے احکام یہ ہیں کہ اس کا سفر خدا کے لئے ہو نہ کہ نفسانی پیروی میں، جس طرح ظاہر میں سفر کو اختیار کر رہا ہے اسی طرح باطن میں بھی اپنی نفسانی خواہش سے گریزاں رہے۔ اور ہمیشہ باوضو رہے اور اپنے اوراد و وظائف کو ضائع نہ کرے سزاوار یہی ہے کہ اس کا سفر یا تو ادائے حج کے لئے ہو یا جہاد بالکفار کے لئے یا کسی جگہ کی زیارت یا کہیں دینی فوائد کے حصول یا طلب علم یا کسی بزرگ و شیخ کی زیارت یا کسی شیخ مزار کی زیارت کے لئے اس کا سفر ہو ورنہ وہ اپنے سفر میں خطا کار ہوگا۔ سفر میں گدڑی، جانماز، لوٹا، جوتیاں اور عصا ضرور رکھنا چاہئے۔ تاکہ گدڑی سے ستر چھپائے مصلّے پر نماز پڑھے، لوٹے سے طہارت کرے اور عصا سے آفتوں کو دور کرے اس کے سوا اس کے اور بھی فوائد ہیں اور وضو کے بعد جوتیاں پاؤں میں ڈال کر مصلّے تک آسکے۔ اور کوئی اس کے سوا سنت کی حفاظت میں مزید سامان رکھے مثلاً کنگھا، ناخن تراش، سرمہ دان وغیرہ تو یہ بھی جائز ہے۔ پھر اگر وہ اس سے زیادہ سامان رکھے جیسا کہ بیان ہو چکا تو وہ سوچے کہ کس مقام میں ہے اگر وہ ارادت کی منزل میں ہے تو اس کے لئے ان کے سوا مزید سامان قید، راہ کی بندش، حجاب اور حجاب ہوں گی اور اپنے نفس کی رعونت کے اظہار کا موجب ہو گی۔ اور اگر وہ مقام تمکین و استقامت میں ہے تو اس کے لئے یہ سامان اور اس کے سوا ہر سامان درست ہوگا

میں نے شیخ ابو مسلم فارس ابن غالب فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں ایک دن حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمد رضی اللہ عنہ کے پاس زیارت کے لئے آیا تو انہیں چار پائی کے اوپر تخت پر سوتا ہوا پایا اور ان کا پاؤں ایک دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔ اس وقت مصری چادر اوڑھے ہوئے تھے اور میں ایسا لباس پہنے ہوئے تھا جو جگہ جگہ سے پتھر کی مانند سخت تھا اور تکلیف کی وجہ سے چہرہ اور ریاضت و مشقت اور مجاہدے سے پیلا پڑ رہا تھا۔ میرے دل میں ان کے متعلق انکار کا جذبہ پیدا ہوا اور میں نے خیال کیا کہ یہ بھی درویش ہیں اور ایک میں درویش ہوں۔ یہ تو اس قدر راحت میں ہے اور میں اتنے مجاہدے اور مشقت میں ہوں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ میری باطنی حالت سے باخبر ہو گئے اور میری نخوت کو انہوں نے ملاحظہ فرما لیا۔ پھر مجھ سے فرمایا اے ابو مسلم! تم نے کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اپنے کو دیکھنے والا درویش ہوتا ہے جب میں نے ہر شے میں جلوۂ الٰہی کو دیکھ لیا تو اسی نے مجھے تخت پر بھی بٹھایا۔ اور جب کہ تم خود ہی اپنے آپ کو دیکھنے میں ہو تو اس نے

تمہیں محنت و مشقت میں رکھا ہے میرے مقدر میں مشاہدہ ہے اور تمہارے نصیب میں مجاہدہ. یہ دونوں مقام، رستہ کے مقامات میں سے ہیں. اللہ رب العزت اس سے پاک و منزہ ہے۔ اور درویش وہی ہے جس کا مقام فنا ہو جائے اور احوال سے گزر جائے. شیخ ابو مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے ہوش جاتے رہے اور سارا جہان مجھ پر تاریک ہو گیا جب اپنے آپ میں آیا تو میں نے ان سے معذرت خواہی کی اور انھوں نے مجھے معاف فرما دیا. پھر میں نے عرض کیا اے شیخ مجھے اجازت دیجئے کہ میں جاؤں کیونکہ مجھے آپ کے دیدار کی طاقت نہیں ہے. فرمایا "صدقت یا ابا مسلم" اے ابو مسلم تم نے ٹھیک کہا اس کے بعد انھوں نے میری حالت کی تمثیل میں یہ شعر پڑھا ؎

آنچہ گوشم نتوانست شنیدن بخبر ، ہمہ چشمم بعیاں یکسرہ دیدآں بصر

جو کچھ خبر میرے کان سن نہ سکے ، اسے میری آنکھ نے سرتاپا ظاہر دیکھ لیا

لہٰذا ہر مسافر پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ سنت کی محافظت کرے اور جب وہ کسی مقیم کے پاس پہنچے تو احترام کے ساتھ اس کے پاس جائے. اسے سلام کہے پھر بایاں پاؤں جوتی سے نکالے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے اور جب جوتی میں پاؤں ڈالے تو پہلے داہنا پاؤں ڈالے اس کے بعد دوسرا پاؤں. جب پاؤں دھوئے تو پہلے داہنا پھر بایاں. اور دو رکعت تحیۃ الوضو کے پڑھے پھر وہ درویشوں کے حقوق کی رعایت کی طرف متوجہ ہو. ایسا نہ چاہیئے کہ مقیم کی کسی حالت پر اعتراض کرے یا کسی کے ساتھ زیادتی کرے خواہ معاملات سے متعلق ہو یا گفتگو سے متعلق. اور اپنے سفر کی سختیوں کو بیان نہ کرے نہ اپنے علم کو جتلائے اور حکایات و روایات کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے کیونکہ یہ سب باتیں رعونت کے اظہار کی موجب ہیں. اور لازم ہے کہ جاہلوں کی باتوں کو برداشت کرے اور خدا کے لئے ان کی زیادتیوں پر صبر کرے کیونکہ اس میں بہت برکتیں ہیں. اگر کوئی مقیم یا ان کا کوئی خادم اسے کوئی حکم دے اور اسے کسی کو سلام کرنے یا کہیں کی زیارت کرنے کو بلائے تو جہاں تک ہو سکے انکار نہ کرے لیکن دل میں دنیا داروں کی مروت کی گنجائش نہ ہو. اور برادرانِ طریقت کے فعلوں کی ہر ممکن تاویل و عذر کرے. اور دوسروں پر اپنی کسی حاجت کا رنج نہ آنے دے. اور نہ مقیموں کو بادشاہوں کے دروازوں پر لے جائے. اور مسافر و مقیم اپنی ہر حالت اور اپنی تمام حالتوں میں رضائے الٰہی کا خواہاں رہے. اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن عقیدت رکھنی چاہیئے. اور ایک دوسرے کو برابر سمجھنا چاہیئے اور پس پشت غیبت نہ کرنی چاہیئے. کیونکہ طالبانِ حق کے لئے جب کہ لوگوں کی باتیں کرنا ہی بری بات ہے تو بری بات کہنا تو بڑی بدنصیبی ہے. اس لئے کہ محققین فعل کی شکل میں فاعل کو دیکھتے ہیں اور جب وہ مخلوق کو برا کہے گا تو اس سے اس کے پیدا کرنے والے کی برائی لازم آتی ہے اگرچہ وہ بندہ عیبدار، محجوب اور بے مشاہدہ ہی کیوں نہ ہو فعل پر جھگڑا کرنا فاعل پر جھگڑا کرنا ہے. اور انسانی آنکھ لوگوں پر پڑے تو وہ سب سے دور رہے. اور جانے کہ ساری مخلوق مجبور، مجبور، مغلوب اور عاجز ہے. اور کوئی شخص مشیت الٰہی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ سب خدا کی ہی پیدا کردہ ہے. اور کسی مخلوق کو اس کی ملک میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں اور نہ تبدیلی کی قدرت ہے. اور خدا کے سوا کسی ذات پر کسی کو مطلق قدرت نہیں وباللہ التوفیق ۔

باب آداب غذا

جاننا چاہیئے کہ آدمی کو غذا کے بغیر گزارہ نہیں۔ کیونکہ تقویم بدن وطبع کھانے پینے کے بغیر ممکن نہیں لیکن اس کے استعمال کی شرط یہ ہے کہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور رات دن کھانے پینے میں ہی مشغول نہ رہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ من کان ھمتہ مایدخل فی جوفہ کان قیمتہ مایخرج منہ جو پیٹ میں داخل کرنے کی ہی فکر میں رہتا ہے اس کی قدر وقیمت وہ ہوتی ہے جو اس سے نکلتا ہے۔

اسی لئے سالکان راہ حق کے لئے بسیار خوری سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان رساں نہیں ہے۔ اس سے پہلے اسی کتاب میں بھوک کے باب میں کچھ حصہ بیان کر چکا ہوں۔ اب یہاں صرف کھانے کے بارے میں لکھتا ہوں۔

ایک حکایت میں میں نے پایا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا آپ بھوکے رہنے کی اتنی زیادہ کیوں تعریف فرماتے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ فرعون اگر بھوکا رہتا تو ہرگز نہ کہتا انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے بڑا معبود ہوں) اگر قارون بھوکا رہتا تو باغی نہ ہوتا۔ اور چونکہ لومڑی بھوکی رہتی ہے اس لئے ہر ایک کی زبان پر اس کی تعریف ہے۔ جب پیٹ بھر گیا تو نفاق ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کفار کی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل فسوف یعلمون: انہیں چھوڑ دو جو کھاتے اور عیش کرتے ہیں وہ اپنی خواہشوں میں مگن رہیں عنقریب وہ جان لیں گے۔

نیز ارشاد باری ہے والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لھم یعنی کافر لوگ عیش کرنے اور کھانے میں ایسے ہی ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پیٹ بھر کر حلال کھانا کھانے کے مقابلہ میں شراب سے پیٹ کو پر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا اس لئے شراب سے بھرا ہوا پیٹ عقل یعنی سمجھنے کی طاقت سلب کر دیتی ہے اور شہوت کی آگ کو مار دیتی ہے اور اس کی زبان و ہاتھ سے لوگ محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن جب پیٹ حلال غذا سے پر ہو جاتے تو بیہودہ تمنائیں لاتا اور شہوت کو ابھارتا اور نفس اپنے مقاصد کے حصول میں سر اٹھاتا ہے۔ مشائخ طریقت نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اکلھم کاکل المرضیٰ ونومھم کنوم الغرقی وکلامھم ککلام الثکلیٰ۔ ان کا کھانا بیماروں کی طرح ہے ان کی نیند گہری نیند والوں کی مانند ان کی گفتگو مردہ بچوں کے کلام کی مانند ہوتی ہے۔

لہٰذا کھانے کے آداب کی شرط یہ ہے کہ تنہا نہ کھائے اور جو کھائے دوسروں کو بھی اس میں شریک کرے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شر الناس من اکل وحدہ وضرب عبدہ ومنع رفدہ یعنی سب سے زیادہ برا شخص وہ ہے جو اکیلا کھائے اور اپنے غلام کو مارے اور خیرات سے روکے۔ اور جب دسترخوان پر بیٹھے تو خاموش نہ بیٹھے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے۔ اور کوئی چیز اس طرح نہ رکھیں اور نہ اٹھائیں جسے لوگ ناپسند کریں۔ اور پہلا لقمہ نمکین غذا کا لیں اور اپنے ساتھی کے ساتھ انصاف برتیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے معنٰی لوگوں نے دریافت کئے کہ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" یعنے اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم فرماتا ہے ۔ جواب میں انہوں نے کہا انصاف تو یہ ہے کہ اپنے ساتھی کو کھانے میں شریک کرے اور احسان یہ ہے کہ ساتھی کے کھلانے کو خود پر فضل جانے ۔

میرے شیخ فرماتے تھے کہ میں اس مدعی پر تعجب کرتا ہوں جو کہتا ہے کہ میں تارکِ دنیا ہوں اور حال یہ ہو کہ وہ کھانے کی فکر میں رہتا ہو پھر لازم ہے کہ لقمہ داہنے ہاتھ سے لے اور اپنے لقمہ کے سوا کسی طرف نہ دیکھے ۔ اور کھانے میں پانی کم پیئے اور پانی اس وقت پیئے جب سچی پیاس لگے اور پانی کم پیئے اور اتنا پیئے جس سے جگر تر ہو جائے ۔ اور لقمہ بہت بڑا نہ کرے اور اسے خوب چبائے ۔ کھانے میں جلدی نہ کرے کیونکہ ان باتوں سے ہضمی بد پیدا ہوتی ہے اور سنت کے خلاف بھی ہے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو خدا کی حمد و شکر بجا لائے ۔ اور ہاتھ دھوئے ۔ اگر جماعت میں سے دو یا تین یا زیادہ افراد پوشیدہ طور پر کسی خاص چیز پر مدعو کریں اور چھپا کر ان کو کھلائیں تو بعض مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے ۔ اور مصاحبوں کی خیانت ہے اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار یعنے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں ۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جب اس کی جماعت باہم متفق ہوں تو یہ جائز ہے ۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اکیلے بھی ہو تو جائز ہے کیونکہ ایسے میں انصاف کی شرط نہیں ہے بلکہ انصاف کی شرط تو ایک سے زیادہ افراد کے ساتھ ہوتی ہے اور جب وہ اکیلا ہو تو اس وقت اس سے صحبت کے آداب اٹھ جاتے ہیں اور وہ اس میں ماخوذ نہیں ہوگا ۔

اس میں سب سے بڑی بنیادی بات مذہب کی یہ ہے کہ کسی درویش کی دعوت کو رد نہ کرے اور کسی دنیادار کی دعوت کو قبول نہ کرے اور نہ ان کے گھر جائے اور نہ ان سے کچھ مانگے ۔ کیونکہ اہلِ طریقت اسے مداہنت جانتے ہیں ۔ اس لئے کہ دنیادار درویش کے محرم اور ہم جنس نہیں ہیں ۔ اور یہ کہ انسان سامان کی کثرت کی بنا پر دنیادار نہیں بنتا ہے ؛ ورنہ سامان کی کمی سے درویش بنتا ہے اور جو تونگری کو فقر پر فضیلت نہیں دیتا وہ دنیادار نہیں ہے اگرچہ بادشاہ ہو ۔ اور جو فقر کا منکر ہے وہ دنیادار ہے اگرچہ وہ مضطر و بے قرار ہو اور جب کسی دعوت میں جائے تو کسی چیز کے کھانے اور نہ کھانے میں تکلف نہ برتے ۔ اور وقت کے مطابق روش اختیار کرے ۔ اور جب صاحبِ دعوت محرم ہو تو اسے جائز ہے کہ بچا ہوا کھانا گھر والوں کے لئے اٹھا لے اور اگر نامحرم ہو تو بچا ہوا کھانا گھر میں لے جانا جائز نہیں لیکن کسی حال میں پس خوردہ نہ چھوڑنا افضل ہے کیونکہ حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ الزلۃ ھی الذلۃ یعنے پس خوردہ بچانا ذلت ہے ۔ وباللہ التوفیق واللہ اعلم بالصواب ۔

باب چلنے کے آداب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونًا الآیہ ؛ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ قدم چلتے ہیں یعنے تواضع و انکساری سے چلتے ہیں ۔

طالبِ حق پر لازم ہے کہ وہ اپنے چلنے پر ہمیشہ خیال رکھے کہ جو قدم وہ اٹھاتا ہے وہ اپنی طاقت سے اٹھاتا ہے یا خدائی طاقت سے ۔ اگر یہ

گمان ہو کہ اپنی طاقت سے ہے تو استغفار کرے اور اگر اس پر یقین ہو کہ خدا کی ہی طاقت سے ہے تو اسے شکر کرنا چاہیئے تاکہ غیبن پر زیادہ ضائع نہ ہو۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن انھوں نے دوا پی۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ تھوڑی دیر مکان کے صحن میں تشریف رکھیئے تاکہ دوا کا اثر و فائدہ ظاہر ہو۔ فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے پوچھا جائے کہ تو نے اپنے نفس کی خاطر چند قدم کیوں اٹھائے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے وتشهد ارجلهم بما كانوا يكسبون یعنی ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔

لہٰذا درویش کو لازم ہے کہ جب راہ چلے تو سر جھکائے مراقبہ میں رہے اور کسی طرف نظر نہ اٹھائے۔ اور راستہ میں کوئی شخص اس کے برابر گزرے بجز اپنے کپڑے بچانے کے اور اس کے نیچے نہ آئے ... اور اگر اسے معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کافر ہے یا اس پر ظاہری نجاست ہے تو ... دامن کو سمیٹ لے۔ اور جب جماعت کے ساتھ چلے تو آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ آگے بڑھ کر چلنا تکبر کی علامت ہے۔ اور پیچھے رہنے کی بھی کوشش نہ کرے کیونکہ پیچھے رہنا تواضع کی زیادتی ہے چونکہ تواضع کی زیادتی کو دیکھنا بھی عین تکبر ہے۔ اور کوشش کرے کہ جوتیوں کو جہاں تک ہو سکے ظاہری نجاست سے بچائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کے کپڑوں کو رات میں محفوظ رکھے۔ اور جب کسی جماعت یا کسی ایک درویش کے ساتھ جا رہا ہو تو راستہ میں کسی اور کے ساتھ بات کرنے کے لئے نہ ٹھہرے اور انھیں انتظار میں کھڑا نہ رکھے۔ اور چلنے میں آہستہ آہستہ روش سے چلے جلدی نہ کرے کیونکہ دوڑنا حریصوں کا کام ہے۔ اور زیادہ آہستہ بھی نہ چلے کیونکہ ایسا چلنا متکبروں کا کام ہے۔ اور قدم پورا رکھے۔

غرضکہ ہر طالب حق کی رفتار ایسی ہو کہ اگر کوئی اس سے پوچھے کہ کہاں جا رہے ہو تو وہ بلا تامل کہہ سکے کہ انی ذاهب الی ربی سیهدین یعنی بلاشبہ میں خدا کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے ضرور ہدایت فرمائے گا۔ اگر اس کی رفتار ایسی نہ ہو تو یہ اس کے لئے وبال ہے۔ اس لئے کہ قدموں کی درستگی خطرات سے محفوظ رہنے کی نشانی ہے۔ لہٰذا جو اپنا فکر صحیح رکھتا ہے تو حق تعالیٰ اس کے قدموں کو اس کے ... کا پیرو کر دیتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا بغیر مراقبہ کے درویش کی رفتار غفلت کی نشانی ہے کیونکہ وہ جس پر ہوتا ہے دو قدم سے معلوم ہو جاتا ہے یعنی ایک اپنے نصیب پر قدم رکھتا ہے اور دوسرا فرمان الٰہی پر قدم رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ ایک سے قدم اٹھاتا ہے اور دوسرے پر قدم رکھتا ہے۔ اور طالب کی رفتار مسافت کو طے کرنے کی علامت ہے۔ اور قرب حق مسافت نہیں ہے۔ اور جب اس کا قرب مسافت نہیں تو طالب کو سکون کے محل میں قدموں کے ذریعہ قطع مسافت کے بغیر کیا چارہ ہے واللہ ولی التوفیق۔

باب سفر و حضر میں سونے کے آداب

واضح رہنا چاہیئے کہ مشائخ طریقت رحمہم اللہ کا اس معنے میں اختلاف بہت ہے لیکن کسی گروہ کے نزدیک یہ بات مسلم نہیں کہ مرید کو سونا نہ چاہیئے بجز نیند کے غلبہ کی حالت میں اور وہ نیند کو دور نہ کر سکتا ہو۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے النوم اخو الموت (نیند موت کا بھائی ہے)

لہذا زندگانی و حیات اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور موت بلا۔ لامحالہ بلا کے مقابلہ میں نعمت مشرف بزرگ ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اطلع الحق فقال علیٰ من نام غفل ومن غفل حجب یعنے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اپنی اطلاع میں فرمایا ہے کہ جو سویا غافل ہوا اور جو غافل ہوا محجوب رہا۔ اور ایک گروہ کے نزدیک جائز ہے کہ مرید بالقصد سوئے اور نیند کو جبر سے لائے۔ اس وقت جبکہ وہ احکام الٰہی کو پورا کرچکا ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رفع القلم عن ثلث عن النائم حتیٰ یستیقظ وعن الصبی حتیٰ یحتلم وعن المجنون حتیٰ یفیق : یعنے تین شخصوں پر سے قلم ہی اٹھا لیا گیا ہے ایک سونے والے سے جب تک کہ بیدار ہو، دوسرے بچے سے جب تک کہ بالغ ہو، تیسرا دیوانے سے جب تک کہ وہ ہوش میں آئے۔ مطلب یہ کہ جب تک بندہ سوتا رہتا ہے بیدار ہونے تک قلم تقدیر اٹھا ہوا رہتا ہے اور مخلوق اس کی برائی سے محفوظ رہتی ہے اور اس کے اختیارات ناقص اور اس کا نفس معزول رہتا ہے اور کراماً کاتبین اس کے نامۂ اعمال کی تحریر سے آرام پکڑتے ہیں اور اس کی زبان دعاوی، جھوٹ اور غیبت سے رکی رہتی ہے اور اس کا ارادہ محجوب رہتا ہے جیسا کہ ہوتا ہے لا یملك لنفسه ضرا ولا نفعا ولا موتا ولا حیاتا ولا نشورا یعنے سونے والا اپنی جان کے نقصان و نفع اور موت و حیات اور اٹھنے کا مالک نہیں رہتا۔ اسی بنا پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لا شئی اشد علےٰ ابلیس من نوم العاصی فاذا نام العاصی یقول متی ینتبه ویقوم حتیٰ یعصی اللہ یعنے شیطان پر گنہگار کے سونے سے بڑھ کر کوئی چیز سخت نہیں جب گنہگار سو جاتا ہے تو کہتا ہے کون ہے جو اسے بیدار کرے اور وہ خدا کی معصیت میں مبتلا ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی بن سہل اصفہانی سے اس بارے میں اختلاف ہے حضرت علی بن سہل نے حضرت جنید بغدادی رحمہما اللہ کو ایک لطیف معنے کا خط لکھا آپ نے اسے سن کر اختلاف فرمایا حضرت علی بن سہل نے اپنے خط میں اپنی دلیل ظاہر کی کہ نیند غفلت و آرام کا موجب ہے اس سے بچنا چاہیئے اس لئے کہ محب کو دن رات میں کبھی نیند و آرام نہیں ہوتا۔ اگر اس حال میں سو جائے تو وہ اپنے مقصود و مراد سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی غافل بن جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ یاداؤد کذب من ادعیٰ محبتی فاذا جنه اللیل نام عنی اے داؤد وہ شخص میری محبت کا جھوٹا دعوےٰ کرتا ہے جس پر رات کا اندھیرا چھا جائے اور وہ مجھ سے سو جائے۔ اور میری محبت کو چھوڑ دے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس خط کے جواب میں تحریر کرایا کہ واضح رہنا چاہیئے کہ ہماری بیداری، راہ حق میں ہمارا معاملہ ہے۔ اور ہماری نیند حق تعالیٰ کا ہم پر فعل ہے۔ لہٰذا ہماری بے اختیاری میں جو کچھ ہم پر گزرتا ہے وہ سب ہم پر حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ ہماری طرف سے ہمارا اختیار حق تعالیٰ کے تحت تصرف ہے۔ والنوم موهبة من اللہ تعالیٰ علی المحبین لہذا محبوں پر نیند حق تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق صحو و سکر سے ہے اس جگہ یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے لیکن یہ بات تعجب خیز ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تو صاحب صحو مرد تھے مگر اس جگہ سکر کی تقویت فرمائی۔ ممکن ہے کہ آپ اس وقت مغلوب الحال ہوں اور اسی غلبہ کی حالت میں یہ بات زبان مبارک سے نکل گئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا مسلک اس کے برخلاف ہو کیونکہ نیند خود بنفسہ صحو ہے اور بیداری عین سکر۔ اس لئے کہ نیند آدمی کی صفت ہے اور جب تک آدمی اپنی صفتوں کے سایہ میں رہتا ہے وہ صحو کے ساتھ منسوب ہوتا ہے

ورنہ سونا حق تعالیٰ کی صفت ہے اور جب آدمی صفت حق کے سایہ میں ہوتا ہے تو وہ اسکے ساتھ منسوب ہوتا ہے، اور وہ مغلوب ہوتا ہے۔

میں نے مشائخ کرام کی ایک جماعت دیکھی ہے جو نیند کو بیداری پر فضیلت دیتی ہے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت میں کیونکہ اکثر اولیائے کرام بزرگان دین اور بکثرت انبیائے عظام علیہم السلام پر ہمیشہ نیند کا ظہور ہوتا تھا۔ ہمارے نبی کریم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کا ارشاد بیان فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ یباھی بالعبد الذی ینام فی سجودہ یقول اللہ للملئکۃ انظروا الی عبدی روحہ فی محل النجوی وبدنہ علی بساط العبادۃ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے جو اپنے سجدے میں سو جائے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے دیکھو میرے بندے کی طرف اس کی روح محو سے ہمراز ہے اور اس کا بدن عبادت کے فرش پر ہے۔

نیز رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں۔ من نام علی الطھارۃ یوذن لروحہ ان یطوف بالعرش ویسجد اللہ تعالیٰ جو شخص باوضو سوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اجازت دیتا ہے کہ وہ عرش کا طواف کرے اور وہاں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے۔

میں نے ایک حکایت میں دیکھا ہے کہ حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ چالیس سال بیدار رہے پھر جب ایک رات سوئے تو خواب میں حق تعالیٰ کا دیدار ہوا اس کے بعد پھر ہمیشہ اسی امید پر سوتے رہے۔ اسی معنے میں قیس عامری کا شعر ہے ؎

وانی لاستنعس ومالی نعسۃ ۔ لعل خیالا منک یلقی خیالا

یعنی میں بالقصد سوتا ہوں حالانکہ مجھے نیند نہیں آتی ہوتی۔ شاید کہ خواب میں تیرے خیال سے ملاقات ہو جائے۔

اور ایک گروہ کو میں نے اس پر دیکھا ہے کہ وہ بیداری کو خواب پر فضیلت دیتے ہیں حضرت علی بن سہل کی موافقت میں۔ اس لئے کہ مرسلین علیہم السلام کو وحی اور اولیاء کو کرامات بیداری میں ہی ہوتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ لو کان فی النوم خیراً لکان فی الجنۃ نوم یعنے اگر نیند افضل ہوتی تو یقیناً جنت میں نیند ہوتی۔ مطلب یہ کہ نیند میں اگر کوئی خوبی ہوتی یا محبت کے لئے قربت کی علت ہوتی تو یقیناً جنت میں جو قربت کا مقام ہے نیند ہوتی۔ اور چونکہ بہشت میں نہ حجاب ہے نہ نیند تو ہم نے جانا کہ نیند میں حجاب ہے۔

ارباب لطائف فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب نیند آئی تھی تو ان کے بائیں پہلو سے حوا کو پیدا فرمایا تھا اور ان کی تمام بلاؤں کا سرچشمہ یہی حوا تھیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا یابنی انی اری فی المنام انی اذبحک یعنے اے میرے فرزند میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کہا اے والد ماجد ھذا جزاء من نام عن حبیبہ یعنے یہ اپنے حبیب سے سو جانے کا بدلہ ہے۔ لولم تنم لما امرت بذبح الولد یعنے اگر آپ نہ سوتے تو آپ کو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ لہٰذا آپ کی خواب آپ کو تو بے اولاد بناتی ہے اور مجھے بے جان کرتی ہے۔ لیکن بوقت ذبح میری تکلیف تو ایک لمحہ کی ہے اور بے اولاد ہونے کی تکلیف آپ کے لئے دائمی ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ ہر رات نمک کے پانی سے تر کر کے سلائی سامنے رکھ لیتے تھے جب نیند غلبہ کرتی وہ اس سلائی

کو اپنی آنکھوں پر پھیرا کرتے تھے۔

میں سید علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ جب وہ فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہوتے تو سو جاتے اور میں نے شیخ ابو محمد سمرقندی کو بخارا میں دیکھا کہ وہ چالیس سال تک رات بھر نہ سوتے۔ دن میں تھوڑی دیر سو جاتے تھے۔ اس مذہب کو ان کا سے رجوع منسوب ہے۔ کیونکہ جسے زندگانی کے مقابلہ میں موت زیادہ عزیز ہو اسے لازم ہے کہ نیند کے مقابلہ میں بیداری کو زیادہ عزیز رکھے اور جسے موت کے مقابلہ میں زندگانی زیادہ عزیز ہو اسے زیبا ہے کہ وہ بیداری کو نیند کے مقابلہ میں زیادہ عزیز رکھے لہٰذا تو تکلف سے بیدار رہنے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ قدر و قیمت تو اسے ہے جو سے بیدار رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ فرما کر بلند تر مقامات پر فائز فرمایا آپ نے نہ نیند میں تکلف فرمایا اور نہ بیداری میں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ قم اللیل الا قلیلاً نصفہ یعنے رات کو کم قیام فرمائیے آدھی رات تک۔ نیز نہ اس کی کچھ قیمت ہے جو نیند میں تکلف برتتے ہیں اور نہ اس کی قیمت ہے جو بیداری کی مشقت برداشت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل نے اصحاب کہف کو برگزیدہ فرمایا اور انہیں مقام اعلےٰ پر پہنچایا اور ان کی گردن سے کفر کا لباس اتارا۔ وہ نہ خواب کا تکلف کرتے تھے نہ بیداری کا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان پر ایسی خواب طاری فرمائی کہ ان کے اختیار کے بغیر اللہ تعالیٰ ان کی پرورش فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے و تحسبہم ایقاظاً و ہم رقود و نقلبہم ذات الیمین و ذات الشمال الایہ یعنے تم گمان کرتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ داہنے بائیں انہیں پہلو بدلتا ہے اور وہ دونوں حالت میں بے اختیار ہیں۔

جب بندہ اس درجہ میں پہنچ جائے جہاں اس کا اختیار جاتا رہے اور اس کے ہاتھ کھانے پینے سے اٹھ جائیں اور اس کی تمام ہمتیں چیزوں سے جدا ہو جائیں پھر اگر وہ سوئے یا جاگے ہر حالت میں عزیز ہوتا ہے۔ لہٰذا مرید کے لئے نیند کی شرط یہ ہے کہ اپنی پہلی نیند کو اپنی عمر کی آخری نیند جانے، گناہوں سے بچے اور دشمنوں کو راضی کرے، با طہارت رہے، داہنے پہلو پر رو بقبلہ ہو کر سوئے، دنیاوی کام ٹھیک رکھے اور نعمت اسلام کا شکر بجا لائے۔ اور عہد کرے کہ اگر بیدار ہوا تو پھر گناہوں کی طرف نہ جاؤں گا۔ لہٰذا جو شخص اپنی بیداری میں کاموں کو درست رکھتا ہے اس کے لئے خواب ہو یا موت دونوں میں کوئی اندیشہ نہیں۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک بزرگ ایک ایسے امام کے پاس آتے تھے جو مرتبہ و عزت اور نفس کی رعونت میں مبتلا تھا وہ بزرگ اس سے کہتے کہ اے فلاں شخص تجھے مرجانا چاہئے اس کلمہ سے امام کا دل رنجیدہ ہوتا تھا اور وہ کہتا یہ گدا ہمیشہ مجھے یہی بات کہتا ہے۔ کل کو میں اس سے پہلے کہوں گا جب وہ دوسرے دن وہ بزرگ آئے تو اس امام نے کہا اے فلاں تمہیں مرجانا چاہئیے اس بزرگ نے مصلےٰ بچھایا اور سر کو زمین پر رکھا اور کہا میں مرتا ہوں اور اسی وقت اس بزرگ کی روح پرواز کر گئی۔ اس واقعہ میں امام کو یہ تنبیہ تھی کہ جان لے کہ یہ بزرگ جو مرجانے کو کہتا تھا دیکھ لے کہ میں اس طرح مرتا ہوں۔

میرے شیخ رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں کو اس کی ہدایت فرماتے تھے کہ نیند کے غلبہ کے وقت سونا چاہیئے۔ اور جب بیدار ہو جاؤ تو دوبارہ سونا

کیونکہ اسم تو یاد کرنا ہے اور بندہ کو نیند غفلت لاتی ہے۔ اس معنے میں گفتگو طویل ہے واللہ اعلم بالصواب۔

باب گفتگو اور خاموشی کے آداب

اللہ عزوجل فرماتا ہے ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً الخ ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارے اور نیک کام کرے۔ نیز فرمایا قول معروف یعنے نیک بات کہو۔ اور فرمایا قولوا آمنا یعنے کہو کہ ہم ایمان لائے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ نے بندوں کو اچھی بات کہنے کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار اس کی حمد و ثنا، مخلوقِ خدا کو دعوت و تبلیغ وغیرہ گویائی حق تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لئے بڑی نعمت ہے۔ اسی سے آدمی دیگر مخلوقات سے ممتاز ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ولقد کرمنا بنی آدم (بنی آدم کو ہم نے مکرم بنایا) مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنے گویائی عطا فرمانے کے ہیں لہٰذا اگرچہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے گویائی ظاہر نعمت ہے لیکن اس کی آفت بھی بہت بڑی ہے کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اخوف ما اخاف علیٰ امتی اللسان یعنے میری اُمت کی سب سے خوفناک چیز زبان ہے۔ غرضکہ گفتار شراب کی مانند ہے جس سے عقل مدہوش ہوتی ہے آدمی جب اس کے پینے یعنے گفتگو میں پڑ جائے تو اس سے اس کا نکلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو اس سے بچا بھی نہیں سکتا چونکہ اہلِ طریقت کو معلوم ہے کہ گفتار آفت ہے بجز انتہائی ضرورت کے بات نہیں کرتے یعنے ابتداء اور انتہا میں گفتگو پر قابو رکھتے ہیں۔ اگر کل گفتگو حق کے لئے ہو تو کلام کرتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا پختہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے اور ان لوگوں کو بہت برا سمجھتے ہیں جو حق تعالیٰ کو ایسا نہ جانیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ام یحسبون انا لانسمع سرھم ونجوٰھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون: کیا یہ کافر گمان کرتے ہیں کہ ان کے بھیدوں اور رازوں کو سنتے نہیں، ہاں! ہمارے فرشتے بھی ان کے پاس سب کچھ لکھ رہے ہیں میں عالم الغیب ہوں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من صمت نجی۔ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ لہٰذا خاموشی میں بہت فوائد و فتوح ہیں اور بولنے میں بکثرت آفت۔

مشائخ کرام رحمہم اللہ کا ایک گروہ بولنے پر خاموشی کو افضل جانتا ہے اور ایک گروہ خاموشی پر بولنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ان میں سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الفاظ و عبارات سراسر دعاوی ہیں جس وقت معانی کا اثبات ہو جاتا ہے تو دعاوی یعنے الفاظ و عبارات جاتے رہتے ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اختیاری حالت میں قول کے ساقط ہونے میں معذور ہو جاتا ہے یعنے لقا کی حالت میں خوف کی وجہ سے باوجود بولنے پر قادر ہونے کے وہ بولنے میں معذور ہوتا ہے اور اس کا نہ بولنا معرفت کی حقیقت کے لئے کوئی حرج نہیں پیدا کرتا۔ اور کسی وقت میں بھی بندہ بے معنے محض خالی دعووں میں معذور نہیں ہوتا اس کا حکم منافقوں کی طرح ہوتا ہے لہٰذا بے معنے دعوے نفاق ہے۔ اور بغیر دعوے کے معنے اخلاص ہے۔ لان من اسس بنیانہ علےٰ بیان لایستغنی عن اللسان ومن اسس بنیانہ علےٰ عیان استغنی فیما بینہ وبین ربہ

من اللسان یعنے جب بندہ پیراستہ کُھل جاتا ہے تو وہ گفتار سے بے نیاز ہو جاتا ہے اس لئے کہ جس معنے کی وہ خبر دے گا اس کے الفاظ و عبارات غیر ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ سبحنہ بے نیاز ہے کہ احوال کی تفسیر اپنے غیر کے ذریعہ کرائے۔ اور اس کا غیر اس لائق نہیں کہ اس کی طرف التفات کیا جائے یہ کلام حضرت جنید رحمۃ اللہ کے قول کی تائید کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ من عرف اللہ کلّ لسانہ یعنے جس نے حق تعالیٰ کو دل سے پہچانا اس کی زبان بیان سے عاجز ہو گئی کیونکہ اظہار بیان میں حجاب دکھائی دیتا ہے ۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ وہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کھڑے ہو کر نعرہ مارا "یا مرادی" اور حق تعالیٰ کی طرف اشارہ کیا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے فرمایا اے ابوبکر اگر تمہاری مراد حق ہے تو یہ اشارہ کیوں ہے، کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے اور اگر تمہاری مراد حق نہیں ہے تو تم نے خلاف کیوں کیا، کیونکہ حق تعالیٰ تمہارے قول کے بموجب علیم جاننے والا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ نے اپنے کلام پر استغفار کیا ۔

وہ گروہ جو کلام کو خاموشی پر فضیلت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اپنے احوال کے بیان کا حق تعالیٰ کی طرف سے ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ دعوٰی معنے کے ساتھ قائم ہے۔ مثلاً اگر کوئی ہزار برس تک قلب و تحرو سے حق تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہو اور کوئی امر مانع بھی نہ ہو تو جب تک اپنی معرفت کا اقرار زبان سے نہ ہو اس کا حکم کافروں کا سا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو شکر اور حمد و ثنا بجالانے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا واما بنعمۃ ربك فحدث یعنے اپنے رب کی نعمتوں کو خوب بیان کرو۔ اور حمد و ثنا اور بیان نعمت بندہ کا کلام ہوتا ہے لہٰذا ہمارا کلام کرنا حق تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعونی استجب لکم (مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا) نیز فرمایا اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (میں دعا کرنے والے کی دعا کو جبکہ وہ دعا مانگے قبول کرتا ہوں) وغیرہ ذالك ۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کو اپنے حالات کے بیان کی قدرت نہ ہو اس کے حالات ہی نہیں۔ اس لئے کہ گویائی کا وقت بھی گویا ایک وقت ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎ لسان الحال افصح من لسانی ، وصمتی عن سوالی ترجمانی

یعنے میری زبان سے زیادہ فصیح میرے حال کی زبان ہے اور میرے سوال کی ترجمانی میری خاموشی کر رہی ہے

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں کرخ تشریف لے گئے انھوں نے ایک مدعی کو یہ کہتے دیکھا السکوت خیر من الکلام فقال الشبلی سکوتك خیر من کلامك وکلامی خیر من سکوتی لان کلامك لغو وسکوتك ھزل وکلامی خیر من سکوتی لان سکوتی حلم وکلامی علم یعنے اس مدعی نے کہا خاموشی بولنے سے بہتر ہے اس پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تیری خاموشی تیرے بولنے سے بہتر ہے اور میرا بولنا میری خاموشی سے بہتر ہے اس لئے کہ تیرا بولنا لغو ہے اور تیری خاموشی بیکار، اور میرا بولنا میری خاموشی سے اس لئے بہتر ہے کہ میری خاموشی میں حلم و بردباری ہے اور میرے بولنے میں علم و معرفت ہے۔ کیونکہ اگر علم سے نہیں بولتا ہوں تو میرا حلم اس پر غالب ہوتا

ہے اگر حلم سے بولوں تو میرا علم اس پر غالب ہوتا ہے جب نہیں بولتا ہوں تو میں حلیم و بردبار ہوتا ہوں اور جب بولتا ہوں تو علیم جانے والا ہوتا ہوں
میں یعنے علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ کلام بھی دو طرح کا ہوتا ہے اور خاموشی بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کلام حق اور ایک کلام باطل۔ اسی طرح ایک سکوت مقصود و مشاہدہ کے حاصل ہونے کے بعد اور ایک غفلت کی بنا پر۔ لہذا ہر شخص کے لئے یہ اور خاموش رہنے کی حالت میں اپنے گریبان میں موٹھ ڈال کر غور کرے اگر اس کا بولنا حق ہے تو اس کا بولنا اس کی خاموشی سے بہتر ہے اور اگر اس کا بولنا باطل ہے تو اس کی خاموشی بولنے سے بہتر ہے اور اگر حجاب غفلت کی بنا پر ہو تو بھی بولنا خاموشی سے بہتر ہے۔ ایک جہان اس کے سننے میں حیران و سرگردان ہے۔

کچھ مدعی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی ہوس میں معانی سے خالی الفاظ و عبارات کو ہاتھ میں لے رکھا ہے اور کہتے پھرتے ہیں کہ بولنا، خاموشی سے افضل ہے۔ اور کچھ جاہل لوگ ایسے ہیں جو کنوئیں کے مقابلہ میں منارہ تک کو نہیں جانتے اور اپنی جہالت کی وجہ سے خاموشی کے قید خانہ میں رہ کر کہتے ہیں کہ خاموشی بولنے سے بہتر ہے۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کی مانند ہیں لہذا کسے گویا کہیں اور کسے خاموش کہیں۔ من نطق اصاب او غلط ومن انطق عصم من الغلط۔ جو بولتا ہے وہ یا تو درست ہو گا یا غلط اور جو بلوایا جاتا ہے اسے خطا و خلل سے بچایا جاتا ہے چنانچہ ابلیس علیہ اللعنۃ نے کہا انا خیر منہ میں آدم سے بہتر ہوں (معاذ اللہ) اور حضرت آدم علیہ السلام کو یوں بلوایا گیا کہ ربنا ظلمنا انفسنا۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

لہذا مشائخ طریقت اپنے بولنے میں اجازت یافتہ اور برقرار ہیں اور اپنی خاموشی میں شرم زدہ اور مجبور ہیں من کان سکوتہ حیاءً کان کلامہ حیوۃ یعنے جس کی خاموشی شرم سے ہو اس کا کلام دلوں کی زندگی ہے۔ اس لئے کہ ان کا کلام دیدار سے ہے اور جو کلام بغیر دیدار کے ہو وہ موجب ذلت و رسوائی ہے۔ ایسے وقت نہ بولنا بولنے سے افضل سمجھتے ہیں۔ تاکہ اپنے آپے میں رہیں اور جب غائب ہو جاتے ہیں تو لوگ ان کے قول کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک بزرگ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ من کان سکوتہ لہ ذھبا کان کلامہ لغیرہ مذھبا یعنے جس کے لئے خاموشی سونا ہو تو اس کا کلام دوسروں کے لئے مذہب بن جاتا ہے۔ لہذا طالب حق پر لازم ہے اس کا غور و فکر بندگی میں ہو تو خاموش رہے تاکہ اس کی زبان جب بولے تو ربوبیت کے ساتھ بولے اور حق کی بات کہے۔ اور اس کے الفاظ و عبارات مریدوں کے دلوں کا شکار کرے۔

گفتگو و کلام کا ادب یہ ہے کہ بے حکم نہ بولے اور جو حکم ہو وہی بولے اور خاموشی کا ادب یہ ہے کہ وہ جاہل نہ ہو اور نہ جہالت پر راضی ہو غفلت میں نہ رہے۔

مرید پر لازم ہے کہ مشائخ کے کلام میں دخل و تصرف نہ کرے اور نادر و پریشان کن عبارتیں نہ بیان کرے۔ اور اس زبان سے جس سے کلمہ شہادت پڑھا اور توحید کا اقرار کیا ہے اس سے جھوٹ اور غیبت نہ بولنی چاہیئے مسلمانوں کو رنج نہ پہنچائے اور درویشوں کو محض نام لے کر نہ پکارے اور جب تک اس سے معلوم نہ کرلو کچھ نہ کہو۔ لہذا بات کرنے میں پہل نہ کرے۔ اور اس درویش پر خاموشی شرط ہے جو باطل پر خاموش نہ رہے

سکے ۔ اور گفتگو کی شرط یہ ہے حق کے سوا کچھ نہ کہے ۔ اس کی اصل و فرع اور لطائف بہت ہیں لیکن میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے واللہ اعلم بالصواب ۔

باب سوال کے آداب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لایسئالون الناس الحافاً یعنے لوگوں سے گڑ گڑا کر سوال نہ کرو اور جب کوئی انسان سوال کرے تو اسے منع نہ کرو کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا واما السائل فلا تنہر یعنے سائل کو نہ جھڑکو ۔ جہاں تک ممکن ہو خدا کے سوا کسی سے سوال نہ کرو اس لئے کہ غیر خدا کو سوال کا محل نہیں بنایا گیا ہے اس لئے کہ سوال سے حق تعالیٰ کی طرف سے غیر خدا کی طرف التفات پایا جاتا ہے ۔ اور جب بندہ حق تعالیٰ سے رو گرداں ہو تو خطرہ ہے کہ اسے بھی کہیں محل اعراض میں نہ چھوڑ دے ۔

میں نے ایک حکایت میں دیکھا ہے کہ کسی دنیادار نے حضرت رابعہ عدویہ سے کہا اے رابعہ مجھ سے کچھ مانگ تاکہ میں اسے پورا کروں اس نے کہا اے شخص میں دنیا کے پیدا کرنے والے سے شرم کرتی ہوں کہ دنیا کو مانگوں ۔ تو کیا اپنے جیسے سے مانگنے میں مجھے شرم نہ آئے گی ۔

روایت کرتے ہیں کہ ابو مسلم کے زمانہ میں صاحب دعوت نے ایک درویش کو بے گناہ چوری کے الزام میں پکڑوا دیا ۔ انہوں نے اسے قید میں رکھا جب رات آئی تو ابو مسلم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا اے ابو مسلم مجھے خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ اس کے ایک دوست کو تیرے جیل خانہ میں بے جرم ڈلوا دیا ہے اٹھ اور اسے باہر نکال ۔ ابو مسلم خواب سے بیدار ہوئے اور ننگے سر اور ننگے پاؤں جیل خانہ کو دوڑتے ہوئے گئے حکم دے کر جیل خانہ کا دروازہ کھلوایا اور اس درویش کو باہر لے کر آئے اور اس سے معافی مانگی اور کہا اگر کوئی حاجت ہو تو بتاؤ درویش نے کہا اے میر ! بس خدا کی یہ شان ہو کہ وہ آدھی رات کے وقت ابو مسلم کو بستر سے جگا کر بھیجے اور اسے بلا سے رہائی دلوائے اسے لائق ہے کہ وہ دوسروں سے سوال کرے اور حاجت مانگے ۔ ابو مسلم رونے لگے اور وہ درویش اس کے سامنے سے چلا گیا ۔

پھر ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ جائز ہے کہ درویش لوگوں سے سوال کرے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لایسئالون الناس الحافاً لوگوں سے گڑ گڑا کر سوال نہ کرو ۔ اس میں اشارہ ہے کہ سوال تو کرو مگر گڑ گڑاؤ نہیں ۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سوال فرمایا اور ہمیں بھی ارشاد فرمایا کہ اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ یعنے اپنی ضرورتوں کو خوب احسان کرنے والے چہروں سے مانگو

دیگر مشائخ کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تین غرض کے لئے سوال جائز ہے ایک یہ کہ دل کی فراغت کے لئے ضروری ہو ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہم دو روٹیوں کی قیمت نہیں رکھتے اور دن رات اس کا انتظار کرتے ہیں ۔ اور ہم حالت اضطرار و بے قراری میں اللہ تعالیٰ سے اس کے سوا کوئی حاجت نہیں ہوتی اس لئے کہ کھانے کے انتظار کی مشغولیت سے بڑھ کر اور کوئی مشغولیت نہیں ہے ۔ اسی بنا پر جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ نے اپنے مرید شفیق رحمہ اللہ کی بابت دریافت کیا جبکہ وہ مرید زیارت کے لئے آئے تھے اس نے کہا شفیق کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور توکل پر بیٹھ گئے ہیں حضرت بایزید رحمہ اللہ نے فرمایا جب تم جاؤ تو شفیق سے کہنا کہ دیکھو دو روٹیوں کی خاطر خدا کو نہ آزمانا جب تم بھوکے ہو

تو ڈور روٹی کسی ہم جنس سے مانگ لینا۔ اور توکل کے نام کو ایک طرف رکھ دینا۔ تاکہ تمہاری ولایت کی آبادی اپنے ایک معاملہ کی بدبختی سے زمین پر نہ آجائے یعنی برباد نہ ہو جائے ۔

سوال کی دوسری غرض یہ ہے کہ نفس کی ریاضت کے لئے سوال کیا جائے تاکہ اسے ذلت و رسوائی حاصل ہو اور دل پر رنج کو پیدا کریں اور اپنی قدر و قیمت کو جانے کہ دوسروں کی نظر میں اس کی کیا قدر و قیمت ہے تاکہ تکبر نہ کرے اور مصیبت میں نہ ڈالے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت شبلی علیہ الرحمۃ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے پاس آتے تو حضرت جنید نے فرمایا اے ابوبکر تمہارے دماغ میں ابھی تک یہ گھمنڈ ہے کہ میں خلیفہ کے خاص الخاص کا فرزند ہوں اور سامرہ کا امیر ہوں یہ تمہارے کچھ کام نہ آئے گا جب تک تم بازار میں جا کر ہر ایک سے دست سوال نہ پھیلاؤ گے اس وقت تک اپنی قدر و قیمت نہ جان سکو گے چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور روزانہ بازار میں ان کی قدر و قیمت گھٹتی گئی یہاں تک کہ چھ سال میں اس حال کو پہنچ گئے کہ انہیں بازار میں کسی نے کچھ نہ دیا پھر آئے اور یہ حال حضرت جنید رحمہ اللہ سے عرض کیا آپ نے فرمایا اے ابوبکر اب تم اپنی قدر و قیمت کو پہچانو کہ لوگوں کی نظر میں تمہاری کوئی قیمت نہیں ہے۔ لہٰذا تم ان لوگوں کو دل میں جگہ نہ دو اور ان کی کچھ منزلت نہ سمجھو۔ یہ معنیٰ ریاضت کے لئے تھے نہ کہ کسب کیلئے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میرا ایک رفیق تھا اللہ تعالیٰ نے اسے بلایا اور اسے دنیاوی نعمت سے اخروی نعمتوں میں پہنچا دیا میں نے اسے خواب میں دیکھا اس سے کہا تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس خصلت کی بنا پر؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھایا اور فرمایا اے میرے بندے تُو نے بخیلوں اور کمینہ لوگوں کی بڑی اذیتیں برداشت کی ہیں تُو نے اُن کے آگے ہاتھ پھیلایا اور تُو نے صبر سے کام لیا اس بنا پر تجھے بخشتا ہوں ۔

سوال کی تیسری غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احترام کے لئے لوگوں سے سوال کرے اور تمام دنیاوی اموال کو خدا ہی کا جانے اور ساری مخلوق کو اس کا وکیل سمجھے اور جو چیز اپنے نفس کے نصیب کی ہو خدا کے وکیلوں سے مانگے بات تو لوگوں کے ساتھ کرے اور نظر حق تعالیٰ کی طرف ہو۔ جب بندہ اپنے آپ کو ایسا بنا لیتا ہے تو احترام اُسی سے جو وکیل سے مانگتا ہے وہ طاعت میں حق تعالیٰ سے زیادہ نزدیک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسوں کا غیر سے سوال کرنا حق تعالیٰ سے اپنے حضور و توجہ کی علامت ہوتی ہے۔ نہ یہ غیبت ہے نہ حق تعالیٰ سے روگردانی ۔

میں نے ایک حکایت پڑھا پایا ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی تھی۔ ایک دن لڑکی نے اپنی ماں سے کہا مجھے فلاں چیز چاہیئے اس کی والدہ نے کہا خدا سے مانگو لڑکی نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہش خدا سے مانگوں تم جو کچھ دو گی وہ بھی اسی کی جانب سے ہوگا اور وہ میری تقدیر کا حصہ ہوگا۔ لہٰذا سوال کے آداب یہ ہیں کہ اگر سوال کا مقصود پورا ہو جائے تو اس سے زیادہ خوش نہ ہونا چاہیئے کہ وہ پورا نہ ہوا۔ اور لوگوں کو درمیان میں نہ دیکھے اور عورتوں اور بازار والوں سے سوال نہ کرو۔ اور اپنا بھید ایسے شخص کے سوا جس کے مال کے حلال ہونے پر تجھے اعتماد ہو کسی سے نہ کہو۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے اپنے نصیب پر سوال نہ کرو۔ اور اس میں زیبائش اور گھر دالانہ بنانا چاہیئے۔ اسے اپنی ملکیت نہ بناؤ وقت کا تقاضا سمجھو اور کل کی بات دل پر نہ لکھو تاکہ دائمی ہلاکت میں ماخوذ نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنی گدائی کا ذریعہ نہ بناؤ اور نہ اپنے

آپ کو ایسا پایا۔ سا بناؤ کہ پارسائی کی وجہ سے کچھ زیادہ دیں۔

صاحب مرتبہ ایک بزرگ کو میں نے دیکھا کہ جنگل سے فاقہ زدہ اور سفر کی مشقت جھیلے ہوئے بازار کوفہ میں آیا اور اپنے ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائی ہوئی تھی وہ کہتا تھا اس چڑیا کے لئے مجھے کچھ دے دو لوگوں نے کہا اے شخص یہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا یہ محال ہے کہ میں یہ کہوں کہ خدا کے لئے مجھے کچھ دے دو دنیا کے لئے ادنےٰ چیز ہی کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے یہ بہت سے تھوڑا ہے۔ اس باب میں جو شرطیں تھیں طوالت کے خوف سے اختصار کے ساتھ بیان کر دیں واللہ اعلم۔

باب نکاح کرنے اور مجرد رہنے کے آداب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھن لباس لکم وانتم لباس لھن : بیویاں تمہارے لباس ہیں اور تم بیویوں کے لباس ہو۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیٰمۃ ولو بالسقط : مسلمانو نکاح کرو اور اولاد کی کثرت کرو کیونکہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ امتوں پر میں فخر کروں گا اگرچہ اولاد کا حمل ساقط ہی کیوں نہ ہو جائے۔

نیز فرمایا ان اعظم النساء برکۃ اقلھن مئونۃ واحسنھن وجوھاً واحصنھن فروجاً، سب سے بڑی برکت والی عورت وہ ہے جس کا بوجھ کم ہو، خوبصورت چہرہ ہو اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہو۔

یہ صحیح احادیث میں ہے کہ تمام مرد و عورت پر ہر حال میں نکاح مباح ہے۔ ہر مرد و عورت پر فرض ہے کہ حرام سے بچیں۔ اور سنت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے عیال کے حقوق پورے کرے۔ اور مشائخ کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ شہوت کو دور کرنے اور دل کی فراغت حاصل کرنے کے لئے نکاح کرنا چاہیئے۔ اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ نسل کو برقرار رکھنے کے لئے نکاح کرنا چاہیئے تا کہ اولاد ہو اگر وہ اولاد باپ کے سامنے دنیا میں مر جائے تو وہ باپ کی شفاعت کرے گی اور اگر باپ اولاد کے سامنے مر جائے تو اولاد اس کے لئے دعا گو رہے گی۔

حدیث میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدتنا ام کلثوم دختر سیدتنا فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیام نکاح ان کے والد سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کو دیا اور ان سے درخواست کی۔ حضرت علی مرتضےٰ نے فرمایا وہ تو بہت چھوٹی ہے اور آپ بہت بزرگ ہیں۔ میری نیت تو یہ ہے کہ اسے اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہلوایا کہ اے ابو الحسن بڑی عمر کی عورتیں تو جہان میں بہت ہیں میری مراد حضرت ام کلثوم سے دفع شہوت نہیں ہے بلکہ اثبات نسل ہے کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کل نسب وحسب ینقطع بالموت الا نسبی وحسبی ویروی کل سبب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی یعنے موت کے ساتھ ہر حسب و نسب منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا حسب و نسب باقی رہتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے ہر سبب و نسب منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا حسب و نسب باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اس وقت مجھے سبب تو حاصل ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ نسب بھی حاصل ہو جائے

دونوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں مضبوط ہو جاؤں چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیدتنا ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو
رت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا اور حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہما ان سے پیدا ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تنکح النساء
لاربع علی المال والحسب والحسن والدین فعلیکم بذات الدین فانہ ما استفاد امرء بعد الاسلام خیر من زوجۃ
منہ موافقۃ یسر بہا اذا انظر الیہا: عورتوں سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے مال، حسب، حسن اور دین کی وجہ سے، لہٰذا تم پر لازم
ہ دین والی عورتوں کو اختیار کرو، کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد سب سے بہتر فائدہ جو حاصل ہو سکتا ہے وہ مومنہ اور موافقت والی بیوی ہے
سے اس کا دل خوش ہو جب اسے دیکھے ۔

یہاں تک کہ مرد مومن اس سے انس پاتا اور اس کی صحبت میں دین میں تقویت پاتا ہے اور دونوں باہم محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑی
شت تنہائی کی ہوتی ہے اور سب سے بڑی راحت صحبت میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الشیطان مع الواحد :
ے اکیلے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب مرد یا عورت اکیلے رہتے ہوں تو ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو ان کے دل میں
ہوت کو ابھارتا ہے اور حرمت اماں کے حکم میں کوئی صحبت نکاح کرنے سے بہتر نہیں ہے اگر یک جنسی اور موافقت ہے تو اس میں کچھ بھی سختی
شغولیت نہیں رہتی اور جب عورت غیر جنس کی ہو تو درویش کو چاہیئے کہ پہلے اپنے دل میں غور کرے اور تنہائی کی آفتوں اور اس نکاح کے
میان دل میں سوچے کہ اس کے دل سے کونسی آفت دور کرنا آسان ہے اسی کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ مجرد و تنہا رہنے میں دو آفتیں ہیں
سنتوں میں سے ایک سنت کا ترک ہے دوسرے دل میں شہوت کو پالنا ہے۔ اور حرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی طرح نکاح کرنے میں
بھی دو آفتیں ہیں ایک غیر خدا کے ساتھ دل کی مشغولیت ہے دوسرے نفسانی لذت کے لئے تن کو مشغول کرنا ہے۔ اس مسئلہ کی اصل و بنیاد
لت و صحبت یعنے خلوت و جلوت کی طرف لوٹتی ہے۔ جو شخص خلق کی صحبت چاہتا ہے اس کے لئے نکاح کرنا شرط ہے اور جو عزلت یعنے خلوت و
نشینی کا خواہاں ہے اسے مجرد رہنا مناسب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیروا سبق المفردون یعنے دیکھو مجرد لوگ تم پر سبقت
ے گئے۔ حضرت حسین بن ابی الحسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجا المخفون وھلک المثقلون یعنے ہلکے لوگوں نے نجات پائی
ور بوجھ والے ہلاک ہوئے ۔

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بزرگ کی زیارت کے لئے ایک آبادی میں گیا جب میں ان کے گھر پہنچا تو ان کے
ھر کو نہایت پاکیزہ دیکھا جس طرح کہ اولیائے کرام کا عبادت خانہ ہوتا ہے اور اس مکان میں دو محرابیں تھیں ایک محراب کے گوشہ میں وہ بزرگ
شریف فرما تھے اور دوسری محراب میں ایک بوڑھی پاکیزہ روشن چہرہ والی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اور دونوں کثرت عبادت سے بوڑھے ہو چکے تھے
یرے آنے پر انھوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تین دن ان کے یہاں رہا جب میں نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو میں نے اس بزرگ سے پوچھا یہ
پاکدامن عورت تمہاری کون ہے؟ فرمایا ایک رشتہ سے یہ میری چچازاد ہے اور دوسرے رشتہ سے یہ میری اہل خانہ ہے۔ میں نے عرض کیا ان

تین دنوں میں میں نے صحبت میں بڑی غیریت اور بیگانگی دیکھی فرمایا ٹھیک ہے۔ پینسٹھ سال گزر گئے اسی طرح رہتے ہوئے۔ میں نے عرض کیا اس کی وجہ بھی بیان فرمایئے، فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم بچپنے میں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے تھے اس کے والد نے اسے مجھے دینا منظور نہ کیا کیونکہ ہماری باہمی محبت اسے معلوم ہو گئی تھی ایک عرصہ تک محبت کا رنج اٹھاتے رہے یہاں تک کہ اس کا والد فوت ہو گیا چونکہ میرے والد اس کے چچا تھے انہوں نے اسے مجھے دے دیا جب پہلی رات ہم دونوں یکجا ہوئے تو اس نے مجھ سے کہا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیسی نعمت سے سرفراز کیا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے ملا دیا اور ہمارے دلوں کو ناخوشگوار ابتلا و آفت سے فارغ کر دیا میں نے کہا ٹھیک ہے اس نے کہا لہٰذا ہمیں آج کی رات اپنے آپ کو نفسانی خواہش سے باز رکھنا چاہیئے چہ جائیکہ اپنی مراد کو پاؤں کے نیچے لایا جائے اس نعمت کے شکر میں ہمیں خدا کی عبادت کرنی چاہیئے میں نے کہا ٹھیک ہے دوسری رات بھی یہی کہا تیسری رات میں نے کہا گزشتہ دو راتیں تو میں نے تمہارے شکر میں گزاری ہیں آج رات تم میرے شکر میں بھی عبادت کرو اس طرح ہم پینسٹھ سال گزار چکے ہیں اور ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی ہیں اور نہ باہم چھوا ہے۔ اور ساری عمر نعمت کے شکر میں گزار دی ۔

لہٰذا جب درویش صحبت کا قصد کرے تو لازم ہے کہ وہ بیوی کو حلال رزق مہیا کرے اور اس کے مہر کو حلال کمائی سے ادا کرے۔ تاکہ حق تعالیٰ کے حقوق اور بیوی کے حقوق جو خدا نے فرض کئے ہیں اس کے ذمہ باقی نہ رہے۔ اپنے نفس کی لذت کی خاطر اس سے مشغول نہ ہو۔ جب اپنے فرائض کو ادا کرے تب اس سے ہم بستر ہو اور اپنی مراد کو اس سے پورا کرے۔ اور حق تعالیٰ سے بطور مناجات دعا مانگے کہ اے خدا جہان کی آبادی کے لئے تو نے آدم کی سرشت میں شہوت پیدا کی ہے اور تو چاہتا ہے کہ یہ باہم صحبت کریں، اے رب مجھے اس صحبت سے دو چیزوں کا فائدہ پہنچا ایک یہ کہ حرص حرام کو حلال سے بدل دے۔ دوسرا یہ کہ مجھے فرزند صالح، ولی و رضی عطا فرما۔ ایسا فرزند نہ دے جو میرے دل کو تجھ سے مشغول و غافل بنا دے ۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ ان کے ایک فرزند پیدا ہوا وہ بچہ بچپنے میں اپنی ماں سے کھانے کے لئے جو چیز بھی مانگتا اس کی ماں کہتی خدا سے مانگ۔ وہ بچہ محراب میں چلا جاتا اور سجدہ کرتا اس کی ماں چھپا کر اس کی خواہش پوری کر دیتی کہ بچہ کو معلوم نہ ہو کہ ماں نے یہ دیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی یہ عادت بن گئی۔ ایک دن بچہ مدرسہ سے آیا تو اس کی ماں موجود نہ تھی عادت کے مطابق سر سجدہ میں رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اس کی خواہش تھی ظاہر فرما دی۔ ماں جب آئی تو اس نے اسے دیکھا اس نے پوچھا اے بیٹے یہ چیز کہاں سے آئی؟ اس نے کہا وہیں سے جہاں سے روزانہ آتی ہے ۔

حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس اگر گرمی میں تشریف لاتے تو سردی کے میوے اور اگر سردی میں تشریف لاتے تو گرمی کے میوے ان کے پاس رکھے ہوئے دیکھتے اس پر تعجب سے دریافت فرماتے ہیں انّٰی لکِ ھٰذا قالت ھو من عند اللہ یعنے یہ کہاں سے تمہارے پاس آیا؟ جواب دیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۔

درویش کو لازم ہے کہ سنت کے استعمال کے وقت دل کو دنیا اور حرام اور شغل کی طلب میں مبتلا نہ کرے کیونکہ درویش کی ہلاکت اس

ہے دل کی خرابی میں ہے۔ جس طرح کہ مال وزر کی خرابی، گھر اور خاندان کی خرابی میں ہے۔ اس کا بدل ہو سکتا ہے لیکن درویش کی خرابی کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ ہمارے زمانہ میں ناممکن ہے کہ کسی کو زیادہ حاجت فضول اور محال چیز کے طلب کے بغیر موافقت کرنے والی بیوی میسر آئے۔ اسی بناء پر ایک گروہ مجبور رہنے اور ملکار رہنے کو پسند کرتا ہے۔ وہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر الناس فی آخر الزمان خفیف الحاذ قیل یا رسول اللہ وما خفیف الحاذ قال الذی لا اھل لہ ولا ولد لہ۔ یعنے آخر زمانہ میں سب سے اچھے لوگ وہ ہوں گے جو خفیف الحاذ ہوں عرض کیا گیا یا رسول اللہ خفیف الحاذ کیا ہے فرمایا وہ جس کے نہ بیوی ہو اور نہ بچے۔

نیز فرمایا سیروا سبق المفردون یعنے دیکھو اکیلے لوگ تم پر سبقت لے گئے۔

مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ جن کے دل آفت سے خالی ہوں اور ان کی طبیعت شہوت معاصی کے ارتکاب کے ارادہ سے روگرداں ہو ایسے مجرد لوگ افضل و بہتر ہیں اور عام لوگ ارتکاب معاصی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو (معاذ اللہ) سند بنا لیتے ہیں کہ فرمایا حبب الی من دنیاکم ثلث الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنے تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے محبوب بنائی گئی ہیں۔ ایک خوشبو دوسری عورتیں تیسری نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائی گئی۔

مشائخ فرماتے ہیں جسے عورت محبوب ہو اسے نکاح کرنا افضل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لی حرفتان الفقر والجہاد یعنے میرے دو کسب ہیں ایک فقر دوسرا جہاد۔ لہٰذا اس حرفت و کسب سے کیوں ہاتھ اٹھاتے ہو اگر عورت محبوب ہے تو یہ ان کی حرفت و کسب ہے۔ لہٰذا اپنی اس حرص کو کہ تمہیں عورت زیادہ محبوب ہے۔ اس کی نسبت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کرنا محال ہے۔ جو شخص پچاس سال تک اپنی حرص کا پیرو رہے اور وہ گمان رکھے کہ سنت کی پیروی ہے وہ بڑی غلطی پر ہے۔ غرضکہ سب سے پہلا فتنہ جو حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں مقدر کیا گیا اس کی اصل بھی عورت ہے۔ اور دنیا میں سب سے پہلے جو فتنہ ظاہر ہوا اس کا سبب بھی یہی عورت تھی یعنے ہابیل و قابیل کا فتنہ۔ اور آج تک جب بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عذاب دے تو اس کا سبب بھی عورت ہی ہے۔ غرضکہ تمام دینی و دنیاوی فتنوں کے اسباب عورتیں ہی ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء یعنے میرے بعد مردوں کے لئے سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا فتنہ عورتوں سے بڑھ کر میں نے نہیں چھوڑا۔ لہٰذا عورتوں کا فتنہ جبکہ ظاہر میں اتنا ہے تو اپنے باطن میں کتنا ہو گا۔

اور مجھے یعنے علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی گیارہ سال نکاح کی آفت سے خدا نے محفوظ رکھنے کے بعد میری تقدیر نے اس فتنہ میں مبتلا کر دیا اور بے دیکھے میرا ظاہر و باطن پری صفت کا اسیر بن گیا اور ایک سال اس میں ایسا غرق رہا کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمالِ لطف و فضل سے عصمت کو میرے ناتواں دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی والحمد للہ علی جزیل نعمائہ۔

غرضکہ طریقت کی بنیاد مجرد رہنے پر رکھی گئی ہے جب نکاح ہو جاتا ہے تو حال دگرگوں ہو جاتا ہے۔ شہوت کے لشکر سے بڑھ کر کوئی لشکر اتنا غارت گر نہیں ہے مگر یہ کہ شہوت کی آگ کو خوب کوشش سے بجھانا چاہیئے۔ اس لئے کہ جو آفت بھی تم پر ابھرتی ہے اس کے دور کرنے کا ذریعہ بھی تم میں ہی موجود ہوتا ہے کوئی غیر نہیں ہے جو تم سے وہ صفت دور کرے۔ شہوت کا دور ہونا دو چیزوں سے ہوتا ہے ایک یہ کہ تکلف کے تحت دور ہو دوسرے یہ کہ کسب و مجاہدہ سے باہر ہو لیکن جو تحت تکلف ہے وہ آدمی کی طاقت ہے کہ وہ بھوکا رہے اور جو تکلف یعنے کسب و مجاہدہ سے باہر ہے وہ یا تو بے چین کرنے والا خوف ہے یا سچی محبت، جو آہستہ آہستہ جمع ہوتی اور مجتمع ہو کے تمام اجزاء میں غالب اور سرایت کر جاتی ہے اور تمام حواس کو اس کے وصف سے نکال دیتی ہے اور بندہ کو مکمل جلا کر کے بیہوشی کو اس سے فنا کر دیتی ہے۔

حضرت احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ علیہ جو ما وراء النہر میں میرے رفیق تھے اور برگزیدہ بندے تھے ان سے لوگوں نے دریافت کیا، کیا آپ کو نکاح کی ضرورت پیش آئی؟ فرمایا نہیں، پوچھا کیسے؟ فرمایا اس لئے کہ میں اپنے حالات میں یا تو اپنے سے غائب ہوتا ہوں یا اپنے سے حاضر ہوتا ہوں، جب میں غائب ہوتا ہوں تو مجھے دونوں جہان کی کوئی چیز یاد نہیں رہتی اور جب حاضر ہوتا ہوں تو میں اپنے نفس پر ایسا قبضہ رکھتا ہوں کہ جب ایک روٹی ملے تو وہ سمجھتا ہے کہ ہزار حوریں مل گئیں۔ لہٰذا دل کی مشغولیت بہت بڑا کام ہے جس طرح چاہو اسے رکھو۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ ہم مجرد رہنے اور نکاح کرنے میں بھی اپنے اختیار کو علیحدہ رکھنے میں یہاں تک کہ پردۂ غیب سے تقدیر کا جو حکم بھی ظاہر ہو اگر ہماری تقدیر مجرد رہنے میں ہے تو ہم پارسائی کی کوشش کرتے ہیں اور اگر نکاح کرنے میں ہے تو ہم سنت کی پیروی کرتے ہیں اور دل کو فارغ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ کی حفاظت شامل حال ہو تو بندہ کا مجرد رہنا یوسف علیہ السلام کی مانند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے زلیخا کے ورغلانے کے وقت باوجود مراد پر طاقت و قوت رکھنے کے پھر اپنی مراد سے مونھ پھیر لیا۔ اور اس وقت بھی اپنے نفس کے عیوب کو دیکھنے اور نفسانی خواہش پر غلبہ پانے میں مصروف ہو گئے۔ اور جب نکاح کرنا ہوتا ہے تو وہ حضرت خلیل علیہ السلام کے نکاح کرنے کے مانند ہو جاتا ہے کیونکہ انھیں حق تعالیٰ پر مکمل بھروسہ و اعتماد تھا اور بیوی کی مشغولیت بھی انھیں مشغول نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ جب حضرت سارہ نے رشک کا اظہار کیا اور غیرت پیدا ہوئی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو لے کر بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ دیا اور انھیں خدا کے حوالہ کر دیا اور اُن سے رُخ پھیر لیا تاکہ حق تعالیٰ اپنی حفاظت میں جس طرح چاہے ان کی پرورش فرمائے لہٰذا بندہ کی ہلاکت نہ نکاح کرنے میں ہے اور نہ مجرد رہنے میں۔ کیونکہ اس کی بلا تو اپنے اختیار کو برقرار رکھنے اور اپنے نفس کی پیروی کرنے میں ہے۔

عیالدار کے ادب کی شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی ورد فوت نہ ہو اور اس کے احوال ضائع نہ ہوں اور نہ اوقات پراگندہ ہوں۔ اپنی اہل کے ساتھ شفقت کرے اور انہیں حلال نفقہ مہیا کرے۔ اور ان کے نفقہ کی ادائگی کے لئے ظلم کرنے والوں اور بادشاہوں کی رعایت نہ کرے یہاں تک کہ اگر فرزند ہو تو اس کا بھی یہی لحاظ رکھے۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ حضرت احمد بن حرب نیشاپوری رضی اللہ عنہ ایک دن نیشاپور کے امراء رؤساء کے ساتھ جو اُن کو سلام کے لئے

آئے تھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا شراب پیئے ہوئے مستانہ وار ساز بجاتا ہوا گانے والیوں کے ساتھ ان کے سامنے سے گزر گیا۔ جب نے بھی اسے دیکھا اس کا حال متغیر ہو گیا حضرت احمد رحمہ اللہ نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو ان سے دریافت فرمایا تمہارا حال کیوں متغیر ہو گیا ہے انھوں نے کہا یہ لڑکا اس بیباکی کے ساتھ آپ کے سامنے سے گزرا ہے جس سے ہم پریشان ہو گئے ہیں کہ اس نے آپ کا بھی خوف نہیں کیا، آپ نے فرمایا وہ معذور ہے اس لئے کہ ایک رات ہم نے اپنے اور اپنی بیوی کے کھانے کے لئے ہمسایہ سے کوئی چیز لی تھی اور ہم دونوں نے اسے کھایا اور اسی رات ہم بستر ہوئے اس بچہ کا استقرار ہوا تھا پھر ہم پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئے اس رات ہمارے ورد فوت ہو گئے۔ صبح کو ہم نے اس کی تفتیش کی اور اس ہمسایہ کے پاس پہنچکر دریافت کیا کہ جو چیز بھیجی تھی وہ کہاں سے آئی تھی ہمسایہ نے کہا وہ کھانا ایک شادی کا تھا جب ہم نے جستجو کی تو معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کے یہاں سے گئے ہوئے تھے۔

اور مجرد رہنے کے ادب کی شرط یہ ہے کہ آنکھوں کو ناشائستہ باتوں سے محفوظ رکھے اور نہ دیکھنے والی چیز کو نہ دیکھے اور نہ سننے والی آواز کو نہ سنے اور نہ سوچنے والی بات کو نہ سوچے۔ اور شہوت کی آگ کو بھوکے رہ کے بجھائے۔ اور دل کو دنیا اور اس کی آفات کی مشغولیت سے محفوظ رکھے اور نفسانی خواہش کو علم الہام کی بات نہ کہے اور شیطانی فریبوں کی تاویلیں نہ گھڑے۔ تاکہ طریقت کی راہ میں مقبول ہو، یہ تھی صحبت و معاملات کے آداب جسے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا واللہ اعلم۔

صوفیاء کے کلام اور اُن کے الفاظ و معانی کے حقائق کے بیان میں

دسویں حجاب کا کشف

جاننا چاہیئے اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت کرے کہ ہر اہل صنعت اور ہر معاملہ والوں کے اپنے اسرار کے اظہار و بیان کے لئے خاص اشارات و کلمات ہیں جنہیں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ اور ان الفاظ و عبارات کی وضع کرنے سے ان کی دو چیزیں مراد ہیں ایک یہ کہ خوبی سمجھایا جائے اور مشکلات کو آسان کیا جائے۔ تاکہ مرید کی سمجھ سے زیادہ قریب ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اسرار کو ان لوگوں سے چھپایا جائے جو علم والے نہیں ہیں اور اس کے دلائل واضح ہیں۔ جیسے کہ اہل لغت کے مخصوص الفاظ و عبارات ہیں جنہیں انھوں نے وضع کیا ہے مثلاً فعل ماضی، فعل مستقبل، صحیح، معتل، اجوف، لفیف اور ناقص وغیرہ اور اہل نحو کے بھی مخصوص الفاظ و عبارات ہیں جن کو انھوں نے وضع کیا ہے مثلاً رفع و ضمہ یعنے پیش، فتح و نصب یعنے زبر، خفض و کسر یعنے زیر، جزم و جر، منصرف اور غیر منصرف وغیرہ۔ اہل عروض کی بھی اپنی وضع کردہ مخصوص عبارتیں ہیں مثلاً بحور و دوائر، سبب، وتد اور فاصلہ وغیرہ۔ محاسبیوں کی بھی اپنی وضع کردہ مخصوص عبارتیں ہیں جیسے فرد، زوج، ضرب، قسمت، کعب، جذر، اضافت، تضعیف، تنصیف، جمع اور تفرقہ وغیرہ۔ فقہاء کی بھی اپنی وضع کردہ مخصوص اصطلاحیں ہیں مثلاً علت، معلول، قیاس، اجتہاد، دفع،

اور التزام وغیرہ۔ محدثین کی بھی اپنی وضع کردہ مخصوص اصطلاحیں ہیں مثلاً مسند، مرسل، احاد، متواتر، جرح و تعدیل وغیرہ۔ متکلمین کی بھی اپنی وضع کردہ مخصوص اصطلاحیں ہیں مثلاً جوہر، کل، جزو، جسم، حدث، جبر، حیز اور ہیولیٰ وغیرہ لہٰذا اہل طریقت کے بھی اپنے وضع کردہ الفاظ ہیں جن سے اپنا مطلب و مقصود ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ طریقت میں اس کا استعمال کریں۔ اور وہ جسے چاہیں اپنے مقصود کی راہ دکھائیں۔ اور جس سے چاہیں اسے چھپائیں۔ لہٰذا میں ان میں سے بعض الفاظ و کلمات کی تشریح بیان کرتا ہوں اور کلمہ کا فرق بیان کرتا ہوں کہ ان کی اس سے کیا مراد ہے تاکہ تمہیں اور اس کتاب کے پڑھنے والے کو فائدہ حاصل ہو اور میرا نیک مقصد پورا ہو جائے انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال اور وقت اور اُن کا فرق

لہٰذا اہل طریقت کی اصطلاحات میں سے ایک حال ہے اور دوسرا وقت ہے ان کو بیان کرنے کے ساتھ ان کا فرق بھی ظاہر کرتا ہوں:۔

چنانچہ وقت اہل طریقت کے درمیان بہت مشہور لفظ ہے اور مشائخ کرام کی اس میں بہت بحثیں ہیں مگر میری مراد تحقیق و اثبات ہے نہ کہ بیان کی طوالت۔ لہٰذا وقت اسے کہتے ہیں کہ بندہ اس کے سبب ماضی و حال و مستقبل سے فارغ ہو جائے چنانچہ بندے کے دل پر حق تعالیٰ کی جانب سے جو واردات ہوں وہ ان کے اسرار کو دل میں محفوظ و جمع رکھے جس طرح کہ کشف و مجاہدے میں ہوتا ہے اسے نہ گزشتہ کی کچھ یاد ہو اور نہ آئندہ کی فکر۔ لہٰذا تمام خلق کی اس میں دسترس نہیں ہوتی وہ نہیں جانتے کہ ماضی میں ہم پر کیا گزری اور مستقبل میں کیا ہوگا۔ اور صاحبانِ وقت یہ کہتے ہیں کہ ہمارا علم ماضی و مستقبل کا ادراک نہیں کر سکتا ہم تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہیں کیونکہ اگر ہم کل کی فکر میں مشغول ہوں اور آئندہ کے اندیشہ کو دل میں جگہ دیں تو ہم وقت سے محجوب ہو جائیں۔ اور حجاب بہت بڑی پراگندگی و پریشانی ہے۔

لہٰذا جس چیز پر ہاتھ نہ پہنچ سکے اس کا اندیشہ کرنا محال ہے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خرازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے عزیز وقت کو عزیز ترین چیزوں کے سوا میں مشغول نہ کرو اور بندہ کی عزیز ترین چیز ماضی و مستقبل میں مشغول ہونا ہے۔

نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل یعنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میرے دل پر اٹھارہ ہزار عالم میں سے کسی کا بھی گزر نہیں ہوتا۔ اور نہ میری آنکھ میں کسی کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ اسی بنا پر شب معراج جبکہ زمین و آسمان کے ملک کی زینت آپ پر پیش کی گئی تو آپ نے کسی کی طرف بھی التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مازاغ البصر وما طغیٰ (نہ آنکھ ادھر اُدھر ہوئی اور نہ بھٹکی) اس لئے کہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم عزیز تھے اور عزیز کو بجز عزیز کے شغل نہیں ہوتا۔ لہٰذا موحد کے اوقات کے دو وقت ہیں ایک گم ہونے کے وقت دوسرے وجد یعنے پانے کے وقت، ایک وصال کا وقت دوسرا فراق کا وقت دونوں حالتوں میں اسی کا وقت مغلوب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وصل میں اس کا وصل حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور فصل میں اس کا فصل بھی حق تعالیٰ کے

ساتھ ہے۔ بندہ کا اختیار اور اس کا کسب ان دونوں وقت میں ثابت نہیں رہتا۔ جس کی بندہ کے ساتھ صفت کی جائے، چونکہ بندہ کا اختیار اس کے حالات سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کرتا ہے وقت کی زیبائش ہوتی ہے ؎

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنگل میں ایک درویش کو دیکھا جو کیکر کے نیچے سخت جگہ میں بڑی دشواری سے بیٹھا ہوا تھا میں نے اس سے کہا اے بھائی کس چیز نے تمہیں یہاں بٹھایا ہے؟ یہ جگہ تو بڑی سخت و دشوار ہے اور تم یہاں جمے بیٹھے ہوئے ہو۔ اُس نے کہا میرا ایک وقت تھا جو اس جگہ ضائع ہوا ہے اب میں اس جگہ اس کے غم میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے پوچھا کتنے عرصہ سے یہاں بیٹھے ہوئے ہو؟ اس نے کہا بارہ سال گزر چکے ہیں۔ اب شیخ کو چاہیئے کہ میرے کام میں ہمت کرے تاکہ میں اپنی مراد حاصل کروں اور اپنے وقت کو پاؤں۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں وہاں سے چل دیا اور حج کیا اور اس کے لئے دعا کی جو قبول ہوئی اور وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جب واپس لوٹا تو اُسے اسی جگہ بیٹھا ہوا پایا میں نے کہا اے جوانمرد! اب جبکہ تم نے اپنا وقت پالیا تو پھر اس جگہ سے کیوں نہیں ہٹ جاتے؟ اس نے کہا اے شیخ! یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے وحشت و پریشانی لاحق ہوئی تھی اور میرا سرمایہ گم ہوا تھا اور اب بھی یہی وہ جگہ ہے جہاں سے مجھے گم شدہ سرمایہ دوبارہ ملا ہے میں نے اس جگہ کو پکڑ لیا ہے مجھے اس جگہ سے محبت ہوگئی ہے کیا یہ جائز ہے کہ میں اس جگہ کو چھوڑ دوں اور کسی دوسری جگہ چلا جاؤں میری تمنا ہے کہ مر کر میری مٹی بھی اسی جگہ مل جائے اور قیامت کے دن جب اٹھایا جاؤں تو میں اسی جگہ سے سر نکالوں۔ یہ میری انس و محبت کی جگہ ہے ؎

فکل امرئ یوتی الجمیل حبیب ، وکل مکان ینبت العز طیب

ہر آدمی اچھے دوست کو قبول کرتا ہے — اور ہر عزت والی جگہ کو وہ پسند کرتا ہے

لہٰذا جو چیز آدمی کے کسب و اختیار میں نہیں ہوتی کہ اسے تکلف سے حاصل کرے اور وہ بازار میں فروخت نہیں ہوتی کہ اس کے بدلہ جان کو دیدے اور اسے اس کے حاصل کرنے یا دور کرنے کی قدرت بھی نہ ہو، اس کی یہ دونوں طرفیں رعایت میں برابر ہوتی ہیں اور اس کے تحقق میں بندہ کا اختیار باطل ہوتا ہے ؎

مشائخ طریقت بیان کرتے ہیں کہ "الوقت سیف قاطع یعنے وقت کاٹنے والی تلوار ہے"۔ اس لئے کہ تلوار کا کام کاٹنا ہے اور وقت کا بھی کام کاٹنا ہے۔ کیونکہ وقت ماضی و مستقبل کی جڑ کاٹتا اور دل سے ماضی و مستقبل کے غموں کو مٹاتا ہے۔ لہٰذا تلوار یعنے وقت کی صحبت خطرناک ہوتی ہے اما ھلاک واما ملک یا تو ہلاک کر دے گا یا مالک بنا دے گا۔ اگر کوئی شخص ہزار برس تلوار کی خدمت کرے اور اپنے کاندھوں پر لٹکائے پھرے جب اس کے کاٹنے کا وقت آئے گا تو تلوار نہ اپنے مالک کو دیکھے گی نہ غیر کو۔ دونوں کو یکساں کاٹے گی کیونکہ اس کا کام ہی قہر ہے تو اس کے مالک کو اسے پسند کرنے کی وجہ سے قہر جاتا نہ رہے گا ؎

اور حال، وقت پر آنے والی چیز ہے جو وقت کو مزین بناتی ہے جس طرح روح جسم کو مزین کرتی ہے لامحالہ وقت، حال کا محتاج ہے کیونکہ وقت کی پاکیزگی حال سے ہوتی ہے اور اس کا قیام بھی اسی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جب صاحب وقت، صاحب حال ہوتا ہے تو اس سے تغیر جاتا رہتا ہے وہ

اپنے احوال میں مستقیم و مستحکم ہو جاتا ہے کیونکہ بغیر حال کے وقت کا زوال جائز و ممکن ہے۔ اور جب حال اس سے مل جاتا ہے تو اس کے تمام احوال وقت بن جاتے ہیں ان پر زوال جائز نہیں ہوتا جو کچھ بھی آتا ہے اور جو کچھ ظہور و ورود ہوتا ہے برقرار و مستحکم رہتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے صاحب وقت کے لئے وقت کا نزول تھا اور تمکین کے لئے غفلت جائز تھی۔ اور صاحب غفلت پر اب حال نازل ہے اور وقت متمکن ہے اس لئے کہ صاحب وقت پر غفلت جائز تھی اور صاحب حال پر نہیں ہے ۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ الحال سکوت اللسان فی فنون البیان یعنے صاحب حال کی زبان اپنے حال کے بیان کرنے سے ساکت رہتی ہے اور اس کا معاملہ اس کے حال کے تحقق و ثبوت میں گویا ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ السوال عن الحال محال یعنے حال کے بارے میں پوچھنا محال ہے کیونکہ حال کی تعبیر ناممکن ہے۔ اس لئے کہ حال ہوتا ہی وہ ہے جہاں گفتگو فنا ہو جائے ۔

استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں آخرت میں خوشی و ناخوشی، وقت کا نصیبہ ہے اور حال ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حال ایک ایسی کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر وارد ہوتی ہے۔ اور جب اس کا ورود ہوتا ہے تو دل سے سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے کیونکہ وہ صاحب وقت تھے ایک وقت میں تو فراق میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی دوسرے وقت میں وصال سے بینائی لوٹ آئی کبھی رونے سے مال سے باریک ہوتے اور کبھی وصال سے تندرست و توانا بنتے اور کبھی خوف زدہ ہوتے اور کبھی مسرت و خوشی میں رہتے ۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب حال تھے وہ نہ فراق سے مغموم ہوتے اور نہ وصال سے مسرور ہوتے اور چاند ستارے اور سورج ان کے حال کی مدد کرتے۔ اور خود ہر چیز کے دیکھنے سے فارغ تھے۔ اور جو کچھ نظر آتا اس میں حق تعالیٰ کا جلوہ ہی نظر آتا اور فرماتے لا احب الافلین (میں چھپنے والوں کو پسند نہیں کرتا) لہٰذا صاحب وقت کے لئے کبھی سارا جہان دوزخ ہو جاتا ہے کیونکہ مشاہدہ میں غلبت ہو جاتی ہے اور اپنے دل سے حبیب کا روپوش ہو جانا موجب وحشت بن جاتا ہے اور کبھی اس کا دل مسرت و خوشی میں ہوتا ہے اور سارا جہان جنت کی مانند بن جاتا ہے کیونکہ نعمتوں میں ہر آن حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ نعمت اس کا تحفہ دلبشارت بن جاتی ہے۔ پھر یہ کہ صاحب حال کے لئے حجاب ہو یا نعمت و بلا کا کشف ہو سب یکساں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر مقام میں صاحب حال ہوتا ہے لہٰذا حال مراد کی صفت ہے اور وقت مرید کا درجہ۔ ایک فی نفسہ وقت کی راحت میں ہوتا ہے اور ایک حال کی مسرت میں خدا کے ساتھ ہوتا ہے دونوں منزلوں کے درمیان یہ فرق ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

مقام و تمکین اور اُن کا فرق

مقام نام ہے طالب کا صدق نیت اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے پر قائم رہنے کا۔ اور ہر ارادہ حق والے کا ایک مقام ہے۔ جو بوقت طلب بارگاہ حق سے ابتدا میں اس کے حصول کا موجب بنتا ہے جب بھی طالب کسی مقام کو عبور کرے گا اور پچھلے مقام کو چھوڑے گا تو وہ لازمی کسی ایک مقام پر قائم ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے واردات کا مقام مرکب اور مخلوق کی قسم سے ہے روش اور معاملہ کے قبیل سے

نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بتایا کہ وما منا الا له مقام معلوم یعنے ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی مقام معلوم ہے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کا مقام زہد تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم رضا تھا حضرت موسےٰ علیہ السلام کا مقام انابت تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا مقام حزن وغم تھا۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا مقام امید ورجا تھا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مقام خوف خشیت تھا اور ہمارے نبی اکرم سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام ذکر ہے۔ ہر ایک کو ہر مقام میں خواہ کتنا ہی عبور ہو بالآخر اس کا رجوع اس کے اپنے اصلی مقام کے ہی طرف ہوگا۔ میں نے اس کا کچھ تذکرہ محاسبیوں کے مذہب میں بیان کر دیا ہے۔ اور حال ومقام کا فرق بھی بتا دیا ہے اس جگہ اتنا ہی کافی ہے ۔

جاننا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے راہ کی تین قسمیں ہیں ایک مقام، دوسرا حال تیسرا تمکین۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو اپنی راہ بتانے کے لئے ہی بھیجا تاکہ وہ مقامات کے حکم کو بیان کریں ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم وبیش) انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور اتنے ہی مقامات وہ لے کر آئے۔ اور ہمارے نبی اکرم سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ہر مقام والے کے لئے ایک حال ظاہر ہوا اور حال کو مقام سے ملایا اور مخلوق کا کسب و اختیار اس سے جدا کیا یہاں تک کہ مخلوق پر دین کو تمام فرمایا اور نعمت کو انتہاء تک پہنچایا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الآیہ ۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں ۔

اس کے بعد اہلِ تمکین کے لئے قرار کا ظہور ہوا۔ اگر میں تمام احوال کو بیان کرنا چاہوں اور مقامات کی تشریح کروں تو میں اپنے مقصود سے رہ جاؤں گا ۔

لیکن تمکین کی تعریف یہ ہے کہ محققین کا کمال یہ ہے درجۂ اعلےٰ میں اقامت گزیں ہوتا ہے لہٰذا صاحبانِ مقامات کے لئے عبور ممکن ہے اور تمکین کے درجہ سے گزر جانا محال ہے۔ اس لئے کہ مقام مبتدیوں کا درجہ ہے۔ اور تمکین منتہیوں کی اقامت گاہ ہے اور ابتداء سے انتہاء کی طرف جانا ہے اور نہایت سے گزرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ مقامات منزلوں کی راہ ہے اور تمکین بارگاہ قدس میں برقرار ہونا ہے۔ حق تعالیٰ کے محبوبین راستہ میں عاریۃً ہوتے ہیں۔ اور منزلوں میں بیگانے۔ ان کا باطن تو بارگاہِ قدس میں ہوتا ہے اور بارگاہِ قدس میں سبب آلہ آفت ہوتا ہے اور وہ غیبت و علت کے اوزار ہوتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں شعراء اپنے ممدوحوں کی مدح منابلہ سے کرتے تھے اور جب تک کچھ عرصہ نہ گزر جاتا شعر نہ کہتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی شاعر ممدوح کے حضور میں پہنچتا تھا تو تلوار سونت کر سواری کے پاؤں کاٹ ڈالتے اور تلوار توڑ ڈالتے گویا اس سے ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ مجھے سواری اس لئے درکار تھی کہ اس کے ذریعہ تیرے حضور تک پہنچنے کے لئے مسافت طے کروں اور تلوار کو رکھنا اس لئے تھا کہ اپنے حاسدوں کو تیری خدمت میں تجھ سے دور رکھوں اب چونکہ میں پہنچ گیا ہوں تو سامانِ سفر کی اب کیا حاجت سواری کو مار ڈالا کیونکہ تیرے پاس سے جانا میرے لئے جائز نہیں اور تلوار کو توڑ ڈالا کیونکہ تیرے حضور سے جدا ہونے کا دل میں کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ پھر جب کچھ دن گزر جاتے تو شعر پڑھتا تھا ۔ حق تعالیٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی صفت بھی یہی بیان فرمائی چنانچہ وہ جب منزلوں کے طے کر کے اور مقامات کو عبور کر کے تمکین کے

محل میں پہنچے اور اسباب تغیر ان سے جدا ہو گئے تب حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا فاخلع نعلیك والق عصاك یعنے نعلین کو اتاریئے اور اپنے عصا کو ڈال دیجئے کیونکہ یہ سفر کا سامان ہے۔ اور بارگاہِ قدس میں حضوری کے بعد سفر کا خطرہ محال ہے۔

لہٰذا محبت کی ابتداء طلب کرنا ہے اور اس کی انتہاء قرار پکڑنا ہے۔ پانی جب تک دریا اور نہر میں بہے جاری رہتا ہے اور جب سمندر میں پہنچ جائے تو ٹھہر جاتا ہے اور جب وہ ٹھہر جاتا ہے تو اس کا ذائقہ بھی بدل جاتا ہے اسی لئے کہ جسے پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ سمندر کی طرف مائل نہیں ہوتا سمندر کی طرف وہی مائل ہوتا ہے جسے جواہر کی احتیاج ہوتی ہے اسی لئے وہ سانس کو روکتا اور جواہر کی طلب میں پاؤں جوڑتا اور سر کے بل سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔ پھر یا تو وہ بہترین جواہر اور قیمتی موتی لے کر آتا ہے یا وہ اپنی جانِ عزیز کو فنا کر دیتا ہے۔

ایک بزرگ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ التمکین دفع التلوین تمکین یہ ہے کہ تغیر و تبدل جاتا رہے۔ اور لفظ تلوین بھی حال و مقام کی مانند اہلِ طریقت کی عبارتوں میں ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اور معنے میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ اور یہاں تلوین کے معنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلنے کے ہیں۔ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ متمکن متردد نہیں ہوتا اور اپنا سارا سامان بارگاہِ قدس میں لے گیا ہوتا ہے اور دل سے غیر کا اندیشہ دور ہو چکا ہوتا ہے اور نہ اس پر کوئی ایسا معاملہ آتا ہے جس سے اس کا ظاہر بدل جائے۔ اور نہ کوئی ایسا حال گزرتا ہے جس سے اس کا باطن متغیر ہو جائے چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام متلون یعنے متغیر ہونے والے تھے۔ جب طور پر حق تعالیٰ نے ایک تجلی دکھائی تو ان کے ہوش جاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے وخر موسیٰ صعقا موسےٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر زمین پر آرہے" اور ہمارے رسولِ مکرم سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم متمکن تھے جب آپ مکہ مکرمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں تھے تو آپ ایک ہی حال میں رہے اور کسی دوسرے حال کی طرف متغیر نہ ہوئے یہ درجہ اعلےٰ تھا واللہ اعلم بالصواب۔

لہٰذا تمکین کی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ اس کی نسبت شہودِ حق کے ساتھ ہو دوسرے یہ کہ اس کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو۔ وہ شخص جس کے تمکین کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو وہ باقی الصفت ہوتا ہے۔ اور جس کی نسبت شہودِ حق کے ساتھ ہو وہ فانی الصفت ہوتا ہے اور فانی الصفت کے لئے محو، صحو، لحق، محق، فنا، بقا، وجود اور عدم کا استعمال درست نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان اوصاف کے قیام کے لئے موصوف کی ضرورت ہوتی ہے اور جب موصوف شہودِ حق میں مستغرق ہو جائے تو وصف کے قیام کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس معنے میں بہت کلام ہے میں نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا وباللہ التوفیق۔

محاضرہ اور مکاشفہ اور ان کے فرق کا بیان

جاننا چاہئے کہ لفظ محاضرہ کا استعمال بیان کے لطیفوں میں دل کے حضور پر ہوتا ہے اور لفظ مکاشفہ کا استعمال حضورِ تحیر پر جو خطرہ دل میں عیاں ہو اس وقت ہوتا ہے۔ لہٰذا محاضرہ آیات کے شواہد میں ہے اور مکاشفہ مشاہدات کے شواہد میں۔ اور محاضرہ کی علامت آیت کے دیکھنے میں ہمیشہ فکرمند رہنا ہے اور مکاشفہ کی علامت عظمت کی کنہ میں ہمیشہ حیرت زدہ رہنا ہے۔ جو افعال میں فکرمند ہو اور جو جلال میں حیرت زدہ ہو

ان میں فرق یہ ہے کہ ایک خلّت کے ہم معنےٰ ہے اور دوسرے محبت کے قریب قریب۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت خلیل علیہ السلام نے ملکوت سماوات میں نگاہ ڈالی تو اس کے وجود کی حقیقت میں تامل و تفکر کیا اور ان کا دل اس میں حاضر ہوا تو فعل کی دید میں فاعل کو دیکھا یہاں تک کہ ان کے حضور نے فعل کو بھی فاعل کی دلیل بنا دیا اور کمالِ معرفت میں گویا ہوئے کہ انی وَجَّهْتُ وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفًا الآیہ یعنے میں اپنے چہرہ کو اُس ذات کی طرف یکسو ہو کر متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔

اور جب حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو ملکوت کی راہ میں لے جایا گیا تو آپ نے سارے عالم کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں۔ نہ تو فعل دیکھا اور نہ مخلوق دیکھی حتےٰ کہ اپنے آپ کو بھی نہ دیکھا فاعل کے ساتھ مکاشف ہو گئے۔ لہٰذا کشف میں شوق پر شوق کا اضافہ ہوا اور بے قراری پر بے قراری زیادہ ہوئی دیدار کی طلب ہوئی تو رخ کی رویت نہ ہوئی۔ قرب کو چاہا تو قربت ممکن نہ ہوئی۔ وصل کا ارادہ کیا۔ وصل کی صورت نہ بنی، دل پر جتنا بھی دوست کی تنزیہہ پاکی کا زیادہ ظہور ہوتا جاتا اتنا ہی شوق پر شوق بڑھتا جاتا۔ نہ اس کی ہی راہ تھی نہ اقبال و توجہ کا ہی۔ مکان تھا یعنے نہ تو ہٹ سکتے تھے نہ سامنے ہو سکتے تھے، متحیر ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ جہاں خلت تھی وہاں حیرت کفر معلوم ہوئی اور جہاں محبت تھی وہاں وصل شرک نظر آیا۔ حیرت ہی سرمایہ بن کے رہ گئی۔ اس لئے کہ مقام خلت میں حیرت زدہ ہونا اس کے وجود میں ہوتا ہے اور شرک یہ ہے اور مقام محبت میں حیرت زدہ ہونا کیفیت میں ہوتا ہے یہ توحید کا مرتبہ ہے۔ اسی واسطے حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کہا کرتے تھے یا دلیل المتحیرین زدنی تحیرًا یعنے اے لوگوں کو متحیر کرنیوالی ذات میری حیرت کو اور زیادہ کر۔ کیونکہ مشاہدہ میں حیرت کی زیادتی سے درجہ زیادہ ہوتا ہے۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ جب حضرت ابو سعید خراز رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم سعد علوی کے ساتھ دریا کے کنارہ پر ایک خدا کے دوست کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ حق کی راہ کس چیز میں ہے؟ انھوں نے کہا حق کی دو راہیں ہیں ایک عوام کی دوسرے خواص کی، انھوں نے پوچھا اس کی تشریح فرمایئے، کہا عوام کی راہ وہ ہے جس پر تم ہو کیونکہ تم کسی علت کے ساتھ قبول کرتے ہو اور کسی علت کے سبب چھوڑتے ہو اور خواص کی راہ یہ ہے کہ وہ نہ معلل کو دیکھتے ہیں نہ علت کو، اس حکایت کی حقیقت شرح کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے اس جگہ میرا مقصود صرف اتنا ہی تھا وباللہ التوفیق۔

قبضؔ وبسط اَور اُن کا فرق

جاننا چاہیئے کہ احوال کی قبیل سے قبض و بسط دو حالتیں ہیں جو بندہ کی طاقت سے باہر ہے۔ نہ اس کے آنے پر بندہ قادر ہے نہ اس کے جانے پر بندہ کا اختیار۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ یقبض ویبسط (اللہ تعالیٰ ہی قبض کرتا اور بسط فرماتا ہے) قبض اس حالت کا نام ہے جو حجاب کی حالت میں دل پر چھائے اور بسط اس حالت کا نام ہے جو حجاب کے اٹھ جانے پر دل پر گزرے۔ یہ دونوں حق ہیں اس میں بندہ کا اختیار نہیں۔ قبض عارفوں کے حالات میں ایسا ہے جیسا کہ مریدوں کے حالات میں خوف، اور بسط اہل معرفت کے حالات میں ایسا ہے جیسا کہ مریدوں کے حالات میں رجا یعنے امید، یہ تعریف اسی گروہ کے موافق ہے جو قبض و بسط کے یہ معنے کرتے ہیں۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ قبض کا مرتبہ بسط کے مرتبہ سے زیادہ بلند ہے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ چونکہ کتاب الٰہی میں قبض کا ذکر بسط سے پہلے ہے۔ دوسرے یہ کہ قبض میں گداز اور قہر ہے اور بسط میں نوازش و مہربانی ہے لامحالہ بشریت کے اوصاف کو فنا کرنا اور نفس کو مغلوب کرنا پرورش اور مہربانی سے افضل ہے کیونکہ وہ بہت بڑا حجاب ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بسط کا مرتبہ قبض کے مرتبہ سے بلندتر ہے اس لئے کہ کتاب الٰہی میں قبض کا پہلے ذکر کرنا بسط کی فضیلت کی علامت ہے کیونکہ اہل عرب کا دستور و عادت ہے کہ اس چیز کو پہلے بیان کرتے ہیں جو فضیلت میں بعد میں ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ یعنے بعض بندے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور بعض بندے میانہ رو ہیں اور بعض بندے حکم الٰہی سے نیکیوں میں سبقت کرتے ہیں ۔ نیز ارشاد باری ہے ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین یعنے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور خوب پاک صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے ۔ نیز ارشاد ہے یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین یعنے اے مریم اپنے رب کی فرماں برداری کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ سجدہ و رکوع کرو ۔

نیز مشائخ فرماتے ہیں کہ بسط میں سرور ہے اور قبض میں تکلیف۔ اور عارفوں کا سرور وصل معرفت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور اپنی تکلیف فضل کے بغیر دیکھتے نہیں لہٰذا وصل میں ٹھہرنا فراق میں ٹھہرنے سے بہتر ہے ۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبض و بسط دونوں کے ایک ہی معنے ہیں کیونکہ دونوں حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کو شامل ہوتے ہیں کیونکہ جب ان کے معانی دل پر اثر کرتے ہیں تو اس وقت بندہ کا باطن یا تو مسرور ہوتا ہے اور نفس مغلوب یا باطن مغلوب ہوتا ہے اور نفس مسرور۔ ایک سے دل کے قبض میں اس کے نفس کی کشادگی ہوتی ہے اور دوسرے سے باطن کی کشادگی میں اس کے نفس کا قبض ہوتا ہے جو اس کے سوا اور کچھ بیان کرتا ہے وہ اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے ۔

چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قبض القلوب فی بسط النفوس وبسط القلوب فی قبض النفوس یعنے دلوں کا قبض نفسوں کی کشادگی میں ہے اور دلوں کی کشادگی نفسوں کے قبض میں ہے۔ لہٰذا قبض شدہ نفس خلل سے محفوظ ہے اور بسط شدہ باطن زوال سے مضبوط ہے۔ اس لئے کہ محبت میں غیرت بری ہے اور قبض غیرت الٰہی کی علامت ہے۔ محب کو محب کے ساتھ عتاب کرنا شرط ہے۔ اور بسط معاتبت کی علامت ہے۔ آثار میں مشہور ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تا زندگی روتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ ہنستے رہے اس لئے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قبض کو قبول کئے ہوئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسط کو قبول کئے ہوئے تھے۔ جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کہتے اے عیسیٰ آپ قطعیت یعنے جدائی سے محفوظ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے اے یحییٰ تم رحمت سے مایوس ہو گئے ہو۔ لہٰذا نہ تمہارا رونا ازلی حکم کو بدلتا ہے اور نہ میرا ہنسنا قضائے الٰہی کو پلٹتا ہے لہٰذا لا قبض ولا بسط ولا طمس ولا انس ولا محو ولا صحو ولا محق ولا عجز ولا جھل الا من اللہ یعنے نہ قبض ہے نہ بسط، نہ رکنا ہے نہ محبت کرنا، نہ مٹنا ہے اور نہ تندرست ہونا نہ محق ہونا ہے نہ عاجز ہونا اور نہ جاہل ہونا سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے ۔

انس اور ہیبت اور ان کا فرق

واضح رہنا چاہیئے اللہ تعالیٰ تمہیں نیک بخت بنائے کہ ہیبت و انس راہِ خدا میں چلنے والوں کے احوال میں سے دو حالت کا نام ہے چنانچہ جب حق تعالیٰ بندے کے دل پر مشاہدۂ جلال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے پھر جب حق تعالیٰ مشاہدۂ جمال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر محبتِ انس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اہلِ محبت اس کے جلال سے حیرت زدہ اور متعجب ہو جاتے ہیں اور اہلِ انس و محبت اس کے جمال سے خوش و مطمئن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو دل جلالِ الٰہی کی محبت کی آگ میں جلتے ہیں اور وہ دل جو اس کے جمال کے نور کے مشاہدہ میں تاباں ہیں ان کے درمیان یہ فرق ہے۔

مشائخ کرام کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ ہیبت عارفوں کا درجہ ہے اور انس مریدوں کا درجہ۔ اس لئے کہ بارگاہِ قدس کی تنزیہہ اور اس کے قدیم اوصاف میں جتنا کمال حاصل کرے گا اتنی ہی اس کے دل پر اس کی ہیبت غلبہ کرے گی اور انس سے اس کی طبیعت زیادہ دور ہو گی کیونکہ انس ہم جنس سے ہوتا ہے چونکہ بندہ کا حق تعالیٰ سے مجانست اور مشاکلت محال ہے تو اس سے انس کی بھی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور حق تعالیٰ کا مخلوق سے انس کرنا بھی محال ہو گا۔ اگر انس کرنا ماننا چاہئے تو اس کے ذکر و یاد سے ہی انس ممکن ہو سکتی ہے حالانکہ اس کا ذکر اس کا غیر ہے کیونکہ وہ بندہ کی صفات کی قبیل سے ہے۔ محبت میں غیر کے ساتھ آرام پانا جھوٹ، دعویٰ اور خالص گمان ہے۔ پھر ہیبت عظمت کے مشاہدہ کی قبیل سے ہے اور عظمت حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ لہٰذا جس بندہ کا کام اپنے فعل کے ساتھ ہو اور جس بندہ کا کام اپنے افعال کو فنا کر کے بقائے حق تعالےٰ کے ساتھ ہو اس کے اور انس کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں عرصہ تک اس گمان میں رہا کہ میں محبت میں خوش رہتا ہوں اور مشاہدۂ الٰہی سے انس پکڑتا ہوں اب میں نے مانا ہے کہ انس اپنے ہی ہم جنس سے ہو سکتا ہے۔

پھر ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہیبت فراق و عذاب کا ثمرہ ہے اور انس رحمت و وصل کا نتیجہ ہے اسی بنا پر دوستوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ہیبت کے اقسام سے محفوظ رہیں اور انس و محبت کے قریب ہوں۔ یقیناً انس محبت کا اقتضا کرتی ہے جس طرح محبت کے لئے ہم جنسی محال ہے اسی طرح انس کے لئے بھی محال ہے۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے انس ممکن نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے اور اس نے فرمایا ہے ان عبادی (بے شک یہ میرے بندے ہیں) قل لعبادی (اے محبوب میرے بندوں سے فرما دو) واذا سألك عبادی (جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں) یاعبادی لاخوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون (اے میرے بندو آج تم پر نہ خوف ہے نہ تم غمگین ہو گے) لامحالہ جب بندہ حق تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھتا ہے تو وہ اس سے محبت کرتا ہے اور جب محبت کرتا ہے تو (ان

ہے اس لئے کہ دوست سے ہیبت غیرت کی علامت ہے اور انس یگانگت کی نشانی ہے۔ اور آدمی کی یہ خصلت عادت ہے کہ نعمت عطا فرمانے والے کے ساتھ انس رکھتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی تو ہمارے ساتھ اتنی نعمتیں ہیں اور اسی نے ہمیں اپنی معرفت سے نوازا محال ہے کہ ہم ہیبت کی بات کریں

میں علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ دونوں گروہ اس تعریف بیان میں اپنے اختلاف کے باوجود راہ یاب اور درست ہیں اس لئے کہ ہیبت کا غلبہ نفس اور اس کی خواہش کے ساتھ ہوتا ہے اور اس ہیبت کے ذریعہ اپنے اوصاف بشریت کو فنا کرنے، باطن میں انس کو غالب کرنے اور باطن میں معرفت کی پرورش کرنے کی مدد ملتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کی تجلی جلال سے دوستوں کا نفس فنا ہو جاتا ہے لہٰذا جو اہل فنا ہیں وہ ہیبت کو مقدم لیتے ہیں اور جو ارباب بقا ہیں وہ انس کو فضیلت دیتے ہیں۔ اس سے پہلے فنا و بقا کے باب میں تشریح گزر چکی ہے۔

قہر و لطف اور ان کا فرق

قہر و لطف یہ ایسے دو لفظ ہیں جن سے مشائخ طریقت اپنے حالات کی تعبیر کرتے ہیں۔ قہر سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے اپنی مرادوں کو فنا کریں اور اس کی خواہشوں سے نفس کو محفوظ رکھیں بغیر اس کے کہ اس میں ان کا کوئی مطلب ہو۔ اور لطف سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے باطن کو باقی رکھیں اور ہمیشہ مشاہدہ میں مشغول رہیں اور حال درجہ استقامت میں انتہا تک برقرار رہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کرامت و اعزاز یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے وہ مراد حاصل کرے یہ اہل لطف ہیں اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کرامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کو اپنی مراد اور اس کی مراد دونوں سے بچائے رکھے اور اسے بے مرادی کے ساتھ مغلوب و مقہور کرے مثلاً اگر دریا میں جائے تو پیاس کی حالت میں دریا خشک ہو جائے۔

بیان کرتے ہیں کہ بغداد میں صاحب مرتبہ فقراء میں سے دو درویش تھے ایک صاحب قہر و غلبہ تھے دوسرے صاحب لطف و کرم ہمیشہ ایک دوسرے سے نوک جھونک رہتی اور ہر ایک اپنے حالات کو بہتر بتاتا تھا ایک کہتا کہ حق تعالیٰ کا لطف و کرم بندہ پر بہت بزرگ شئی ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے اللہ لطیف بعبادہ (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہے) اور دوسرا کہتا کہ حق تعالیٰ کا قہر و غلبہ بندہ پر بہت زیادہ مکمل شئی ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے وھو القاھر فوق عبادہ (وہ اپنے بندوں پر غالب ہے) ان کی باتیں بہت طول پکڑ گئیں اور یہاں تک کہ ایک وقت صاحب لطف نے مکہ کا قصد کیا وہ جنگل میں ٹھہر گیا اور مکہ مکرمہ نہ پہنچا۔ برسوں تک کسی کو اس کی خبر نہ معلوم ہوئی یہاں تک کہ ایک شخص مکہ مکرمہ سے بغداد آ رہا تھا اس نے اسے راہ کے کنارے پر دیکھا اس سے اس نے کہا اے بھائی جب تم عراق پہنچو تو کرخ میں میرے فلاں رفیق کو کہنا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اس مشقت کے باوجود جنگل کو بغداد کے محلہ کرخ کی مانند اس کے عجائبات کے ساتھ دیکھو تو آ کر دیکھو کیونکہ یہ جنگل میرے لئے حق تعالیٰ نے بغداد کے محلہ کرخ کی مانند بنا دیا ہے۔ جب یہ شخص کرخ پہنچا تو اس کے رفیق کو تلاش کر کے اس کا پیغام پہنچایا اس کے جواب میں اس نے کہا جب تم واپس ہو تو اس درویش سے کہنا کہ اس میں کوئی بزرگی نہیں ہے کہ مشقت کے ساتھ جنگل کو تمہارے لئے کرخ کی مانند بنا دیا ہے

اس لئے کہ تم درگاہ الٰہی سے بھاگ اٹھو۔ بندگی تو یہ ہے کہ بغداد کے محلہ کرخ کو اس کی نعمتوں اور عجائب نے باوجود وسعت کے ساتھ کسی کے لئے جنگل بنا دیا ہے۔ اور وہ اس میں خوش و خرم ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں کہتے ہیں کہ اے خدا اگر تو آسمان کو میرے گلے کا طوق اور زمین کو پاؤں کی زنجیر اور عالم کو میرے خون کا پیاسا بنا دے تب بھی میں تیری بارگاہ سے نہ ہٹوں گا۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع ہوا میرے مرشد حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ مجھے وہاں لے گئے میں نے وہاں ایک گروہ کو دیکھا جو تخت کے نیچے آ رہا تھا اور ایک گروہ تخت پر بیٹھا ہوا آ رہا تھا اور کوئی اڑتا ہوا آ رہا تھا اور کوئی کسی طریق سے۔ میرے مرشد نے کسی کی طرف التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ ایک جوان لوگوں نے دیکھا جس کی جوتیاں ٹوٹی ہوئی، عصا ٹوٹا ہوا، پاؤں ننگے، سر ننگا، بدن جھلسا ہوا جسم کمزور و لاغر تھا جب وہ ظاہر ہوا تو حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فوراً اس کے پاس پہنچے اور اسے بلند جگہ پر بٹھایا۔ فرماتے ہیں کہ میں حیرت زدہ ہوا اس کے بعد میں نے شیخ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ بندہ ایسا ولی ہے کہ وہ ولایت کا تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے اور کراموں کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے۔

غرضیکہ جو کچھ ہم از خود تیار کریں وہ ہماری بلا ہوتی ہے اور میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ حق تعالیٰ مجھے اس منزل میں اس کی آفت سے محفوظ رکھے۔ اور اپنے نفس کی برائی سے مجھے بچائے۔ اور اگر وہ قہر و غلبہ میں رکھے تو میں لطف و مہربانی کی تمنا نہیں کروں گا اور اگر لطف و مہربانی میں رکھے تو میں قہر و غلبہ کی خواہش نہ رکھوں گا میں اس کے اختیار کرنے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

نفی و اثبات اور ان کا فرق

مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے تائید حق کے ساتھ صفت بشریت کی محو کو نفی و اثبات کے نام سے موسوم کیا ہے اور صفت بشریت کی نفی کو نفی سے اور غلبۂ حقیقت کے اثبات کو اثبات کہا ہے اس لئے کہ محو کل کے مٹ جانے کو کہتے ہیں اور کل کی نفی بجز صفات کے ذات پر ممکن نہیں کیونکہ بشریت کی بقا کی حالت میں ذات سے کل کی نفی کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا لازم ہے کہ مذموم صفات کی نفی خصائل محمودہ کے اثبات کے ساتھ کی جائے یعنی اثبات معنے کے لئے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت میں دعوے کی نفی سے ہو۔ کیونکہ دعویٰ کرنا نفس کے غرور کی قسم سے جو انسان کی عام عادت ہے۔ جب غلبۂ حقیقت میں اوصاف مغلوب و مقہور ہو جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا ہے کہ نفی صفات بشریت کی نفی، حق کی بقا کے اثبات کے ساتھ ہوئی۔ اس سے پہلے باب فقر و صفوت اور فنا و بقا میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اس جگہ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

نیز مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس نفی سے مراد حق تعالیٰ کے اختیار کے اثبات میں بندے کے اختیار کی نفی ہے۔ اسی بنا پر اس کے موافق ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اختیار الحق لعبدہ مع علمہ لعبدہ خیر من اختیار عبدہ لنفسہ مع جھلہ بربہ یعنے حق تعالیٰ کے اختیار

اپنے بندوں کے لئے بندے پر اپنے علم کے ساتھ بہتر ہے اس سے جو بندے کو اپنے نفس کے لئے خدا سے غافل رہ کر اختیار پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ محبت میں محب کے اختیار کی نفی محبوب کے اختیار کے اثبات کے ساتھ وابستہ ہے، یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے۔

میں نے ایک حکایت میں دیکھا ہے کہ ایک درویش دریا میں غرق ہو رہا تھا، کسی نے اس سے کہا اے بھائی کیا چاہتا ہے؟ کہ نکال لیا جائے اس نے کہا نہیں، پھر اس شخص نے پوچھا کیا چاہتا ہے کہ غرق ہو جائے درویش نے کہا نہیں۔ اس نے کہا عجیب بات ہے کہ نہ ہلاکت کو اختیار کرتے ہو اور نہ نجات کو۔ درویش نے کہا مجھے ایسی نجات کی حاجت نہیں جس میں میرا اختیار شامل ہو، میرا اختیار تو وہ ہے جسے میرا رب اختیار کرے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ محبت میں کم سے کم درجہ اپنے اختیار کی نفی ہے لہٰذا حق تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے اس کی نفی ممکن نہیں اور بندہ کا اختیار عارضی ہے اس کی نفی جائز ہے۔ لازم ہے کہ عارضی اختیار کو پامال کیا جائے تاکہ ازلی اختیار برقرار و باقی رہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر مسرور ہوئے تو اپنے اختیار کو برقرار رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے دیدار کی تمنا کا اظہار کیا اور خدا سے عرض کیا رب ارنی اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا، حق تعالیٰ نے فرمایا لن ترانی (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا دیدار تو حق ہے اور میں اس کا مستحق بھی ہوں پھر کیوں منع فرماتا ہے ارشاد باری ہوا کہ دیدار تو حق ہے لیکن محبت میں اپنا اختیار باقی رکھنا باطل ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں گفتگو تو بہت ہے لیکن میری مراد صرف اتنی ہی ہے کہ تم جان لو کہ مشائخ طریقت کی عبارت کا مقصود کیا ہے وباللہ التوفیق۔ اس کا مختصر تذکرہ جمع و تفرقہ، فنا و بقا، اور غیبت و حضور میں بھی گزر چکا ہے جہاں صوفیاء کرام کے مذاہب کا بیان ہے۔ اور جہاں صحو و سکر اور اس کے اشکال کا تذکرہ ہے وہاں بھی اس مفہوم کو تلاش کرنا چاہیے۔ اگرچہ ان کے بیان کی جگہ یہی تھی مگر ضرورت کے لحاظ سے وہاں بیان کیا ہوا ہے تاکہ ہر ایک مذہب خوب واضح ہو جائے واللہ اعلم

مسامرہ و محادثہ اور ان کا فرق

مسامرہ اور محادثہ یہ دونوں الفاظ کاملان طریقت کے احوال کی دو حالتیں ہیں۔ اور محادثہ کی حقیقت باطنی کیفیت سے متعلق ہے جہاں زبان کو خاموش رکھنا ہے اور مسامرہ کی حقیقت باطنی کیفیت کے چھپانے کے ساتھ ہمیشہ خوش رہنا ہے۔ ان کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ مسامرہ وہ ایک وقت ہے جبکہ بندہ رات میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ اور محادثہ وہ وقت جو دن میں حق تعالیٰ کے ساتھ۔ اس دن کے وقت بندہ حق تعالیٰ سے ظاہری و باطنی سوال و جواب کرتا ہے اسی بنا پر رات کی مناجات کو مسامرہ کہتے ہیں اور دن کی دعاؤں کو محادثہ۔ لہٰذا دن کا حال کشف پر مبنی ہوتا ہے اور رات کا حال ستر پر۔ اور محبت میں مسامرہ محادثہ سے کامل تر ہوتا ہے۔ اور مسامرہ کا تعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حال کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ حضور کو ایک وقت اپنے قرب خاص سے نوازے تو حضرت جبریل کو براق دے کر آپ کے پاس بھیجا تاکہ وہ رات میں مکہ سے قاب قوسین تک لے جائے اور حق تعالیٰ سے ہمراز ہوں۔ آپ نے خدا سے باتیں سنیں۔ اور جب انتہا تک رسائی ہوئی تو آپ کی زبان مبارک ظہور جلال باری میں سرخ ہو گئی اور آپ کا دل عظمت کی کنہ میں متحیر ہو گیا اور آپ کا علم ادراک سے رہ گیا اور آپ کی زبان مبارک عبارت سے عاجز ہو گئی

تب کہا لا احصی ثناءً علیک (تیری حمد و ثنا شمار کرنے سے عاجز ہوں)۔

اور محاورہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے ہے کہ جب چاہا کہ ان کا حق تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہو تو چالیس دن وعدہ انتظار کے بعد دن میں کوہِ طور پر آئے اور خدا کا کلام سنا تو سرشار ہو گئے دیدار کی خواہش کی رد سے گر گئے اور ہوش جاتے رہے، جب ہوش آیا تو عرض کرنے لگے تبت الیک (تیری طرف رجوع ہوتا ہوں) تاکہ فرق ظاہر ہو جائے کہ ایک وہ ہے جو آتا ہے اور ایک وہ ہے جسے لے جایا جاتا ہے سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً (پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات بندے کو لے گیا) یہ وہ بندہ ہے جو لے جایا گیا اور وہ بندہ جو خود آتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا (جب موسیٰ ہماری مقررہ جگہ پر آئے)۔

لہٰذا دوستوں کی خلوت کا وقت ہے اور دن بندوں کی خدمت کرنے کا وقت۔ تاہم جب بندہ حدود و عہدت تجاوز کر جاتا ہے تو اسے تنبیہ کی جاتی ہے پھر دوست و محبوب کی کوئی حد نہیں ہوتی جس سے تجاوز ممکن ہو اور مستحق ملامت ہے۔ محبوب جو بھی کچھ کرے محب کا پسندیدہ ہوتا ہے۔

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اور ان کا فرق

جاننا چاہیئے کہ باعتبار اصول یہ تینوں کلمے علم سے متعلق ہیں جو اپنے جاننے کے ساتھ ہے۔ اور اپنے جاننے کے بیان کی صحت پر غیر یقینی علم علم نہیں ہوتا اور جب علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے غیب خفا دور ہو کر مشاہدہ عینی کے مانند بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ کل قیامت میں ہر مسلمان جب دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوگا تو وہ بھی اسی صفت پر دیکھے گا جس صفت میں آج جانتا ہے۔ اگر وہ دیدار اس کے برخلاف ہو تو کل کی رویت یا تو صحیح نہ ہوگی یا اس کا علم درست نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ دونوں صورتیں توحید کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ آج مخلوق کو جو اس کا علم ہے وہ اسی کی طرف سے درست ہے کل اس کی رویت بھی اسی کی طرف سے درست ہوگی۔ لہٰذا علم الیقین عین الیقین کی مانند اور حق الیقین علم الیقین کی مانند ہوگا

وہ حضرات جو عین الیقین کے بارے میں کہتے ہیں کہ رویت میں علم کا استغراق ہوتا ہے یہ محال ہے اس لئے کہ رویت حصول علم کے لئے ایک ذریعہ اور آلہ ہے جیسے کہ سننا جبکہ علم کا استغراق سننے میں محال ہے تو رویت بھی محال ہے لہٰذا اہل طریقت کے نزدیک علم الیقین سے مراد دنیاوی معاملات میں احکام و اوامر کا جاننا ہے اور عین الیقین سے مراد جانکنی اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کا علم ہے۔ اور حق الیقین سے مراد جنت میں رویت کا کشف اور اس کے احوال کے مشاہدہ کی کیفیت ہے۔ لہٰذا علم الیقین علماء کا درجہ ہے کہ وہ احکام و اوامر پر استقامت رکھتے ہیں۔ اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے کہ وہ موت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور حق الیقین محبوبانِ خدا کی فنا کا مقام ہے کہ وہ تمام موجودات سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے اور عین الیقین انس و محبت سے ہوتا ہے اور حق الیقین مشاہدے سے ہوتا ہے۔ اور یہ کہ ایک عام ہے دوسرا خاص ہے اور تیسرا خاص الخاص ہے واللہ اعلم۔

علم و معرفت اور ان کا فرق

علمائے اصول، علم و معرفت کے درمیان فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ایک ہی کہتے ہیں لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ حق تعالیٰ کو عالم تو کہہ سکتے ہیں مگر عارف نہ کہنا چاہیئے عدم توقیف کی بنا پر۔ لیکن مشائخ طریقت ایسے علم کو جو معاملہ اور حال سے متعلق ہو اور اس کا عالم اپنے حال کو اس سے تعبیر کرے معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف کہتے ہیں۔ اور جو علم ایسا ہو جس کے صرف معنٰی ہی ہوں اور وہ معاملہ سے خالی ہو اس کا نام علم رکھتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ شخص جو کسی چیز کے معنٰی اور اس کی حقیقت کا جاننے والا (عالم) ہو اس کا نام عارف رکھا گیا ہے اور وہ شخص جو صرف عبارت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے ناآشنا ہے اس کا نام عالم ہے یہ طبقہ جب ان لوگوں کو اپنے ہم زمانہ لوگوں پر بیان کرتا ہے تو ان کا استخفاف کرتا ہے ان کو دانشمند بتاتا ہے اور عوام کو منکر۔ ان کی مراد ان کے حصول علم کی بنا پر مذمت کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی مراد معاملہ کو ترک کرنے کی برائی ظاہر کرنا ہوتا ہے لان العالم قائم بنفسہٖ والعارف قائم بربہٖ اس لئے کہ عالم اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے اور عارف اپنے رب سے قائم ہوتا ہے۔ معرفت سے حجاب کے کشف کے بیان میں بہت کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس جگہ اتنا ہی کافی ہے۔

شریعت و حقیقت اور ان کا فرق

شریعت و حقیقت مشائخ کرام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں جن میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے۔ ان کی تعریف میں دو گروہ غلطی میں مبتلا ہیں ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا گروہ ملحدوں کا ہے جو ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جائز جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے یہ نظریہ مشبہہ، قرامطہ، مشبعہ اور موسوسان کا ہے۔ اور اس بات کی دلیل کہ حکم میں شریعت حقیقت سے جدا ہے یہ دیتے ہیں کہ تصدیق بغیر اقرار کے ایماندار نہیں بناتا۔ اور نہ اقرار بغیر تصدیق کے اسے مومن بناتا ہے۔ اور قول و تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔

لہٰذا حقیقت اس معنٰی کی عبارت ہے جس پر نسخ جائز نہیں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے فنائے عالم تک اس کا حکم برابر و یکساں ہے مثلاً معرفت حق اور خلوص نیت کے ساتھ اپنے معاملہ کی صحت وغیرہ اور شریعت اس معنٰی کی عبارت ہے جس پر نسخ و تبدیل جائز ہے۔ مثلاً احکام و اوامر وغیرہ لہٰذا شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی عصمت سرمدیہ ہے۔ معلوم ہوا کہ شریعت کی اقامت حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کی اقامت شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح کے ساتھ زندہ ہو۔ جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے۔ اور روح جب تک اس کے ساتھ ہے تو اس کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ ملے رہنے تک ہے۔ اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہوتی ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین

جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلَنَا (جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقیناً ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا) مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ ایک تو بندہ کے اپنے اوپر ظاہر احکام کی حفاظت ہے اور دوسرا حق تعالیٰ کی حفاظت بندہ پر باطنی احوال میں ہے۔ لہٰذا شریعت کسب کے قبیل سے ہے اور حقیقت عطایائے ربانی کے زمرہ سے ۔

آخری نوع

یہ آخری نوع ان عبارات کی تعریف میں ہے جو مشائخ کرام کے کلام میں بطور استعارہ مستعمل ہیں جن کی تفصیل و شرح اور ان کا حکم زیادہ دشوار ہے اس نوع میں اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں ۔

الحق ۔ اس سے ان کی مراد رب العزت کی ذات پاک ہے اس لئے کہ اس کے اسماء میں سے حق بھی ایک اس کا نام ہے جیسا کہ فرمایا فذالک بان اللہ ھو الحق (وہ یقیناً اللہ ہے وہی حق ہے) الحقیقۃ ۔ اس سے مراد وصل الٰہی کے محل میں بندے کی اقامت ہے اور محل تنزیہ پر بندے کے باطن کا ٹھہرنا ہے۔ الخطرات اس سے مراد وہ تفرقہ کے احکام ہیں جو دل پر گزرتے ہیں۔ الوطنات وہ ہیں جو معانی الٰہی متوطن کے باطن میں وارد ہوں۔ الطمس یعنی علمی کی ایسی نفی کہ اس کا اثر بھی نہ رہے۔ الرمس یعنی علمی کی ایسی نفی کہ دل سے اس کا اثر بھی زائل ہو جائے ۔ العلائق یعنی ایسے اسباب جن سے طالب تعلق رکھنے کی وجہ سے مراد مقصود سے رہ جائے۔ الوسائط یعنی اسباب جن سے طالب تعلق رکھ کر مقصود و مراد کو پالے۔ الزوائد یعنی دل میں انوار کی زیادتی۔ الفوائد یعنی اپنے ضروری اسرار کا ادراک کرنا۔ الملجاء یعنی اپنی مراد کے حصول میں دل کا اعتماد کرنا۔ المنجا یعنی آفت کے محل سے دل کا نجات پا جانا۔ الکلیۃ یعنی پورے طور پر بشری اوصاف میں مستغرق ہونا۔ اللوائح یعنی اثبات مراد اور اپنے واردات کی نفی۔ اللوامع یعنی دل پر نور کا ظہور اس کے فوائد کے باقی رہنے کے ساتھ۔ الطوالع دل پر معرفت کے انوار کا طلوع۔ الطوارق دل پر وہ واردات جو راحت کو مناجات میں تنبیہ یا بشارت کے طور پر ہو ۔ اللطائف دل کے ایسے اشارات جو حال کی باریکیوں میں سے ہو۔ السر محبت کے مخفی حالات الجوی غیر کی اطلاع سے دفت کی آفتوں کو چھپانا۔ الاشارۃ مراد کی خبر غیر کو دینا بغیر زبان کی تعبیر کے۔ الایماء یعنی بغیر الفاظ و اشارہ کے مخاطب کو سمجھانا الورد دل میں معانی کا جم جانا۔ الانتباہ دل سے غفلت کو زائل کرنا ۔ الاشتباہ حق و باطل کے درمیان حال کا مشکل ہو جانا۔ القرار حقیقت حال سے شک و تردد کا زائل کرنا۔ الانزعاج وحدانیت کی حالت میں دل کو حرکت دینا۔ اختصار کے طور پر ان کے بعض الفاظ کے معنے یہ ہیں واللہ اعلم ۔

نوع دیگر

ان الفاظ کی تعریف جو توحید باری تعالیٰ میں استعمال کرتے ہیں اور حقائق کی تعبیر کے وقت بغیر استعارہ کے اپنے اعتقاد کے بیان میں لاتے ہیں۔ ان میں سے پہلا لفظ ہے العالم اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق ہے۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور پچاس ہزار عالم۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ صرف دو عالم ہیں۔ ایک نچلا عالم اور ایک بالائی عالم۔ اور علمائے اصول کہتے ہیں کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جو کچھ ہے وہ ایک عالم ہے۔ ور تمام عالم میں مختلف اقسام کا اجتماع ہے۔ اور اہل طریقت بھی عالم ارواح اور عالم نفوس کہتے ہیں ان کی مراد وہ نہیں ہے جو فلاسفہ مراد لیتے ہیں بلکہ ان کی مراد ارواح اور نفوس کا اجتماع ہے۔ المحدث جس کا وجود بعد میں ہو یعنی پہلے

نہ ہو بعد کو موجود ہو۔ القدیم جس کا وجود سابق اور دائمی ہو اور وہ ذات جس کی ہستی سب سے پہلے ہو یہ بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ الازل وہ ہے جس کی ابتداء نہ ہو۔ الابد وہ ہے جس کی انتہا نہ ہو الذات کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت۔ الصفۃ جو موصوف نہ بن سکے اس لئے کہ وہ از خود قائم نہیں ہے۔ الاسم مسمّٰے کا علم۔ التسمیۃ مسمّٰے کی خبر۔ النفی جو منفی کے نہ ہونے کا تقاضا کرے۔ الاثبات جو مثبت کے وجود کا اقتضا کرے۔ الشیئان وہ ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ جائز ہو۔ الضدان ایک حال میں کسی ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے ساتھ جائز نہ ہو۔ الغیران وہ ہے کہ ہر ایک کا وجود دوسرے کے بغیر جائز ہو۔ الجوھر کسی چیز کی اصل ہو کہ خود بخود قائم ہو۔ العرض وہ چیز ہے جو جوہر کے ساتھ قائم ہو الجسم جو مختلف اجزاء سے مرکب ہو۔ السوال کسی حقیقت کا طلب کرنا۔ الجواب سوال کے مضمون کی خبر دینا۔ الحسن وہ کہ حکم کے موافق ہو۔ القبح وہ کہ حکم کے خلاف ہو۔ السفہ حکم کا چھوڑنا الظلم جو محل نہیں کسی چیز کو رکھنا۔ العدل اس کے اپنے محل میں چیز کو رکھنا۔ الملک جو کچھ وہ کرے اس پر اعتراض نہ کیا جا سکے۔ یہ وہ حدود ہیں جو کہ طالب کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں اختصار کے طور پر بیان کر دیا ؛

نوع دیگر

اس میں چند ایسے کلمات و عبارات ہیں جن کی تشریح کی ہر ایک کو ضرورت ہے اور تصوف میں ان کا بکثرت استعمال ہے اور ان کا مقصود اس سے وہ نہیں ہوتا جو اہلِ زبان کو اس کے ظاہر لفظ سے معلوم ہو جاتے ہیں ۔

الخاطر اہلِ طریقت لفظ خاطر سے وہ معنے مراد لیتے ہیں جو دل میں حاصل ہوں اور جلدی ہی دل سے دوسرے خطرہ دل کے آنے پر دُور ہو جائیں اور صاحبِ خاطر اس کی دل سے دُور کرنے پر قدرت رکھے۔ اہلِ خاطر پہلے خاطر کے پیروکار ہوتے ہیں اس لئے تمام امور میں۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جانب سے بندے پر بغیر علت کے ظاہر ہوتا ہے ؛

بیان کرتے ہیں کہ حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خطرہ ظاہر ہوا کہ حضرت جنید رضی اللہ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ اس خطرے کو دل سے دُور کریں تو ایک اور خطرہ دل میں نمودار ہو گیا وہ اس کے دفع کرنے میں مشغول ہوئے تو تیسرا خطرہ دل میں پیدا ہو گیا انھوں نے حضرت جنید رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ دروازہ پر کھڑے ہوئے ہیں فرما رہے ہیں اے خیر النساج اگر تم اپنے پہلے ہی خطرے کے پیروکار ہو جاتے تو مشائخ رحمہم اللہ کی سیرت پر عمل کرتے تو مجھے اتنی دیر دروازہ پر کھڑا رہنا نہ پڑتا۔ مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ خطرہ جو حضرت خیر کو دل سے نمودار ہوا اس میں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کیوں نظر آئے ؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ حضرت خیر کے مرشد تھے لامحالہ مرشد اپنے مرید کے تمام احوال سے باخبر ہوتا ہے ؛

الواقع اس کے معنے یہ ہیں کہ خاطر کے برخلاف دل میں ایسے معنے ظاہر ہوں جو باقی رہ جائیں اور طالب کسی حال میں کسی ذریعہ سے اسے دور کرنے پر قدرت نہ رکھے چنانچہ فرماتے ہیں خطر علےٰ قلبی و وقع فی قلبی یعنے خطر تو میرے دل پر ہے اور وقع میرے دل میں ہے۔" لہٰذا ہر دل خطر کی جگہ ہے لیکن وقع اسی دل میں ہوتا ہے جس میں حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے کلام کی گنجائش نہ ہو۔ اسی بنا پر جب مرید کو حق تعالیٰ کی راہ

میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اسے قید کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے فلاں پر واقعہ پیش آیا۔ اور اہل زبان واقعہ سے مسائل میں مشکل بات مراد لیتے ہیں اور جب کوئی اس کا جواب دے دیتا ہے اور اس اشکال کو اٹھا دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ واقعہ حل ہو گیا۔ لیکن اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے جس پر حل جائز نہ ہو۔ اور جو حل ہو جائے وہ خطرہ ہوتا ہے واقعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اہل تحقیق کی قید کسی حقیر چیز میں نہیں ہوتی جس کا حکم ہر لحظہ بدلتا رہے اور ایک حال سے دوسرے حال پر ہو جائے واللہ اعلم بالصواب ۔

الاختیار اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اپنے اختیار کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کے اختیار کو اختیار کریں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے جو کچھ اختیار فرمایا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر وہ اس پر راضی رہے۔ اور بندہ کا حق تعالیٰ کو اختیار کرنا بھی حق تعالیٰ ہی کے اختیار سے ہو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق تعالیٰ اسے بے اختیار کر کے ہرگز اپنے اختیار میں نہ لیتا ۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا امین کون ہے ؟ فرمایا وہ ہے جسے اختیار نہ رہے اور حق تعالیٰ کے اختیار کو اپنا اختیار بنا لے

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ انہیں بخار آیا دعا کی اے خدا مجھے صحت عطا فرما! ان کے دل میں ندا آئی کہ تم کون ہو کہ میرے ملک میں رائے دیتے ہو اور اپنا اختیار استعمال کرتے ہو؟ میں اپنی ملک کی تدبیر تم سے بہتر جانتا ہوں۔ تم میرے اختیار کو اختیار کرو نہ کہ اپنے اختیار کو ظاہر کرو۔ واللہ اعلم ۔

الامتحان اس لفظ سے اولیاء کے دل کا امتحان مراد لیتے ہیں جو ان کے دل پر قسم قسم کی بلائیں حق تعالیٰ کی جانب سے پہنچتی ہیں مثلاً خوف غم قبض اور ہیبت وغیرہ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ و اجر عظیم الایہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے دلوں کا امتحان لیا ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے ۔

یہ بہت بلند درجہ ہے واللہ اعلم ۔

البلاء دوستوں کے جسموں کا بلاؤں کے ساتھ امتحان لینا مراد لیتے ہیں۔ اور طرح طرح کی مشقتوں، بیماریوں، اور تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جس قدر بندہ پر سختی کے ساتھ بلائیں ظاہر ہوتی ہیں اتنی ہی قربت میں ان کا مرتبہ بڑھتا ہے۔ اولیاء کے لیے بلائیں حق تعالیٰ کی جانب سے لباس ہوتا ہے اور اصفیاء کا گہوارہ۔ اور انبیاء علیہم السلام کی غذا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاءً یعنے ہم نبیوں کی جماعت لوگوں سے زیادہ سخت بلاء ہوتی ہے ۔ نیز فرمایا اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم اولیاء ثم الامثل فالامثل ۔ نزول بلاء کے لحاظ سے سب سے زیادہ شدید بلاء انبیاء پر ہوتی ہے اس کے بعد اولیاء پر اس کے بعد جو ان کے قریب قریب ہوں ۔

غرضکہ بلاء رنج و تکلیف کا نام ہے جو بندۂ مومن کے دل اور جسم پر پہنچتا ہے۔ درحقیقت وہ نعمت ہوتی ہے کیونکہ اس کا باطنی حکم بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے اور اس بلاء کے برداشت کی بنا پر اسے ثواب ملتا ہے۔ پھر وہ جو کافروں پر ہوتا ہے وہ بلاء نہیں ہے بلکہ شقاوت و بدبختی ہے وہ کسی حال میں بھی شقاوت سے نجات نہیں پا سکتے۔ لہٰذا بلاء کا مرتبہ امتحان سے بہت بلند ہے کیونکہ امتحان کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور اس کا اثر دل اور جسم دونوں پر ہوتا ہے

واللہ اعلم بالصواب ۔

التحلی یہ ہے کہ کسی قابل تعریف پسندیدہ جماعت کے قول و فعل کی مشابہت کرنا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لیس الایمان بالتحلی والتمنی لکن ما وقر فی القلوب وصدق العمل: تحلی اور تمنی کا نام ایمان ہے بلکہ جو دلوں میں جمے اور عمل سے تصدیق کرے اس کا نام ایمان ہے ۔ لہٰذا بغیر حقیقت کے کسی گروہ کا ظاہری اعمال کو بجا لانا اسی کا نام تحلی ہے جو لوگ صرف نمائش کرتے ہیں اور ان میں حقیقت نہیں ہوتی ہے وہ بہت جلد ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں اور ان کا راز کھل جاتا ہے ۔ اور اہل تحقیق کے نزدیک تو وہ لوگ بہت ہی ذلیل و رسوا ہوتے ہیں اور ان کا بھید خوب کھل جاتا ہے ۔

التجلی یہ ہے کہ مقبولان بارگاہ حق کی توبہ کے وقت ان کے دل میں حق تعالیٰ کے انوار کا ظہور ہو ۔ اور وہ اس سے منور ہو جائیں ۔ کیونکہ وہ دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں ۔ اور دل کی آنکھ سے دیکھنے اور سر کی آنکھ سے دیکھنے کا کھلا فرق یہ ہے کہ صاحب تجلی اگر چاہے تو دیدار کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ دیکھے ۔ یا یہ کہ کسی وقت دیدار ہو جائے اور کسی وقت دیدار نہ ہو ۔ پھر یہ کہ جنت میں اگر کوئی چاہے کہ نہ دیکھے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ دیکھے ۔ اس لئے کہ تجلی پر پردہ جائز ہوتا ہے اور رویت پر حجاب جائز نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

التخلی یہ ہے کہ بندہ ایسے اشغال سے بچے جو خدا تعالیٰ سے اسے روکے ۔ ایک دنیا ہے جس سے ہاتھ خالی رکھے ، دوسری عاقبت ہے کہ اس سے اپنے دل کو اس کے ارادہ سے خالی رکھے ۔ تیسرے نفسانی خواہش ہے کہ اپنے باطن کو اس کی پیروی سے خالی رکھے چوتھے لوگوں کی صحبت ہے کہ اپنے آپ کو اس سے خالی رکھے اور اپنے دل میں ان کا اندیشہ نہ لائے ۔

الشرود یہ ہے کہ آفات حجابات سے خلاصی کے ساتھ حق تعالیٰ کی جستجو و طلب اور اس میں بے قرار ہوتا ہے ۔ کیونکہ طالب کے لئے سب سے بڑی بلا حجاب ہے ۔ لہٰذا طلباء کی جماعت ، حجاب کو کھولنے ، اس کا سفر اختیار کرنے اور ہر چیز سے اسی کی طرف جانے میں مشغول ہوتی ہے اسی کا نام شرود ہے ۔ کیونکہ شروع میں وہ جستجو و طلب میں بیقرار اور بہت بے چین ہوتے ہیں اور آخر میں وصل سے بہت زیادہ متمکن اقامت گزیں ہو جاتے ہیں ۔

القصود اس سے مراد حقیقت مقصود کی طلب میں عزم و ارادہ کی درستگی و صحت ہے ۔ اور اس طبقہ کا قصود حرکت و سکون سے وابستہ نہیں ہے ۔ اس لئے کہ محب محبت میں اگرچہ ساکن ہو مگر وہ قاصد ہوتا ہے اور یہ عادت کے خلاف ہے اس لئے کہ قاصدوں کا قصد یا تو اپنے ظاہر پر قصد کا کوئی نشان بناتا ہے یا اپنے باطن میں کوئی علامت رکھتا ہے لیکن محبوبان خدا بغیر علت کے طلب کرتے ، اور بغیر اپنی حرکات کے قاصد ہوتے ہیں ۔ اور ان کی تمام صفتیں خود قصد کرتی ہیں کہ قصد انتہا کو پہنچے جب دوستی و محبت حاصل ہو جاتی ہے تو سراپا قصد بن جاتے ہیں ۔

الاصطناع اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو اس کے تمام نصیبوں کو فنا کرکے اور اس کی تمام نفسانی لذتوں اور اس کی منفعتوں کو زائل کرکے ایسا مہذب بنائے کہ اس میں سب کچھ تبدیل ہو جائے یہاں تک کہ صفتیں زائل ہو جائیں نفسانی اوصاف بدل جائیں اور خود سے بے خود ہو جائے ۔ یہ درجہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اس میں اولیاء شامل نہیں ۔ اگرچہ بعض مشائخ رحمہم اللہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ

اولیاء کے لئے بھی اس معنے کو جائز رکھتے ہیں واللہ اعلم بالصواب ۰

الاصطفا اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کے دل کو اپنی معرفت کے لئے فارغ کر دے یہاں تک کہ اپنی معرفت کی پاکیزگی اس کے دل نشین کر دے اس درجہ میں خاص اور عام مومن سب برابر ہیں خواہ گنہگار ہو یا فرماں بردار ۔ ولی ہو یا نبی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات : پھر ہم نے اس کتاب کا انھیں وارث بنایا جن کو ہم نے بندوں میں سے برگزیدہ کیا لہٰذا کچھ ان میں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ ان میں سے اعتدال پسند ہیں اور کچھ ان میں سے نیکیوں پر سبقت لے جانے والے ہیں ۰

الاصطلام اس سے مراد حق تعالیٰ کی تجلیات ہیں جس سے بندہ مکمل طور پر اپنے ارادہ کی نفی کے لطیف امتحان میں اپنے آپ کو مغلوب و مقہور بنا لے ۔ امتحان والے کا دل اور اصطلام والے کا دل دونوں ایک ہی معنے میں ہیں بجز اس کے کہ اصطلام امتحان کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور خاص ہے اہل طریقت کے کلام و عبارات میں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۰

الرین اس سے مراد دل کا وہ حجاب ہے جو ایمان کے ساتھ ہی کھلتا ہے وہ حجاب کفر و ضلالت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کفار کے دلوں کی صفت بیان فرمائی کہ کلا بل ران علیٰ قلوبهم ما کانوا یکسبون ، ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر رین یعنے حجاب ہے جس سے وہ کفر کماتے ہیں ۰

مشائخ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ رین ایسا حجاب ہے جسے اپنے سے کسی طور پر دور کرنا ممکن نہیں ہوتا اسی بنا پر کافروں کا دل اسلام قبول کرنے والا نہیں ہوتا اور جو لوگ اسلام لے آتے ہیں وہ علم الٰہی میں مومن ہوتے ہیں ۰

الغین اس سے مراد دل کا وہ حجاب ہے جو استغفار سے اٹھ جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک خفیف دوسرا غلیظ ۔ غلیظ حجاب اہل غفلت اور مرتکب کبیرہ کے لئے ہے اور خفیف حجاب سب کے لئے ہے خواہ ولی ہو یا نبی ۔ تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انه لیغان علیٰ قلبی وانی لاستغفر اللہ فی کل یوم مائة مرة ؛ بلاشبہ کسی وقت میرے دل پر خفیف ابر ہوتا ہے اس وقت میں روزانہ سو مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں ۰

لہٰذا حجاب غلیظ کے لئے مکمل توبہ شرط ہے اور حجاب خفیف کے لئے حق تعالیٰ سے صادق رجوع درکار ہے ۔ توبہ آئندہ معصیت نہ کرنے کا عہد کرنے کے بعد طاعت میں مشغول رہنے کا نام ہے اور رجوع از خود خدا کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے ۔ لہٰذا توبہ جرم سے کی جاتی ہے اور بندوں کا جرم امر الٰہی کی مخالفت کرنے میں ہے ۔ اور محبوبوں کا جرم ارادۂ الٰہی کی مخالفت میں ہے ۔ اسی لئے بندوں کا جرم معصیت ہے اور محبوبوں کا جرم اپنے آپ کو دیکھنا ہے جو خطا سے درستگی کی طرف لوٹے اس کا نام تائب ہے اور جو درستگی سے مزید درستگی کی طرف متوجہ ہو اس کا نام راجع ہے ان سب کی تفصیل توبہ کے بیان میں لا چکا ہوں واللہ اعلم ۰

التلبیس حقیقت کے خلاف کسی چیز کو ظاہر کرنا، لوگوں کے دکھانے کے لئے اسے تلبیس کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
و لبسنا علیہم ما یلبسون۔ یقیناً ہم نے ان کو پہنایا جو وہ پہنتے ہیں ۔
غیر خدا کے لئے یہ صفت محال ہے۔ اس لئے کہ کافر کو نعمت سے مومن دکھاتا ہے اور مومن کو نعمت سے کافر دکھاتا ہے۔ تاکہ اظہار کے وقت اس کا حکم ہو اور اس کی حقیقت ہر ایک میں آجائے۔ اور جب صوفیوں میں سے کوئی نیک خصلتوں کو بُری صفتوں سے چھپاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تلبیس کرتا ہے اس کے سوا اور کوئی ان کی مراد نہیں ہوتی اور نفاق و ریاء کو وہ تلبیس نہیں کہتے اگرچہ اصل میں تلبیس ہی ہے اس لئے کہ تلبیس اقامت میں فعل حق کے سوا مستعمل نہیں ہے ۔

الشرب اس سے مراد طاعت کی حلاوت، کرامت کی لذت، اور الفت کی راحت ہے۔ کوئی شخص بغیر لذت کے صاحب شرب نہیں ہو سکتا جیسا کہ جسم کا شرب پانی ہے ایسے ہی دل کا شرب طاعت کی راحت حلاوت ہے ۔
میرے شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ارادہ و معرفت میں بے مشرب مرید اور بے مشرب عارف بیگانہ ہیں اس لئے کہ مرید پر لازم ہے کہ اپنے افعال سے صاحب شرب بنے تاکہ حق تعالیٰ ارادہ کی طلب کو پورا فرمائے لیکن عارف کو نہیں چاہیئے کہ حق تعالیٰ کے غیر سے صاحب مشرب بنے یا یہ کہ اپنے نفس کا صاحب شرب بنے اور وہ نفس کی طرف لوٹے۔ وہ غیر خدا سے راحت نہ پائے ۔

الذوق ذوق شرب کی مانند ہے لیکن شرب راحتوں کے سوا غیر میں مستعمل نہیں ہے۔ اور ذوق رنج و راحت کے لئے خوب مستعمل ہے جیسا کہ کسی نے کہا ذقت الحلاوۃ و ذقت البلاء و ذقت الراحۃ، حلاوت بھی چکھی، بلاء کو بھی چکھا اور راحت کو بھی چکھا ۔
اور شرب کے بارے میں کسی نے کہا شربت بکأس الوصل او بکأس الودو۔ میں نے وصل کا پیالہ یا محبت کا جام پیا ۔
اور اس لئے بھی کہ حق تعالیٰ نے جب شرب کی بات یاد دلائی تو فرمایا کلوا واشربوا ھنیئاً یعنے کھاؤ اور خوب سیر ہو کر پیئو ۔
اور جب ذوق کو یاد فرمایا تو فرمایا ذق انك انت العزیز الحکیم، اب چکھو تم تو عزت والے اور حکمت والے بنتے تھے ۔
دوسری جگہ فرمایا ذوقوا مسّ سقر: اب جہنم کو چھونے کا مزہ چکھو ۔
یہ تھے صوفیاء کرام کے کلام میں ان کے اصطلاحات کے احکام جن کو میں نے بیان کر دیا اگر سب کو بیان کروں تو کتاب طویل ہو جائے واللہ اعلم بالصواب ۔

سماع کے بیان میں گیارھویں حجاب کا کشف

جاننا چاہیئے کہ علم کے حاصل کرنے کے اسباب ذرائع پانچ ہیں۔ ایک سُننا (سمع) دوسرے دیکھنا، تیسرے چکھنا، چوتھے سونگھنا اور پانچویں چھونا۔ اللہ تعالیٰ نے دل کے یہ پانچ دروازے پیدا فرمائے ہیں۔ اور علم کی ہر ایک جنس ان میں سے کسی ایک کے ساتھ وابستہ رکھی ہے۔ مثلاً سماعت اس سے آواز اور خبر سُننے کا علم متعلق ہے۔ اور آنکھ اس سے رنگ و شکل وغیرہ کے دیکھنے کا علم متعلق ہے اور ذوق کو تلخ و شیریں کے ذائقہ کا علم متعلق ہے

اور سونگھنے کو خوشبو اور بدبو سونگھنے کا علم متعلق ہے۔ اور چھونے (لمس) کو سختی و نرمی کا علم متعلق ہے۔ ان پانچ حواسوں میں سے چار کی تو ایک ایک جگہ خاص ہے اور ایک سارے جسم و اعضاء میں پھیلا ہوا ہے۔ یعنے سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھ، چکھنے کے لئے زبان، سونگھنے کے لئے ناک اور چھونے کے لئے سارے جسم میں طاقت رکھی گئی ہے۔ اس لئے کہ آنکھ کے سوا دیکھ نہیں سکتے، کان کے سوا سُن نہیں سکتے، ناک کے سوا سونگھ نہیں سکتے، اور زبان کے سوا چکھ نہیں سکتے۔ لیکن سارا جسم چھونے سے نرمی کو سختی سے، گرمی کو سردی سے جانتا ہے۔ اور از روئے جواز جائز ہے کہ ہر ایک تمام اعضاء میں پھیلا ہوا ہو جس طرح کہ لمس ہے۔ اور معتزلہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ ہر ایک کے لئے مخصوص محل کے سوا اور محل میں ہو۔ چھونے کی حس کے سوا ان کا یہ قول باطل ہے۔ کیونکہ لمس کے لئے کوئی خاص محل نہیں ہے اور جبکہ ایک حس کے لئے کوئی خاص محل نہیں تو جائز ہے کہ بقیہ حواس کے لئے بھی کوئی خاص محل نہ ہو۔ لہٰذا دوسرے کے لئے بھی اسی طریق پر جائز ہے۔ اگرچہ یہ جگہ اس گفتگو کی نہ تھی مگر بیان معنے کی تحقیق کے لئے اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا یہ چاروں حواس جن کا ذکر ہو چکا ہے بغیر پانچویں کے جو کہ سُنتا ہے ایک دیکھتی ہے ایک سونگھتی ہے ایک چکھتی ہے اور ایک چھوتی ہے جائز ہے کہ اس انوکھے جہان کو دیکھے اور اس کی اچھی چیزوں کو سونگھے اور اس کی عمدہ نعمتوں کو چکھے اور اس کی نرم چیزوں کو چھوئے اور آوازوں کو سُنے اور ان سے عقل کی دلیل پکڑے اور اپنے خدا کی راہ دکھائے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عالم محدث ہے اور یہ تغیر کی جگہ ہے اور یہ کہ ہر نو پیدا شدہ چیز کے لئے ضروری ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ہو۔ اور ان کا پیدا کرنے والا اس کی جنس سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کائنات پیدا شدہ ہے اور وہ اس کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ کائنات جسمانی ہے اور اس کے پیدا کرنے والے کا جسم نہیں ہے۔ اور یہ کائنات متناہی ہے اور اس کا پیدا کرنے والا نامتناہی ہے۔ وہ سب چیزوں پر قادر اور تمام کاموں پر توانا ہے وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور ملک میں اس کا تصرف و قبضہ جائز ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس نے دلائل صادقہ کے ساتھ رسولوں کو بھیجا لیکن اس کے رسولوں پر گرویدہ ہونا واجب نہیں جب تک کہ معرفت کا وجوب سماعت سے معلوم نہ ہو سب کچھ شریعت اور دین واجب کرنے والی ہے۔ اسی بنا پر اہل سنت جماعت سماعت کو بصر پر اس دنیا میں فضیلت دیتے ہیں۔ اگر کوئی خطا کار یہ کہے کہ کان محلِ خبر ہے اور آنکھ دیکھنے کی جگہ۔ اور یہ کہ خدا کا دیدار اس کے کلام سننے سے افضل ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ نظر سماعت سے افضل ہو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم سماعت کے ذریعہ بھی جنت میں مسلمانوں کے لئے دیدار الٰہی کو جائز جانتے ہیں۔ کیونکہ عقل کے ذریعہ دیدار کے جائز ہونے میں حجاب کشف سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں حدیث پاک سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مکاشف فرمائے گا اور ان کی آنکھ کے آگے سے حجاب اٹھا دے گا۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں۔ لہٰذا سمع بصر سے افضل ہوگئی۔ نیز شریعت کے تمام احکام سمع پر مبنی ہیں۔ اگر سمع نہ ہوتی تو ان کا ثبوت محال تھا اور یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام آنے کے بعد پہلے گفتگو فرماتے ہیں تاکہ وہ سنیں اور گرویدہ ہوں۔ اس کے بعد معجزہ ظاہر فرماتے ہیں اور معجزے کے دیکھنے میں اس کی تاکید بھی سمع سے ہوتی ہے۔ کہ وہ ان کے دلائل کو سنتے ہیں۔ جو شخص سمع کا انکار کرتا ہے گویا اس نے تمام شریعت کا انکار کر دیا۔ اور اس کا حکم خود پر پوشیدہ ہو گیا اب میں اس کا حکم جو رب حاوی ہے ظاہر کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ عزوجل ؂

باب قرآن سُننے اور اس کے متعلّقات کے بیان میں

سماعِ مسموعات میں سب سے بہتر و افضل چیزوں کے فوائد اور باطن کی زیادتی اور کان کی لذت کے لئے کلام الٰہی کی لذت ہے جس کی سماعت ہر مسلمان پر فرض، اور تمام کا ذ مکلّف ہیں. خواہ وہ انسان ہوں یا جن. کلام الٰہی کے سُننے اور قرآن کے معجزوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ پڑھنے والا اور سُننے والا کوئی رنجیدہ نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں بڑی رقت نرمی ہے یہاں تک کہ کفار قریش (جو اسلام کے شدید ترین دشمن تھے) راتوں کو چھپ چھپ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز میں کلام الٰہی کو سُنتے تھے حضور تلاوت فرماتے اور وہ حیرت زدہ اور متعجب ہوتے تھے. مثلاً نضر بن حارث جو کہ اہل عرب میں سب سے بڑھ کر فصیح اللسان تھا اور عتبہ بن ربیعہ جو بلاغت میں جادو بیان تھا اور ابوجہل بن ہشام جو خطابت برا ہین اور نظم میں ید بیضا (بے مثل دیکھنا) رکھتا تھا۔ اس کے مانند اور بھی تھے جس وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم رات کے وقت کوئی سورۃ تلاوت فرماتے تو عتبہ کے ہوش جاتے رہتے اور ابوجہل سے کہتا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام کسی مخلوق کا نہیں ہے. اور اللہ تعالیٰ جنات کو بھیجا اور ان کی جماعت کی جماعت آں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے خدا کا کلام سُنتی تھی جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے فقالوا انا سمعنا قرانًا عجبا. وہ کہتے بے شک ہم نے عجیب قرآن کو سنا،

پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کے قول کی ہمیں خبر دی کہ یہ قرآن ان کا رہنما اور بیماروں کے دل کو راہ راست دکھانے والا ہے اور فرمایا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہٖ ولن نشرك بربنا احدًا: یہ قرآن بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، لہٰذا قرآن کی نصیحت تمام نصیحتوں سے بہت اچھی ہیں اور اس کے لفظ اختصار میں بہت مختصر ہیں اور اس کا حکم تمام حکموں میں زیادہ لطیف اور اس کی ممانعت تمام ممانعتوں سے زیادہ تنبیہ کرنے والی ہیں اور اس کا وعدہ تمام وعدوں سے زیادہ دلوں کو کھینچنے والا ہے اور اس کی وعیدیں تمام وعیدوں سے زیادہ دلوں کو پگھلانے والی ہیں. اور اس کے قصے تمام قصوں سے زیادہ بلند ہیں اور اس کی مثالیں ہر کہاوت سے زیادہ فصیح ہیں. ہزارہا دلوں کو اس کی سماعت نے شکار کیا اور ہزارہا جانوں کو اس کی بلاغت و لطافت نے پائمال کیا. یہ دنیا کے چاہنے والوں کو ذلیل کرتا ہے اور دنیا کے ذلیلوں کو عزیز و برتر بناتا ہے. جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سُنا کہ بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں تو تلوار سونت کر ان کے قتل کرنے کے ارادہ سے دل کو ان کی محبت سے خالی کیا یہاں تک حق تعالیٰ نے اپنے لطف کا ایک لشکر سورۂ طٰہٰ کے کے گوشوں کی گھات میں بٹھلا دیا. جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کے دروازہ پر آئے تو وہ پڑھ رہی تھیں طٰہٰ ما انزلنا علیك القراٰن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ (اے محبوب ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو یہ تو خوفِ خدا رکھنے والوں کے لئے نصیحت ہے) جب حضرت فاروق نے یہ سُنا تو ان کا دل اس کے دقائق و باریکیوں کا شکار ہو گیا اور ان کا دل اس کے لطائف میں جکڑ گیا. صلح کا طریقہ چاہا اور جنگ کا لباس اتارا اور مخالفت سے موافقت میں آئے. مشہور ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ تلاوت فرماتے کہ ان لدینا انکالًا و جحیمًا وطعامًا ذا غصۃٍ و عذابًا الیمًا: بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور آگ ہے اور ایسا کھانا جو حلق میں اٹکنے والا ہے اور دردناک عذاب ہے

توحضرت فا. وق چیخ مار کر بیہوش ہو جاتے تھے. ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا ان عذاب
لواقع ماله من دافع : بے شک تمہارے رب کا عذاب ضرور واقع ہونا ہے کوئی اسے روکنے والا نہیں ؛ توحضرت فاروق بیہوش ہو گئے
ا اٹھا کر گھر لے گئے اور آپ خدا کے خوف و عذاب سے ایک مہینہ تک بیمار رہے ؛

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی لہم من جہنم مھاد ومن فوقھم غواش : کافروں
ے آگ کا بچھونا اور ان کے اوپر اسی کا بالا پوش ؛ تو وہ روتے ہوئے ان پر گر پڑے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے گمان کیا کہ شاید روح پرواز کر گئی
ا بٹھایا اور کہنے لگے اے مرشد بیٹھئے انھوں نے فرمایا اس آیت کی ہیبت مجھے بیٹھنے سے روکتی ہے ؛

مشائخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی، یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا
ون : اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جسے تم کر نہیں سکتے ؛ حضرت جنید نے فرمایا بار خدایا ان قلنا قلنا بک وان فعلنا فعلنا
بتوفیقک فاین القول والفعل : اے خدا ہم جو کہتے ہیں تجھ سے ہی کہتے ہیں اور جو کرتے ہیں تیری ہی توفیق سے کرتے ہیں ہمارا اپنا قول و
کہاں ہے ؛

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے پڑھا واذکر ربک اذا نسیت : یعنے جب تم بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرو ؛ انھوں نے
یاد کرنے کی شرط نسیان میں ہے اور حال یہ ہے کہ سارا عالم اس کی یاد میں مشغول ہے یہ کہکر چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو کہنے
یری جان عجیب ہے کہ کلام الٰہی کو سنتی ہے اور باہر نہیں نکلتی ؛

ایک بزرگ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں پڑھ رہا تھا کہ واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ : یعنے اس دن سے ڈرو جس دن تم خدا کی طرف
ے جاؤ گے ؛ غیب سے آواز آئی آہستہ پڑھیئے کیونکہ اس آیت کی ہیبت سے چار جن مر چکے ہیں ؛

ایک درویش فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال سے نماز میں اتنا ہی قرآن کو پڑھا جس سے نماز جائز ہو جائے اس کے سوا قرآن کو نہ پڑھا لوگوں
ا، لوگوں نے پوچھا کیوں ؟ فرمایا اس ڈر سے کہ وہ مجھ پر حجت بنے گا ؛

میں حضرت شیخ ابو العباس شقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو ان کو یہ آیت پڑھتے ہوئے پایا ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لا یقدر
شئی : اللہ تعالیٰ اس خرید کردہ غلام کی مثال دیتا ہے جو کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ؛ پھر وہ رونے لگے اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئے میں نے خیال
کہ شاید دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نے کہا اے شیخ یہ کیا حال ہے ؟ فرمایا گیارہ سال گزر گئے ہیں میرا ورد یہیں
پہنچا ہے اس سے آگے میں نہیں جا سکتا ؛

حضرت ابو العباس عطا رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا آپ روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہیں ؟ فرمایا پہلے تو دن رات میں دو قرآن ختم
اتھا اب چودہ سال ہو گئے ہیں صرف سورۂ انفال تک آج پہنچا ہوں ؛ مشائخ کرام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو العباس قصاب قاری

رحمۃ اللہ علیہ سے کہا قرآن پڑھیئے انھوں نے پڑھا یاایھا العزیز مسّنا واھلنا الضر وجئنا ببضاعۃ مزجٰۃ (اے یوسف عزیز مصر ہمیں اور ہمارے گھروالوں کو تکلیف پہنچی ہے ہم حقیر پونجی لے کر آئے ہیں) پھر کہا آگے پڑھیئے! انھوں نے پڑھا قالوا ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل (بھائیوں نے کہا اگر برادر یوسف بن یامین نے چوری کی ہے تو بے شک پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے) پھر کہا آگے پڑھیئے! چنانچہ جب انھوں نے یہ پڑھا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم الایٰۃ (آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے) اس پر انھوں نے کہا اے خدا میں ظلم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے بڑھ کر ہوں اور تو کرم میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے تو میرے ساتھ وہ کرم فرما جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔

غرضکہ اس اعجاز و اثر کے باوجود ہر مسلمان خواہ مطیع ہو یا عاصی قرآن کے سُننے پر مامور کیا گیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون: جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سُنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحمت کے مستحق ہو۔ اس آیت کریمہ میں لوگوں کو حکم فرمایا گیا کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو خاموش ہو کر اسے سُنا جائے۔ نیز فرمایا فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ الایٰۃ اے محبوب میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے جو قرآن سُنتے ہیں اور وہ اس کی عمدہ پیروی کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس کے احکام کو قائم رکھتے ہیں اور اسے عظمت کے ساتھ سنتے ہیں۔ نیز فرمایا الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم: یہ وہ لوگ ہیں جب خدا کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل ذکر الٰہی سے چین پائیں۔ خبردار ذکر الٰہی سے پریشان دل مطمئن ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایمان داروں کے دل ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اس قسم کی بکثرت آیات ہیں جو اس حکم کو اور زیادہ مضبوط بناتی ہیں۔ پھر اس کے برخلاف حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو کلام الٰہی کو قبولِ حق سے نہیں سُنتے اور کان سے دل کو راہ نہیں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ: اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔ مطلب یہ کہ سُننے والے کان بھی مُہر شدہ ہیں۔ نیز فرمایا کہ قیامت میں دوزخی کہیں گے لو کنا نسمع او نعقل ماکنا فی اصحاب السعیر: اگر ہم سُننے کا حق ادا کرتے اور سمجھنے کا حق ادا کرتے تو ہم دوزخی نہ ہوتے۔ نیز فرمایا ومنھم من یستمع الیک وجعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃ ان یفقھوا وفی اذانھم وقراً۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو آپ کی تلاوت سُنتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہ سمجھیں اور ان کے کان بہرے کر دیئے ہیں گویا انھوں نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ نیز فرمایا ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون: ان لوگوں کی مانند نہ ہو جو کہتے تھے کہ ہم نے سُنا حالانکہ وہ نہیں سُنتے تھے یعنی دل سے نہیں سُنتے تھے۔

اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اقرأ علیّ فقال انا اقرأہ علیک وعلیک انزل فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی احب ان اسمعہ من غیری۔ اے ابن مسعود قرآن سُناؤ! انھوں نے عرض کیا میں آپ کو سناؤں! حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ میں اسے اپنے

غیر سے سُننا زیادہ پسند کرتا ہوں ۔

یہ دلیل واضح ہے کہ سُننے والا پڑھنے والے سے زیادہ کامل حال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ فرمایا کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں کہ دوسرے سے اسے سنوں ۔ وجہ یہ ہے کہ قاری یا تو اپنے حال سے پڑھے گا یا اپنے حال کے غیر سے لیکن سُننے والا بہر حال اپنے حال سے سُنے گا۔ کیونکہ گویائی میں ایک قسم کا غرور ہوتا ہے اور سُننے میں ایک قسم کا انکسار واضح ہوتا ہے ۔

نیز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیبتنی سورۃ ھود یعنے مجھے سورۂ ھود نے بوڑھا کر دیا ۔ مفسرین بیان کرتے ہیں یہ اس وجہ میں فرمایا کہ سورۂ ھود میں یہ آیت ہے فاستقم کما امرت یعنے جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق سیدھے رہو " درحقیقت انسان مامور حق کے مطابق استقامت سے عاجز ہے کیونکہ بندہ توفیق الٰہی کے بغیر کچھ کر سکتا ہی نہیں ۔ لہٰذا جب حضور نے سُنا کہ فاستقم کما امرت (حکم کے مطابق سیدھے رہو) تو آپ متحیر ہو گئے اور فرمانے لگے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اس حکم کے مطابق قیام کر سکوں ۔ اس سے آپ کے دل کو سخت تکلیف ہوئی اور یہ تکلیف بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ ایک دن آپ نے اپنے کاشانۂ اقدس میں کھڑے ہونے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے اپنے ہاتھوں کا زمین پر سہارا دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا یہ کیا حال ہے حالانکہ ابھی آپ جوان و تندرست ہیں فرمایا سورۂ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ۔ مطلب یہ کہ اس کے سُننے سے میرے دل پر اتنا اثر ہوا کہ میری طاقت جاتی رہی ۔۔

ایک صحابی سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کنت فی عصابۃ فیھا ضعفاء المھاجرین وان بعضھم یستر بعضاً من العری وقاری یقرء علینا ونحن نستمع لقرأتہ قال فجاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حتی قام علینا فلما راٰہ القاری سکت قال فسلم فقال ماذا کنتم تصنعون قلنا کان قاری یقرء علینا ونحن نستمع بقرأتہ فقال النبی صلے اللہ علیہ سلم الحمد للہ الذی جعل فی امتی من امرت ان اصبر نفسی معہم قال ثم جلس وسطنا لیعدل نفسہ فینا ثم قال بیدہ ھکذا فتحلق القوم فلم یعرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم منہم احد قال فکانوا ضعفاء المھاجرین فقال النبی صلے اللہ علیہ سلم ابشروا صعالیک المھاجرین بالفوز التام یوم القیٰمۃ تدخلون الجنۃ قبل اغنیاء کم بنصف یوم کان مقدارہ خمس مائۃ عام ۔ میں ایسے کمزور مہاجرین میں سے تھا جنھوں نے اپنی پردہ پوش جگہوں کو ایک دوسرے حصۂ بدن سے چھپا رکھا تھا ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم سب اس کو سن رہے تھے اتنے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے جب قاری نے حضور کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام فرمایا اور دریافت کیا تم کیا کر رہے ہو ہم نے عرض کیا ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم اسے سُن رہے تھے اس پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ ذات باری لائق حمد ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں بھی ان کے ساتھ کچھ دیر قیام کروں چنانچہ حضور ہمارے درمیان بیٹھ گئے گویا کہ حضور ہم میں ہی کے ایک برابر کے فرد ہیں پھر آپ نے دست مبارک کا اشارہ فرمایا اس پر جماعت حلقہ بنا کر بیٹھ گئی ۔

اور کوئی نہیں پہچان سکتا کہ ان میں اللہ کا رسول کون ہے حضورؐ نے اپنے آپ کو مہاجر کمزوروں کی مانند بنا لیا پھر آپ نے فرمایا اے مہاجروں کے کمزور درویشو! تمہیں پوری پوری کامیابی کی بشارت ہو کہ تم قیامت کے دن مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہوگے جس کی مقدار پانچ سو برس کی ہوگی۔

اس حدیث کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متعدد راویوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں لیکن اختلاف عبارت الفاظ میں ہے مگر معانی سب کے یکساں اور درست ہیں۔

فصل

اکابر صحابہ میں سے سیدنا زرارہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ جو نماز میں امامت کیا کرتے تھے انھوں نے جب ایک آیت پڑھی تو چیخ نکل گئی اور اسی وقت ان کی روح پرواز کر گئی۔ اور اکابر تابعین میں سے حضرت ابو جعفر تابعی تھے حضرت صالح مری نے ان کے پاس ایک آیت پڑھی تو انھوں نے بے ہوش ہو کر جان دے دی اور دنیا سے کوچ کر گئے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں کوفہ کے ایک دیہات میں جا رہا تھا میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں بزرگی کے آثار ان کے چہرہ پر ظاہر تھے میں ٹھہر گیا یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے میں نے ان سے برکت حاصل کرنے کے لئے سلام عرض کیا انھوں نے پوچھا قرآن جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں! انھوں نے فرمایا کوئی آیت پڑھو میں نے جب تلاوت کی تو ان کی چیخ نکل گئی اور روح دیدار الٰہی کے استقبال کے لئے چلی گئی۔ رحمہا اللہ۔ حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک جوان کو دیکھا جو بہت سخت جاڑے اور ٹاٹ کنوئیں کے کنارہ پہ کھڑا تھا اس نے مجھ سے کہا اے احمد وقت آگیا ہے میں کچھ سننا چاہتا ہوں تاکہ جان دے دوں تم کوئی آیت سناؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے مجھے الہام ہوا کہ میں یہ آیت تلاوت کروں ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا (جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر انھوں نے استقامت کی)۔ اس جوان نے کہا اے احمد! رب کعبہ کی قسم! ابھی ابھی اسی وقت ایک فرشتہ نے بھی یہی آیت پڑھی تھی۔ اسی وقت روح پرواز کر گئی رحمۃ اللہ علیہ۔ اگر میں اس قسم کی تمام حکایتیں بیان کروں تو میں اپنے مقصود سے رہ جاؤں۔ وباللہ التوفیق۔

باب شعر سننے اور اس کے متعلقات کے بیان میں

مختصر یہ کہ شعر کا سننا مباح ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کہا اور سنا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان من الشعر لحکمۃ (بلاشبہ بعض شعر حکمت پر مبنی ہیں) نیز فرمایا والحکمۃ ضالۃ المومن من حیث وجدھا فھو احق بھا مطلب یہ کہ شعر سے وہ شعر مراد ہے جس میں حکمت ہو اور حکمت مسلمان کی گم شدہ چیز ہے جو اس سے غائب ہو گئی وہ جہاں سے بھی پائے حاصل کرے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اصدق کلمۃ قالتھا العرب قول لبید، عرب میں سب سے سچا

کلام کہنے والا لبید کا کلام ہے ؎

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل ٭ وکل نعیم لا محالۃ زائل

یعنے خبردار! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے ٭ اور ہر نعمت یقیناً زائل ہونے والی ہے

اور حضرت عمرو بن شرید اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قال استنشد نی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم هل تروی من شعر امیۃ بن ابی الصلت شیئًا فانشد تہ مائۃ قافیۃ فجعلت کلما مررت علےٰ بیت قال هیۃ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یسلم فی الشعر: وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شعر سنانے کے بارے میں فرمایا کہ کیا امیہ بن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں میں نے عرض کیا ہاں اور ایک سو شعر سنائے ہر شعر کے بعد حضور فرماتے اور سناؤ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شعر میں محفوظ رہا ٭

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی بہت سی روایتیں ہیں ٭

لوگ اس میں بڑی غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک گروہ تو ہر قسم کے شعر سننے کو مطلقاً حرام کہتا ہے اور رات دن مسلمانوں کی غیبت میں مبتلا رہیں۔ اور ایک گروہ سب کو حلال کہتا ہے۔ اور دن رات زلف و خال اور معشوقوں کے احوال کے سننے میں مشغول رہتے ہیں۔ دونوں گروہ ایک دوسرے پر دلائل لاتے ہیں۔ میری مراد ان کے اشعار کہنے اور ان کے سننے کے اثبات و نفی میں نہیں ہے ٭

لیکن مشائخ طریقت رحمہم اللہ کا اس باب میں یہ طریقہ ہے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور سے شعر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کلام حسنہ حسن و قبیحہ قبیح یعنے جس کلام میں اچھائی ہو وہ اچھا ہے اور جس میں برائی ہو وہ برا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر اس چیز کا سننا خواہ وہ نثر ہو جس میں حکمت، موعظت، آیاتِ الٰہیہ میں استدلال اور غور و فکر وغیرہ ہو حلال ہے، خلاصہ یہ کہ جس کے جمال میں نظر کرنا محل آفت ہو اس کا دیکھنا بھی حرام ہے اور اس کو دل میں سوچنا یا اس کا سننا خواہ نظم ہو یا نثر وہ بھی حرام و ممنوع ہے۔ اور ایسی باتوں کا سننا اس وجہ سے حرام کچھ لوگ اسے مطلقاً حلال کہتے ہیں اور اس کو دیکھنے اور سننے کو بھی حلال جانتے ہیں۔ اس وقت یہ کفر و زندقہ اور بے دینی بن جاتا ہے۔

اور جو یہ کہتا ہے کہ میں آنکھ میں اور اس کے خد و خال اور زلف میں سب حق سنتا ہوں اور حق کا ہی جویا رہتا ہوں۔ لہٰذا یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس سے بڑھ کر دوسرے سے یہ کہے کہ میں اس لئے چھوتا اور نظر کرتا ہوں کہ اس میں حق ہے اور خد و خال کو دیکھ کر کہے کہ میں حق کو طلب کرتا ہوں اس لئے کہ آنکھ اور کان عبرت کی جگہ اور حصولِ علم کا مرکز ہے اس سے یہ بھی لازم آتا ہے وہ یہ بھی کہے کہ میں اس شخص کو چھوتا ہوں جس کی تعریف سننی جائز ہوتی ہے۔ پھر ایک اور شخص یہ کہے کہ میں اسے اس لئے دیکھنا جائز جانتا ہوں کہ میں بھی اس میں حق کا متلاشی ہوں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور کہے کہ ایک کا چاہنا دوسرے کے چاہنے سے ادراک معنے کے لئے بہتر نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت شریعت کے تمام قاعدے باطل ٹھہرتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے العینان تزنیان (یہ دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں) یہ حکم بھی جاتا رہے گا اور نامحرموں کو چھونے کی ملامت

منقطع ہو جائے گی اور حدود شرعیہ بھی ساقط ہو جائیں گی یہ کھلی گمراہی اور بے دینی ہے ۔

جب جاہل صوفیوں نے سننے والوں کو سماع میں مستغرق دیکھا اور ان کو سماع میں پایا تو ان کے حال پر گمان کرنے لگے کہ یہ بھی نفس کے لئے سماع میں مشغول ہیں۔ جب ان کو اس میں دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ حلال ہے اگر حلال نہ ہوتا تو وہ نہ کرتے انہیں کی تقلید میں کرنے لگے اور ظاہر کو پکڑ لیا اور باطن کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ خود بھی ہلاک ہوئے اور قوم کو بھی ہلاک کر دیا۔ یہ بھی زمانہ کی ایک آفت ہے اسے اپنی جگہ مکمل بیان کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ و باللہ التوفیق ۔

باب خوش الحان آوازوں کے سننے کے بیان میں

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں زینوا اصواتکم بالقرآن یعنے اپنی آوازوں کو قرآن پڑھنے کے ساتھ آراستہ کرو۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یزید فی الخلق مایشآء یعنے تخلیق میں جو چاہتا ہے زیادہ فرماتا ہے ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خوش الحانی ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من اراد ان یسمع صوت داؤد فلیسمع صوت ابی موسی الاشعری ۔ جو چاہتا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی آواز سُنے اُسے چاہیئے کہ حضرت ابی موسےٰ اشعری کی آواز سُنے ۔

اور مشہور احادیث میں ہے کہ جنت میں اہل جنت کو سماع سُنایا جائے گا۔ اس طرح پر کہ ہر درخت سے مختلف آواز و لحن ظاہر ہوں گی اس قاعدے کے بموجب کہ جب وہ سب آوازیں یکجا جمع ہوں گی تو طبیعتوں کو اس سے عظیم لذت و سرور ہو گا۔ سماع کی یہ قسم تمام مخلوق میں خواہ وہ آدمی ہوں یا اور کچھ سب کو عام ہوگی۔ انسان کے سوا بھی ہر چیز زندہ اور جاندار ہے کیونکہ روح لطیف ہے اور آوازوں میں لطافت ہے جب اسے سُنا جاتا ہے تو ایک جنس دوسری جنس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک گروہ کا قول ہے جسے میں نے بیان کیا ۔

لیکن اطباء اور احباری لوگوں میں سے دعویداران تحقیق اس سلسلہ میں بڑی بحث کرتے ہیں۔ اور انھوں نے آوازوں کے ملنے میں کتابیں لکھی ہیں اور ان کی انھوں نے بڑی عظمت ظاہر کی ہے۔ اور آج بھی ان کی صنعت کے آثار سازوں میں ظاہر ہیں جن کو انھوں نے نفسانی خواہشوں کو ابھارنے اور کھیل کود کے حاصل کرنے کے لئے شیطان لعین کی موافقت میں مرتب کر رکھا ہے۔ یہاں تک یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اسحاق موصلی ایک باغ میں گا رہا تھا اور ایک بلبل اس کے گانے میں مست ہو کر خاموش ہو گئی وہ گاتا رہا حتےٰ کہ وہ بلبل درخت سے گر پڑی اور مر گئی۔ اس قسم کی اور حکایتیں میں نے بکثرت سُنی ہیں لیکن اس سے میری مراد صرف اتنی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آوازوں کی تالیف و ترکیب سے طبیعت کو راحت پہنچتی ہے ۔

حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں عرب کے ایک قبیلہ میں پہنچا اور ایک امیر کے مسافر خانہ میں اترا تو وہاں میں نے دیکھا کہ ایک حبشی کو زنجیروں سے باندھ کر خیمہ کے دروازہ پر دھوپ میں ڈالا ہوا تھا۔ میرے دل میں ترس آیا میں نے ارادہ کیا کہ اس کی سفارش امیر سے کروں جب کھانا لایا گیا اور امیر مہمان کی تواضع کے لئے ساتھ آیا کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا اور یہ بات اہل عرب

کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے کہ کوئی کھانا نہ کھائے امیر نے مجھ سے کہا اے جوانمرد! کس بات نے تمہیں میرے یہاں کھانا کھانے سے روک دیا ہے؟ میں نے کہا تمہارے اس کرم نے جو مجھے تمہارے ساتھ ہے اس نے کہا میری ہر چیز کے تم مالک ہو اب تو تم میرا کھانا کھالو۔ میں نے کہا مجھے تمہارے املاک کی حاجت نہیں البتہ اس غلام کو میری خاطر چھوڑ دو۔ امیر نے کہا مجھ سے پہلے اس کا جرم سُن لو اس کے بعد تم اس کی زنجیر کھول دینا اس لئے کہ جب تک تم مہمان ہو میری ہر چیز پر تمہیں اختیار ہے۔ میں نے کہا بتایئے اس کا جرم کیا ہے؟ کہا کہ یہ غلام بہترین گانے والا ہے اور خوب حدی پڑھتا ہے میں نے اسے چند اُونٹوں کے ساتھ اپنے کھیتوں میں بھیجا کہ وہ میرے لئے غلہ لائے۔ اس نے ہر اُونٹ پر دو دو اونٹوں کے برابر غلہ بار کر دیا اور حدی کہتا ہوا اور گاتا ہوا اُونٹوں کو لے آیا راستہ میں اس کے گانے سے اُونٹ مست ہو کر دوڑتے اور چلتے رہے جب انہیں یہاں لے آیا، اور ان پر سے بار اُتارا گیا تو ایک ایک دو دو کر کے سب اُونٹ مر گئے۔ اُونٹوں پر بار جتنا میں نے کہا تھا اس سے دُونا تھا؛ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ مجھے سخت تعجب ہوا میں نے امیر سے کہا اے امیر! تمہاری شرافت تم سے سچ ہی کہلواتی ہوگی لیکن مجھے اس کے لئے کوئی دلیل چاہیئے۔ ہم ابھی گفتگو میں تھے کہ جنگل سے کچھ اونٹ کنوئیں کے کنارے پر نگہبان لائے امیر نے ان سے پوچھا کتنے دن سے اونٹوں نے پانی نہیں پیا ہے انہوں نے کہا تین دن سے۔ پھر اس نے اس حبشی غلام کو حکم دیا کہ اونٹ کی طبیعت کے موافق حدی گائے اس غلام نے حدی گانا شروع کیا اور اونٹ اس کی آواز سے ایسے مست ہو گئے کہ پانی کی طرف مونہہ نہ ڈالا۔ یہاں تک کہ ایکدم ایک ایک کر کے بھاگنے لگے اور جنگل میں منتشر ہو گئے۔ پھر امیر نے غلام کو چھوڑ دیا۔

اسی قسم کے بعض مشاہدے میں نے بھی کئے ہیں کہ جب شتربان اور خربندہ (گدھوں کو ہانکنے والا) سُریلی آواز نکالتے ہیں تو اونٹ اور گدھے جھوم جاتے ہیں۔ اور خراسان و عراق میں دستور ہے کہ شکاری ہرن کا شکار رات کو کرتے ہیں وہ ایک طشت کو بجاتے ہیں ہرن اس کی آواز کو سُن کر مسحور ہو جاتا ہے اور اپنی جگہ کھڑا رہتا ہے پھر وہ ان کو پکڑ لیتے ہیں۔

مشہور ہے کہ ہندوستان (غیر منقسم ملک) میں ایک گروہ گویّوں کا ایسا ہے جو جنگلوں میں جا کر گاتا، وہ آواز کو گردش دیتا ہے جب ہرن آواز کو سُنتا ہے تو وہ ادھر متوجہ ہو جاتا ہے یہ شکاری ہرن کے گرد اگرد ہو کر گاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ہرن مسرور ہو کر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور سو جاتا ہے پھر یہ لوگ اسے پکڑ لیتے ہیں۔

اسی طرح چھوٹے بچّوں کا حال ہے۔ کہ جب وہ پنگھوڑے میں روتا ہے تو کوئی شخص سُریلی آواز نکالتا ہے بچّہ اُسے سُنتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے اطباء ایسے بچے کے بارے میں کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر عقلمند ہوگا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ملک عجم کا ایک بادشاہ مرگیا اس کا ایک دو سالہ بچہ تھا وزیروں نے کہا اس بچہ کی بادشاہ کی جگہ تخت نشینی ہونی چاہیئے بزرجمہر سے مشورہ کیا اس نے کہا ٹھیک ہے۔ لیکن اسے پہلے آزما لینا چاہیئے کہ اس کے حواس ٹھیک ہیں تاکہ اس سے امید رکھ سکیں۔ انھوں نے کہا اسے کیسے آزمایا جائے؟ اس نے کہا کہ مغنیوں یعنے گانے والیوں کو بلایا جائے اور وہ اس کے سر پر گائیں۔ ایسا ہی کیا گیا گانے کے دوران بچہ مسحور ہو گیا ہاتھ پاؤں مارنا چھوڑ دیئے۔ بزرجمہر نے کہا یہ بچّہ بادشاہت کا حقدار ہے۔ ہم اس سے امید رکھ سکتے ہیں۔

عقلمندوں کے نزدیک آوازوں کی تاثیرات بہت زیادہ ظاہر ہیں اس کے اظہار کے لئے دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ مجھے آوازوں اور سازوں سے سرور نہیں آتا یا تو وہ جھوٹ کہتا ہے یا نفاق برتتا ہے یا حس نہیں رکھتا ہے۔ ایسا شخص نہ تو انسانوں کے زمرے سے ہے نہ جانوروں کی جنس سے، اور جو حضرات اسے منع کرتے ہیں وہ حکم الٰہی کی رعایت میں کہتے ہیں کہ لوگ احکام الٰہی کی پیروی کریں۔ اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ جب لہو و لعب کے سامان نہ ہوں اور لحن کی آواز سے دل میں شہوت و فسق کا ابھار نہ ہو تو ایسا سماع مباح ہے۔ اس پر آثار و اخبار بہت ہیں مثلاً سیدتنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ قالت کانت عندی جاریۃ تغنی فاستاذن عمر فلما احسته و سمعت حسه فرت فلما دخل عمر تبسم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال له عمر ما اضحك یا رسول اللہ قال کانت عندنا جاریۃ تغنی فلما سمعت حسك فرت فقال عمر لا ابرح حتى اسمع ما کان سمع رسول اللہ فدعا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الجاریۃ فاخذت تغنی و رسول اللہ یسمع ، فرماتی ہیں میرے پاس لڑکیاں گا رہی تھیں اتنے میں حضرت عمر نے اجازت مانگی لڑکیوں نے جب ان کی آہٹ سنی اور میں نے بھی سنا تو وہ بھاگ اٹھیں جب عمر آئے تو حضور نے تبسم فرمایا حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ تبسم کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا ہمارے پاس لڑکیاں گا رہی تھیں جب تمہاری آہٹ سنی تو بھاگ نکلیں اس پر حضرت فاروق نے کہا میں ہرگز نہ جاؤں گا جب تک کہ حضور نے جو کچھ سنا ہے میں اسے نہ سن لوں پھر حضور نے لڑکیوں کو بلایا اور وہ گانے لگیں اور حضور سماعت فرما رہے تھے ۔

بکثرت صحابہ کرام اس قسم کی روایت بیان کرتے ہیں چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب السماع میں ان سب کو جمع کرکے اس کی اباحت کا قطعی حکم دیا ہے لیکن مشائخ طریقت کی مراد سماع کی خواہش سے اباحت کے سوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر عمل کا کوئی فائدہ ہونا چاہیئے اباحت کی خواہش تو عوام کا کام ہے اور مباح کے مقام میں تو جانور ہیں۔ مکلف بندوں کو تو چاہیئے کہ افعال سے فائدہ حاصل کریں ۔

ایک مرتبہ میں شہر مرو میں تھا وہاں کے محدثوں کے ایک مشہور امام نے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کی اباحت میں ایک کتاب لکھی ہے میں نے کہا دین میں بڑی مصیبت ظاہر ہوگی۔ کیونکہ ایک بزرگ امام نے ایسے لہو کو جو تمام فسقوں کی جڑ ہے حلال کر دیا ہے انہوں نے مجھ سے کہا۔ اگر تم حلال نہیں جانتے تو سماع کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا اس کا حکم متعدد وجوہ پر مبنی ہے۔ ایک چیز پر قطعی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اگر اس کی تاثیر دل میں حلال ہو تو سماع حلال ہے اگر حرام ہو تو حرام ہے اگر مباح ہو تو مباح ہے۔ ایسی چیز جس کا ظاہری حکم فسق و گناہ ہو اس کی باطنی حالت میں کئی وجوہ رونما ہوں گی۔ ایک چیز پر مطلقاً حکم کرنا ناممکن ہوگا ۔

باب سماع کے احکام

جاننا چاہیئے کہ سماع کے بارے میں متعدد طبائع میں مختلف احکام ہیں۔ جس طرح کہ دلوں میں ارادے مختلف ہیں ظلم ہوگا کہ کسی چیز کا ایک ہی قطعی حکم دے دیا جائے۔ مختصر یہ کہ سننے والوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہیں جو معنے کو سنتے ہیں دوسرے وہ جو آواز کو سنتے ہیں۔ اور دونوں فائدے

میں فوائد بھی ہیں اور آفتیں بھی ہیں۔ اس لئے کہ خوش آوازی سے جو معنے لوگوں میں ابھرتے اور مرکب ہوتے ہیں اگر وہ حق ہے تو حق، اور اگر باطل ہے تو باطل جس شخص کی طبعی خمیر میں فساد ہوگا وہ جو سنے گا وہ سب فاسد ہوگا۔ یہ دونوں باتیں حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایتوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ جب حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی آواز میں لحن اور حلق میں ساز پیدا فرمایا۔ اور آپ کی آواز تمام پہاڑوں پر گونج جاتی یہاں تک کہ دشت و جبل کے تمام چرند و پرند آپ کی آواز سن کر تھمتے، رواں پانی ٹھہر جاتا، پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے گر پڑتے۔ حالات میں مرقوم ہے کہ یہ مخلوق ایک مہینہ تک جنگل میں کچھ نہ کھاتی۔ اور بچے نہ روتے، اور نہ دودھ مانگتے اور جب بھی لوگ آپ کی مجلس سماع سے اٹھتے، بکثرت لوگ آپ کے لحن صوت اور کلام سے مردہ ہوتے۔ ایک مرتبہ خوبصورت سات سو لڑکیاں مردہ پائی گئیں۔ اور دس ہزار بوڑھے مرے پھر جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آواز کے سننے والے اور طبع کی پیروی کرنے والے کو اہل حق اور حقیقت کے سننے والے کو جدا کرے تو شیطان کے دل میں شدید گھبراہٹ پیدا ہوئی اور اس کے دل میں انسانوں کو ورغلانے کا ارادہ ظاہر ہوا تو اپنے مکر و فریب اور حیلہ کے اظہار کی خدا سے اجازت مانگی، خدا نے اجازت دے دی اس نے بانسری اور طنبورہ بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس سماع کے برابر میں اس نے بھی مجلس جمائی اور لحن داؤدی سننے والوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک بدبختوں کا اور ایک نیک بختوں کا۔ بدبخت گروہ شیطان کے ساز کی طرف مائل ہو گیا۔ اور نیک بخت گروہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ برقرار رہا۔ پھر جو اہل معانی تھے حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے سوا ان کے دل کے سامنے کچھ نہ رہا اس لئے کہ وہ سب حق کو دیکھتے تھے اگر وہ شیطان کے ساز کی آواز کو سنتے تو ان میں حق کی طرف سے فتنہ نظر آتا۔ اور اگر حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سنتے تو ان میں حق کی طرف سے ہدایت جانتے یہاں تک کہ کل سے رہ جاتے اور تعلقات سے اعراض کرتے اور دونوں کو وہ تھے دیکھتے۔ یعنے صواب کو صواب اور خطا کو خطا۔ لہٰذا جس کا سماع اس طریق پر ہو وہ جو سنتا ہے سب اسے حلال ہوتا ہے۔

مدعیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہمیں سماع اس کے برخلاف پڑتا ہے جیسا کہ وہ ہے حالانکہ یہ محال ہے اس لئے کہ ولایت کا کمال تو یہ ہے ہر چیز کو جیسا دیکھا ہے وہ ویسی ہی ہو تاکہ اسی کا دیکھنا صحیح ہو۔ اگر اس کے برخلاف دیکھا ہے تو اس کی دید صحیح نہیں ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ اللھم ارنا حقائق کل الاشیاء کما ھی : اے خدا ہم پر ظاہر فرما جیسی بھی ہر چیز کی حقیقت ہو۔

اور جب ہر چیز کا صحیح دیکھنا یہ ہے کہ اسے ویسا ہی دیکھے جیسی کہ وہ ہے تو اس کا سننا بھی ویسا ہی صحیح ہونا چاہیئے اور وہ چیز صفت میں ویسی ہی ہونی چاہیئے جیسا کہ تم نے سنا۔ اور اس کا حکم بھی ویسا ہی ہے جو لوگ مزامیر اور ساز کے رسیا ہیں اور ہوا و شہوت کے حریص ہیں وہ ایسے ہی ہیں کہ وہ برخلاف سنتے ہیں جیسا کہ وہ ہے۔ اگر اس حکم کی موافقت پر سماع کرتے تو اس کی تمام آفتوں سے محفوظ رہتے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ گمراہ لوگ کلام الٰہی کو سنتے ہیں اس سے ان کی گمراہی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ نضر بن حارث (کافر) نے کہا ھٰذا اساطیر الاولین یہ پچھلوں کے قصے ہیں۔ اور عبد اللہ بن سعد ابی سرح نے کہا ما انزل مثل ما انزل اللہ فتبارک اللہ احسن الخالقین (بہت جلد مجھ پر ویسا ہی کلام اترے گا جیسا کہ اللہ نے اتارا، پس اللہ بہت برکت والا کتنا اچھا پیدا کرنے والا ہے) اور ایک گروہ نے کہا لا تدرکہ الابصار وھو یدرک

الابصار (خدا کو آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں وہی آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے) اس آیت کو رویت کی نفی کی دلیل بناتے ہیں۔ اور ایک گروہ نے ثم استوی علی العرش (خدا نے عرش پر استوی فرمایا) کو مکان و جہت کے ثبوت کی دلیل بنائی۔ اور ایک گروہ نے وجاء ربک والملک صفا صفا (تمہارا رب اور فرشتے صف باندھ کر آئیں گے) اس کو آنے کی دلیل قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ان کا دل گمراہی کا مقام ہو جائے تو ان کو کلام الٰہی کا سننا بھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔ پھر موحد نے جب شاعر کے شعر میں غور کیا اور اس کی پیدا کرنے والی طبیعت کو دیکھا تو اس نے اپنے دل کو آراستہ کرنے والی چیز کو اس میں مطالعہ کیا اس لحاظ و اعتبار سے کہ اس کے فعل کو فاعل پر دلیل بنایا اس نے خدا کی راہ کو گم کر دیا اور یہ لوگ باطل کی راہ میں پڑ گئے۔ اس معنے کا انکار کرنا کھلا مکابرہ ہے واللہ اعلم۔

فصل

مشائخ طریقت رحمہم اللہ کے اس سلسلہ میں اتنے زیادہ لطیف کلمات ہیں کہ ان سب کا بیان اس کتاب میں ناممکن ہے لیکن ان میں سے جس قدر ممکن ہے اس فصل میں اثبات کرتا ہوں تاکہ مکمل فائدہ حاصل ہو جائے انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ذو النون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں السماع وارد الحق تزعج القلوب الی الحق فمن اصغی الیہ بحق تحقق ومن اصغی بنفس تزندق: یعنے سماع حق تعالیٰ کی وارد ہے جس سے دل خدا تعالیٰ کی طرف برانگیختہ ہوتے ہیں۔ اور اس کی طلب میں حریص ہوتا ہے جو شخص اسے حق کے ساتھ سنے وہ راہ حق پاتا ہے اور جو نفس کے ساتھ سنے اسے وہ زندیق بناتا ہے۔ اس شیخ کی اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ سماع کی یہی لئے ضرورت ہے کہ وہ وصل حق کا ذریعہ اور علت ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ سننے والا حق کے معنے کو سنے نہ کہ محض آواز کو۔ اور اس کا دل حق تعالیٰ کے واردات کا محل ہو لہٰذا جب یہ معنے دل نشین ہو جاتے ہیں تو وہ دل کو برانگیختہ کرتے ہیں اس حال میں جو خدا کا فرماں بردار ہوتا ہے وہ صاحب کشف ہوتا ہے اور جو نفس کا پیروکار ہوتا ہے وہ محجوب ہوتا ہے۔ اور تاویل کے درپے رہتا ہے۔ اس وقت اس سماع کا ثمرہ کشف ہے اور دوسرے سماع کا ثمرہ بے دینی اور حجاب ہے۔

لیکن زندقہ کا لفظ فارسی ہے جو معرب کیا گیا ہے۔ اس زبان میں زندقہ کے معنے تاویل کے ہیں۔ اسی بنا پر وہ اپنی کتاب کو زند اور پازند کہتے ہیں جب اہل لغت نے چاہا کہ ابنائے مجوس جو بابک و فرشتین ہے اس کے لئے کوئی نام تجویز کریں تو اس کا نام زندیق رکھا اس سبب سے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ مسلمان کرتے ہیں اس کے لئے تاویل ہے۔ کیونکہ ظاہری حکم اس کو دور کر دیتا ہے۔ اور تنزیل دیانت میں داخل ہے اور تاویل اس سے نکلنا ہے۔ ان میں سے آج بھی کچھ لوگ باقی ہیں جو شیعان مصر ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور یہ زندیق نام ان کے لئے علم بن گیا۔ لہٰذا حضرت ذو النون مصری رحمہ اللہ کی اس سے مراد یہی ہے کہ اہل تحقیق سماع میں محقق ہوتے ہیں اور اہل ہوا ماؤل۔ کہ وہ اس کی دور کی تاویل کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ فسق و گناہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں السماع ظاهرہٗ فتنة و باطنه عبرة فمن عرف الاشارة حل له سماع العبرة والا فقد استدعی الفتنة و تعرض البلیة یعنے سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرۃ۔ جو صاحب اشارہ ہے اس کے لئے عبرت کا سماع حلال ہے ورنہ دوسرے کے لئے فتنہ کو بلانا ہے اور بلا میں مبتلا کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ مکمل طور پر جس کا دل کلام حق میں مستغرق نہیں ہے اس کے لئے سماع بلا اور آفت کی جگہ ہے ؛

حضرت ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے سوال کے جواب میں جس نے سماع کے بارے میں پوچھا تھا فرماتے ہیں کہ لیتنا تخلص منه رأسا برأس کاش کہ ہم اس سماع سے سربسر چھوٹ جاتے اس لئے کہ آدمی تمام چیزوں کا حق ادا کرنے سے عاجز ہے اور جب کسی چیز کا حق جاتا رہے تو بندہ اپنی کوتاہی پر نظر ڈالتا ہے جب اُسے اپنی کوتاہی نظر آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ کاش میں اس سے پوری طرح آزاد ہو جاتا ؛

ایک شیخ طریقت فرماتے ہیں کہ السماع ینبہ الاسرار لما فیها من المغیبات یعنے سماع ان اسرار کو ظاہر کرتا ہے جن کے لئے پوشیدگی واجب ہے۔ تاکہ وہ ہمیشہ اس سے بارگاہِ حق میں حاضر رہیں۔ اس لئے کہ اسرار کا پوشیدہ ہونا مدعیوں کے لئے بہت ہی بُری صفتوں میں سے ہے اس لئے کہ محب محبت میں اگرچہ غائب ہو مگر دل سے حاضر ہوتا ہے اور جب غلبت آجاتی ہے تو اس سے محبت جاتی رہتی ہے ؛

میرے مرشد شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ السماع زاد المضطرین فمن وصل استغنی عن السماع یعنے سماع پیچھے رہنے والوں کا توشہ ہے جو پہنچ گیا اسے سماع کی حاجت نہیں ہے۔ اس لئے وصل کے مقام میں سمع (سُننا) معزول ہو جاتا ہے کیونکہ سُننا خبر کے لئے ہے اور خبر غائب و پوشیدہ کی ہوتی ہے جب معائنہ و مشاہدہ ہو جائے تو سمع رخصت ہو جاتی ہے ؛

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تسمع الیش اعمل بالسماع ینقطع اذا انقطع ممن یسمع منه ینبغی ان یکون سماعك متصلاً غیر منقطع یعنے میں ایسے سماع کا کیا کروں جب قوال خاموش ہو جاتا ہے تو وہ وجد جاتا رہتا ہے تمہیں ایسا سماع لازم ہے جو سماع متصل ہو اور ہمیشہ رہے۔ اور کسی وقت بھی جدا نہ ہو۔ وہ محبتُ الفت کے باغ میں ہمت کو مجتمع کرنے کا پتہ بتایا ہے۔ کیونکہ جب بندہ اس درجہ کو پہنچتا ہے تو سارا جہان اس کا سماع بن جاتا ہے وہ پتھر و اینٹ سے سُننے لگتا ہے یہ درجہ بہت بزرگ ہے واللہ ولی التوفیق ۔

باب سماع کے بارے میں مشائخ کا اختلاف

سماع کے بارے میں مشائخ و محققین کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع غیبت کا آلہ ہے اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ مشاہدہ میں سماع محال ہے کیونکہ محب محبوب کے وصل کے مقام میں اس پر نظر ہونے کی حالت میں سماع سے بے نیاز ہوتا ہے اس لئے کہ سماع خبر کی ہوتی ہے اور خبر مشاہدہ کے مقام میں دوری، حجاب اور مشغولی ہوتی ہے۔ لہٰذا سماع مبتدیوں کا آلہ ہے تاکہ اس آلہ کے ذریعہ غفلت کی پراگندگیاں مجتمع ہو جائیں اور جو پہلے ہی مجتمع ہوتے ہیں لامحالہ وہ اس سے پراگندہ ہو جاتے ہیں ؛

پھر ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ سماع حضور کا آلہ ہے اس لئے کہ محبت کلیت چاہتی ہے جب تک کل محب کل محبوب میں مستغرق نہ ہو جائے وہ محبت میں ناقص ہے۔ لہٰذا جیسا کہ دل کو وصل کے محل میں محبت نصیب ہے اور باطن کو مشاہدہ، روح کو وصل اور جسم کو خدمت کی ضرورت ہے ایسے ہی کان کو بھی کچھ نصیب ہو۔ جیسا کہ آنکھ کو دیدار نصیب ہے۔ محل ہزل میں جیسے شاعر کی الفت کا دعویٰ ہے کیا خوب کہا ہے ؎

الا فاسقنی خمراً وقل لی ھی الخمر ۔ ولا تسقنی سراً اذا امکن الجھر

یعنی اے محبوب مجھے شراب کا جام دے، تاکہ آنکھ دیکھے، ہاتھ چھوئے، زبان چکھے اور ناک سونگھے اس وقت ایک حس کو اس سے نصیب نہیں ہوتا وہ کان ہے لہٰذا تو کہہ دے کہ یہ شراب ہے تاکہ کان کو بھی نصیب ہو جائے۔ تاکہ تمام حواس اس سے مقید ہو جائیں اور اس سے لذت پائیں اور مجھے چھپا کر نہ پلا جبکہ ظاہر ممکن ہے۔

اور مشائخ فرماتے ہیں کہ سماع حضور کا آلہ ہے کیونکہ غائب خود غائب ہے، ور غائب منکر ہوتا ہے، اور منکر اس کا اہل نہیں ہوتا۔ لہٰذا سماع دو قسم پر ہے ایک واسطہ کے ساتھ، دوسرے بے واسطہ۔ وہ جو قاری سے سنتا ہے وہ غیبت کا آلہ ہے اور وہ جو محبوب سے سنتا ہے وہ حضور کا آلہ ہے۔ اسی بنا پر اس شیخ نے [illegible] کی مخلوق کو [illegible] لائق نہیں سمجھتا [illegible] بات قول یا اس کا کلام سنوں بجز حق تعالیٰ نے مخصوصوں کے والله اعلم بالصواب۔

باب حقیقت سماع کے مراتب

جاننا چاہیئے کہ ہر شیخ طریقت کا سماع میں ایک مرتبہ ہے کہ اس سے اس کا مشرب ذوق اس کے مرتبہ کے مقدار پر ہے۔ جیسے کہ تائب ہے کہ وہ جو کچھ سنتا ہے اس سے حسرت ندامت کی مدد ہوتی ہے۔ اور مشتاق کے لئے شوق دیدار [illegible] کا سبب ہوتا ہے اور صاحب یقین کے یقین کو مضبوط بناتا ہے اور مرید کو بیان کی تحقیق ہوتی ہے اور محب کو انقطاع علائق کا باعث بنتا ہے اور فقیر کو ہر ایک سے نا امیدی کی بنیاد دیتی ہے۔ سماع کے اصل مثال آفتاب کی مانند ہے کہ وہ ہر چیز پر روشنی ڈالتا ہے اور ہر چیز اپنے مرتبہ کی مقدار پر اس سے ذوق و مشرب پاتا ہے۔ کسی کو جلاتا ہے، کسی کو روشن کرتا ہے، کسی کو گلاتا ہے کسی کو نوازتا ہے۔ یہ سب طبقے جن کو میں نے بیان کیا اپنی تحقیق میں تین مرتبہ پر آیا ایک ان میں سے مبتدی لوگ ہیں، دوسرے درمیانہ، تیسرے کامل۔ میں ہر ایک کے حال کی شرح میں سماع میں جدا جدا فصل لاتا ہوں کہ تمہاری فہم کے زیادہ قریب ہو جائے۔ انشاء الله تعالیٰ۔

فصل اول

واضح ہو کہ سماع وارد حق ہے اور جسم ہزل و لہو کا مرکب ہے اور مبتدی کا کوئی حال کلام حق کے قابل نہیں ہوتا۔ اور اس کے ورود سے معنی ربانی جسم کو سوختہ و فرو [illegible] کرتی ہے [illegible] ایک گروہ سماع میں بیہوش ہو جاتا ہے۔ اور کوئی گروہ ہلاک ہو جاتا ہے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے [illegible] سے تباہ و زیر نہ کرے۔ یہ بات سننے والوں کے حال پر ظاہر ہے۔ مشہور ہے کہ روم کے شفاخانہ میں ایک باجا ایسا بنا

ہے جو بہت ہی عجیب ہے جس کا نام انگلیون ہے جو چیز کہ عجیب و نادر ہو یونانی لوگ ایسا ہی نام رکھتے ہیں مثلاً کتابوں اور مانی کی صنعت کو بھی انکامون کہتے ہیں۔ اس سے مراد اظہار حکمت ہے۔ اور وہ انگلیون باجا ایک ساز ہے ہفتہ میں دو مرتبہ بیماروں کو اس کے پاس لے جایا جاتا ہے اور بیماری کے اندازہ کے مطابق اسے بجا کر سنتے ہیں پھر وہاں سے لے آتے ہیں اور اگر کسی کو ہلاک کرنا مقصود ہو تو اسے وہاں زیادہ دیر رکھتے ہیں تاکہ ہلاک ہو جائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہر مرض کی ایک مدت مقرر ہے لیکن موت کے اسباب ہوتے ہیں۔ حالانکہ طبیب اس ساز کو ہمیشہ سنتے رہتے ہیں مگر ان پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ ساز ان کی طبع کے موافق ہے اور مبتدیوں کی طبع کے خلاف ہے میں نے ہندوستان (غیر منقسم ملک) میں دیکھا ہے ایک زہر قاتل کیڑا نمودار ہوتا ہے [illegible] وہ خود سر [illegible] تھا۔ اور [illegible] ترکستان کے ایک شہر میں جو سرحد اسلام کے قریب تھا ایک پہاڑ میں آگ لگی [illegible] سیال نوشادر [illegible] آگ سے نکالتے تھے وہ مر جاتا تھا۔ اس تذکرہ سے میرا مراد [illegible] مبتدی پر ابتدائے وارد حق [illegible] کہ مبتدی کا جسم اس کے خلاف ہوتا ہے وہ برداشت کی طاقت نہیں رکھتا جب متواتر وارد ہو تو پھر مبتدی ساکن ہو جاتا ہے اور اسے برداشت کرتا رہتا ہے تم نے نہیں دیکھا کہ جب جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ آئے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتے تھے جب مسلسل آنے لگے تو جس گھڑی نہ آتے حضور تنگ دل ہو جاتے۔ ان تمام شواہد [illegible] یہ حکایتیں سماع میں مبتدیوں کے اضطراب اور منتہیوں کے سکون کی دلیلیں ہیں۔

مشہور ہے کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا ایک مرید تھا جو سماع میں بہت مضطرب ہو جاتا تھا اور دوسرے درویش ان کی طرف مشغول ہو جاتے تھے حضرت جنید کے پاس اس کی شکایت لے گئے انھوں نے اس مرید سے فرمایا اب اگر تم نے سماع میں اضطراب دکھایا تو میں اپنی مجلس میں تمہارا بیٹھنا روا نہ رکھوں گا۔ حضرت ابو محمد جریری بیان کرتے ہیں کہ میں سماع میں اس درویش کو دیکھ رہا تھا کہ وہ لبوں کو بند کئے خاموش بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس کے جسم کے ہر رونگٹے سے چشمہ جاری ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا اور ایک دن وہ بے ہوش پڑا رہا۔ اب میں نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ درویش سماع میں زیادہ صحیح تھا یا اس کے دل میں مرشد کا زیادہ احترام تھا۔

مشائخ بیان کرتے ہیں کہ سماع میں ایک شخص نے چیخ ماری اس کے مرشد نے فرمایا خاموش رہو۔ وہ شخص زانو میں سر دے کر بیٹھ گیا جب دیکھا تو وہ مردہ تھا۔

حضرت شیخ ابو مسلم فارس بن غالب الفارسی سے میں نے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ سماع میں ایک درویش مضطرب تھا کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا بیٹھ جا: وہ بیٹھتے ہی دنیا سے کوچ کر گیا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک درویش نے سماع میں جان دے دی حضرت دراج بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں ابن الفرطی کے ساتھ دجلہ کے کنارے جا رہا تھا بصرہ اور ابلہ کے درمیان ایک محل میں ہم اترے وہاں میں نے ایک نیک مرد کو دیکھا کہ

اس کے آگے ایک باندی گا رہی تھی اور یہ شعر کہہ رہی تھی ؎

فی سبیل اللہ ودا کان منی لک یبذل ، کل یوم یتلون غیر ھذا بک اجمل

یعنے میری محبت سب سے سب اللہ کے لئے ہے اور تو ہر روز اس کے سوا بدلتا رہتا ہے اور بے ڈھب فریفتہ ہوتا ہے کیونکہ تو خوبصورت ہے

اور میں نے اس محل کے نیچے ایک جوان کو کھڑے دیکھا جو چھاگل لئے ہوئے گدڑی پہنے ہوئے تھا اس نے کہا اے کنیزک اس شعر کو دوبارہ پڑھو کیونکہ میرا سانس گھٹ رہا ہے شاید کہ اس کے سننے سے میری روح نکل جائے کنیزک نے اس شعر کو دوبارہ کہا اور تکرار کرتی رہی۔ اس جوان کی چیخ نکلی اور جان دے دی محل کے مالک نے کنیزک سے کہا تو آزاد ہے اور خود نیچے آیا اور اس جوان کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گیا۔ بصرہ کے تمام لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر اس محل کے مالک نے اعلان کیا کہ اے بصرہ کے لوگو! میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں میں نے اپنی تمام جائداد خدا کی راہ میں دے دی اور سب باندی و غلام کو آزاد کرتا ہوں اور وہ وہاں سے کوچ کر گیا پھر کسی کو اس کی خبر نہ ملی ؛

اس حکایت کا مفید پہلو یہ ہے کہ مرید کا سماع کے غلبہ میں ایسا حال ہونا چاہیئے کہ اس کا سماع فاسقوں کو گناہ سے نجات دیدے۔ اور اس زمانہ میں تو گمراہوں کا گروہ سماع میں فاسقوں کو لاتا ہے۔ پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم سماع حق سے کرتے ہیں اور فاسق لوگ۔ اس سبب سے کہ یہ ان کو اس معاملہ میں اپنے موافق پاتے ہیں گناہ پر اور زیادہ حریص ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ خود بھی ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہلاک کرتے ہیں ،

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر ہم کلیسا میں اس لئے جائیں کہ ہم صرف ان کے کفر کی ذلت کو دیکھیں اور اپنے اسلام کا شکر ادا کریں کیا یہ جائز ہے : فرمایا اگر کلیسا میں جب بھی تم جاؤ تو اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو نکال کر لا سکو تو پھر تمہارے جانے میں مضائقہ نہیں ہے اگر ایسا نہ کر سکو تو نہ جاؤ۔ کیونکہ صاحب حجرہ جب شراب خانہ جاتا ہے تو شرابی کہلاتا ہے اور جب شرابی صاحب حجرہ کے پاس آتا ہے تو وہ نیک و درست ہو جاتا ہے ؛

اکابر مشائخ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک درویش کے ساتھ بغداد میں جا رہا تھا کہ ایک گانے والے کی آواز ہم نے سنی وہ کہہ رہا تھا

؎ متی ان یکن حقا یکن احسن المنیٰ ، والا فقد عشنا بہا زمناً وغدا

یعنے جب سماع حق ہو تو تمام تمناؤں سے بہتر ہے۔ ورنہ ہم سماع سے عیش اٹھاتے ہیں اور صبح و شام یونہی گزارتے ہیں

اس درویش کی چیخ نکل گئی اور دنیا سے کوچ کر گیا ؛

علےٰ ہذا القیاس حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا جو کسی گانے والے کی آواز سننے میں مشغول تھا میں نے بھی کان رکھا کہ کیا کہہ رہا ہے وہ غمگین آواز میں کہہ رہا تھا کفیٰ بالخضوع الی الذی جاد بالاضعا یعنے جس نے سننے میں عاجزی کیا اس سے جھگڑنا بھی کافی ہے۔ اس وقت درویش نے چیخ ماری اور گر پڑا جب میں نے قریب ہو کر دیکھا تو وہ مردہ تھا ؛

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا ایک پہاڑ میں میرے دل میں خوشی ظاہر ہوئی اس

وقت میں نے پڑھا ؎

صح عند الناس انی عاشق ، غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن ۔ لیس فی الانسان شئ حسنٌ ، الا واحسن منہ صوت الحسن

یعنے لوگوں کے نزدیک صحیح ہو گیا کہ میں عاشق ہوں اور یہ نہیں جانتے کہ میں کس پر عاشق ہوں ۔ انسان کے وجود میں کوئی چیز بھی نہیں مگر اس میں سب سے اچھی چیز خوش الحانی ہے ۔

حضرت ابراہیم خواص نے مجھ سے فرمایا کہ اس شعر کو پھر کہو میں نے اسے کہا تو انھوں نے وجد کے طور پر چند قدم زمین پر مارے جب میں نے اُن کے قدموں پر نظر ڈالی تو پتھر میں اُن کے قدم ایسے دھنستے تھے جیسے موم میں دھنستے ہیں ۔ پھر وہ بیہوش ہو کر گر پڑے ، جب ہوش آیا تو مجھ سے فرمایا میں جنت کے باغ میں تھا اور تم نے نہیں دیکھا اس قسم کی بہت سی حکائتیں ہیں یہ کتاب ان سب کے لئے کافی نہیں ۔

میں نے اپنے سامنے ایک درویش کو دیکھا جو آذربائیجان کے پہاڑوں میں جا رہا تھا جو فکر مند تھا اور یہ شعر گنگنا کر نالہ و زاری کا اظہار کرتا تھا

؎ واللہ ما طلعت شمس ولا غربت ۔ الا و انت فی قلبی وسواسی

خدا کی قسم سورج نہ طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا ۔ مگر یہ کہ میرے دل میں تیری ہی دھن رہی

ولا جلست الی قوم احدثھم ۔ الا و انت حدیثی بین جلاسی

اور میں کسی کے پاس اُن کی باتیں کرنے نہیں بیٹھا ۔ مگر میں ان سے تیری ہی باتیں کرتا رہا

ولا ذکرتک محزوناً ولا طرباً ۔ الا وحبک مقروناً بانفاسی

اور میں نے کسی غمی و خوشی میں تجھے ایسا یاد نہ کیا ۔ مگر میرے ہر سانس میں تیری محبت شامل رہی

ولا ھممت بشرب الماء من عطش ۔ الا رأیت خیالا منک فی الکاسی

اور میں نے پیاس میں پانی پینے کا ارادہ نہ کیا ۔ مگر ہر پیالہ میں تیرا ہی خیال میں دیکھتا تھا

فلو قدرت علی الایتان زرتکم ۔ سحباً علی الوجہ او مشیاً علی الرأسی

اگر میں تجھ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا تو سر اور آنکھوں کے بل چل کر تیری زیارت کو آتا

وہ درویش ان اشعار کے سُننے سے ایسا متاثر ہوا اور عرصہ تک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھا رہا اور اسی حال میں اس نے جان دے دی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

فصل ۲ دوم

مشائخ طریقت کی ایک جماعت نے قصائد و اشعار کے پڑھنے اور قرآن کو ایسی خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کو جس سے حروف اپنے مخارج سے باہر ہو جائیں مکروہ قرار دیا ہے ۔ اور مریدوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا ہے اور خود بھی اس سے پرہیز کرنے میں حد درجہ کا مبالغہ ظاہر فرمایا ہے ۔

ان کے متعدد گروہ ہیں اور ہر گروہ کے نزدیک کسی نہ کسی قسم کی کراہت موجود ہے۔ انھیں میں کا ایک گروہ تو وہ ہے جو اس کی حرمت میں روایتیں بیان کرتا ہے اور سلف صالحین کی پیروی کرتا ہے اور ان کی تقلید کرتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی باندی کو گانے سے جھڑکنا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس صحابی کو کوڑا مارنا جو گایا کرتا تھا۔ اور حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سے منع کرنا کہ وہ گانے والی باندیاں نہ رکھیں۔ اور اپنے فرزند حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ان حبشی عورتوں کو دیکھنے سے منع فرمانا جو گایا کرتی تھیں۔ اور یہ فرمانا کہ یہ شیطان کی ہمجولیاں ہیں۔ وغیرہ ۔

نیز مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ اس کے مکروہ جانے پر سب سے بڑی دلیل موجودہ و گذشتہ کی تمام اُمت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ یہ مکروہ ہے یہاں تک کہ ایک گروہ حرام مطلق کہتا ہے۔ اس معنٰی میں حضرت ابوالحارث بنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں سماع کا بہت شوقین تھا۔ ایک رات میرے حجرے میں ایک شخص آیا اس نے مجھ سے کہا کہ بارگاہِ حق کے طالبوں کی ایک جماعت مجتمع ہوئی ہے اور آپ کے دیدار کی مشتاق ہے اگر مہربانی فرما کر قدم رنجہ ہوں تو کرم ہوگا۔ میں نے کہا چلو آتا ہوں پھر میں آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا وہ مجھے ایک ایسے گروہ کے پاس لے گیا جو حلقہ کئے بیٹھی تھی اور ان کا بڑا ان کے درمیان تھا ان سب نے میری عزت کی اور ممتاز جگہ پر مجھے بٹھا دیا۔ اس بڑے نے کہا اگر اجازت ہو تو کچھ شعر سنواؤں میں نے اجازت دے دی دو شخصوں نے خوش آوازی کے ساتھ وہ اشعار گائے جو شاعروں نے فراق میں کہے ہیں وہ سب وجد میں کھڑے ہو گئے اور اچھے نعرے لگائے اور لطیف اشارے کئے، میں ان کے حال پر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اور ان کے ساتھ بہت خوش ہو گیا یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی اس وقت اس بڑے نے مجھ سے کہا اے شیخ تم نے میرے بارے میں دریافت نہیں کیا کہ تو کون ہے؟ اور یہ گروہ کن کا ہے۔ میں نے کہا تیری حشمت مجھے یہ پوچھنے میں مانع رہی اس بڑے نے کہا میں عزازیل ہوں جسے اب ابلیس کہتے ہیں یہ سب میرے فرزند ہیں۔ اس جگہ بیٹھنے اور گانے سے مجھے دو فائدے ملتے ایک یہ کہ میں خود جدائی کی مصیبت میں ہوں اور نعمت کے دنوں کو یاد کرتا ہوں دوسرے یہ کہ متقی لوگوں کو راہ سے بھٹکا کر غلط راستہ میں ڈالتا ہوں۔" وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے دل سے سماع کا ارادہ جاتا رہا۔

میں یعنی علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت امام شیخ ابوالعباس اشقانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ایسے اجتماع میں تھا جس کے کچھ لوگ سماع میں مشغول تھے اور ان کا سردار ان کے درمیان رقص کرتا تھا اور وہ ان میں دوڑتا تھا اور وہ اس سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے تھے جو اس خوف سے کہ مریدین بلا اور بیہودگی میں مبتلا نہ ہوں اور اس میں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں اور معصیت کے کنارہ پر کھڑے ہو کر توبہ کا دامن نہ چھوڑ دیں اور نفسانی خواہشات میں قوت کا اضافہ نہ ہو جائے اور ہوس کا ارادہ ان کی صلاحیتوں کو مسخ نہ کر دے کیونکہ یہ لوگ سماع نہیں کرتے بلکہ بلا و فتنہ کے سامان کو پیش کرتے ہیں۔ اس خطرے کے پیش نظر وہ ان کے ساتھ نہ شریک ہوتے ہیں اور نہ بیٹھتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے ایک مرید سے اس کی ابتدائی توبہ کے وقت فرمایا کہ اگر تم دین کی سلامتی

اور کو بہلی رعایت چاہئے سو تو اس سماع میں جسے صوفی لوگ کرتے ہیں اپنے آپ کو شریک نہ کرنا۔ اور ان لوگوں میں نہ ہو جانا جب تک تم جوان ہو جب تم بوڑھے ہو جاؤ تو لوگوں کو اپنے سے گنہگار نہ کرنا ۔

ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ سماع والوں کے دو گروہ ہیں ایک گروہ لاہی (کھیل کود والوں کا) ہے۔ دوسرا گروہ الٰہی (اللہ والوں کا) ہے لاہی سراسر فتنہ ہیں۔ وہ خدا سے نہیں ڈرتے۔ دوسرے الٰہی وہ مجاہدوں، ریاضتوں اور مخلوق سے کنارہ کشی میں رہتے ہیں اور اپنے آپ کو فتنوں سے بچاتے ہیں وہ خدا کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ جبکہ ہم نہ اس گروہ سے ہیں نہ اس گروہ سے۔ تو ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں۔ اور ایسی چیز کی طرف مشغول ہونا جو ہمارے وقت کے موافق ہو زیادہ بہتر ہے ۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جبکہ عوام کے لئے سماع میں فتنہ ہے اور ہمارے سننے سے لوگوں کے اعتقاد میں تذبذب واقع ہوتا ہے اور ہمارے وجہ سے لوگ غافل و محجوب ہیں اور وہ ہماری وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیں لازم ہے کہ ہم عوام پر شفقت کریں اور خاص لوگوں کو نصیحت کریں کہ وہ ان کی خاطر اس سے باز رہیں۔ یہ طریقہ بہت اچھا ہے ۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ یعنے اسلام کے نیک خصائل میں سے یہ ہے کہ لایعنی و بیکار چیزوں کو چھوڑ دے۔ لہٰذا ہم ایسی چیزوں سے ہاتھ اٹھاتے اور اس سے بھاگتے ہیں اس لئے کہ لایعنی چیزوں میں مشغول سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ اور دوستوں کے نزدیک ان کا اپنا وقت بہت عزیز ہوتا ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہیئے ۔

خاص لوگوں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ سماع خبر ہے اور اس کی لذت مراد کو پانا ہے۔ یہ بچوں کا کام ہے۔ کیونکہ مشاہدہ میں خبر کی کیا حیثیت لہٰذا مشاہدے سے تعلق رکھنا چاہیئے۔ یہ ہیں سماع کے احکام جیسے تم نے ... ان مشائخ کے وجد، وجود اور تواجد کا ایک باب لاتا ہوں وباللہ التوفیق ۔

باب وجد و وجود اور تواجد کے مرتبہ کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ وجد و وجود دونوں مصدر ہیں وجد کے معنے اندوہ و غم اور وجود کے معنے پانے کے ہیں۔ جب دونوں کا فاعل ایک ہو تو بجز مصدر کے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا جیسا کہ کہا جاتا ہے وجد، یجد، وجوداً و وجداناً اور جیسے وجد یجد وجداً جس کے معنے اندوہگین کے ہیں۔ نیز جب تونگری کے معنے میں ہوگا تو وجد یجد جدۃ مستعمل ہوگا اور جب غصہ کے معنے میں ہوگا تو وجد یجد موجدۃ مستعمل ہوگا۔ یہ سب مصادر ہیں نہ کہ افعال و مشتقات۔ اور اہل طریقت کے نزدیک وجد اور وجود سے ان دو حالتوں کا اثبات ہے جو سماع میں ظاہر ہوتا ہے کہ ایک تو غم و اندوہ کو شامل ہوتا ہے اور دوسرا مراد پانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اور غم و اندوہ کی حقیقت محبوب کا گم ہونا اور مراد کا پانا ہے۔ اور پانے کی حقیقت مراد کا حاصل ہونا ہے۔ اور حزن و وجد کے درمیان فرق یہ ہے کہ حزن اس غم کو کہتے ہیں جو اپنے نصیب میں ہو

اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو محبت کے طریقہ پر دوسرے کے نصیب میں ہو۔ یہ تمام تغیرات طالب کی صفت ہے والحق لایتغیر (حق تعالےٰ تغیر پذیر نہیں ہوتا) اور وجد کی کیفیت، لفظ و عبارت میں نہیں بیان کی جاسکتی۔ اس لئے کہ وہ معاینہ میں غم و الم ہے اور الم کی کیفیت قلم سے لکھی نہیں جاسکتی۔ لہٰذا وجد ایک باطنی حالت ہے جو طالب و مطلوب کے درمیان ہوتی ہے۔ کیونکہ کشف میں باطنی حالت کا بیان اور اس کے وجود کی کیفیت و کمیت کا نشان و اشارہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ مشاہدہ میں ایک خوشی ہے اور خوشی طلب سے نہیں مل سکتی۔ لہٰذا وجود ایک فضیلت ہے جو محبوب سے محب کو ملتی ہے۔ اور اس کی حقیقت کا اظہار و اشارہ ناممکن ہے۔ میرے نزدیک وجد دل کو الم و غم پہنچنے کا نام ہے خواہ خوشی سے ہو یا غم سے، خواہ تکلیف سے ہو یا راحت سے۔ اور وجود دل غم کا آلہ ہے اور اس سے مراد سچی محبت ہے۔ واجد کی صفت، جوش و شوق کی حالت میں حرکت کی ہوگی یا کشف کی حالت میں مشاہدہ کے حال میں سکون کی ہوگی امازفیر امانفیر اماحنین اما انین اماطیش ماعیش اماکرب اماطرب: یعنی آہ کھینچنا، فریاد کرنا، گریہ و زاری کرنا، غصہ کرنا، راحت پانا، تکلیف اٹھانا، اور خوش ہونا۔

اور مشائخ طریقت کا اس میں اختلاف ہے کہ وجد مکمل ہوتا ہے یا وجود۔ اور مشائخ کہتے ہیں کہ وجود مریدوں کی صفت ہے اور وجد عارفوں کی مدح۔ اور جبکہ عارفوں کا درجہ مریدوں سے زیادہ بلند ہوتا ہے تو لازم آتا ہے ان کی صفت بھی ان سے بلند تر اور کامل تر ہو۔ اس لئے کہ جو چیز حاصل ہونے اور پانے کے تحت آتی ہے وہ مدرک (سمجھ میں آنے والی) ہوتی ہے اور موصوف و صفت ایک ہی جنس کے ہوتے ہیں اور یہ کہ ادراک حد کا اقتضا کرتی ہے اور حق تعالیٰ بے حد ہے لہٰذا بندہ کا پانا بجز شرب و عمل کے نہ ہوگا۔ اور جس نے نہ پایا ہو وہ طلبگار ہوتا ہے اور اس میں طلب منقطع ہوتی ہے اور وہ اس کی طلب سے عاجز ہوتا ہے۔ اور وجدان تحرکی کی حقیقت ہوتی ہے۔

اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ وجد مریدوں کی سوزش ہے اور وجود محبوں کا تحفہ۔ اور مریدوں سے محبوں کے درجہ کی بلندی چاہتی ہے۔ کہ طلب سوزش سے تحفہ کے ساتھ مکمل اور زیادہ آرام پائے۔ اس مسئلے کی وضاحت نہیں ہوسکتی بجز کسی حکایت کے۔ وہ حکایت یہ ہے کہ:۔

ایک دن حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ اپنے حال کے جوش میں حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے انھوں نے ان کو غمگین پایا دریافت کیا اے شیخ کیا ہوا ہے؟ حضرت جنید نے فرمایا من طلب وجد (جس نے چاہا پالیا) حضرت شبلی نے کہا لا بل من وجد طلب (نہیں بلکہ جس نے پایا وہ طالب ہوا) اس جگہ اس کے معنے میں مشائخ فرماتے ہیں کہ ایک نے وجد کا پتہ دیا دوسرے نے وجود کا اشارہ کیا۔ مگر میرے نزدیک حضرت جنید رحمہ اللہ کا قول معتبر ہے اس لئے کہ بندہ جب جان لیتا ہے کہ اس کا معبود اس کی جنس کا نہیں ہے تو اس کا غم طویل ہوجاتا ہے۔ اس بحث کو اس کتاب میں بیان کرچکا ہوں۔

مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ وجد کے غلبہ سے علم کا غلبہ زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب قوت وجد کے غلبہ کو ہوتی ہے تو واجد خطرے کے محل پر ہوتا ہے اور جب قوت علم کے غلبہ کو ہوتی ہے تو عالم امن کے محل میں ہوتا ہے۔

اس ساری بحث و کلام کا مقصود یہ ہے کہ طالب ہر حال میں علم و شریعت کا فرماں بردار رہے۔ کیونکہ جب وجد سے مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے خطاب اٹھ جاتا ہے اور جب خطاب اٹھ جائے تو ثواب و عقاب بھی اٹھ جاتا ہے اور جب ثواب و عقاب اٹھ جائے تو عزت و ذلت بھی اٹھ جاتی ہے اس وقت اس کا حکم دیوانوں، پاگلوں کے مانند ہوتا ہے نہ کہ اولیاء و مقربوں کی مانند۔ اور جب بندہ کے حال کے غلبہ پر علم کا غلبہ غالب ہو تو بندہ اوامر و نواہی کی پناہ گاہ میں ہوتا ہے اور عزت کے محل میں مقیم اور ہمیشہ صاحب شکر ہوتا ہے۔ پھر جب علم کے غلبہ پر حال کا غلبہ غالب ہو تو بندہ حدود سے خارج ہو کر اپنے نقص کے محل میں خطاب سے محروم ہو جاتا ہے اس وقت یا تو معذور ہوتا ہے یا مغرور۔ بعینہٖ یہی معنے حضرت جنید کے قول کے ہیں جو انھوں نے فرمایا۔ اس لئے کہ دو ہی راستے ہیں ایک علم سے، دوسرے عمل سے۔ اور جو عمل علم کے بغیر ہو اگرچہ بہتر ہو مگر جہل و نقص ہے اور علم جو عمل کے بغیر ہو عزت و شرف رکھتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفرا ھل الھمۃ اشرف من اسلام اھل المنیۃ: اہل ہمت کا کفر آرزو رکھنے والے اسلام سے بزرگ تر ہے ۔

مطلب یہ کہ اہل ہمت پر کفر کی کوئی صورت نہیں تھی اگر سوچا جائے تو اہل ہمت جو کفر کے ساتھ ہو آرزومند ایماندار سے زیادہ کامل ہوتا ہے حضرت جنید رحمہ اللہ نے حضرت شبلی رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا الشبلی سکران ولو افاق من سکرہ لجاء منہ امام ینتفع بہ یعنے شبلی مست ہے اگر وہ اپنے نشہ سے افاقہ پا جائیں تو ایسے ڈرانے والے ہوں کہ کوئی بھی ان سے فائدہ حاصل نہ کر سکے ۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت جنید، حضرت محمد بن سیرین اور حضرت ابو العباس بن عطا رحمۃ اللہ علیہم ایک جگہ جمع تھے قوال نے چند اشعار گائے۔ دونوں باہم وجد (تواجد) کرنے لگے اور حضرت جنید ساکن بیٹھے رہے۔ وہ کہنے لگے اے شیخ تمہارے نصیب میں اس سماع سے کچھ حصہ نہیں ہے۔ حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب یعنے تم ان کو جامد گویا ٹھہرا ہوا گمان کرتے ہو حالانکہ وہ گزرنے والے بادلوں کی مانند گزر جاتے ہیں ۔

لیکن وجد کی حالت میں تواجد تکلف ہے۔ اور تواجد یہ ہے کہ انعام و شواہد حق کو دل پر پیش کرنا اور وصل و آرزو کی فکر کرنا یہ جوانمردوں کا کام ہے۔ اور ایک گروہ اس میں صرف رسموں کی پابندی میں پڑا ہوا ہے جو ظاہری حرکات کی تقلید کرتا ہے اور باقاعدہ رقص کرتا اور ان کے اشارات کی نقل اتارتا ہے یہ حرام محض ہے ۔

اور ایک گروہ محقق و ثابت قدم ہے اس میں ان کی مراد مشائخ کے درجات اور ان کے احوال طلب ہے نہ کہ خالی رسموں اور حرکتوں کی پیروی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من تشبہ بقوم فھو منھم یعنے جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ انھیں میں سے ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ اذا قرءتم القرآن فابکوا فان لم تبکوا فتباکوا یعنے جب تم قرآن پڑھو تو روؤ پھر اگر تم نہ رو سکو تو رونے کی شکل بنالو ۔

یہ احادیث تواجد کی اباحت میں ناطق و شاہد ہیں۔ اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ہزار میل جھوٹے چلتا ہوں تاکہ ان میں سے کوئی ایک قدم سچا ہو جائے۔ اس سلسلہ میں اس سے بڑھ کر بحث ہے لیکن میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں واللہ اعلم بالصواب ۔

باب رقص اور اس کے متعلقات میں

جاننا چاہیئے کہ شریعت طریقت میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ یہ ایک لہو و کھیل ہے جبکہ کوشش ہو۔ اور جب بیہودگی سے ہو تو لغو ہے کسی ایک بزرگ نے بھی اسے پسند نہیں رکھا ہے۔ اور نہ اس میں مبالغہ کیا ہے۔ اور اس میں اہلِ حشو کا ہر قدم یا ثبوت جو بھی وہ لائیں سب باطل پر مبنی ہوگا۔ جیسے کہ کیس کہ وجد کی حرکتیں اور اہلِ تواجد کے معاملات رقص کے مانند ہوتے ہیں اور بیہودہ لوگوں کا ایک گروہ ان کی تقلید کرتا ہے اور اس میں غلو کرتا ہے اور اسے انھوں نے اپنا مذہب بنالیا ہے۔ اور میں نے عام لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ تصوف کا مذہب اس کے سوا ہے ہی نہیں۔ جنھوں نے اسے اختیار کرلیا ہے اور ایک گروہ تو ان کی اصلیت کا ہی منکر ہوگیا ہے غرضکہ رقص شرعاً اور عقلاً تمام لوگوں کے لئے برا ہے اور یہ محال ہے بزرگ لوگ ایسا کریں۔ لیکن جب دل کو کوئی خفت و سبکی نمودار ہوئی اور اس خفت نے باطن پر غلبہ کیا اور وقت نے قوت پکڑی تو حال نے بنا اضطراب ظاہر کیا اس وقت ترتیب رسوم جاتی رہیں۔ وہ اضطراب جو نظر آتا ہے نہ تو وہ رقص ہے نہ پائے بازی ہے اور نہ وہ طبع کی پرورش ہے کیونکہ اضطراب کی حقیقت تو جان کو گھلانا ہے اور یہ بات تو راستی سے بہت دور ہے کہ اس اضطراب کو رقص کہدیا جائے۔ حالانکہ یہ اضطراب ایسا حال ہے جسے گویائی سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ من لم یذق لا یدری النظر فی الاحداث یعنے جس نے اس کا مزہ نہ چکھا وہ محدثات میں غور و فکر نہیں کرسکتا۔ غرضکہ نوجوان کو دیکھنا اور ان سے صحبت کرنا ممنوع ہے اور اسے جائز رکھنے والا کافر ہے۔ اس سلسلہ میں جو بھی کوئی دلیل لائے وہ بطالت و جہالت کا ثبوت دیتا ہے میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا ہے کہ وہ اہلِ طریقت پر ایسی تہمت لگا کر منکر ہوگیا ہے۔ اور ایک گروہ کو ایسا بھی دیکھا ہے جس نے اسے اپنا مذہب بنالیا ہے۔ تمام مشائخ رحمہم اللہ نے اسے آفت جانا ہے یہ اثر حلولیوں نے باقی رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان پر لعنت برسائے تمام اولیاء اللہ صوفیائے کرام اس سے منزہ ہیں واللہ اعلم۔

باب کپڑے پھاڑنا

جاننا چاہیئے کہ کپڑے پھاڑنا صوفیائے کرام کے درمیان مشہور عادت ہے اور بڑے بڑے اجتماع میں جس میں اکابر مشائخ موجود ہوتے صوفیوں نے کپڑے پھاڑے ہیں۔ میں نے علماء کے ایک گروہ کو دیکھا ہے جو اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ درست کپڑے کو پھاڑنا ناجائز ہے اور یہ فساد ہے۔ اور یہ محال ہے کہ کسی فساد سے جس سے ان کی مراد صلاح ہو درست ہو۔ تمام لوگ درست کپڑے کو پھاڑتے اور کاٹتے ہیں پھر اسے سیتے ہیں مثلاً آستین، تنہ، دامن، جیب وغیرہ ہر ایک کو جدا جدا کرتے پھر درست کرتے رہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ کوئی کپڑے کے سو ٹکڑے کرے پھر انھیں سیئے اور کوئی پانچ ٹکڑے کرے اور انھیں سیئے۔ باوجودیکہ ہر وہ ٹکڑا جو پھاڑا گیا ہے اسے سی دیا جاتا ہے۔ اس سے ایک مومن کے دل کی راحت ہے اور اس سے جو گدڑی تیار ہوتی ہے وہ ان کی ضرورت کو پورا کرتی ہے اگرچہ طریقت میں کپڑا پھاڑنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔ البتہ سماع میں اسے درستگی کی حالت میں پھاڑنا نہ چاہیئے کیونکہ یہ اسراف کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ لیکن اگر سننے والے پر ایسا غلبہ طاری ہو جائے جس سے خطاب اٹھ جائے تو وہ بےخبر اور معذور ہے۔ جب کسی کا یہ

حال ہوجائے اگر کوئی جماعت اس کی موافقت میں کپڑے پھاڑے تو جائز ہے۔ اہل طریقت کے کپڑے پھاڑنے کے سلسلہ میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ ہے جو درویش خود اپنے کپڑے پھاڑے یہ غلبہ کے حکم میں سماع کی حالت میں ہوتا ہے، دوسرے وہ ہے کہ جماعت اور اصحاب مرشد و معتقد کے حکم سے کپڑے کو پھاڑتے ہیں کوئی استغفار و توبہ کی حالت میں کسی جرم کے سبب کپڑے پھاڑتا ہے اور کوئی وجد و سکر کی حالت میں کپڑے پھاڑتا ہے۔ ان سب میں مشکل ترین وہ کپڑے پھاڑنا ہے جو سماع میں کرتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہیں ایک مجروح یعنے زخمی، دوسرے درست۔ مجروح کی دو شرطیں ہیں یا کپڑے کو سی دیں پھر جماعت اسے ویدے۔ سی اور درویش کو دیدیں یا تبرک کے طور پر پھاڑ کر تقسیم کر دیں لیکن جب درست ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ کپڑا پھاڑنے اور پھینکدینے سے سننے والے درویش کی کیا مراد ہے۔ اگر مراد قوال کو دینا ہے تو اسے دے دیا جائے اور اگر مراد جماعت کو دینا ہے تو انھیں دے دیا جائے۔ اور اگر کوئی مراد نہ ہو یونہی ڈال دیا تو مرشد کے حکم مطابق عمل کیا جائے جیسا مرشد حکم دے اگر جماعت کو دینے کا حکم دے تو پھاڑ کر تقسیم کر دیں یا کسی ایک درویش کو دینے کا حکم دیں تو اسے دے دیں یا قوال کو دے دیں لیکن اگر قوال کو دینا ہو تو درویش یا اصحاب کے مراد کی موافقت شرط نہیں ہے اور جب اتفاق ہو تو پھر درویش کا کپڑا قوال کو نہ دیں کیونکہ یہ نااہل کو دینا ہوتا ہے اور وہ کپڑا درویش نے یا تو حالت اختیار میں دیا ہوگا یا حالت اضطرار میں۔ اور دوسرے کو اس میں کچھ موافقت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر جماعت کے ارادے پر کپڑا جدا ہوا ہے یا ان کی مراد کے بغیر تو اس مراد کی موافقت شرط ہے۔ اور جب جماعت کپڑا پھینکنے میں متفق ہو تو مرشد کو لازم نہیں کہ وہ درویشوں کے کپڑے قوال کو دے لیکن یہ جائز ہے کہ کوئی محب ان کی طرف سے کوئی چیز قوال پر قربان کرے اور ان کے کپڑے درویشوں کو لوٹا دے یا پھاڑ کر سب کو تقسیم کر دے۔ اور اگر کپڑا مغلوبی کی حالت میں گر پڑا ہے اس میں مشائخ اختلاف کرتے ہیں اکثر یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی موافقت میں قوال کا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قتل قتیلا فلہ سلبہ (جس نے مقتول کو مارا مقتول کا سامان اسی کا ہے) اگر قوال کو نہ دیں تو طریقت کے حکم سے باہر نکلتا ہے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے اور یہ میرا بھی پسندیدہ ہے کہ بعض فقہاء کا مذہب ہے کہ مقتول کا سامان بادشاہ کی اجازت کے بغیر قاتل کو نہ دیا جائے۔ ایسے ہی طریقت میں بھی مرشد کے حکم کے بغیر وہ کپڑے قوال کو نہ دیں اگر مرشد چاہے کہ قوال کو نہ دیا جائے کسی اور کو دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

باب آداب سماع

جاننا چاہیئے کہ آداب سماع کی شرط یہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو نہ کرے اور اسے اپنی عادت نہ بنائے کبھی کبھی سماع کرے تا کہ اس کی عظمت دل سے نہ جائے۔ اور لازم ہے کہ جب تم سماع کرو تو کوئی مرشد اس جگہ موجود ہو اور سماع کا مقام عوام سے خالی ہو۔ اور قوال عزت والے ہوں اور دل مشغولیوں سے خالی اور طبیعت لہو و کھیل سے نفرت کرنے والی ہو۔ اور درمیان سے تکلف کو اٹھا دیا جائے اور جب تک سماع کی قوت ظاہر نہ ہو نہ سننے یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں مبالغہ کرو اور جب قوی ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے سے دور کرو اور قوت کے پیروکار رہو جاؤ۔ جیسا کہ اقتضا ہو ویسا کرو۔ اگر ہلائے تو ہلو اور اگر ساکن رکھے تو ساکن رہو۔ طبعی قوت اور وجد کی حرارت و سوزش کے درمیان فرق کرو۔ سننے والے پر لازم ہے کہ اس میں اتنی قوت دیدار ہو کہ وارد حق کو قبول کر سکے اور اس کا حق ادا کر سکے۔ اور جب وارد حق کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو اسے بتکلف اپنے سے دور نہ کرے۔ جب سننے والے کی طاقت برداشت جاتی رہی تو بتکلف

جذب نہ کرے اور لازم ہے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے مدد کی امید نہ رکھے اور اگر کوئی مدد کرے تو منع بھی نہ کرے۔ اور اس کی مراد اور اس کی نیت کو نہ آزمائے۔ کیونکہ اس میں آزمانے والے کو بہت پریشانی اور بے برکتی ہوتی ہے اور کسی کے سماع میں دخل نہ دے اور اس کا وقت پراگندہ نہ کرے۔ اور اس کے حالات میں تصرف نہ کرے اور لازم ہے کہ اگر قوال اچھا کلام کہے تو اس سے یہ نہ کہو کہ تم نے اچھا کلام پڑھا۔ اور اگر ناخوش کہے تو بُرا بھی نہ کہو یا وہ ایسا ناموزوں شعر کہے جس سے طبیعت کو ناگواری ہو تو یہ نہ کہو کہ اچھا کہو اور دل میں اس سے غصہ نہ کرے اسے درمیان میں نہ دیکھے سب اللہ حق کرے۔ اور درست ہو کر سُنے۔ اگر کسی گروہ کو حالت سماع میں دیکھو اور اسے اس سے فائدہ نہ ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے صحو کے سبب ان کے سکر کا انکار کرو۔ لازم ہے کہ اپنے وقت کے ساتھ آرام سے رہو اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ اور صاحبِ وقت کی عزت کرو تاکہ اس کی برکتیں اسے بھی پہنچیں ٭

مَیں یعنے علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) اسے زیادہ محبوب رکھتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع میں نہ چھوڑیں تاکہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو کیونکہ اس میں بڑے خطرے اور بڑی آفتیں ہیں۔ اس لئے کہ چھوٹوں اور بلند مقاموں سے عورتیں ان کو سماع کی حالت میں دیکھتی رہیں۔ اور اس سبب سے سُننے والوں کو شدید حجابات کا واسطہ پڑتا ہے ٭

اور لازم ہے کہ نوخیز لڑکوں کو بھی درمیان میں نہ بٹھائیں۔ اور ایسا نہ ہونے دیں ٭

اس کے بعد ان جاہل صوفیوں سے جنہوں نے ان باتوں کو اپنا مذہب بنالیا ہے اور صداقت کو درمیان سے نکال دیا ہے مَیں خدا سے استغفار کرتا ہوں کیونکہ اس قسم کی آفتیں ہم جنسوں سے مجھ پر گزر چکی ہیں۔ اور حق تعالیٰ سے توفیق و مدد مانگتا ہوں تاکہ میرا ظاہر و باطن آفتوں سے محفوظ رہے اور مَیں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے وصیت کرتا ہوں کہ اس کتاب کے احکام کے حقوق کی رعایت رکھیں وباللہ التوفیق ٭

والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہٖ محمد وّ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا

تمّت

والحمد للہ علےٰ احسانہٖ والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہٖ سیّدنا محمد وّ اٰلہٖ واصحابہٖ کہ ترجمہ کتاب مستطاب کشف المحجوب از تالیفات زبدۃ العارفین مقتدائے کاملین رہنمائے دین متین سید السالکین سند المحققین سیدنا وملجانا ومقتدانا حضرت الشیخ سید علی الہجویری الجلابی المعروف بہ داتا گنج بخش ادام اللہ تعالیٰ برکاتہ وفیوضاتہ الی یوم الدین۔ آج بتاریخ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۹۶۴ء بروز دوشنبہ صبح ساڑھے سات بجے اختتام پذیر ہُوا۔ اور ترجمہ کا نام الطریق المحبوب ترجمہ کشف المحجوب رکھا مولیٰ تعالیٰ مترجم اور طابع، ناشر و لمن سعیٰ الیہ۔ قاری وسامع کے لئے توشۂ آخرت بنائے آمین آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ٭

العاجز الفقیر غلام معین الدین النعیمی القادری غفرلہ رب العٰلمین و متعناہ بمزید الصدق والیقین

نمیقۂ بندۂ گنہگار امیدوار بہ رحمت کردگار حکیم عبدالجبار مست گوندلانوالہ (گوجرانوالہ) ۱۳۸۳ھ

[illegible]